لمعات خواجہ رح

مؤلفین

معین الدین احمد چشتی قادری

شمس الحسن شمسؔ بریلوی

اِنتساب

جناب محمدؐ علی منیار (مرحوم) کے نام جن کی زندگی کا ہر لمحہ حضرت خواجہ بزرگؒ کی عقیدت و محبت میں گزرا، جن کی والہانہ عقیدت کتاب ہٰذا کی اشاعت کا سبب بنی۔

اعتراف

مؤلفین، جناب محمدؐ حنیف منیار صاحب فرزندارجمند جناب موصوف مرحوم کے پُرعقیدت تعاون کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر قدم پر ہماری مدد فرمائی۔

دُعا

مؤلفین دست بدعا ہیں کہ محمدؐ حنیف صاحب کی اس مساعی جمیلہ کو رب العزّت قبول فرمائے اور اُن کے والد مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔
آمین

مؤلفین

طبع اوّل ________ ایک ہزار

نام کتاب ________ لمعات خواجہؒ

مطبوعہ ________ ملت پرنٹنگ پریس کراچی

قیمت ________ ۳۵ روپے

سن طباعت ________ رجب ۱۳۹۸ھ (جون ۱۹۷۸ء)

یکے از مطبوعات

معین الادب

'بی' ۱۷ گلبرگ، بلاک ۱۲، فیڈرل "بی" ایریا۔ کراچی ۳۸

تہدیہ

لمعات خواجہ غریب نوازؒ کی ترتیب و تالیف

کا اصل محرک ان حقائق کا بیان ہے جو اس امر کے مظہر ہیں کہ ہمارے خواجۂ گرامیؒ کا انسانیت پر عموماً اور ساکنانِ برصغیر پاک و ہند پر خصوصاً کس قدر احسان ہے اس احسان عظیم کا اقرار و اعتراف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم ان اوراق کو حضور خواجہؒ میں ہدیۂ نذر و عقیدت بنا کر پیش کریں۔ امید کہ ہم بے مایہ اور تہی دامنوں کی اس نذر کو حضور والا میں شرفِ قبول حاصل ہوگا۔

؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

گدایانِ کوئے خواجہؒ:-
[illegible] بن احمد چشتی قادری اجمیری و شمس بریلوی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

سخن ہائے گفتنی

اے چراغ چشتیاں را نورِ عرفانی توئی
اے معین الدین حسنؒ مراۃِ ایمانی توئی

آغازِ کلام کی زیبائش اس خالق بے ہمتا کی نیائش وستائش ہے جس نے عقل انسانی کو حکمت کے اسرار کا امین بنایا اور اس برگزیدۂ دوجہاں رسول آخرالزماں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کلام کی زیبائش کا پیرایہ اور سرمایہ ہے جن کی ذات گرامی کونین کی علت غائی ہے ؎

زہے عزت کہ بے نعت تو لوحِ معصیت گردد
ہر آں نامہ کہ بسم اللہ بود تذہیب عنوانش (خاقانی)

وہ سرورِ ذیشان (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے علم وحکمت کے خزانے امت پر بے دریغ لٹائے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کی تجلیات سے مومنین کے سینے یوں مجلّے ومنور فرمائے کہ جب دامن تربیت اور مشکوٰۃ نبوت سے اکتساب فیض کرنے والے حضرات صحابہ نے آپ کی خلافت ونیابت کی مسند پر قدم رکھا تو دنیا ان کے کمالاتِ انسانی اور اوصاف روحانی کو دیکھ کر حیران رہ گئی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

گلستانِ نبوت کے وہ پھول جن کی شمیم جاں پرور نے اپنی نکہت بیزیوں سے دماغ عالم کو معطر فرمایا، فضائل اخلاق اور کمالات انسانی کی مجسم تصویر بن کر صبر واستقامت کے وہ پائیدار نقوش تاریخ عالم پر ثبت فرما گئے کہ دنیا اپنی آخری سانسوں تک اہل بیت نبوی کے ان کارناموں کو نہ بھول سکے گی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

تاریخ اسلام کے اوراق شاہد ہیں کہ ہجرت کا ابتدائی زمانہ مہاجرین پر کس قدر سخت گذرا۔ اصحاب صفّہ انہی مہاجرین کی ایک ایسی جماعت تھی جو باوجود کمال بے سروسامانی اپنی متاع دین وایمان کو سینے

سے لگائے شریعت کے کمالات سے آراستہ ہو رہی تھی اور ان میں سے چند مقربین نبوت ایسے تھے جو حکمت کے انوار سے روحانی کمالات کے مراحل طے کر رہے تھے۔

اِن پاکیزہ نفوس اور برگزیدہ ہستیوں نے قرن اولیٰ ہی میں ذکر روحانی کو غذا ٹھہرایا اور صرف عشق الٰہی و محبت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا، ایک طرف تو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام جاری تھا دوسری طرف یہ حضرات محبت کی چاشنی سے دلوں کو گرما رہے تھے۔ پہلی صدی ہجری کا ربع اول جن انسانی شرافتوں سے آراستہ و پیراستہ رہا اور ذکر الٰہی جس طرح انفاس قدسیہ کا سرمایۂ زندگی بنا رہا تاریخ اس کی گواہ ہے۔ خلافت صدیقؓ اور فاروقیؓ کا دور اس کا شاہد ہے لیکن اس کے بعد بہت جلد ان کمالات انسانی اور تجلیات ایمانی پر ہوس و حرص جاہ نے اپنا قبضہ جمانا شروع کیا، مصلحت اندیشی اور مصلحت کوشی کا آغاز ہوا، مکر و فریب نے چھپ چھپ کر اپنے لئے راستے نکالے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جنگ صفین و جنگ جمل ذرا غور کیجئے، کس کے کردار کی آئینہ داری کر رہے ہیں؟

اس صدی کے ربع سوم میں شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عظیم واقعہ کیا اسلامی تاریخ کے دامن پر بدنما داغ نہیں؟ اور پھر اس کے بعد امارت و سیاست کی جو بساط بچھائی گئی اور جو شاطر آئے چالیں ملک گیری کے لئے چلی گئیں اور اس کے نتیجہ میں خون مسلم کی جو ارزانی ہوئی اس کا ذکر کرتے ہوئے قلم شرماتا ہے، کربلا کا خونیں میدان، مختار ثقفی کی یورش، شام و عراق کی آویزشیں اخلاقی زندگی کے لئے موت کا پیغام لے کر آئیں۔ اور ان فتنہ سامانیوں نے بہت جلد ان اسلامی اعلیٰ اقدار کو موت کی نیند سلا دیا جو مسلمانوں کی سربلندی کا سرمایہ بنے ہوئے تھے۔ مسجدیں جو عبادت الٰہی کے لئے مخصوص تھیں سیاسی سازشوں کا اکھاڑہ بن گئیں، امویوں اور عباسیوں کی فکر جہانگیری نے دلوں کو خشیت الٰہی سے ہٹا کر اقتدار کی تگ و دَو کے دام میں جکڑ لیا اور پھر جو جہانگیری اور ملک گیری کا طوفان اٹھا ہے تو خدا کی پناہ! عراق و ایران کی سرزمین جن فتنہ سامانیوں کا مرکز بنی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

باطنیوں اور مزدکیوں نے جو فتنے اٹھائے ان سے کون واقف نہیں، کتب خانے جلائے گئے، مسجدیں ویران کی گئیں، اسلامی ثقافت پامال ہی نہیں بلکہ نابود ہو کر رہ گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں سیاست اور شریعت نے اپنے مابین ایک حد فاصل قائم کر لی تھی یا قائم کرا دی گئی تھی اس لئے کہ اسلامی سیاست کی قیود کا بارگراں جاہ پرستوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا اب ان کی آویزشیں اور جدل جو کچھ بھی تھا وہ خالص سیاسی اور ملک گیری کے لئے تھا، اموی،

عباسی، سلجوقی، فاطمی اور غزنوی، خاندانوں کی ہوس جہانگیری اور آویزشوں کا حال تاریخ سے پوشیدہ نہیں، ہر چند کہ ان کی علمی، اخلاقی اور مذہبی خدمات کو بھی سراہے بغیر چارہ نہیں لیکن اصل یہ ہے کہ انکی تمامتر مساعی ملک گیری کے لئے تھیں نہ کہ تجدید و احیار شریعت کے لئے، علمائے کرام کی گردنوں میں ملوکیت کے پھندے ایسے زبردست پڑے تھے کہ محقق طوسی ہلاکو خاندان کا نمک پروردہ تھا اور اس کے دربار کا واحد مسلم شخص تھا، یہ وہی ذات شریف ہیں جن کے اشائے پر خاندان عباسیہ کا چراغ گل ہوا اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

اندلس کے چند اموی سلاطین آپ کو ایسے ملیں گے جیسے "الناصر" جس کی زندگی شریعت کا ایک سراپا اور خلق محمدی کا ایک نمونہ تھی عمر بن عبدالعزیز کا نام نامی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ انھوں نے اپنے ۲½ سالہ دور خلافت میں خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی اور تاریخ پر یہ الفاظ ثبت کردیئے کہ اسلامی خلافت کن اقدار کی حامل ہوتی ہے اور ایک خلیفہ کس طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ ان چند حضرات ملوک کے علاوہ اموی، عباسی، سلجوقی تاجداروں اور فاطمی سلاطین نے اپنے عہد میں وہی کچھ کیا جو ملوکیت کے پرستار سے توقع ہوسکتی تھی۔ یوں علوم و فنون اسلامی کو ہر دور میں فروغ حاصل ہوتا رہا، دور عباسیہ اور سلجوقیہ کو ہم اسلامی علوم کا دور عروج کہہ سکتے ہیں لیکن احیاء اسلام و شریعت کی جانب نہ ان سلاطین کی توجہ تھی اور نہ ملک گیری کے تصادم سے ان کو اتنا موقع مل سکا، تن آسانی اور عشرت پرستی نے فروغ اسلام کی راہوں پر جو رکاوٹیں کھڑی کردی تھیں وہ علمائے وقت کی ابن الوقتی کی بدولت ملت اسلامیہ کی راہ سے نہ ہٹ سکیں۔ یونانی فلسفہ و حکمت کی ترویج و اشاعت نے ایک طرف علمی و ادبی تصنیفات سے عربی ادب کو مالامال کیا لیکن مذہبی حیثیت سے اس کے جو لرزہ براندام اور خطرناک نتائج برآمد ہوئے اس کی ایک معمولی سی مثال مسئلہ خلق قرآن ہے عقلی موشگافیوں اور علم الکلام کی چیرہ دستیوں نے التموت کی پہاڑیوں میں حسن بن صباح سے جنت کی بنیاد رکھوادی، عقل کے اندھوں نے اس کی تقلید میں جان نثاری کی جو مثال قائم کی وہ قرنوں تک آپ اپنی مثال بنی رہی لیکن اس.... سے ملت اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا وہ ناقابل تلافی تھا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی جیسا باسطوت سلطان اس آہنی دیوار سے ٹکرا کر رہ گیا۔

مسجد میں اذانیں ہوتی تھیں روزے رکھے جاتے تھے، قاضی عدالتیں کرتے اور ان کے فیصلوں ہی سے مجرموں کو کیفر کردار پر پہنچایا جاتا لیکن یہی سب کچھ اسلام تو نہیں، اسلام کی روح مردہ ہوتی چلی جارہی تھی، اسلام نے فضائل اخلاق کا جو درس دیا تھا وہ ایک بھولا سبق بن چکا تھا۔ اسلام

ں روحانی اصلاح کا علمبردار بن کر نمودار ہوا تھا اور اس نے تدبیر منزل و حسن معاشرت کے جو سبق
ئے تھے ان پر نہ کوئی عامل تھا اور نہ کسی کو عمل کی فرصت تھی، اور بے عملی و جمود کا شکار صرف
ام و خواص ہی نہیں تھے بلکہ علمار کا عظیم المرتبت طبقہ بھی اسی رَو میں بہہ رہا تھا۔ صرف چند ایسے نفوس
سیہ موجود تھے جو احکام الٰہی اور فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل پیرا ہونے کے لئے جنگلوں
رو یرانوں میں خشت و گل کے ویران گوشوں میں جس کو خانقاہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا، بیٹھے ہوئے اس
ں فریضہ کی ادائیگی میں منہمک تھے۔

اگر یہ نفوس قدسیہ اس وقت شریعت و اسلام کی قدروں کو اس طرح عزیز از جان نہ سمجھتے اور
سلامی اقدار کو حرز جان نہ بناتے تو خدا جانے ہم کس عالم میں پہنچ جاتے۔ اولیں چار صدیوں میں ایران
ن، شام اور حجاز کی سرزمین کے گوشے گوشے کو ان مقدس اور پاک نفوس نے منور اور روشن کیا، اور تجدید
یت کا ایک سلسلہ طریقت کے نام سے اس طرح جاری کیا کہ ایک عارف کامل اپنے بعد چند ایسی ہستیوں
موز عرفاں کی اشاعت کے لئے مقرر کر جاتا جو ہر طرح سے اس کے اہل ہوتے، یہ حضرات اس ہستی سے
ایسے استوار عہد سے وابستہ ہوتے کہ اس کا توڑنا یا اس کی اطاعت کا پھندا اپنی گردن سے نکالنا دونوں
میں تباہی اور رسوائی کا موجب قرار پاتا تھا اسی کا اصطلاحی نام بیعت ہے۔ بیعت کے حلقے میں تو ہزاروں
ں شامل ہوتے تھے لیکن خلافت صرف چند افراد تک محدود ہوتی تھی یعنی صاحب حال اور قابل افراد کو اس
عیت میں سے چن کر ان گوشوں کی رہنمائی کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا جہاں ضلالت و گمراہی عام ہوتی۔

ہندوستان کی سرزمین بھی (جو مجاہد اعظم محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور غازی دیں سلطان محمود غزنوی
ششوں سے کفر کی اجتماعی قوت کا منشار اور منبع تو نہیں رہی تھی لیکن اشاعت دین کو ہمہ گیر فروغ حاصل
سکا جس کا باعث نقل و حمل کی دشواریاں اور کچھ فعال شخصیتوں کی سہل انگاری تھی) ان پاک نفوس
لوہ سامانیوں سے آخر کار جگمگا ہی اُٹھی۔ پانچویں صدی ہجری میں حضرت داتا گنج بخش (عثمان بن جلابی)
فرمائے لاہور ہوئے اور اپنے نفوس قدسی سے اس سرزمین کو شمیم روحانیت سے معطر فرمایا لیکن
ی تبلیغی مساعی کا دائرہ مضافات لاہور سے آگے نہ بڑھ سکا۔

وسطی ہندوستان کی حالت اس برصغیر میں سب سے زیادہ خراب تھی، اسلام کی کوئی
بھی نہیں پہنچی تھی، یہاں سے ظلمت کو مٹانے اور شمع ہدایت کو روشن کرنے کا اہم کام حضرت خواجہ
رگان سلطان الہند غریب نواز کے سپرد ہوا، آپ نے اس ظلمت کدہ اور سرزمین کفر بداماں میں جس طرح
ل نور روشن کی اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں پیش کی جائے گی۔ پیش نظر کتاب آپ ہی کے

حالات پُر کمالات کے آئینہ دار ہیں۔

یوں تو غریب نوازؒ کے حالات قدسی پر اکثر کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن رطب و یابس سے خالی نہیں دوسرے درایت کے مقابلہ میں روایت کا سہارا زیادہ لیا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں جو کاوش کی ہے اس کا اندازہ آپ کو اس طرح ہو جائے گا کہ ہمارے ماخذ ارباب تصوف پر لکھی جانے والی قدیم ترین کتابیں ہیں یا بزرگانِ چشت کے ملفوظات ہیں جن میں سے چند مذکور ہیں افسوس کہ ہمارے سامنے اس سلسلہ میں مخطوطات نہیں کہ یہاں مخطوطات کا حصول ایک امر محال ہے اس لئے قدیم کتب جیسے انیس الارواح (فارسی) دلیل العارفین (فارسی) فوائد السالکین (فارسی) راحت القلوب۔ سیر الاولیاء۔ فوائد الفواد (حسن سجزیؒ) مفتاح العاشقین۔ نفحات الانس (جامیؒ) تذکرہ اولیاؒ (حضرت عطارؒ) اخبار الاخیار (فارسی) مونس الارواح۔ سیر الاقطاب۔ اسرار الواصلین۔ اخبار الصالحین۔ سیر العارفین جواہر فریدی۔ مشائخ چشت۔ احسن السیر۔ خزینۃ الاصفیا۔ مسالک السالکین۔ مراۃ الاسرار، ہمارے پیش نظر رہی ہیں، اس کے علاوہ انگریزی، فارسی اور عربی زبان کی مستند کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے جن کا ذکر ختم کتاب پر کیا جائے گا۔

اس تالیف میں ہم نے صرف سوانح نگاری ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وقت کی ایک اہم آواز کا جواب بھی پیش کیا ہے یعنی صوفیائے کرام کو ہندوستان آنے کی کیا ضرورت تھی اور ان کی تشریف آوری سے کون سے نتائج اور عظیم فوائد برآمد ہوئے، اس سلسلہ میں آپ "صوفیائے کرام کا ہندو ثقافت پر اثر" جیسے گرانمایہ مضمون کو بھی ملاحظہ فرمائیں گے، اس موضوع پر سب سے پہلے قلم اٹھایا جارہا ہے، امید کہ اس موضوع کی ضرورت اور ہمہ گیری اور فلسفیانہ انداز وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کریگا اور منکرین تصوف کو یہ باور کرادے گا کہ اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام کا کس قدر عظیم حصہ ہے اور ملت اسلامیہ اُن کی کس قدر ممنون ہے، اگر ان کے قدم اس سرزمین میں نہ آئے ہوتے تو آج ہندو تاریخ کا کچھ اور ہی رُخ ہوتا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی تصنیفات چونکہ عام طور پر نہیں ملتیں اس لئے آپ کے ارشادات گرامی سے فیض یابی ایک امر دشوار سی بن گئی ہے اس لئے آپ کی تعلیمات بشکل اختصار پیش کی جارہی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں آپ کا فارسی کلام عام طور سے مل جاتا ہے لیکن ایک تو عوام فارسی زبان سے ناآشنا ہونے کے باعث اس سے بصیرت حاصل کرنے سے محروم رہتے تھے اور ان اسرار و رموز معرفت تک پہنچ مشکل ہو جاتی تھی جو آپ کے واردات قلبی کے آئینہ دار بشکل اشعار موجود ہیں، چنانچہ آپ کا دیوان

مع ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، اور اس التزام کے ساتھ کہ فارسی غزل کے مقابلہ میں اردو ترجمہ موجود ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک انکشاف بہت ضروری ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگوں نے آپ کے کلام معرفت نظام کو متنازعہ مسئلہ بنا دیا اور بغیر تحقیق و تجسس یہ کہہ دیا کہ یہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا کلام نہیں بلکہ کسی اور شاعر کا ہے، ہم نے اپنی اس تصنیف میں اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا یعنی ایک تحقیقی مقالہ کی شکل میں داخلی اور خارجی ہر ہر پہلو سے اس کلام کو کسوٹی پر کسا ہے، اور الحمدللہ کہ دلائل نے اس نتیجہ پر پہنچا دیا کہ یہ کلام معرفت نظام صرف خواجہ غریب نوازؒ ہی کا کلام ہے یہ صفحات ناقدانہ بحث کے ہر پہلو کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ تحقیق کی جہاں تک رسائی ہو سکی ہم وہاں تک پہنچے ہیں اور الحمدللہ کہ تائید الٰہی اور لطف خواجہؒ کی رہنمائی کی بدولت ایسے اسباب تک رسائی ہو گئی جن کی موجودگی میں خواجہ غریب نوازؒ کے کلام سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ہم نے یہ سلسلہ ۱۹۶۲ء میں شروع کیا تھا لیکن کتب مطلوبہ کی نایابی اور ان کی دیریابی کے باعث یہ کام مدتوں تک انجام پذیر نہ ہو سکا، خدا کا شکر ہے کہ اب ہم حضرت خواجہ غریب نواز کی جامع و مکمل سوانح حیات جو صرف سوانح حیات ہی نہیں بلکہ اسلام کے ایک مؤثر اور ہمہ گیر پہلو "تبلیغ" کی تاریخ بھی ہے مع کلام و ترجمہ کلام آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں، خدا کرے ہماری یہ کوشش مشکور ہو اور بارگاہ خواجہ میں اس کو قبول حاصل ہو کہ یہی ہماری مساعی کا حقیقی صلہ ہوگا۔

وما توفیقنا الّا باللہ

مؤلفین

معین الدین احمد و مولوی شمس الحسن شمس بریلوی

ہندو مذہب

پر

صوفیائے کرام کا اثر

کسی ملک یا قوم کی ثقافت اور تہذیب کو تفصیلاً پیش کرنا ایک زبردست مشکل مرحلہ ہے، قوم کا مزاج، اس کی قدیم تاریخ، اس کے تغیرات اور ان تغیرات کے اثرات جو کچھ اس قوم پر مرتب ہوئے یہ سب کچھ ثقافت کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ان اوراق میں ہندو ثقافت پر تصوف کے اثرات کی آفاقی اور ہمہ گیرانہ گرفت کو تاریخی شہادتوں کے ساتھ پیش کرنا ہے اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ ہند قدیم اور اس کے باسیوں کی تاریخ کو اس وقت سے پیش کیا جائے جہاں تک وہ تاریخ کے حافظے میں محفوظ ہے اور ان مذاہب عالم کی اس تاریخ کو بقید تسلسل بیان کیا جائے جس پر اعتماد و یقین کے وجوہ موجود ہوں۔

عقیدے اور مذہب کا تصور ثقافتی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جس کو تاریخ ثقافت میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا آج سے ہزاروں برس پہلے انسان جب غاروں میں زندگی گذارتا تھا اور اس نے پتھر کے زمانہ میں (جسکو دور حجری بھی کہتے ہیں) اپنا قدم رکھا تھا اُس وقت سے لے کر اس وقت تک کوئی خطہ ارض اس تصور سے خالی نہیں رہا آج کی متمدن دنیا میں جبکہ بعض ملکوں کی حالت ایسی ہے کہ لوگ وہاں مذہب کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں وہاں بھی تو مذہب موجود ہے مذہب سے یہ بیزاری بھی ایک ایسا عقیدہ ہے جو اس قوم کے تمام افراد میں مشترک ہے اس لئے ہم اس کو بھی مذہب ہی کے نام سے تعبیر کریں گے بالفاظ دگر لامذہبیت بھی تو ایک مذہب ہے، ہر دور کی اس تاریخ میں جو براعظموں پر پھیلی ہوئی ہے آپ کو ایک ایسا مشترک خیال موجود ملے گا جو کائینات، احوال کائینات، تخلیق عالم، اربعہ عناصر کی قوتوں کے بارے میں دریافت کی لگن میں مصروف رہتا ہے، ہر قوم نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق اس سلسلہ میں جو غور و فکر یا نتائج اخذ کرلئے وہ ان کا مذہب بن گیا اور اس قدر مشترک کو جو تمام افراد کے مابین اس سلسلہ میں قائم ہوگئی اس کو عقیدے کا نام دیا گیا۔

علم جیسے جیسے بڑھتا گیا آئینۂ فکر پر جیسے جیسے جلا آتی گئی مذہب اور عقیدے کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ مذاہبِ عالم علمی دنیا کا ایک مستقل موضوع بن گیا! بابل اور نینوا اور مصر کی قدیم تہذیبیں

فکر انسان کا عہد کمال نہ سہی عہد عروج تو ضرور کہی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج کا مصر فراعنہ کی نسل کی یادگار ہونے پر نازاں ہے، یہ ترقی یافتہ قومیں بھی اس تصور مذہب سے خالی نہ تھیں، ان کی تفصیل آگے آئے گی، اسی زمانہ میں سرزمین عراق و شام بھی مذہب کے سلسلہ میں کسی نہ کسی خیال کو اپنائے ہوئے تھے۔ روما اور یونان بھی مذہب کے دعویدار تھے، سامی قوموں میں مذہب اور عقیدہ رچا بسا تھا۔ یونان اور روما کی دیومالا مائیتھالوجی، علم الاصنام تاریخ کی جانی پہچانی چیز ہے۔ اس برصغیر میں موہنجدارو اور ہڑپا کی تہذیب اور ان کی ثقافت کے اوراق پارینہ کو زمین سے کھود کھود کر نکالا گیا اور علمی قیاس آرائی نے تاریخ کے سہارے سے ان کے عقیدے اور مذہب کے تانے بانے تیار کر ہی دیئے!!

بھارت اور مہا بھارت آریوں کی آمد سے صدہا برس پہلے اس عقیدت کو اپنائے ہوئے تھے، بکرماجیت گپت اور اشوک کا دور مذہب کی رنگا رنگیوں سے مالامال ہے، جنگ مہابھارت کو ہرچند کہ ویاس کی تصنیف نے زندہ جاوید بنایا لیکن اس جنگ کی تہ میں عقیدہ اور مذہب ہی آپ کو کارفرما نظر آئے گا۔

ایران میں ہم آبادیوں سے ہی پہلے وہاں کی تاریخ شروع ہوتی ہے لیکن بھارت کی طرح عقیدوں کی نشوونما کے لئے یہاں کی سرزمین بھی بڑی بارآور تھی، زرتشتی دور تو اس سلسلہ کی ایک درمیانی کڑی ہے۔

افریقہ کے صحراؤں میں نکل جائیے، سرخ ہندیوں کی سرزمین پر قدم جمائیے، مانا کہ یہ جہالت و نادانی کے ایسے ناپیدا کنار بیابان ہیں کہ علم کی چھاؤں آپ کو بمشکل ہی کہیں نظر آئے گی لیکن مذہب اور عقیدے کی متاع بے بہا ان کی کمانوں کی صلابت اور ان کے تیروں کے سوفاروں کی پناہ میں آپ کو محفوظ نظر آئے گی!

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس آج سے تقریباً ڈھائی ہزار برس پہلے گذرا ہے، بہت کچھ چھان بین اور کوشش کے بعد اقوام عالم کے سلسلہ میں ان کی تہذیب کی کہانیوں کو جس قدر بھی جمع کر سکا وہ اس سلسلہ کی قدیم ترین شہادت ہے لیکن علم احفار یا آثار قدیمہ (آرکیالوجی) نے جو موجودہ تہذیب کا شاندار علمی کارنامہ ہے، ہمارے سامنے زبان حال سے جو شہادتیں پیش کیں وہ یونانی مورخ سے بہت پہلے کی عمرانی زندگی سے ہم کو واقف بناتی ہیں اور اس کے ذریعہ ہی ہم اس قابل ہوئے کہ موجودہ عہد سے چار پانچ ہزار برس پہلے کی ثقافت اور عمرانیت پر قلم اٹھا سکیں، آثار قدیمہ ہی نے ہم کو مصر، بابل، اشوریہ، کلدانی اور فنیقی تہذیب سے روشناس کرایا البتہ یونانی تہذیب یونانی فیلسوفوں کی بدولت روشناس ہوئی، ارسطو، افلاطون دیمقراطیس اور سقراط قدیم تہذیب کے دوسرے دور سے متعلق ہیں، یونانی تہذیب اور ثقافت کا عروج ان فلسفیوں کا رہین منت ہے علمی دنیا میں بحیثیت ایک مصنف قدم رکھنے کا فخر یونانی ہی کو حاصل ہوا اور افلاطون کی کتاب اول "ریاست" (آسمانی صحیفوں سے قطع نظر) دنیائے تمدن کی پہلی تصنیف ہے۔

قدیم مصر، کلدانی اور اشوری اقوام کی تہذیب اور ثقافت کا وجود ان کی مجسمہ سازی اور سنگ تراشی کی مہارت مرہون منت ابو الہول اور فراعنہ مصر کے مقبروں (اہرام) کے سینوں میں ان کی ثقافت و تہذیب کے

جوراز دفن تھے وہ حفریات کے عالموں نے جدید دنیا پر منکشف کئے۔ سرزمین ہند میں، ویدک دور ہندو تہذیب کا تاریخی دور ہے، ویدوں کی تصنیف کے صحیح زمانے کا تعین تو بقید سن و تاریخ دشوار ہے البتہ ان کی قدامت ضرور متعین ہے اور ویدک تہذیب و ثقافت کا سراغ اسی سے ملتا ہے، اس کے بعد کتاب مہابھارت (مصنفہ ویاس) جو ہندوستان کی پہلی رزمیہ داستان ہے، اس ثقافتی تاریخ کی ایک کڑی ہے اور قدیم ہندی ثقافت و تہذیب کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔

فردوسی نے شاہنامہ، کے ذریعہ ایران کی قدیم تاریخ کو زندہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ موبدوں کی زبانی حوالوں سے زیادہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکا گویا شاہنامے کے ذریعہ وہ پہلوی دور سے قبل کسی ثقافت و تہذیب کا سراغ نہ لگا سکا اس اعتبار سے فردوسی ڈھائی ہزار سال سے زیادہ قدیم روایت گوئی میں ناکام رہا ہر چند کہ اس کے پیش نظر خدائے نامک اور کارنامک اردشیر بابکاں جیسی تاریخی دستاویزیں موجود تھیں

ژند اور اوستا کے دور سے پہلے کی ثقافت اور تہذیب ایرانی دستاویزوں اور حوالوں کے ذریعہ بھی کوئی قیمتی تاریخی سرمایہ فراہم نہیں کرتی ! ہم اس جستجو میں صرف ہخامنشی دور تک پہنچ سکتے ہیں۔

ہرمیاس ارمیری نے جو سلاطین ہخامنشی کا ہم عصر ہے اوستا پر اپنی ایک تصنیف میں تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے بعد ہیرڈوٹس نے اپنی تاریخ میں قدیم ترین بادشاہ ماد کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے س سے قدیم ایرانی تاریخ کی جستجو اور اس کی ثقافت کی تلاش میں ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

اوستائی ادب ایرانی ثقافت و تمدن کی ایک مکمل تصویر پیش کرسکتا ہے لیکن اس سے قبل کے میخی اور پیکانی خط میں تحریر کتبے ہخامنشی دور تک ہم کو پہنچا دیتے ہیں لیکن ان کی عمر بھی دو ہزار سال سے زیادہ نہیں ! پہلوی اور اوستائی کتبات ہخامنشی عہد کی ثقافت اور تہذیب کے ترجمان ہیں اور ان کی قدامت کا زمانہ یہیں ختم ہو جاتا ہے۔

سامی تہذیب جس کا دائرہ "ایام العرب" میں سلاطین کندہ۔ آل حیرہ اور غسان سے زیادہ قدیم نہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کی یہ تہذیب کئی حصوں میں منقسم تھی، یمن، نجد، یمامہ اور حضرالموت میں علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم تھیں جس طرح آج بھی ان کی نشانیاں خلیج عرب کے ساحلوں پر شیخ ریاستوں کی شکل میں موجود ہیں۔ آل عدنان اور آل غالب کی مستقل اور پائیدار ثقافت اور تہذیب کی علم بردار نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قبائلی تہذیب اور قبائلی تمدن جزیرہ نمائے عرب کے ریگ زاروں میں منتشر تھا۔

روما کی تہذیب بھی اپنی قدامت کی قدیم کڑیوں کو انقلابات میں گم کر چکی ہے۔ بنی اسرائیل کی تہذیبی داستان توریت میں موجود ہے اور توریت کی قدامت ہم کو تین ہزار سال سے زیادہ پیچھے نہیں لیجا سکتی بہر حال یہ ہیں وہ چند قدیم تہذیبیں جو تاریخ کے حافظے میں کسی نہ کسی طرح موجود ہیں۔

یوں تمام قدیم تہذیبوں میں جو امور قدر مشترک ہیں وہ فنون لطیفہ، سنگ تراشی، بت تراشی،

رقص و موسیقی، شعر و شاعری، تعلیم و مذہب ہیں۔ ثقافت کا دائرہ انہی امور پر محیط ہے۔

ہم آئندہ اوراق میں ان قدیم تہذیبوں کا ایک مختصر جائزہ لیں گے اور ان کی اخلاقی، مذہبی اور ثقافتی زندگی کو پیش کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ اسلام نے کن حالات اور کس فضا میں ظہور کیا اور ہم عصر تہذیبوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

قدیم مذاہب اور انکی تہذیب

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی خواہشات و ضروریات نے معاشرت اور سماجی نظام کی بنا ڈالی مگر افراد کی خودغرضی ایسی تنظیموں کے آڑے آئی اور امن عامہ کو برقرار نہیں رہنے دیا اس طرح سے محض انفرادی اور اجتماعی نفس پرستیوں اور چیرہ دستیوں کی وجہ سے ہمیشہ دنیا امن و سکون سے محروم رہی اور اکثر و بیشتر بنی نوع انسان کو اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑی اور بے گناہ انسانوں کا خون بہتا رہا۔ ان مسائل نے انسانی دماغ کو پراگندہ کر دیا اور مذہب کی ضرورت نبی نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ایک اولین اور شدید ضرورت بن گئی اس ضرورت کو مختلف اقوام نے مختلف ادوار میں گوناگوں طریقوں سے بقدر عقل و ہوش پورا کیا، آفتاب پرستی، شجر پرستی، ستارہ پرستی، بت پرستی، آگ کا پوجنا، برق و باراں کو ایک عظیم قوت خیال کر کے اس کے آگے سر جھکانا قدیم ترین تاریخی ادوار کی خدا پرستی کے خام کارانہ تصوراتی حقائق ہیں لیکن ان سب کی تہ میں ایک مشترکہ جذبہ اور خیال کارفرما ضرور رہا، یعنی خدا پرستی، لیکن ان مذاہب میں یہ تصور الوہیت مبہم غیر واضح اور دھندلا ہے۔ آئندہ اوراق میں آپ اس کی وضاحت سے گذریں گے۔

ثقافت و تہذیب (کلچر) ایسے اخلاق، رسوم و رواج، معتقدات قوانین زندگی، حیات اجتماعی اور افعال اجتماعی کو کہتے ہیں جن کی پابندی فرد یا افراد کے منظم گروہ پر بطیب خاطر یا بزور عاید ہوتی ہیں۔
آئیے اب ہم تاریخ کے اس رخ پر نظر ڈالتے ہیں، جہاں سے تاریخ کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور یہ زمانہ عصر حاضر سے چھ ہزار سال سے زیادہ بعید نہیں

اس شش ہزار سالہ مدت کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس دور کو جو ہم سے قریب ہے عصر جدید کہتے ہیں اور وہ زمانہ جو ہم سے بہت بعید ہے عصر قدیم کے نام سے موسوم ہے۔ عصر جدید ظہور اسلام سے شروع ہوتا ہے جس کو اس وقت چودہ سو سال کے لگ بھگ گذر چکے ہیں۔ ظہور اسلام سے قبل کا زمانہ عہد متوسط ہے یورپ کے بعض مورخین عصر جدید کو ظہور اسلام سے دو سو برس قبل شمار کرتے ہیں یعنی اس وقت سے جب کہ روم کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یورپ کا نقشہ بدل گیا تھا اس اعتبار سے عصر جدید کو تقریباً ایک ہزار پانچ سو سال ہوتے ہیں بہر حال عصر جدید بھی مختلف ادوار پر تقسیم ہے۔

ہم یہاں ان تمام اعصار کی تہذیب سے بحث کریں گے لیکن عصرِ قدیم سے اس کا آغاز ہوگا۔

تہذیب کا آغاز تمام انسان زمانہ قدیم میں ایک ساتھ متمدن نہیں ہوئے وہ پرانی قومیں جنھوں نے دنیا میں اہمیت حاصل کی اور اپنا مقام پیدا کیا، عظیم کارنامے انجام دیئے اور بعد میں اپنا اثر دنیا پر چھوڑ گئیں بہت کم ہیں۔ قدیم اقوام میں مصری، کلدانی، آشوری۔ یہودی، فنیقی، ایرانی، یونانی اور رومی ہی ایسی اقوام ہیں جن کی تہذیب، ماہرین حفریات (آثار قدیمہ) مرتب کر سکے ہیں۔ یہ اقوام تاریخ عالم پر تہذیب، تمدن، علم اور مذہب کے گہرے نقوش چھوڑ گئی ہیں اور جب تہذیب کی تاریخ پر قلم اٹھایا جاتا ہے تو ان سے ہی اس کا آغاز ہوتا ہے۔

مملکت مصر

پانچ ہزار سال ق۔م سے پہلے دریائے نیل کی وادی میں عمرانیات کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ دراصل دریائے نیل کی زرخیز وادی اور اس کی شاخوں کے طاس کا . . . نام ہے۔ دنیا کی تمام قدیم تہذیبیں زیادہ تر دریاؤں کے کنارے ہی پروان چڑھیں جس کا موجب زندگی کی ضرورتوں کی فراہمی میں آسانیاں کہی جاسکتی ہیں۔

مورخین کا یہ خیال ہے کہ مصر کے باشندوں کی بابت قطعیت سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب اور کہاں سے آئے اور ان کی اصل کیا ہے ہاں یہ ضرور محقق ہو چکا ہے کہ سامی، عربی، حبشی، سوڈانی نسل کے لوگ اس خطۂ زمین پر عرصہ دراز سے آتے اور آباد ہوتے رہے تھے اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ مصری تہذیب کا آغاز دس ہزار قبل مسیح ہوا ہے لیکن ماہرین حفریات صرف چار ہزار قبل مسیح تک کھوج لگا سکے ہیں۔ اس سے زیادہ قدیم ادوار کے رخ سے وہ پردہ نہیں اٹھا سکے۔ ۳۵۰۰ء قبل مسیح سے مصر سے تاریکی کا پردہ اُٹھتا ہے[۱] اس وقت مصر میں ایک اعلیٰ تہذیب ترقی کے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جس وقت مصر تہذیب کے آغوش میں پروان چڑھ رہا تھا اس وقت یورپ ابتدائی زندگی سے بھی باہر نہ نکلا تھا تہذیب تو بڑی بات ہے۔

مصری تہذیب کے اجزائے ترکیبی

مذہب مصری تہذیب میں مذہب کو تمام ثقافتی امور میں فوقیت حاصل تھی، ان کی تہذیب کا تانا بانا ہی مذہب تھا، زندگی کا کوئی عمل مذہب کی قید سے آزاد نہ تھا مذہب ہی تمام تہذیبی اور ثقافتی امور میں

---

[۱] ۱۹۶۶ء میں جو حالیہ تحقیقات سیریا میں کی گئی ہیں ان سے اب شامی تہذیب کی قدامت میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ تام میں جو قبرستان برآمد ہوا ہے ماہرین حفریات اس کی عمر چار ہزار برس ق۔م بتاتے ہیں۔

سرفہرست تھا۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا تھا مصر کے مذہبی معتقدات میں کوئی یکسانیت اور تسلسل نہ تھا، متعدد اور بے شمار خداؤں کی پرستش ان کی مذہبی زندگی تھی یہی نہیں بلکہ ہر شہر اور قریہ کا الگ الگ معبود تھا۔ پورے مصر میں دو ہزار دو سو معبودوں کی پرستش ہوتی تھی ان خداؤں میں سب سے بڑا خدا راع عمون یا عمون را (سورج کا دیوتا) تھا جو کچھ مدت بعد تمام مصر کا مرکزی معبود بن گیا تھا۔ سورج دیوتا عمون را میں تند خوئی، غیظ وغضب اور قاہریت کی صفات کو بڑی اہمیت حاصل تھی تمام مصری ان قاہرانہ صفتوں کے سامنے سربسجود تھے اور ان میں انحراف کی طاقت نہ تھی۔ قدیم مصری اپنے دیوتاؤں کو انسان کی طرح موجود سمجھتے تھے مگر قوت، شجاعت، عقل میں انسان سے بالاتر جانتے تھے۔ وہ دیوتاؤں کا ایک خاندان تسلیم کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہمارے یہ معبود ازدواجی زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس خاندان کا سربراہ "عمون را" ہے۔ غالباً وہ تین شخصیتوں (یعنی دیوتا، دیوی اور اس کی اولاد) کو ایک وجود واحد تسلیم کرتے تھے۔ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مصر کے خاص لوگ موحد تھے اور صرف خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے۔ ظاہری طور پر جو شرک نظر آتا ہے یہ عوام کا مذہب تھا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے ان کے یہاں کبھی وحدت الٰہ کا تصور پیدا نہیں ہوا، ان کے معاشرہ کا مزاج ہی اس قسم کا تھا جس میں ایسے تصور کے نشوونما پانے کے امکانات مفقود تھے، قدیم مصر کے فراعنہ میں سے ہر ایک فرعون خدا تھا اور مسجود مخلوق! ان میں سے ہر ایک جس طرح تمام رعیت کے جسموں پر پورا پورا تصرف رکھتا تھا اسی طرح وہ ان کی ارواح پر بھی ان کے خیال کے بموجب اختیار کلی کا حامل تھا، اور اسی کی ہدایت اور رہنمائی کے سہارے وہ مختلف بتوں کی پرستش میں مصروف تھے۔ اس بت پرستی کا منتہائے کمال یہ تھا کہ فرعون حسب منشاء جب چاہتا معبود بن بیٹھتا اور نادان رعیت بلا پس وپیش ان کو خدا سمجھ کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی تھی۔

اہل مصر نے ان دیوتاؤں کو دو حصوں پر منقسم کر رکھا تھا۔ نقصان رساں معبود اور نفع بخش معبود! ایک نوع کے معبودوں کو وہ ان کی جبروت و قہرمانی کے خوف سے اور دوسروں کو ان کی منفعت بخشی کی بنا پر پوجتے تھے۔ قدیم مصریوں نے اپنے دیوتاؤں کی شکل وصورت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں کبھی تو جانور کے جسم کے ساتھ انسان کا سر ہوتا ہے۔ مثلاً ہار ماخیس دیوتا کو جو آفتاب کا مظہر ہے ابوالہول کی شکل میں بنایا ہے (یعنی جسم شیر کا اور سر انسان کا) اور کہیں انسانی جسم کے ساتھ جانور کا سر ہوتا ہے۔ قدیم مصری بعض حیوانات کو بھی پوجتے تھے جن میں شیر، نہنگ، گائے، شغال و کُلنگ وغیرہ شامل ہیں جب شہر طِب مصر کا پایۂ تخت قرار پایا تو اس شہر کا معبود ٹص آمن سب خداؤں سے بالا و برتر مانا گیا۔ کاہن اس کو کامل اور ابدی سمجھتے تھے اور اُس کو قادر مطلق اور خالق کل اشیاء مانتے تھے۔ وہ تمام معبودوں کو آمن کی تخلیق تصور کرتے، کاہن اس کی تعریف میں گاتے اور جب اس کے مجسمے یا تصویریں

بتاتے تو اسے کشتی پر سوار آسمان کی سیر کرتا ہوا دکھاتے اور بزرگوں کی ارواح اس کی کشتیبان ہوتیں
تمام مصریوں کا عقیدہ تھا کہ جس وقت کوئی شخص مرتا ہے۔ تو اس کا جسم تمام و کمال حیات سے محروم نہیں ہو جاتا بلکہ ایک غیر جسمی شے اس جسم میں ایسی بھی موجود رہتی ہے جو فنا سے متاثر نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ باقی رہتی ہے اس کے تقاضائے حیات عام انسان کی طرح باقی رہتے ہیں اسی لئے ان کے لئے اہرام یا دخمے بجائے قبر کے بنائے جاتے اور وہ دخمے یا اہرام ضروریات زندگی کے تمام لوازم سے آراستہ کئے جاتے تاکہ وہ حسب خواہش جب چاہے ان لوازم سے متمتع ہو سکے۔

قدیم مصریوں کے عقیدہ میں روح اپنے بدن کی دوبارہ محتاج ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر جسم کو ضائع ہونے سے محفوظ نہ رکھا جائے گا تو روح آوارہ و پریشان پھرے گی۔ اس لئے میّت کی عمدہ ترین خدمت یہ ہے کہ اس کے کالبد بیجان کو سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا جائے اس ضرورت نے مصر میں حنوط کے فن کو پیدا کیا اور پروان چڑھایا۔ موجودہ عظیم الشان اہراموں کی تعمیر بھی اسی مذہبی عقیدہ پر مبنی ہے۔ اہرام کی تعمیر عوام کے بس کی بات نہ تھی یہ صرف فراعنہ ہی کے لئے مخصوص تھے۔ مصریوں کے عقائد کے مطابق چونکہ بادشاہ (فرعون) زمین پر دیوتاؤں کا مظہر کامل ہوتا ہے اور سورج دیوتا را عمون کا فرزند ہوتا تھا اس لئے فراعنہ مصر مطلق العنان بادشاہ ہوتے تھے۔ اور ان کی یہ مطلق العنانی اکثر و بیشتر دعویٰ خدائی پر منتج ہوتی تھی۔ قدیم اسلامی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دَور میں نمرود اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون ایسے ہی مطلق العنان سلاطین یا فرعون مصر تھے۔

مذہبی سربراہی جس طبقہ کے سپرد تھی ان کو سربلندی تو ضرور حاصل تھی لیکن ان کی حیثیت بہرحال بہ تمام و کمال فرعون سے بہت فروتر تھی۔ یہ مذہبی نظریات ہزاروں سال تک مصریوں کے دل و دماغ پر چھائے رہے یہاں تک کہ ۱۳۷۵ ق م میں جب فرعون عامن جو طب چہارم اخناطون کے نام سے تخت نشین ہوا تو اسنے ان تمام نظریات اور رسوم کو یکسر بدل دیا اور دو ہزار دو سو خداوندوں کی پرستش کے بجائے ایک خدا کی پرستش کا حکم دیا جس کا نام اُس نے عاطون رکھا۔ تمام قدیم معبودوں کے معابد بند کروا دیئے۔ اس نے عاطون کو خداوند آفتاب عامن راع کے برعکس جو غضب کا مظہر تھا، مہر و محبت اور شفقت کا خدا بنایا۔ یہ وہی زمانہ ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نظریہ توحید الٰہی پیش کیا اور آتش نمرود کے سخت اور جان لیوا امتحان سے کامیاب و بامراد عہدہ برآ ہوئے تھے، بہت ممکن ہے کہ آپ کی تبلیغی مساعی سے وحدت الٰہی کی یہ آواز اس دَور میں گونجی ہو۔ لیکن اہل مصر کے اذہان جو ہزاروں دیوتاؤں کی پرستش کے عادی ہو چکے تھے اتنی جلدی اس مذہبی انقلاب کے متحمل نہ ہو سکے۔ وہ سلطنت کے اقتدار پر اس ضرب کاری کو برداشت نہ کر سکے اور ان کو گوارا نہ تھا کہ حصول دولت کے اس آسان ذریعہ کو ہاتھ سے دیدیں چنانچہ بہت جلد اخناطون کے بعد اس کے مذہب کا خاتمہ ہو گیا اور قوم پھر اسی پرانی ڈگر پر آ گئی۔

قدیم کلدانی و آشوری تہذیب

دریائے دجلہ و فرات کی وادی جس کو اب عراقِ عرب کہتے ہیں۔ کلدانی آشوری، اور بابلی تہذیب کے عروج وزوال کی سرزمین ہے کلدہ کی تمامتر آبادی مخلوط نسلوں پر مشتمل تھی اور سامی النسل افراد کو ان میں اکثریت حاصل تھی یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ فرات کے ساحلی جنگلوں میں ایک قدیم سلطنت ضرور تھی اور شاید وہ مصر سے بھی قدیم تر ہو۔ ولادت مسیحؑ سے چار ہزار برس پہلے کلدہ کے لوگ گیہوں بونا۔ دھاتوں کا استعمال میں لانا جانتے تھے۔ فن تحریر سے واقف تھے، نقاشی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ عمرانی زندگی کے عادی اور خوگر تھے، چنانچہ انھوں نے بہت سے شہر اور قریے بسائے اور آباد کئے۔ کلدہ کے شمالی جانب دریائے دجلہ کے کنارے آشوری قوم آباد تھی یہ کلدانیوں ہی کی ایک شاخ تھی۔ مگر نسبتاً اُن سے زیادہ قلاش، مفلس اور جنگجو تھی۔ آشوری معبد آشور کے بڑے کاہن کے زیر اقتدار تھے۔ آشوریوں کا کاہن اعظم مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا فرمانروا بھی ہوتا تھا اس کو یہ دونوں حیثیتیں حاصل تھیں لیکن اس دوہرے اقتدار کے باوجود وہ بابلیوں کے باجگذار تھے۔ لیکن تیرہویں صدی میں یہ تمام بابل پر قابض ہو گئے۔ آشوری نہایت جنگجو اور شجاع بلکہ خونخوار درندے تھے۔ اس زمانہ میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک عظیم شہر اور آباد تھا جس کو نینوا کہتے تھے رفتہ رفتہ نینوا ملک کا بہترین شہر و آشوری قوم کا پایۂ تخت بن گیا۔

سلطنت بابل

جس زمانے میں آشوری کلدہ پر حکمراں تھے اس ملک میں ایک اور قوم نمودار ہوئی یہ قدیم کلدانیوں سے مختلف تھی اگرچہ اصلاً یہ بھی کلدانی تھے یہ نئی قوم بھی آشوریوں کی طرح بڑے جنگجو تھی اس وقت بابل فرات کے کنارے دنیا کا عظیم الشان شہر اور ایشیا کا عروس البلاد تھا۔ آشوری تہذیب و تمدن میں قطعی طور پر کلدانیوں کے مقلّد تھے انھوں نے علوم وفنون اور عقائد سب اُسی قوم سے اخذ کئے تھے۔ کلدہ اور آشور کے باشندے ابتداً الگ الگ دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے دیوتاؤں میں بارہ دیوتا زیادہ عظیم المرتبت تھے۔

اہل بابل کا دیوتا مارد وک آفتاب کا دیوتا اور ستاروں کا بادشاہ کہلاتا تھا دوسرے خداوند کا نام آشور تھا۔ یہ آشوریوں کا معبود اعظم تھا۔ کلدانی پانچ سیّاروں، عطارد۔ زہرہ۔ مریخ۔ مشتری اور زحل کو مہر و ماہ کے ساتھ ملا کر اپنے دیوتاؤں کی خاص تجلی سمجھتے تھے۔ وہ ان سیّاروں سے خداوند کی مشیئت سے واقف ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ستاروں سے ان کے کاہن غیب گوئی کرتے سلطنت کے آئندہ واقعات، بادشاہوں کی قوت اور فتح و شکست کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ اس طرح علم نجوم کی ابتدا آشوریوں سے ہوئی ہے۔ گو مصر کے مقابلہ میں بابل کے مذہبی پیشواؤں کا اثر عوام پر نہیں تھا پھر بھی ان کی ہستی ارفع و اعلیٰ

سمجھی جاتی تھی۔ مصریوں کی طرح بابلی بھی مظاہرِ قدرت کی عبادت کرتے تھے اور اُن کے بھی مصریوں کی طرح بہت سے معبود تھے بابلیوں کا سب سے بڑا خدا بیل یا مردوک تھا جس کو زمین کا خدا مانا جاتا تھا اُس کے بعد عُشتر دیوی محبت کی دیوی کہلاتی تھی۔ مصر کی طرح بابل میں تصورِ وحدت کے نشانات مفقود ہیں بلکہ عظیم فتوحات اور بابلی حکومت کی طاقت و عظمت نے مردوک دیوتا کو قادر مطلق بنا دیا تھا۔

آشوری مذہب کے قوانین کا ماخذ بھی بابلیہ اور سمیریہ مذہب کے قوانین تھے۔ لیکن ان کا اپنا سب سے بڑا دیوتا آشور تھا جو طاقت اور حکومت کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی بابلیوں کے مردوک اور مصریوں کے عمون یا عاطون کی طرح سورج کا دیوتا تھا جس کو سخت جنگجو دشمنوں کے حق میں قہر عظیم اور خون آشام سمجھا جاتا تھا اس کی رضا جوئی کے لئے آشوری خونریزی، غارتگری اور دیوتا کے قدموں پر دشمنوں کا خون بہانا عین عبادت اور اپنا فرض تصور کرتے تھے۔ اس تصور نے آشوریوں کو ایک ظالم اور سنگ دل قوم بنا دیا تھا۔ سمیریہ اور بابلیوں کے مقابلے میں آشوریہ میں مذہب اتنا طاقتور نہ تھا اور نہ اس کا اثر عوام اور بادشاہ پر اتنا شدید تھا۔

برصغیر پاک وہند

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ برصغیر زمانہ قدیم سے آباد ہے اور اس کی تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ اس برصغیر کے قدیم باشندوں کا تعلق (آریوں کی آمد سے پہلے) قدیم پتھر کے زمانے سے ملتا ہے۔ تاریخ سے پہلے کے آثار بھارت کے صوبہ مدراس۔ بلاری۔ تناولی اور مرزا پور (اترپردیش) میں ملتے ہیں لیکن یہ دور تہذیب کے آثار سے خالی ہے اور اگر ہم اس برصغیر کے تہذیبی دور کی تاریخ کا تعین کریں تو پانچ ہزار سال سے آگے نہیں بڑھ سکتے یعنی اس برصغیر میں آریوں کی آمد سے ایک ہزار سال پہلے اور بس۔ دنیا کی لادینی دور کی تاریخ بھی ہمیں سات ہزار سال سے آگے نہیں لیجاتی، المختصر آج سے چار ہزار برس پہلے آریہ جب شمال و مغرب کی جانب سے اس ملک میں داخل ہوئے تو انہوں نے یہاں کی سلطنتوں کو پامال کر ڈالا اور اپنی طاقت اور قوت سے یہاں کی قدیم اقوام کو بہت جلد زیر کر لیا۔

اس برصغیر میں آریہ سب سے پہلے شمال و مغرب کی جانب سے داخل ہوئے اور ان کا مقابلہ سب سے پہلے سندھ کی قدیم آبادی سے ہوا، یہی وہ قدیم آبادی اور سندھ کی تہذیب ہے جس کے آثار، موہنجودارو کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہیں یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بھی دراوڑی نسل ہی کے افراد تھے لیکن یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ دراوڑی جب اس برصغیر میں داخل ہوئے تو وہ بھی شمالی مغربی راستہ سے داخل ہوئے تھے چنانچہ براہوی زبان جو بلوچستان کے اکثر اضلاع میں بولی جاتی ہے اس کا تعلق جنوبی ہند کے دراوڑی نسل کی زبانوں سے آج بھی قائم ہے یعنی جنوبی ہند کی تامل، تلنگو، ملیالم اور کناری زبانوں کی ساخت اور براہوی زبان کا انداز ان کے یک نسل ہونے کی ایک عظیم شہادت ہے۔

ہنجداڑو کے آثار نے جو شہادتیں قدیم تہذیب کے سلسلہ میں فراہم کی ہیں ان کے پیش نظر یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا کہ آریوں کی آمد سے پہلے اس برصغیر کے باشندے کافی مہذب اور علوم و فنون میں کافی دستگاہ رکھتے تھے، ہر چند کہ موہنجداڑو کی مہریں اس وقت نہیں پڑھی جا سکی ہیں اس لئے ان کی زبان کے بارے میں یقین کے ساتھ ابھی کچھ کہنا مشکل ہے، اس قدیم زبان پر برابر کام ہو رہا ہے لیکن زندگی کے دوسرے پہلو تشنہ تحقیق نہیں رہے، اور آثار کی شہادت کی بنا پر یہ کہنا اب آسان ہو گیا کہ وہ فنون لطیفہ میں ماہر تھے، عمرانیات و مدنیات سے نابلد نہیں تھے، سپاہیانہ اور جنگجویانہ زندگی کی ضرورتوں سے آگاہ تھے اور ان کا مذہب بھی، آشوری، کلدانی اور بابلیوں کی طرح بُت پرستی تھا۔

آج سے چار ہزار[1] برس پہلے جب آریہ اس برصغیر میں داخل ہوئے تو فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور مفتوح قوم نے بہت جلد ان کا تمدن اور ان کی تہذیب کو قبول کر لیا، لیکن یہ وہی قومیں تھیں جو تہذیب کے مفہوم سے آگاہ تھیں اور مدنی زندگی سے آشنا، ورنہ ان قدیم باشندوں کی وہ نسلیں جو موجودہ بھارت کے وسطی علاقوں میں آج بھی آباد ہیں مثلاً بھیل اور گونڈ، ان کی زندگی پتھر کے زمانہ کے انسان سے آج بھی ممتاز اور جداگانہ نہیں، ان کی زبان آریوں اور دراوڑوں سے مختلف ہے ان کی زبان منڈا کے نام سے موسوم ہے اور یہ لوگ شکار پر آج بھی گزر بسر کرتے ہیں۔ یہ امر پایہ تحقیق کو نہیں پہنچ سکا کہ انکی اصل کیا ہے؟

بہرحال ہم بحث کو مزید نہیں چھیڑتے اور اصل موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی آریہ آج سے چار ہزار برس قبل جب اس برصغیر میں داخل ہوئے تو یہاں کی مہذب اقوام کا مذہب بُت پرستی تھا، زراعت میں کام آنیوالے جانوروں کے بُت بنا کر ان کو پوجتے تھے اب دیکھنا یہ ہے کہ فاتح قوم جس نے ان قدیم اقوام کی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا خود ان کا مذہب کیا تھا کیا وہ خود بھی بُت پرست تھے جس کے باعث بُت پرستی کے استیصال کلی کے بجائے اس کو اور فروغ نصیب ہوا یا اس کے اسباب و علل کچھ اور تھے۔

ویدوں کی مناجاتوں پر غور و خوض سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں وحدت الہٰ کا تصور موجود نہیں تھا اور نہ وہ موحد تھے بلکہ وہ مظاہر قدرت کی بہت ہی آسان طریقوں پر پرستش کرتے تھے، روشنی، سورج، چاند، ستارے طلوع سحر اور گھنگھور گھٹائیں ان کے معبود تھے، دریاؤں اور درختوں کی بھی وہ عبادت کرتے تھے۔

سرزمین پنجاب میں آریوں کی ابتدائی سرگرمیوں کا حال رگ وید میں ملتا ہے، اس سرزمین پر بھی

---

[1] پروفیسر میکڈانلڈ نے ابتدائی ویدک دور کا زمانہ ۱۵۰۰ قبل مسیح بتایا ہے۔ آر ایس دت اس کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح سے چودہ[۱۴] سو قبل مسیح تک بتاتے ہیں لیکن ان محققین کے برعکس بی۔ جی تلک چار ہزار قبل مسیح سے چھ ہزار قبل مسیح بتاتے ہیں لیکن آثار قدیمہ کی بنا پر آخر الذکر تاریخ قابل اعتبار نہیں ہے۔ مشہور مورخ اور انشا پرداز آر، ای، ایم وھیلر نے سندھ کی تہذیب پر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں تفصیلی بحث اس سلسلہ میں کی گئی ہے (دیکھئے پاکستان پانچ ہزار برس پہلے)

ان کے معبود یہی مظاہر قدرت تھے یہ قدرت کی مخفی قوتوں سے اس قدر خائف تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنا معبود بنالیا تھا خاص طور پر اگنی (آتش) اندر (بارش) وایو (ہوا) اور ورنا (آسمان) ان کے عظیم معبود تھے[1]۔ ایک مدت کے بعد جب یہ فنون لطیفہ سے آگاہ ہوئے تو انھوں نے اپنے معبودوں کی عظمت اور ان کے خواص کو نظم کا لباس پہنایا، ان کی ان منظومات کا یہ اثر ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کی یہ منظومات ان کی عبادت کا جزو لاینفک بن گئیں اور یہ اپنے معبودوں کی جب عبادت کرتے تو یہی نظمیں (بھجن) استعمال کرتے تھے۔

مذہب اور فلسفہ

آریہ مذہب کے بارے میں پروفیسر ایچ جی رالنسن رقمطراز ہے:۔

"ویدک آریہ مختلف مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں آسمانی دیوتا دیاؤس (صبح صادق کا دیوتا) اور حسین دریائی دیوی سرسوتی شامل تھے۔ ورونا (جل دیوتا) ان کا عظیم و مہربان آسمانی دیوتا تھا رگ وید کے کچھ بہترین بھجن ورونا ہی سے خطاب کئے گئے ہیں رفتہ رفتہ ان دیوتاؤں میں برتری اور فوقیت کا رُتبہ بارش کے دیوتا اندر کو دے دیا گیا۔ قیاس کیا جاتا تھا کہ اندر دیوتا نے ایک "عظیم جنگجو" کا روپ اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ایک رتھ میں سوار ہے جو برق کے دوش پر ایک جگہ سے دوسری جگہ آتی جاتی رہتی ہے۔ اس طرح اندر دیوتا اپنے پجاریوں کو ان کے دشمن داسیو یعنی راکشش کے خلاف جنگ میں مدد دیتا ہے۔ اندر دیوتا اپنے پجاریوں کا پیش کیا ہوا سوم رس پیتا ہے۔ اس کا نصب العین ورتا نامی اژدہے کو قتل کرنا ہے جس نے وادیوں کے کھیتوں پر بارش برسانے والے بادلوں کو قید رکھا ہے[2]۔ بنابریں اندر دیوتا کی بدستور پرستش ہوتی رہی کیونکہ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جنگ میں وہ فتح و نصرت سے ہم کنار اور زمانہ امن میں بارش کی دولت سے مالامال کرتا ہے۔ سورج کی پرستش کی اہمیت کا اس سے اظہار ہوتا ہے کہ سورج دیوتا کو کم از کم پانچ ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ قبولیت سوریہ کو حاصل تھی۔ ویدک زمانہ میں سورج دیوتا کو وشنو کا نام بھی دیا گیا۔ بعد میں وشنو کو دیگر دیوتاؤں پر اولیت دی گئی۔ وشنو کے بعد اگنی (آگ) اور سوما کی بالخصوص پرستش کی جاتی تھی۔ سوما[3] دراصل ایک نشہ آور عرق تھا۔ یہ عرق ایک پودے سے حاصل کیا جاتا جس کا علم آریوں کو برصغیر میں داخل ہونے سے پہلے ہی تھا۔ بعد میں اس نے مزید اہمیت حاصل کرلی اور اسے چاند سمجھا جانے لگا۔ دیویوں میں خاص طور سے اوشا (طلوع آفتاب) اور سرسوتی (دریا کی دیوی) کی پرستش کی جاتی۔"

---

[1] ملاحظہ کیجئے ہندوستانی ثقافت کی مختصر تاریخ از ایچ جی رالنسن مرتبہ پروفیسر جی جی سیلگمین۔

[2] حوالہ: انڈیا اے شارٹ کلچرل ہسٹری۔ ایچ۔ جی رالنسن۔ مرتبہ پروفیسر جی جی سیلگمین۔

[3] ۔ سوما یا سوم رس یہ ایک جنگلی بیل ہے جس کا عرق باسی ہو کر کثیف اور منشی تاڑی کی مانند ہو جاتا ہے۔

ان شواہد کی بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ آریہ اس برصغیر میں کسی "تصور وحدت" کے علمبردار تھے قطعی غلط ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں آریوں نے اپنی وحدت پرستی اور موحد کیشی کا اس برصغیر میں بڑا پرچار کیا لیکن اس کی حیثیت ایک فریب سے زیادہ نہ تھی۔

ویدوں کی اصلیت اور قدامت کے سلسلہ میں مختلف آراء کا ایک طومار موجود ہے، جرمنی مستشرقین نے اس سلسلہ میں بڑی کاوشیں کی ہیں اور ان ہی کی تحقیق کی بدولت ہم ویدوں سے متعارف ہوسکے ہیں۔ مشہور زمانہ سنسکرت عالم جرمن مستشرق فریڈرک روسن اور پروفیسر میکس ملر نے اس سلسلہ میں سخت کاوش کی ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خصوص میں عظیم مساعی کی ہیں وہ بھی قابل قدر ہیں۔ متذکرہ بالا حضرات کی تحقیق کی بنا پر وید سنسکرت لفظ "وِد" اور انگریزی "وٹ" سے ملتا جلتا ہے جس کے معنی الحکمت یا شریعت الٰہی ہیں اور اس سے دعاؤں کے یہ چار مجموعے مراد ہیں۔

ویدوں کے زمانہ کا قطعی طور سے تعین کرنا ایک امر محال ہے بہرحال ۱۵۰۰ تا ۶۰۰ ق م ویدک دور تصور کیا جاتا ہے۔

۱۔ رِگ وید:۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ کتاب کسی ایک رشی (مذہبی پیشوا) کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ یہ دیوتاؤں کی تعریف میں منتروں کا مجموعہ ہے یا بالفاظ دیگر دیوتاؤں کے محامد و مناقب ہیں۔ اس میں ایک ہزار اٹھائیس (۱۰۲۸) بھجن ہیں جو دس ہزار قطعات (اشلوک) پر مشتمل ہیں۔ یہ وید سب سے قدیم ہے۔

۲۔ یجر وید:۔ اس میں ان مسائل کا ذکر ہے جو صرف طبقۂ علماء سے مخصوص ہیں خاص طور پر لوازمات جگ (عالم) کی فراہمی، قربان گاہوں کی تیاری و قربانی کے جانوروں کے چڑھاوے کی تیاری اور رسوم لتا کے عرق کی فراہمی، اس کی دو شاخیں ہیں (قدیم و جدید) جو سیاہ و سفید یجر وید کے نام سے موسوم ہیں۔

(۳) سام وید:۔ یہ مجموعہ کلیتہً منظوم ہے، اس میں سوم لتا، اگنی اور اندر کی دعائیں ہیں اس میں ایک ہزار پانچ سو انچاس (۱۵۴۹) قطعات (اشلوک) ہیں۔

(۴) اتھروید:۔ یہ وید سب سے آخری ہے اس میں سات سو (۷۰۰) سے زائد بھجن ہیں جس میں تقریباً چھ ہزار (۶۰۰۰) قطعات شامل ہیں اس کا ۵/۶ حصہ نظم اور ۱/۶ نثر ہے۔

ان شواہد کی موجودگی میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آریوں نے مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہاں (برصغیر پاک و ہند) کے باشندوں کو مزید بت پرستی کے دام میں مبتلا کر دیا اور ان کے مشرکانہ خیالات میں اور وسعت پیدا کر دی البتہ ان کی بت پرستی جو کسی نظم یا سلیقہ شعاری سے محروم تھی اور اس کے لئے کوئی ضابطہ موجود نہیں تھا آریوں نے ویدوں کی تصنیف سے اس کمی کو ضرور پورا کر دیا۔

ویدک تہذیب صدیوں تک اس برصغیر میں اسی طرح پھولتی پھلتی رہی، اس مدت میں اگرچہ دنیا کی دیگر تہذیبوں سے ان کے ثقافتی رشتے استوار نہ ہوسکے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ خود انھوں نے علوم و فنون کی طرف توجہ کی اور دراوڑی تہذیب کو ایک نئے انداز فکر اور نئے فلسفہ سے روشناس کرایا چھوٹی چھوٹی تہذیبیں ان میں ضم ہوگئیں اور تمام ہند "آریہ ورت" بن گیا، اس مدت میں یہاں ایک عظیم اور وسیع سلطنت تو قائم نہیں ہوسکی اور ملک چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹا رہا لیکن ان تمام حکومتوں کا مذہب یہی بت پرستی اور آریوں کے لائے ہوئے مشرکانہ خیالات تھے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث آئندہ کی جائے گی۔

ایران قدیم

ایرانی تہذیب کی قدامت کی تاریخ بھی یونانی تحقیق کی رہین منت ہے۔ ہربیوس آرمیری تیسری صدی قبل مسیح کا مورخ ہخامنشی سلاطین کا ہم عصر تھا، ہیرڈوٹس مشہور یونانی مورخ نے بھی اپنی تاریخ کے باب اول میں ایران کے بادشاہ ماد کے بارے میں مختصراً کچھ لکھا ہے لیکن ان دونوں مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہخامنشی بادشاہ ایران سے قبل کے حالات تاریخ کے حافظہ میں موجود نہیں ہیں، ایران کے آثار قدیمہ اور سنگین کتبے جو بڑی تلاش اور جستجو کے بعد دستیاب ہوئے ہیں صرف ہخامنشی خاندان کی تاریخ ہی تک محدود ہیں!

دارائے اعظم اسی خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے جس نے سکندر یونانی کے ہاتھوں شکست کھائی، اس کتبہ کی شہادت کی بنا پر جو حاجی آباد کے خزانے سے برآمد ہوا ہے، اپنا شجرہ نسب اس طرح پیش کرتا ہے:۔

ثئمی داریو اوش خشا ثیہ۔ منا پتیا ویشتا سپہ، ویشتاسپہیا
پیتا ارشامہ، ارشامہیا پیتا آریا رامنہ، آریا
رامنہیا پیتا چشپیش، چشپیا نیشہ پیتا ہخامنش (بخط پہلوی)

یعنی:۔ گوید داریوش بادشاہ پدرمن گشتاسپ است، پدر گشتاسپ
ارشامہ، پدر ارشامہ، آریا منہ، پدر آریا منہ چیشپیش پدر چیشپیش
ہخامنشی

ایرانیوں نے دنیا میں سب سے پہلے ایسی وسیع اور عظیم الشان شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی۔ جو انسانی نظروں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اُس کی سرحدیں مغرب میں یونان اور مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس سلطنت کا بادشاہ کسریٰ کہلاتا تھا۔ اس وقت ایران میں لامحدود استبدادیت قائم تھی۔ ہر شخص بادشاہ کا غلام تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے دربار میں سجدہ کرنا اور زمین کو بوسہ دینا ہر شخص کے لئے فرض تھا۔

ایرانی بھی دوسرے آریہ قبائل کی طرح شروع ہی سے بہت سے دیوتاؤں کو مانتے تھے۔ ان کی حالت ویدک دَور کے ہندؤں سے مختلف نہ تھی۔ ان کا خاص دیوتا متھرا.... یا سورج دیوتا تھا۔ انتیا زرخیزی اور زمین کی دیوی تھی۔ متھرا کو ہندؤں کے اندر کی طرح سب پر فوقیت حاصل تھی اس کے علاوہ دوسرے دیوتاؤں اور جانوروں کی پرستش بھی ان کے مذہب کا اہم عنصر تھا۔

اس مذہب کے کاہنوں کو جاگی کہا جاتا تھا۔ یہ تھی ایرانیوں کی مذہبی حالت۔ زرتشت نے ۶۵۰ق۔م میں آذر بائیجان کی بستی اُرومیہ (علاقہ میڈیا) میں ظہور کیا۔ انھوں نے ان دیوتاؤں کی پرستش کے خلاف آواز بلند کی اور ایک خدا اہورمزدہ یا ہرمزد کی عبادت کا پیغام دیا۔ یہ موحدانہ آواز پہلی آواز نہ تھی صحرائے سینا اور شام میں اس سے صدیوں پہلے یہ آواز حضرت ابراہیمؑ، یعقوبؑ اور موسیٰ (علیہم السلام) بلند کر چکے تھے، البتہ ایرانیوں کے لئے وحدت کا یہ پیغام پہلا پیغام تھا۔ زرتشت کے زمانہ اور روحانی کتاب اوِستا کے متعلق بہت سے اختلافات ہیں۔ چونکہ خراسان کا بادشاہ ستاشپ یا گشتاشپ اُن کا معتقد اور پیرو بن گیا تھا اس لئے ایران کے آریہ قبائل میں اس کے نظریہ کی بہت ترویج ہوئی۔ لیکن وہ آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے اور گاتھوں میں تقسیم ہے۔

زرتشت کی یہ تعلیم نہایت سادہ اور صاف اصولوں پر مبنی تھی لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں انقلاب آتا گیا اور زرتشت کی وفات کے بعد ہی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جس نے اصل کتاب کو پس پشت ڈال کر ایسی ترمیم و تنسیخ کی کہ یزداں و اہرمن، نور و ظلمت۔ آفتاب و آتش کی پرستش ہونے لگی۔ بہرحال زرتشت کی تعلیم کے مطابق دنیا میں نیکی کی طاقت کا نام اہورمزدہ (یزداں) اور بدی کی طاقت کا نام اہرمن ہے نیکی ہمیشہ نیکی اور بدی ہمیشہ بدی رہیگی۔ ہرمزدہ (یزداں) کو وہ سات صفات۔ روشنی، صداقت، راستی، حکومت، ذکاوت، حیات جاودانی اور فلاح و بہبودی کا مظہر مانتا ہے اس طرح اہرمن کی طرف سات برائیاں منسوب کی ہیں۔ دنیا میں تمام تکالیف، آلام و مصائب کا سرچشمہ اہرمن ہے۔

زرتشت کہتے ہیں کہ "دنیا کی تخلیق تنہا ہرمزد نے نہیں کی بلکہ اس کے سات فرشتوں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔ زرتشت کی یہ ثنویت اگرچہ ان کے خیال کے مطابق ثنویت نہیں بلکہ "وحدت" ہے لیکن وہ اس کا کوئی بیّن ثبوت یا دلیل قاطع نہیں لا سکے اس لئے کہ وہ یزداں اور اہرمن کو دونوں کو ازلی اور واجب الوجود ہستیاں تسلیم کرتے ہیں لیکن اس قدر ضرور ہے کہ زرتشت کا یہ نظریہ ایران کے بے شمار اور لا تعداد خداؤں کی پرستش سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھا اس لئے زرتشتی اس کو بزعم خود نظریہ وحدت ہی متصور کرتے تھے"

لیکن زرتشت کی وفات کے بعد ان کے متبعین نے اس کو کثرت پرستی میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے ہرمزد کی سات صفات کا علیحدہ علیحدہ وجود تسلیم کر کے ان صفات کو ہرمزدہ کا شریک قرار دیدیا اور اس طرح وہ بھی دیگر اقوام عالم کی طرح غیر موحد یا مشرکین کی صف میں شامل ہوگئے۔ انھوں نے ان صفات کو طاقتور فرشتے قرار دے دیا۔ اور پھر ان ملائکہ کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی۔ اہرمن کی صفات ہفتگانہ کو دیوتاؤں کی شکل میں مجسّم کر کے ان کی پرستش کی جانے لگی۔

اس طرح زرتشت کا سادہ مذہب بت پرستی میں تبدیل ہوگیا۔ اہرمزد کے ساتھ قدیم شمس دیوتا متھرا پھر خدا بن گیا۔

یونان

یونانی آریائی زبان بولنے والی نسل سے تعلق رکھتے ہیں وہ یونان میں شمال مغرب سے ۲۰۰۰ ق م سے ۱۵۰۰ ق۔م میں داخل ہوئے اور عمرانی زندگی کی داغ بیل ڈالی۔ یونان کی ابتدائی تاریخ روایات اور صنمیات پر مبنی اور مختصر ہے یہ کہانیاں ان قدیم قومی مشاہیر کے حالات پر مشتمل ہیں جن کو نیم دیوتائی حیثیت حاصل تھی۔ یونانیوں کو صنم پرستی اور دیومالا پر اس قدر اعتقاد تھا کہ وہ خود کو ان دیوتاؤں کی اولاد سمجھتے تھے اور ان کو اس میں اس قدر غلو تھا کہ وہ اپنا بادشاہ صرف اسی شخصیت کو تسلیم کرتے تھے جو زی ئیس یا اور کسی ذی قدر دیوتا کی اولاد ہوتا۔ یونانی زندگی میں دیگر اقوام کے مقابلہ میں ریاست اور سلطنت کا نظریہ زیادہ دقیع منظم اور اجتماعی ہئیت کا حامل تھا۔ حکومت مجلس شوریٰ کے ماتحت تھی، اور اسی کے فیصلے کی پابند۔ بادشاہ مطلق العنان نہیں تھا اس اعتبار سے یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں کہ یونان نے انفرادی ہستی کا سب سے پہلے احترام کیا اور اس کو جمہوریت کا پہلا سبق سکھایا لیکن گلوئے انسانی سے طوق غلامی یہ بھی نہ نکال سکے، اور غلاموں کو زندگی کی وہ آسائشیں میسّر نہ آسکیں جو ان کے آقاؤں کو حاصل تھیں۔

مذہب و فلسفہ

یونانی اپنے دیوتاؤں میں جن صفات کے معتقد تھے وہ کوئی ماورائی ہستی کا تصور نہیں تھا بلکہ ان کی نظر میں ایک دیوتا کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ایک شہوت پرست، رزم آرا اور ہنگامہ آفریں انسان کی صورت میں ان پر بالادستی کا حقدار ہو البتہ وہ ابدیت کو اس کی ذات سے وابستہ سمجھتے تھے۔ عوام اور دیوتاؤں کے درمیان کوئی مذہبی رشتہ قائم یا استوار نہ تھا۔ کیونکہ دیوتاؤں کو اپنے ماورائی مشاغل کی وجہ سے انسانوں کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔ پھر دیوتا اتنی تعداد میں تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ ان کا سب سے بڑا دیوتا زی ئیس تھا جو ربّ الارباب سمجھا جاتا تھا۔ ڈیمیٹر زمین کی دیوی تھی۔ ہیڈس کو عالم تحت الارض کا مالک تصور کیا جاتا تھا ان کا عقیدہ تھا کہ دیوتا زی ئیس مع رفقاء، اپنی ملکہ اور اپنی اولاد کے ساتھ اولمپس پہاڑ پر مقیم ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے مقامی دیوتا اور دیویاں تھیں۔ یونانی تمدن نے سب سے اول رب النوع کی طرح ڈالی اور اس کو اس قدر اہمیت حاصل ہوئی کہ ان کو علم الاصنام مرتب کرنا پڑا۔ مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے یونانی پروہت ہوتے تھے معبدوں کی پروہت کے فرائض ان کے سپرد تھے

ڈیلفی کے دارالاستخارہ میں لوگ جمع ہوکر اپنے ان خداؤں سے مشورے اور پیشین گوئی طلب کرتے تھے۔
یونانی مذہب اور فلسفہ کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں تھی۔ سقراط سے قبل یونانی فلاسفر دنیاوی مسائل کے حل میں منہمک رہتے تھے۔ اور اگر وہ کبھی کائنات کی تشریحات کی طرف مائل ہوئے بھی تو انھوں نے اس کی تشریح فطری اور عقلی تجزیے سے کرنی شروع کی اور مادی دنیا کی تخلیق کے سلسلہ میں متعدد نظریات قائم کئے۔

سقراط اس سلسلہ میں سب سے اول ہم سقراط کو پیش کرتے ہیں (۴۷۰ق م۔ ۳۹۹ق م) اس نے فلسفہ کی بنیاد مفروضات اور اوہام کے بجائے دلائل پر قایم کی اُس نے لوگوں کو سچائی کا راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی، اپنے ضمیری فیصلوں کی اساس پر بہت کچھ نئے اصول تراشے اس خیال میں اُس نے انکزیگورس کی تائید کی۔

افلاطون افلاطون (۴۲۷ق م۔ ۳۴۷ق م) سقراط کا مشہور ترین شاگرد تھا۔ افلاطون کی تعلیم میں ایک قسم کا جوش اور تاثر ہے اُس نے مادّی دنیا کی بابت تمام قدیم نظریات کو قطعی کالعدم قرار نہیں دیا اُس کی بنیاد، دلائل سے زیادہ یقین اور اعتقاد پر تھی افلاطون کے فلسفہ کی بنیاد مادہ۔ اشیاء کی اصل اور خدا پر تھی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا اور مادہ ازلی وجود رکھتے ہیں خدا نے مادہ سے تمام ذی حیات اور غیر ذی روح اشیاء کو پیدا کیا افلاطون نے حیات جاودانی کے نظریہ کی بھی تائید کی اس کے فلسفہ کا معیار اس کے پیشروؤں سے زیادہ بلند اور تصور الٰہ سب سے زیادہ واضح اور روشن ہے لیکن خالص توحید اس کے یہاں بھی مفقود ہے، افلاطون کو فلسفہ اشراق کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

ارسطو (۳۸۴ق م سے ۳۲۲ق م) افلاطون کا شاگرد اور سکندر اعظم کا اُستاد تھا۔ افلاطون کے فلسفہ میں تصوری تصور کارفرما تھا جس کی تشریح اس کا فلسفہ اشراق ہے۔ اس کے برخلاف ارسطو ایک سخت کوش اور مستقل مزاج محقق تھا اُس نے بھی خدا کو عالم سے علیحدہ ایک بے تعلق وجود قرار دیا اور کائنات کی قدامت کا اقرار کر بیٹھا۔ ارسطو خدا کو کائنات کا صرف محرک اول قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک مرتبہ کائنات میں حرکت پیدا ہوجانے کے بعد اس کو دنیا سے کوئی مطلب نہیں رہتا وہ پھر کائنات سے کلیتہً بے خبر اور بے تعلق ہوجاتا ہے۔

اس کو عبدیت اور خدا کے وجود سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا طریقۂ کار افلاطون کی بہ نسبت کم شاعرانہ اور زیادہ تخیلی تھا اُس نے طبیعیات، منطق، علم الاخلاق اور الٰہیات پر نظریاتی اور عقلی اعتبار سے بہت کچھ کاوش کی اس کے علمی اجتہاد اور فکری کاوشوں نے دنیا کے مشہور ترین قدیم فلاسفہ میں ایک بلند و بالا مقام پر اس کو پہنچا دیا۔ یونانی فلسفہ کی تاریخ میں فلاطونیت ایک انقلاب عظیم لے کر آئی لیکن یہ کوئی نئی کوشش نہیں تھی اس کی بنیاد قدیم یونانی فلسفہ ہی پر رکھی گئی۔

اس سلسلہ میں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ یونانی فلسفہ اور یونانی تہذیب اپنی قدامت کے اعتبار سے

دوسری تہذیبوں سے بہت پیچھے ہے اس کی شہرت اور سربلندی کا راز اس کے ان فیلسوفوں کا رہین منت ہے جنہوں نے ان ظلمتوں میں مشعل روشن کی اور بہت جلد سارے عالم پر اُستاد بن کر چھا گئے۔

یونانی تہذیب (نو فلاطونی فکر)

فلاطینوس ۲۰۳ء میں اسکندریہ میں پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک خدا کی حقیقت مطلق انسانی علم و فہم سے بالکل ماورا ہے اگر اس کا شعور انسان کے لئے ممکن ہے تو صرف ایک ایسے عالم جذب و سرمستی میں جبکہ تمام فکر و شعور نابید ہو جائے اگر ہم دنیا کو اور اپنے آپ کو سمجھنا چاہتے ہیں تو صرف اس وحدت مطلقہ کے توسط سے سمجھ سکتے ہیں جو موجودات کا مبدا ہے لیکن یہ وحدت، عالم کائنات اور انسان میں ظہور نہیں کرتی۔ فلاطینوس ذات واحد یا خدا کا تصور اس طرح کرتا ہے کہ وہ اپنی جگہ بالکل مکمل، بے نیاز اور ماورا ہے وہ ہمارے عالم طبعی ہی سے نہیں بلکہ عالم روحانی سے بھی بالکل الگ تھلگ ہے وہ نہ حواس کے ادراک میں آسکتا ہے اور نہ عقل کے۔ فلاطینوس کہتا ہے کہ ذات واحد یا خیر کل اپنے سے ماسوا کسی چیز پر متوجہ نہیں ہوسکتی لیکن وہ تمام حقایق کا سرچشمہ بھی ہے جو انہیں اپنا مثل بناتی ہے اس کا کوئی فعل ماسوا کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی ہستی کا تصور کس طرح کر سکتے ہیں جو تمام فاعلیت کا سرچشمہ بھی ہو اور فاعلیت سے منزہ اور پاک بھی۔ فلاطینوس اس کا غیر منطقیانہ جواب یہ دیتا ہے کہ جس طرح کوئی پیمانہ بھر جائے تو وہ ابل پڑتا ہے اس طرح خدا حقیقت اور دافعیت سے اتنا پُر ہوگیا ہے کہ اُس سے موجودات کی تخلیق عمل میں آہی گئی۔ اس طرح فلاطینوس نے یونانی ثنویت کی تراش خراش کرکے وحدت کا تصور پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ عالم مادی کے بارے میں فلاطینوس نے جس مایوسانہ نقطۂ نگاہ کا اظہار کیا۔ نیز خدا اور کائنات مادی کے درمیان اُس نے جو حدّ فاصل قائم کی، ان ہی دونوں خصوصیات کو عیسائیت نے بھی کچھ مدت بعد مستعار لے لیا۔ نو فلاطونی فلسفہ کے زیر اثر عیسائیوں کو ان خصوصیات میں نمایاں ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں پر رہبانی طرز فکر بالکل غالب آگیا اور زندگی کے مسائل سے ان کی دلچسپی بالکل ختم ہوگئی۔ نو فلاطونی فکر نے محدود اور لا محدود خدا اور انسان کی جو ثنویت قائم کی تھی اُس میں تعلق پیدا کرنے کے لئے ایک درمیانی واسطہ عقل کل یا روح عالم کو قرار دیا، لیکن یہ عقل یا روح عالم بھی بالآخر ایک ماورائی ہستی بن گئی اس لئے وہ روحانی اور مادی دنیا کے درمیان ایک اتصالی کڑی کا کام نہ دے سکی اور اس طرح یونانی فلسفہ کی ثنویت عیسائیت میں جوں کی توں قایم رہی۔

لیکن تاریخ یہ تسلیم کرتی ہے کہ قدیم تہذیبوں میں صنم پرستی کے اندھیروں سے باہر قدم نکالنے والی قوم یونانی ہے لیکن مدتوں تک ان کا مذہب عقلی موشگافیوں کی آماجگاہ بنا رہا اور وہ اپنے اخلاقی نظام کی اس کے زیر اثر تطہیر نہ کرسکے، ورنہ اسلام کو غلاموں کی فلاح و بہبود کے لئے اس قدر مساعی نہ کرنا پڑتیں۔

مشہور مذاہب عالم

گذشتہ اوراق میں جن قدیم تہذیبوں کا تمدنی اور ثقافتی ارتقاء ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اس سے اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کی اجتماعی زندگی کے اجزائے ترکیبی کیا تھے اور مذہبی شعور ان میں کس حد تک اجاگر اور زندہ تھا، ان کی مذہبی زندگی کن حقائق سے عبارت تھی اور اس کے تار و پود کیا تھے۔

آپ کے مطالعہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ تمام قدیم تہذیبوں میں مظاہر پرستی اور آثار قدرت کی پرستش رچی بسی تھی، ہر چند کہ یہ اقوام بزدل نہ تھیں کہ وہ اپنی بزدلانہ اور غیر شجیع فطرت کے باعث برق و باراں، عظیم الشان دریا اور شمس و قمر سے اس قدر خائف تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے سامنے انھوں نے سر جھکایا تھا بلکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ ان کے شعور علم کی ان بلندیوں تک رسائی نہیں تھی جہاں پہنچکر انسان ان مظاہر قدرت میں سے اکثر کو مسخر کر لیتا ہے۔

وہ ان مظاہر کو ماورائی ہستی متصور کر کے ان کے حضور میں سجدہ ریز ہو جاتے تھے، بابل و نینوا، موہنجدارو کلدانی اور فنیقی تہذیبوں میں بت پرستی ایک مذہبی قدر مشترک تھی، نبطیوں اور قبطیوں کی سرزمین بُت پرستی کی آماجگاہ روز اول سے بنی رہی۔ اس مشرکانہ ماحول میں کبھی کبھی صدائے توحید بلند ہوتی تھی اور دب کر رہ جاتی تھی۔

انبیاء بنی اسرائیل اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں جن کی موحدانہ آوازیں وحشت زاروں میں گونجی اور کچھ عرصہ کے بعد اِن مشرکانہ صداؤں کے زیر و بم میں مدھم پڑ جاتی، آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام سے معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کتنا زمانہ گذرا تاریخ اس کا صحیح جواب دینے سے قاصر ہے صرف شواہد سے اِتنا پتہ چل سکا ہے کہ یہ مدت دو ہزار سال سے زیادہ نہیں ہے اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ مدت ایک ہزار پر محتوی ہے۔ ان دو تین ہزار سال کی مدت میں مختلف مقامات اور مختلف اوقات پر یہ حق کی صدائیں بلند ہوئیں اور اِن کے مقابل میں کفر و شرک کے دعوے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اُٹھے لیکن کچھ بہت جلد فضاؤں میں تحلیل ہو گئے اور کچھ مدتوں تک گونجتے رہے اکثر قدیم تہذیبیں اپنے مشرکانہ خیالات اور باطل معتقدات کے ساتھ صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئیں، آج ان کے حال کے گواہ کھنڈروں کے سوا کچھ اور نہیں۔ بابل، نینوا، اشوری، کلدانی تہذیبوں کا انجام آپ کے سامنے ہے عاد و ثمود صفحۂ ہستی سے مدتیں ہوئیں مٹ چکے۔ سیل عرم نے ان کو خاک میں ملا دیا اور آج ان کے نام تاریخ کے صفحات کے سوا کہیں اور نہیں ملتے لیکن ان میں سے چند سخت کوش اور سخت جان بھی تھے جو امتداد زمانہ کے مٹائے نہ مٹ سکے۔ اِن کی ثقافت، تہذیب اور اس تہذیب کے پرستار افراد آج بھی موجود ہیں ان ہمہ گیر اور

سخت کوشش تہذیبوں اور مذاہب میں چار مذاہب خاص طور سے قابل ذکر ہیں یعنی ہندو تہذیب۔ یہودی تہذیب، عیسائی تہذیب اور چوتھی تہذیب اسلامی تہذیب ہے جو اپنی ثقافتی، اثر و نفوذ کے اعتبار سے اول الذکر تینوں تہذیبوں سے کم عمر ہے لیکن مذہبی نقطہ نگاہ سے اس کی قدامت کے ڈانڈے آدم ثانی سے مل جاتے ہیں جنہوں نے فینقی قوم میں صدائے توحید بلند کی تھی۔

ہندو مذہب

ہندو مذہب اپنی تشکیل میں متعدد افراد کی افکار کا نتیجہ ہے اس لئے اس میں عقیدہ، مذہبی قانون رسوم یا شعائر کی یکسانیت مفقود ہے، عقائد کی رنگا رنگی طریق عبادت کے اختلافات اور معبودوں کی کثرت نے اس مذہب کو ایک گنجان صحرا کے مانند بنا دیا ہے جس میں لاکھوں درخت ہیں، اسی طرح ہندو مذہب ان گنت معبودوں سے معمور ہے جبکہ سرزمین ہند کی اسوقت کی مردم شماری آٹھ کروڑ سے تجاوز نہ تھی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندو مذہب کو فلسفیانہ حیثیت حاصل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہندو مذہب کا فلسفہ جس قدر وسیع ہے اسی قدر غیر شخصی بھی ہے۔ آج تک کوئی مستقل صورت ہندو مذہب کی قائم نہیں ہوئی مثلاً بت پرست بھی ہندو، آب پرست بھی ہندو، ستارہ پرست بھی ہندو اور سورج پرست بھی ہندو اور لاتعداد خداؤں کے پرستار بھی ہندو۔ کیونکہ سب کے اصول، تخیلات اور معبود جداگانہ ہیں اس لئے ہر شخص نے اپنی مرضی کے مطابق ایک راستہ اختیار کر لیا اور اس پر آنکھیں بند کر کے چل پڑا۔

باایں ہمہ ان تمام مشرکانہ عقاید کی تہ میں چند مشترک عقیدے موجود ہیں ایک "آواگون" (تناسخ اور حلول) کا نظریہ کہا جاتا ہے دوسرا عقیدہ "کرم" کے نام سے موسوم ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق موت کے بعد انسان کو اپنے گذشتہ جنم کے "کرموں" (اعمال) کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور اپنے اعمال کی وجہ سے نئے کالبدوں میں جاتا ہے۔ نیک لوگوں کی روحیں اچھے کالبدوں میں اور برے لوگوں کی روحیں برے کالبدوں میں۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ثواب پانے والی روح تندرست تونگر اور عیش و عشرت پانے والے جسم میں منتقل ہوتی ہے اور عذاب پانے والی روحیں خستہ درماندہ اور مفلس و قلاش کے بدن میں، حتیٰ کہ بعض روحیں کتے، بلی، سور اور گدھے کے جون میں منتقل ہو جاتی ہیں، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ جب تک انسانی زندگی کا معیار اس قدر بلند نہ ہو جائے کہ وہ "مکتی" (نجات) حاصل کر کے پرجاپتی یا پرم آتما (روح اعظم یا برہما) سے مل جانے کے قابل ہو جائے۔ (ہندوؤں کے نزدیک "برہم" یا "آتما" ہی سب کچھ ہے اور وہ تین خصوصیات کا حامل ہے، ست، چت، آنند) ہندو دھرم کا اصولی عقیدہ دنیا کے بیشتر مذاہب سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد ہے، ہندو مذہب میں بھی دیومالا موجود ہے۔ انکے بڑے بڑے دیوتا تین ہیں (۱) برہما (۲) وشنو (۳) اور شیو۔ برہما عالم کا خالق ہے اور قائم بالذات وشنو موجودات کی بقا اور ہستی کا ذمہ ہے اور اس کی پتنی (زوجہ) لکشمی دولت و ثروت، عیش،

و فراخی کی نمائندہ ہے، وشنو کو دعاؤں، عبادتوں اور منت و سماجت سے حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ اور زندگی کے نازک مراحل پر وہ عالم مادی میں اوتار کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ رام اور کرشن اس معبود کے اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ شیو اور وشنو کی ذمہ داریاں جداگانہ ہیں وہ زندگی کے قدیم آثار اور اشکال کو کو مٹانے کا ضامن اور نئی صورتوں کا خالق ہے۔

فلسفہ ویدانت

ہندو مذہب کی طرح مظاہر پرستی اور مشرکانہ عقائد آریوں کی ہند میں آمد سے پہلے دراوڑی ذہنوں میں جاگزیں تھے اور بھارت میں اسی اساس پر قائم مشرکانہ خیالات کی ہر طرف ترویج و اشاعت ہو رہی تھی کہ آریوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا اور قدیم ہندو فلسفہ میں کتر بیونت کر کے ایک نئے فلسفہ مذہب کی بنیاد ڈالی جس کو "فلسفہ ویدانت" سے موسوم کیا گیا۔

ہماری بدقسمتی کہ ہم نے اس کو اسلام کا نظیر و مماثل قرار دینے میں تکلف نہیں کیا، اسلام کے بنیادی نظریہ توحید کا ماخذ و منبع اس کو قرار دیا، نظریہ توحید کی اس تشریح و توضیح کو جو صوفیائے کرام نے عین اسلامی رنگ میں کی اس کو فلسفہ ویدانت سے ماخوذ و مستنبط قرار دیا۔ حقیقت میں اس غلطی کا صدور ان ہستیوں کی خامی فکر کا شاہکار رہے جنھوں نے اس اسلامی نظریہ توحید یا نظریہ ہمہ اوست کی حقیقی روح کو تو نہ سمجھا لیکن افکار مغرب سے مرعوب ہو کر بغیر سوچے سمجھے یہ کہہ اُٹھے کہ اسلامی تصوف" فلسفہ ویدانت" سے متاثر ہے اور اس کی ایک جدید تشکیل ہے۔ افسوس کہ ان کی اس نادانی نے گمراہی کا ایک دروازہ کھول دیا اور اسلام کو زبردست نقصان پہنچایا۔ کاش وہ غور کرتے کہ اسلامی توحید کے اصول تو اس فلسفہ ویدانت پر ایک ضرب کاری تھے، اسلامی نظریہ توحید کے مقابل فلسفہ ویدانت بلبلے کی طرح بیٹھ گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام کی اشاعت کے بجائے ویدک مذہب کی اشاعت ہوتی۔

آئندہ اوراق میں ہم فلسفہ ویدانت کی صراحت کریں گے اور اسلامی نظریہ توحید کی تشریح بھی کی جائے گی وہاں ایک تقابلی مطالعہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے اسلام کے نادان دوستوں نے دشمنوں سے بڑھ کر کام کیا ہے۔

فلسفۂ ویدانت فلسفہ ویدانت کی ترتیب و تشکیل میں ویدوں کے مصنفین نے یہ اہتمام ضرور کیا کہ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انھوں نے ہزاروں معبودوں کے پس پشت ایک ذات واحد کا تصور ضروری قرار دیا جس کو ان تمام معبودوں پر کارفرما مانا گیا لیکن ان کے فہم نارسا کو اس معبود مطلق یا ذات واحد کی کنہ اور حقیقت تک رسائی نہ ہو سکی اور وہ اس کو معطل محض ہی نہیں بلکہ لاشے محض سمجھ بیٹھے۔ آئیے اب ہم اس کا تجزیہ کریں۔

ویدک مذہب کا مرکزی تصور یہ ہے کہ عالم میں ایک یا بہت سی طاقتیں کارفرما ہیں چنانچہ ویدوں کے گیتوں میں وحدانیت کا یہ مہمل اور متضاد تصور موجود ہے۔ اپنشدوں میں یہی عقیدہ "برہمن" کو "روحِ عالم" یا ہستی مطلق قرار دیتا ہے۔ ہندو مذہب کے مفکرین میں پہلا عظیم مفکر شنکر اچاریہ (۸۲۰ء) ہے۔ شنکر اچاریہ[1] نے ویدانت کا یہ نظریہ اس ترمیم کے ساتھ پیش کیا کہ "آتما" (یعنی ہمارا نفس) برھمن یا روح کل ہے برہمن کی ذات ابدی اور لامحدود ہے برہمن کے سوا اور کسی ہستی کا وجود نہیں ہے۔ عالم محض (مایا) دھوکہ ہے، سراب ہے، محض عدم ہے اسی لئے اس فلسفہ کو (اَدویت) یعنی غیر ثنوی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندوؤں کی بہت بڑی اکثریت اس ویدانتی فلسفہ کی پیرو ہے اس فلسفہ کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ عالم کو بلا دلیل دھوکا اور عدم محض قرار دیتا ہے۔ شنکر آچاریہ کے نزدیک عالم نہ تو خدا کی مخلوق ہے نہ خدا کا عالم میں کوئی ظہور ہے۔ شنکر اچاریہ کا خدا نرگن (بے صفات) نراکار ہے۔ عالم میں لاتعداد اشیاء کے وجود کو عدم یا دھوکہ کیسے کہا جاسکتا ہے اور اگر یہ دھوکہ ہے تو یہ دھوکہ ازخود کیسے پیدا ہوگیا۔ شنکر آچاریہ کے پاس اس کا کوئی منطقی جواب نہیں ہے شنکر آچاریہ کے اس مشہور و معروف فلسفہ کا منطقی نتیجہ دو واجب الوجود کا اثبات ہے۔ اس لئے اس فلسفہ کو (ادویت) غیر ثنوی فلسفہ یعنی فلسفہ توحید کہنا غلط ہے بلکہ یہ نظریہ ثنویت ہی ہے اردو فارسی شاعری میں چونکہ ایسے خیالات بکثرت استعمال کئے گئے اور ناقدین نے اس کا نام فلسفہ تصوف رکھ دیا اس لئے نافہموں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ ویدانتی فلسفہ ہے۔

ہندو مذہب کا دوسرا مفکر رامانج ہے، رامانج (۱۰۱۶ء) نے شنکر آچاریہ کے فلسفہ کی تردید کی اور خدا (برہم) کو "سگن" (باصفات) ساکار ثابت کیا اور دنیا کو دھوکہ یا عدم قرار دینے کے بجائے اُس کا وجود حقیقی قرار دیا۔ لیکن رامانُج نے مادہ اور روح کو ازلی قرار دیا اور ساتھ ہی ساتھ برہم کا معلول بھی قرار دیا اس طرح تین ازلی وجود یا تین واجب الوجود ثابت اور ضروری ہو جاتے ہیں جن کا ایک دوسرے کا علت و معلول ہونا خلاف عقل ہے۔

ہندو مذہب کا تیسرا زبردست مفکر آنند تیرتھا یا مادھوا ہے جس نے شنکر آچاریہ کے

---

[1] ڈاکٹر تارا چند مشہور مورخ فاسیٹ کے حوالے سے اپنی کتاب "انفلوئینس آف اسلام آن ہندو کلچر" میں رقمطراز ہیں کہ شنکر آچاریہ دکن میں کلاڈیا کلڑی کے مقام پر ایک نمبودری برہمن شیوگرو کے گھر ایسے وقت پیدا ہوئے جبکہ ملک (بھارت) بہت سے خطرات سے دوچار تھا۔ انکے وطن کا راجہ کندن یا کودن گلور نے جو چیرامن پاری مل خاندان کا آخری راجہ تھا اسلام قبول کرلیا تھا اور اس کا اسلامی نام عبدالرحمٰن سامری تھا اس وقت بدھ مت تیزی سے پھیل رہا تھا اس لئے برہمن مت کی تجدید لازمی تھی چنانچہ ایک بیوہ کے لڑکے (شنکر اچاریہ) نے اس کام کو انجام دیا۔ اسی تصریح کی تائید بارتھ نے اپنی کتاب "ہندوستان کے مذاہب" میں کی ہے۔ شنکر اچاریہ کا عہد نویں صدی عیسوی ہے۔

"نرگن" (بلاصفات) خدا اور رامانج کے سگن (باصفات) خدا کا صاف انکار کیا اور کھلی ہوئی ثنویت کو تسلیم کیا جس کی بنیاد بھگوت پران پر ہے۔

ہندو مذہب کے یہی تین مکتب فکر ہیں جن پر بیشتر ہندو فرقوں کی بنیاد اور اساس ہے۔ اگرچہ ان مفکرین کے نظریات میں پرانے مذاہب کے عناصر ملتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی یہ نظریات دعقائد اسلام سے اتنی شدت کے ساتھ مماثلت اور قربت کی عکاسی کرتے ہیں کہ ان پر اسلامی اثرات کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے اور مفکرین مغرب و مشرق نے اس مماثلت سے یہ دھوکہ کھایا کہ وہ یہ پکار اٹھے کہ اسلام کا نظریہ وحدت الوجود ویدانت کے فلسفۂ ادویت سے ماخوذ ہے حالانکہ ایسا نہیں، صرف بعض پہلوؤں میں مماثلت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

ہندومت کی عظیم رزمیہ تصانیف

رامائن اور مہابھارت:۔ یہ رزمیہ نظمیں ہیں (رزمیہ شاعری کا دور ۱۴۰۰ ق م سے ۲۰۰ء تک تعین کیا گیا ہے) ان ادبی تخلیقات کو ہندو مذہب میں بہت بڑا مرتبہ دیا گیا ہے۔ رامائن رشی والمکی کی تصنیف ہے اس میں چوبیس [۲۴۰۰۰] ہزار اشلوک ہیں اور مہابھارت کا مصنف مہارشی ویاس ہے اس کتاب کے اٹھارہ حصوں میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔ یہ کوروں (تعداد [۱۰۰] سو) اور پانڈوں (تعداد [۵] پانچ) کی جنگ سے متعلق ہے جو تھانیسر کے مقام پر اٹھارہ [۱۸] روز تک لڑی گئی۔

بھگوت گیتا:۔ مہابھارت کا سب سے اہم حصہ ہے پانڈو ہمالیہ کے پہاڑی علاقہ کا ایک گروہ تھا جس کا دیوتا کرشن واسدیو تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کرشن ایک زبردست قومی رہنما تھے۔ جنھوں نے برہمنوں کی مخالفت میں ایک نیا مذہب قائم کیا اس نئے مذہب میں جو ہندو مذہب کی ایک ترمیمی شکل ہے وحدانیت کے تصور کی جھلکیاں موجود ہیں۔ اس نئے دین کے پیروں کو بھگتا کہتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد کرشن کو اس کی قوم نے الوہیت کی صفات سے متصف کرنا شروع کر دیا اور تھوڑے عرصہ بعد ہی ان کو دیوتا تسلیم کر لیا۔ برہمنوں نے جب اس ترمیمی مذہب کو اس قدر قبولیت کے قریب پایا اور دیکھا کہ اس کی مخالفت ہمارے زوال کا سرمایہ بنتی جا رہی ہے تو انھوں نے کرشن کو اپنا لیا اور اُس کو وشنو کا اوتار قرار دیا۔ رفتہ رفتہ بھگوتی مذہب کے پیرو برہمنیت کے نظام میں جذب ہو گئے بھگوت گیتا میں کرشن کبھی اپنے کو بحیثیت ایک مجسم و مشخص خدا کے متعارف کراتا ہے، کبھی اپنے کو ایسا خدائے واحد قرار دیتا ہے جو تمام عالم کا حکمراں ہے اور کبھی ویدانت کے عقیدہ برہمن اور مایا کا ذکر کرتا ہے اور مایا سے آزاد ہو کر برہمن کے ساتھ متحد بالذات ہونا مقصود حیات قرار دیتا ہے۔ یہ دونوں متضاد عقائد بھگوت گیتا میں موجود ہیں۔ کرشن کے نزدیک مادہ اور روح دونوں لافانی ہیں اس طرح وہ تین وجود یعنی خدا، روح، اور مادہ کو ازلی قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا کی ازلی وابدی ہستی کو اس عالم فانی سے بالکل جدا قرار دیتا ہے بلکہ انسانوں کی لافانی روح سے بھی اس کی ہستی کو بالکل جدا بتاتا ہے۔ اس طرح بھگوت گیتا میں توحید کا ایک ایسا ناقص و مبہم سا تصور

ملتا ہے جو حقیقتاً تین ازلی ہستیوں یا تین واجب الوجود کا اثبات کرتا ہے۔

قوانین منو

ویدک دَور میں یہ خیال کرنا کہ تمام بھارت پر اس کا اثر و نفوذ تھا غلط ہے بلکہ یہ دَور بھی افتراق و اختلاف سے خالی نہیں تھا۔ بھارت دو عظیم جماعتوں میں بٹا ہوا تھا ایک یہاں کے قدیم باشندے دوسرے نووارد آریہ لیکن ان نو واردوں کو فاتحانہ حیثیت کے باعث جو سیاسی اور مذہبی اقتدار حاصل ہوا اس نے تمام سربلندیوں اور عظمتوں کو ان کے قدموں پر لا ڈالا اور جیسے جیسے اِس فاتح قوم کی عظمت بڑھتی گئی قدیم باشندوں کو زوال کا منہ دیکھنا پڑا اور آخر کار ان کا زوال پستی کی ان حدوں تک پہنچ گیا کہ قدیم باشندے کلیتہً شودر (نجس) قرار دیدئے گئے۔

ایک ہزار قبل مسیح سے چھ سو قبل مسیح تک کا زمانہ آریاؤں اور قدیم باشندوں کے مذہبی، معاشرتی اور سماجی افکار کے تصادم اور اختلاط کا دَور ہے لیکن اس تصادم سے خود شودروں کے لئے کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا بلکہ ایک نئی جماعت نے اس سے فائدہ اُٹھایا یعنی اس زمانہ میں برہمنی مت کو فروغ نصیب ہوا۔ برہمنی مت کے زیر اثر جس معاشرہ نے جنم لیا وہ ہندو سماج تھا اس کے معاشرتی اور سماجی قوانین "قوانین منو" کے نام سے موسوم ہوئے۔ یہ بارہ کتابوں پر مشتمل ہے اس میں سے ہر ایک کا عنوان درج ذیل ہے:۔ (۱) تخلیق (۲) درس و تدریس اور شاگرد کے فرائض یا پہلا حکم (۳) ازدواجی زندگی اور تہذیب خانہ داری یا دوسرا حکم (۴) ذرائع معاش اور ذاتی اخلاق (کردار)، (۵) غذا، آمیزش سے پاک رکھنا اور عورتوں کے فرائض (۶) ایک سنیاسی کے فرائض یا حکم سوم و چہارم کے فرائض (۷) حکومت، راجہ کے فرائض اور فوجی طبقہ (۸) عدلیہ اور مقننہ (۹) بہ تسلسل ماقبل تجارت پیشہ اور غلاموں کے فرائض (۱۰) مخلوط ذاتیں در ہنگامی حالات میں ان کے فرائض (۱۱) نفس کشی اور کفارہ (پراشچت)، (۱۲) تناسخ اور مکتی۔ منو کا زمانہ ۳۰۰ ق م سے ۱۵۰ء کے درمیان تصور کیا جاتا ہے۔ منوں کا دھرم شاستر ہندو مذہب کے مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی ضوابط کا مجموعہ ہے۔ اُس نے سوسائٹی کو چار ورنوں (طبقوں) میں تقسیم کیا:۔ (۱) برہمن (۲) کشتری (۳) ویش (۴) اور شودر اور ہر ورن کے جداگانہ فرائض قرار دیئے۔ (۱) برہمن چونکہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کا شمار سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقہ میں کیا جاتا تھا ان کا کام علم و فکر کی زندگی بسر کرنا اور مذہبی رسومات کا انجام دینا تھا۔ برہمنوں نے اپنی فوقیت اور سب سے اعلیٰ اور افضل ہونے کی دلیل خود رگ وید سے اخذ کی اور اسی پہ ذات پات کی بنیاد قائم کی۔ "برہمن اس کے (پروشہ یعنی اہل ہنود کے خدا) "مونہ سے تھا (بنایا گیا) اور راجانیا اس کے بازوؤں سے تھا اور اس کی رانیں ویش بن گئیں اور اس کے پیروں سے شودر نکلے" (۲) کشتری طبقہ یعنی جنگجو طبقہ۔ اس طبقہ کا کام سپاہ گری و حکم رانی کرنا تھا (۳) ویش طبقہ کا کام تجارت و صنعت و حرفت کے کام انجام دینا تھا (۴) شودر یعنی ہندوستان کے قدیم باشندے جنھیں آریاؤں نے اپنا غلام بنالیا تھا۔ ان کا کام محنت و مشقت کرنا۔ اس طبقہ کو نیچ ذاتی سے موسوم کیا گیا جیسا کہ منوسمرتی میں درج ہے۔

(الف) "شودر زر خرید ہو یا نہ ہو۔ مگر اُس سے تو سیوا ہی لے کیونکہ برہما نے اُسے برہمن وغیرہ کی خدمت ہی کے لئے پیدا کیا ہے"۔ (ب) "شودر اپنے مالک سے آزاد بھی ہو جائے تب بھی وہ سیوا کرنے سے آزاد نہیں"۔

اسی طرح منو نے انسانی زندگی کو بھی چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:۔

(۱) بال آشرم (عہدِ طفلی)۔ (۲) آشرم یعنی زمانہ تجرد و حصول علوم و فنون (۳) گرہ آشرم یعنی ازدواجی زندگی و امورِ خانہ داری کا متحمل ہونا (۴) سنیاس آشرم یعنی تارک الدنیا ہو کر زندگی بسر کرنا۔ نجات کلی (مُکتی) صرف سنیاس آشرم پر موقوف ہے۔ قوانین منو کی رو سے کوئی شودر یعنی نیچ ذات کا فرد اگر دیگر طبقوں کے افراد کے قریب سے گذر جاتا تو اُس کی پیشانی داغ دی جاتی یا اُس کے جسم کے حصہ سے گوشت کاٹ لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شودر مندر کے قریب سے گذر جاتا تھا اور سنسکرت کے اشلوک سُن لیتا تھا تو اُس کے کان میں کھولتا ہوا تیل یا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔ شودر کسی برہمن کو چور کہتا تو اُس کے جسم کا عضو کاٹ دیا جاتا اور اگر کسی برہمن، کشتری اور ویش کے ساتھ سخت کلامی کرتا تھا تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جاتا تھا۔

اخلاقی حالت | المختصر ہندوستان کے باسیوں کی اخلاقی حالات کا اندازہ ان کی اس طبقہ جاتی تقسیم سے کیا جا سکتا ہے اور یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ ان کے یہاں شودر کا کیا مقام تھا۔ شودروں کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ برہمن اُن کا حق غصب کر لیا کرتے تھے چونکہ برہمن کے لئے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی۔ جھوٹا کھانا اور پھٹے پُرانے کپڑے اُن کی انتھک محنت کا ثمرہ یا معاوضہ تھا۔ اس طرح یہاں عورتوں پر بھی ہر قسم کا ظلم روا تھا اور اُن کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

(۱) وہ بیک وقت چند شوہروں کی ملکیت ہوتی تھی اور اُن کی حیثیت داسی سے زیادہ نہ تھی۔ شوہروں میں سے ہر ایک کو خوش رکھنا اُس کا فرض ہوتا تھا۔ (۲) مہاتماؤں۔ سنتوں۔ پروہتوں اور اسی قسم کے مذہبی ٹھیکیداروں کے پاس آشیرباد لینے (حصول برکت) کے لئے خلوت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ (۳) کم عمر دوشیزاؤں اور بچیوں کی شادی صاحبِ ثروت بوڑھوں کے ساتھ کر دی جاتی تھی اس طرح سے پتی (شوہر) کے مرنے پر تمام عمر جوان بیوہ کی حیثیت سے سسرال میں کاٹنی پڑتی تھی جہاں ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ (۴) عورتیں دیوداسیاں بنا کر منادر میں رکھی جاتی تھیں۔ (۵) ستی کی رسم عام تھی چونکہ شوہر کی وفات کے بعد عورت تمام لذائذ دنیا سے محروم کر دی جاتی تھی اس لئے وہ شوہر کے ساتھ جل مرنے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی۔ علاوہ ازیں اساطیر کی سرگذشت سے عوام کو یہی تاثر دیتے رہے کہ برہمن راست گفتار کشتری بہادر اور شودر شقی القلب ہوتے ہیں۔

بدھ مذہب

آریہ مذہب بھارت میں خوب پھول پھل رہا تھا کہ سنہ ۵۶۰ ق-م میں کپل وستو (بہار) کے مہاراجہ کے یہاں ایک راجکمار پیدا ہوا جس کا نام سدھارتھا رکھا گیا۔ ۲۸ سال تک راجکمار نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی۔ شہرت اور عظمت کی سربلندیوں پر پہنچ کر سنہ ۴۸۰ ق-م یعنی اسّی سال کی عمر میں کوسی نگر میں انتقال کیا۔

گوتم بدھ | سکیا مُنی گوتم بدھ کے ذاتی حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے بڑی بڑی روائتیں ان سے وابستہ ہیں زیادہ تر فسانوی حیثیت کی حامل ہیں۔ گوتم بدھ کے والدین نے اس بات کی کوشش کی کہ

زندگی کے آلام و مصائب کو اُن سے پوشیدہ رکھا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب گوتم بدھ عیش و عشرت کے ماحول سے باہر آئے تو انسانی مصائب کو دیکھ کر ان کا دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ۲۹ سال کی عمر میں انھوں نے دُنیا سے علیحدگی اختیار کی اور جنگلوں میں سکونت پذیر ہوئے بالآخر اُن کو گیان (معرفت) حاصل ہوا۔ بعد ازیں گوشۂ تنہائی سے نکل کر عوام الناس سے رابطہ قائم کیا اور ان میں اپنی تعلیم کی اشاعت شروع کردی اُن کی پہلی تعلیم یہ تھی کہ "کسی کی جان نہ لو"۔ اور دوسری تعلیم یہ تھی کہ "کوئی منشی چیز چھوئی نہ جائے بدھ مصنفین کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے کہ "آیا بدھ کوئی مذہب ہے ؟ یا اخلاقی ضابطہ"؟ تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ خود بُدھ مسلک نے ایک مستقل مذہب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ آریہ سماج یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ "مہاتما گوتم" بھی ویدمت کی حمایت کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن گوتم بدھ کے سنسکرت نہ پڑھنے کے حکم اور پالی زبان (جس نے اُجین میں جنم لیا) کو مقدس زبان قرار دینے سے، آریہ سماجیوں کا یہ دعویٰ قطعی کمزور ہو جاتا ہے۔ مزید برآں مہاتما بدھ کی تعلیمات اُن کی وفات کے تقریباً سو سال بعد پالی زبان میں تین پتاکوں میں جمع کی گئی۔ بدھ مذہب اور ویدانت (ہندو مذہب کا فلسفہ) میں کرما اور تناسخ کے عقائد مشترک ہیں۔

بہر حال دونوں مذہبوں میں مقصودِ حیات یہ ہے کہ انسان پیدائش اور موت کے چکر سے نکل کر نجات (مُکتی) حاصل کر لے۔ بدھ مت دنیا کے ان چند مذاہب میں سے ایک ہے جو ماورائی نظریا غیر مرئی موجودات کے منکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بُدھ مذہب میں تخلیق عالم کے بارے میں کوئی نظریہ اور رائے موجود نہیں ہے۔ اس مذہب میں خدا کا کوئی تصور نہیں بدھ مت صرف انسان سے خود اعتمادی کا مطالبہ کرتا ہے انسان صرف اپنی کوششوں سے اعلیٰ ترین مقامات حاصل کر سکتا ہے۔ "سدھاتا گوتم" یا مہاتما بدھ کے نزدیک ہماری ارضی زندگی آلام و مصائب کی زندگی ہے۔ اپنشدوں کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مہاتما بدھ نے خارجی اشیاء اور نفس باطنی دونوں کی حقیقت سے انکار کیا ہے۔ یعنی مدرکات حواس بھی بے اصل ہیں اور نفسِ مدرکہ بھی۔ اپنشدوں نے اشیاء اور موجودات کے پس پشت ایک ذات حقیقی کو موجود مانا تھا لیکن بدھ مت نے اس سے بھی انکار کیا۔ بدھ مت کے "مہایانا" فرقہ میں دیوتاؤں اور دیویوں کے تصورات ملتے ہیں جس پر ہندو کثرت پرستی مبنی تھی دوئم ایسے خدا کا تصور بھی ملتا ہے جو تمام ثانوی طاقتوں نیز غیر مری اشیاء اور کائنات کا خالق ہے بدھ مت کے "مہایانہ" فرقے نے گوتم بدھ کی تمام اصلاحات کو رد کر کے ان تمام رب النوع کو قایم رکھا جن سے ہندوستانی صنمیات (دیومالا) پر ہے ان سب سے مافوق اور عملی زندگی سے بالکل الگ تھلگ ادی بدھ کا مابعد الطبعیاتی تصور تھا لیکن ادی بدھ کو اس کائنات کے ساتھ جس کو وہ وجود میں لایا کوئی فعلیاتی یا خالقانہ تعلق نہ تھا۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ برہما کو گوتم بدھ نے نروانا سے تعبیر کیا ہے اور بعض کے نزدیک نروانا سے عیرفان حیات مقصود ہے مشہور محقق مسٹر ایڈون آرنلڈ کا بیان ہے کہ نروانا کی توضیح فلسفیانہ اصول پر

مبنی نہیں بلکہ خیالی باتوں کی آمیزش اُس میں سرتاپا پائی جاتی ہے، اسی طرح پروفیسر بلیکائی کا بیان ہے کہ "نروانا دراصل ایک خیال ہے جس کی کوئی بھی عاقلانہ اساس نہیں ہے"۔

غور و خوص سے پتا چلتا ہے کہ "بودھ مذہب کی نروانا تو صرف ایک کیفیت فنا کا نام ہے بالفاظ دگر اس مذہب میں انسان کے کامل فنا ہو جانے کو مکتی کہتے ہیں"۔ چونکہ اُس زمانہ میں ہندوؤں میں اوتاروں کا عقیدہ عام ہو چکا تھا لہذا بدھ مذہب کے پیروں نے گوتم بدھ کو بھی بھگوان کا اوتار قرار دیدیا گویا انسانی شکل میں خدا کو متصور کرلیا اور اس کی مورتیاں بنا کر پرستش شروع کردی۔ گندھارا، افغانستان، برہما، چین اور ملائیشیا میں گوتم بدھ کی کثیر التعداد مورتیاں اُس توضیح کی شاہد ہیں۔ بدھ مذہب کی موجودہ تشکیل جس میں اصنام پرستی اور توحید کے رجحانات کی آمیزش ہے۔ مہاتما بدھ کے بعد آنے والے بدھ مفکرین کی مرہون منت ہے، مہاتما بدھ کی تعلیمات سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ مختلف مذاہب کے تصورات وعقائد کی آمیزش سے بدھ مذہب میں جاذبیت پیدا کی گئی تاکہ اشاعت میں آسانی اور اس کی قبولیت میں اضافہ ہو سکے۔

مہاتما بدھ کی تعلیمات، ہندوستان میں برہمنیت پر ایک ضرب کاری تھی، چونکہ اس میں ذات پات کی بالکل تفریق نہیں تھی اور نہ کسی مخصوص انسانی طبقہ کی سیادت کو اس میں تسلیم کیا گیا تھا، ان خصوصیات کے باعث یہ مذہب بڑی تیزی سے پھیلا، مہاراجہ اشوک کی کوششوں نے اس کو تمام ہندوستان اور دوسرے قریبی ممالک میں روشناس کرایا لیکن برہمن اپنے اس اقتدار کی شکست کو زیادہ عرصہ برداشت نہ کرسکے، اور موقع ملتے ہی یعنی اشوک کی سلطنت پر زوال آتے ہی انھوں نے برہمنیت کو اس اقتدار پر پہنچا دیا جہاں وہ اس سے پہلے تھی نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں بدھ مت کو زوال شروع ہوا، آج اس برصغیر میں اس کے پیرو بہت ہیں لیکن دوسرے ممالک یعنی برہما، سیام، نیپال، بھوٹان، سیلون اور چین میں یہ خوب پھولا پھلا اور آج اس کے پیرو تمام ممالک میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں موجودہ زمانے میں سیلون کے سوا تمام پیروان بدھ کا مذہب مہایانہ ہے۔

بدھ مت میں آٹھ چیزوں کی صحت پر خاص زور دیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں :-

(۱) صحیح ایمان (۲) صحیح ارادہ (۳) صحیح گفتگو (۴) صحیح کردار (۵) صحیح معاش (۶) صحیح فکر۔ (۷) صحیح انکسار (۸) صحیح مراقبہ۔

یہ گویا اس مذہب کے اوامر تھے اس طرح پانچ نواہی بھی ہیں۔

(۱) ذی حیات کو نہ مارا جائے (۲) کسی چیز کو بجبر حاصل نہ کیا جائے (۳) جھوٹ نہ بولا جائے۔ (۴) نشی اشیا استعمال نہ کی جائیں (۵) جسمانی گناہوں سے بچا جائے۔

ان تعلیمات کے پیش نظر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدھ مت ایک ضابطہ اخلاق سے زیادہ نہیں، اس میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرد کی روح کی تسکین کا سامان موجود ہے لیکن بنی نوع انسان کی سیاسی، تمدنی اور معاشی زندگی کا نہ کوئی دستور ہے اور نہ اس کی فلاح کا کوئی سامان۔

یہی سبب ہے کہ وہ ارتقائی تمدن کا ساتھ نہ دے سکا اور انسان جولانی الطبع ہے زیادہ عرصہ اس کے سہارے نہ چل سکا مہاتما بدھ نے بت پرستی سے اعراض کیا تھا جیسا کہ اُن کی آخری وصیت سے ظاہر ہے" ایسا نہ کرنا" کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کر دو اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو، نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی۔ لیکن ان کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کے مجسموں کی پرستش اس طرح شروع ہو گئی جس طرح ہندو مذہب میں دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے پروفیسر ٹوئین بی، بدھ مت پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "صحرا نوردی" امور زندگی سے فرار اختیار کر لینے کے بعد اس نے اپنے پیروؤں کو افراد عالم سے جس حُسن سلوک کی تعلیم دی کیا وہ زندگانی سے ارتباط کی دلیل نہیں۔ چنانچہ یہ ارتباط اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ مہاتما بدھ کی تعلیم اور عمل میں ایک بُنا دبی دبے ہے[۱]

یہودی مذہب

مشہور ہادی بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام جو طور سینا سے توریت کی تعلیمات کو تیہ کی سرگردانی سے قبل امت کی تعلیم کے لئے لاتے تھے ان کو سرکش امت نے بہت جلد نسیاً منسیاً کر دیا ان کی یہ دسیسہ کاری اور سرکشی کوئی نئی چیز نہ تھی، من و سلویٰ کے نزول کے بعد اور فدیہ بقر میں ان کی جاہلانہ کج بحثیاں قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کا جو درس ان کو دیا تھا وہ انھوں نے جلد بھلا دیا۔ اور توریت و زبور کو اپنی منشاء کے مطابق محرّف کر کے ایسے عقائد کی اشاعت کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی۔

"یہودی مذہب کی بنیاد دو عقیدوں پر ہے اولاً خدا کی وحدانیت، دوم بنی اسرائیل کے ساتھ خدا کا مخصوص تعلق، وہ اپنے اس عقیدہ پر قائم ہیں کہ وہ خدا کی محبوب اُمت ہیں۔ اکثر صورتوں میں اس اعتقاد کا اثر اِن کی عملی زندگی میں اچھا نہیں پڑا۔ خدا کی محبوب اُمت ہونے کا مطلب انہوں نے یہ نکالا کہ جو کچھ بد کرداریاں ان سے سرزد ہوں ان کے لئے وہ جوابدہ نہیں ہوں گے اور ان پر کوئی دارو گیر نہ ہوگی نہ اُن کے اس منصب پر فرق آئے گا جس پر وہ مامور ہیں یہودیوں کے نزدیک انسان اپنے فعل کا مختار اور ذمہ دار ہے۔ یہودی مذہب شرک کا مخالف ہے وہ عیسائیوں اور زرتشتیوں کی طرح تثلیث پرستی اور ثنویت پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ سب سے بڑی تفریق جو یہودی اور دیگر مذاہب میں ہے وہ یہ ہے کہ یہودی مذہب کی بنیاد کسی ایک رہبر یا ہادی نے نہیں ڈالی بلکہ مختلف مواقع پر حسب ضرورت بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول یا نبی آتے رہے اور یہودیوں کو راستی اور نیکی کی تعلیم دیتے رہے۔ حیات بعد الممات کے مسئلہ پر توریت خاموش ہے یہودی مذہب میں خدا کا

---

[۱] تفصیل کے لئے پروفیسر مذکور کی کتاب دی اسٹڈی آف ہسٹری جلد سوم ملاحظہ کیجئے ۔ ۱۸۸ اُم الکتاب

تصور شخصی اور جسمانی قسم کا ہے جو وحدت حقیقی اور واجب الوجودیت کے منافی ہے۔

جب یہودیت نے اور ہاتھ پیر نکالے اور توحید کے نظریہ کو بھی انھوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر باطل کر دیا تو قدرت نے ان کی رہنمائی کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی گم گشتہ بھیڑوں کو راہ پر لانے کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے۔ خدا تک پہونچنے کے لئے یہودی مفکرین اپنے اعمال اور کردار کو ذریعہ قرار دیتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو یہ فرمایا تھا کہ میں صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں اور بیٹوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنے کے لئے نہیں آیا۔ لیکن سینٹ پال نے اس تعلیم کو علی الاعلان غیر یہودیوں میں بھی پھیلانا شروع کر دیا۔ ۷۰ء میں جب یہودیوں کا شیرازہ منتشر ہوا تو عیسائیت پر غیر یہودی چھا گئے قسطنطین اعظم (متوفی ۳۳۷ء) اپنے عیسائی ہونے سے پہلے (یوسی بیوس نیکومیدی نے اس کو اصطباغ دیا) ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر دنیائے عیسائیت کے پادریوں کی ایک کانفرنس منعقد کرائی جس میں تین سو اٹھارہ ۳۱۸ اسقفوں نے شرکت کی، اس کانفرنس میں عقائد، رسوم اور طرائق عبادت کو متعین کرنے کا فیصلہ کیا گیا اس طرح اس مشہور کونسل کے بعد عیسائیت یہودیت سے بالکل الگ مذہب میں منتقل ہوگئی۔ اب باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰؑ) اور روح القدس کی الوہیت کا فارمولا تیار کیا گیا چنانچہ ان تینوں کو مقام الوہیت کے مستقل بالذات اقانیم تسلیم کر لیا گیا۔ عقیدۂ تثلیث کو واجب التسلیم سمجھا گیا اور دیگر عقائد کو غلط قرار دیا گیا یہ ارکان ثلاثہ اقانیم ثلاثہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا پیغام اس شرک سے منزہ اور خالصاً صدائے توحید تھی۔

آپ نے فرمایا کہ "خدا کی بادشاہت قائم ہونے والی ہے۔ جس میں نیکوکاروں، حلیموں، غریبوں اور راست بازوں کو ان ظلموں سے نجات مل جائے گی جو ان پر اس دنیا میں ہو رہے ہیں" آپ نے انسان کو انسان سے محبت سے پیش آنے اور خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک (صبر کرم، حلم اور عاجزی) سے پیش آنے کی تلقین فرمائی لیکن یہودیت پر یہ تعلیمات ایک کاری ضرب تھی اس لئے آپ کے خلاف بہت جلد یہودیت کمربستہ ہوگئی اور یہودا حواری نے مکر و فریب سے آپ کو گرفتار کرا کے مصلوب کرایا! (حالانکہ آپ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ آپ کا ہم شبیہ مصلوب ہوا) آخر کار یہودیوں کے لئے میدان صاف ہو گیا بموجب قرآن کریم آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو صحیفہ ربانی انجیل اپنے حواریوں کو دے گئے تھے تاریخ اس کے متعلق بالکل ساکت ہے مختلف الخیال فرقوں نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرنی شروع کیں چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی رو سے اس زمانہ میں تقریباً چونتیس ۳۴ اناجیل کا پتہ لگا ہے اسی طرح جو نامہ جات حواریوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان کی تعداد ایک سو تیرہ ۱۱۳ تک ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ محبت اچھے کردار کی صرف ایک صفت ہی نہیں

بلکہ کردار کی بنیاد اور اُس کی محرک اعلیٰ ہے۔ اگر انسان کے دل میں دوسرے کے ساتھ محبت کا جذبہ نہ ہو تو اس کی ساری مذہبیت بیکار ہے۔ عیسائیت میں سینکڑوں فرقے ہیں جن کے عقائد میں اختلافات ہیں، گریگوری نے اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ "بائیبل میں خدا کا تصور یکساں نہیں ہے۔ کہیں کچھ ہے اور کہیں کچھ اور یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ فلاں جگہ پر کونسے غیر مسیحی اثرات کارفرما ہیں اور فلاں مقام پر کونسے۔"

گذشتہ اوراق میں جن مذاہب کا ذکر آیا ہے وہ بے کم و بیش نظریات تثلیث یا ثنویت کے پیرو تھے البتہ انھوں نے شرک ہی میں توحید ثابت کرنے کی غیر عاقلانہ کوشش ضرور کی ہے۔ ہم ان مذاہب کی خصوصیات کے تقابلی مطالعہ کے لئے اہم خصوصیات کو ذیل میں پیش کرتے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ خالص توحید کا نظریہ کس مذہب نے پیش کیا اور کہاں تک وہ اس سلسلہ میں آگے بڑھا ہے۔

(۱) ہندوؤں کی تثلیث :۔ برہما (پاتی) پیدا کرنے والا۔ وشنو (لبسن) قائم کرنے والا۔ شیو (مہادیو) مارنے والا۔ ترسول اسی تثلیث کی یادگار ہے۔

(۲) آریاؤں کی تثلیث :۔ ایشر (ایشور)۔ مادہ۔ روح۔

(۳) افلاطونیوں کی تثلیث :۔ خدا۔ عقل۔ نفس کلی۔ جو روما میں عیسائی تثلیث سے صدیوں قبل رائج تھی۔

(۴) عیسائیوں کی تثلیث :۔ باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔

عیسائیوں کے چند بنیادی اصول۔ حیات، علم، ارادہ۔ باپ، روح القدس اور بیٹا۔ حضرت مسیحؑ کا بے باپ کے پیدا ہونا۔ مرکر زندہ ہوجانا۔ مجسم آسمان پر چلا جانا۔

(۵) پارسیوں کی تثلیث یا ثنویت :۔ ایزد۔ متھرا۔ ہستی۔ خیر و شر یا نور و ظلمت کے خالق یزداں و اہرمن

بعض نے اللہ کی صفات میں سے ہر ایک صفت کو ایک جداگانہ وجود تصور کرکے معبود کا درجہ دیدیا اور علی الاعلان نظریہ تثلیث کے اتباع کی ہے۔ فلسفیوں نے اسے علت العلل یا عقل کلی کی صورت میں پہچاننا چاہا ("الخیر" اور "العقل" یونانی فلسفے کے تصور الوہیت کا ماحصل ہیں) لیکن کسی کی بھی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔

صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے توحید کا واضح نظریہ پیش کیا۔ اسلام کا اصل الاصول یہی توحید ہے باقی اس کے جتنے اصول ہیں وہ سب اس کی توضیح یا تشریح ہیں۔ اس نظریہ کی تشریح آئندہ اوراق میں کی جائے گی اس سے قبل ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان بانیان مذاہب نے اپنے اپنے مذہب کا جو نظام مرتب کیا اور اسے شریعت کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ کلیۃً تحریف سے پاک ہے اور اُس میں کسی قسم کی اصلاح یا قطع و برید بھی کی گئی ہے یا نہیں اور اب تک اپنی اصلی ہیئت میں موجود ہے یا وہ محرّف ہے ویدوں کو ہی لے لیجئے (ہندو مذہب کا نظام ویدوں یا پرانوں پر مبنی ہے) جس عہد میں ویدوں کی تعلیم دی گئی یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنا پڑھنا ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وید کئی صدی تک قلم بند نہیں ہوئے۔

یہی سبب ہے کہ صدیوں تک وید کے منتروں کا وجود زبانی یاد داشتوں پر منحصر رہا اور وہ سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتے رہے لیکن یہودی اور عیسائی مذہب کا تعلق اس دور سے ہے جب لکھنا تو ایجاد ہو گیا تھا مگر کاغذ معدوم تھا۔ بھوج پتر، درخت کے پتوں اور مرگ چھالوں پر لکھا جاتا تھا ان حالات میں دنیا کا کوئی بھی مذہب قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ہادی کے مرتبہ اصول اور صحیفہ تحریف سے مبرّا و منزّہ ہیں۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ببانگ دہل کہہ سکتا ہے کہ اس کے ہادیؐ برحق نے جو اصول و ضوابط مرتب کیے تھے وہ من وعن موجود ہیں اور اُن میں تحریف کا شائبہ نہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب اس کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا ہے۔

ڈاکٹر ~~سمر رادھا~~کرشن نے اپنے مقالہ اسلامی توحید و تہذیب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اسلام، پراسرار، الجھنوں سے منزّہ اور مبرّا مذہب ہے وہ ایک فطری دین ہے اس کا مرکز خدا کے صفات کا کمال اور توحید ہے اپنی تنظیمی پہلو میں بھی وہ کاملاً معقول ہے۔ اس کے تہذیبی نظام میں ذات پات اور نسلی پرستاروں وغیرہ کا گذر اور دخل نہیں ایسے شعائر اور رسوم اس میں مستند نہیں سمجھے جاتے جو ذہن انسانی کو توحید حق کی طرف سے غافل کر دیں۔ عملی نظام میں جمہور نوازی اس کی کلید ہے یہی خصوصیات۔ تبلیغی مذہب کی حیثیت سے اس کی کامیابی کا باعث ہوگئیں اور تمام بنی نوع انسان کا بندگان حق ہونے کی صلاحیت تسلیم کرتا ہے مسلمان توحید کے منافی لوازم اور نتائج کو بے دھڑک قبول کرتے ہیں وہ اپنی مسجدوں میں کسی فرد کے بارے میں کسی امتیاز کو روا نہیں رکھتے یہ بات ہندو معبدوں اور عیسائی کنیساؤں کے باب میں نہیں کہی جا سکتی۔ باوجود اُن دعاؤں کے جو وہ خدا کے حضور میں سارے بندوں کی مساوات کے بارے میں کرتے ہیں۔

اسلام نے توحید اور اخوت انسانی کے عقیدوں کے پیش نظر دنیا کے کئی تاریک گوشوں سے وحشتناک اعمال اور عادات کا قلع قمع کیا ہے اور کروڑہا بنی آدم کے معیار زندگی کو بلند کیا ہے اس نے پا اُفتادہ قوموں کو ہوس پرستانہ شرک، طفل کُشی، انسانی قربانی، بھوت پریت کی پرستش جادو وغیرہ کے طلسم سے نکالنے میں بڑی مدد کی ہے۔ اسلام کے آگے ایک عظیم الشان مستقبل ہے ہندومت نے اسلامی تجربہ سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ چند غیر مہذب مسلمانوں کے اعمال کے باعث اسلامی مقاصد اور نصب العین کی طرف سے ہندوؤں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ ہندوؤں کو اسلام سے کم از کم ایک بات سیکھ لینی چاہیئے کہ وہ خدا کے باب میں ناقص تصورات اور عبادات کے بھونڈے طریقوں کو روا نہ رکھیں۔" (دی ہارٹ آف ہندوستان)

یہ امر مسلمہ ہے کہ قرآن کریم کامل صورت میں موجود ہے۔ یوں تو خداوند کریم نے انسانی ہدایت و فلاح کے لئے پیغمبروں پر وقتاً فوقتاً صحیفے نازل کئے ہیں لیکن قرآن شریف نے جن کی تصدیق کی ہے

وہ تعداد میں پانچ ہیں :۔

(۱) صحیفۂ ابراہیمی (صحف ابراہیم علیہ السلام)(۲) توراۃ۔(۳) زبور۔ (۴) انجیل (۵) اور قرآن مجید
ان میں سے صحیفۂ ابراہیمی دنیا سے مستقل صورت میں نادرالوجود ہے البتہ ضمنی صورت میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اگرچہ توراۃ، زبور اور انجیل مستقل صورت میں دُنیا میں موجود ہیں لیکن ان میں اتنی ردو بدل ہوئی ہے کہ ان کو تحریف سے منزّہ و پاک کسی بھی صورت میں نہیں کہا جاسکتا۔

مستشرقین نے قرآن کریم کی عظمت کا اس طرح اعتراف کیا ہے :۔

(۱) ریورنیڈ جی، ایم، راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ :۔

"قرآن مجید کی تعلیم نے عرب کے خانہ بدوش قبائل کی حالت کو اس قدر بدل دیا تھا۔ جیسے کہ کسی نے ان پر سحر کر دیا ہو۔ قرآن (مجید) بے شک عربوں کے لئے برکت اور رحمت حق تھا"

(۲) ڈاکٹر سیموئیل جانسن کہتے ہیں کہ :۔

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صداقتیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں"۔ (۳) جرمن فاضل کرٹی لکھتا ہے کہ :۔

"قرآن (مجید) بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور متحیر کر دیتا ہے اور آخر ہم اس کی عزت و احترام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ کتاب تمام زمانوں میں اپنا قوی اثر کرتی رہے گی"

سپنگلر لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری جب بوڑھے ہونے لگے تو انھوں نے جو قصے اور روائتیں زبان زد خاص وعام تھیں یکجا کر دیں۔ یہی انجیل ہے۔ منزل من اللہ انجیل کا کہیں پتہ نہ تھا۔

ان حالات میں اسلام کا، امتیازی اور عالمگیر مذہب ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ آئیے اب ہم ظہور اسلام کے اسباب پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔

حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تک مختلف ادوار میں بندگان خدا کی ہدایت اور رہنمائی بلکہ بالفاظ دیگر معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہادی و رسول مبعوث ہوتے رہے جن میں سے بعض صاحب شریعت تھے اور بعض متبعین مبلغ ومفسر شریعت سابقہ تھے۔ بمقتضائے حال ان پر احکام الٰہی بھی نازل ہوتے رہے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان کا بتدریج روحانی ارتقا بھی ہوتا رہا۔ بہرحال توحید الٰہی ان سب کا بنیادی پیغام تھا۔ قلوب سلیم نے ہمیشہ اس پیغام کو اپنایا اور آمنا وصدقنا کہا اور کج فطرتوں نے سرکشی اور فرار کا راستہ اختیار کیا۔

چھٹی صدی عیسوی میں (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت) مذہبی اعتبار سے دنیا کی جو زبوں حالت تھی اس کو مورخین نے قرون مظلمہ سے تعبیر کیا ہے لیکن عمرانی اعتبار سے دنیا بہت

کچھ ترقی کر چکی تھی یعنی تمدن انسانی کو چار ہزار سال سے زیادہ مدت گذر چکی تھی۔ عظیم الشان سلطنتیں و شہنشاہیتیں معرضِ وجود میں آ چکی تھیں قوانین وضوابط اخلاقی مرتب ہو چکے تھے اور انسان مہذب و متمدن و ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ سقراط، افلاطون، زردشت، گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے طنطنے سے فضا گونج رہی تھی۔ افلاطون کے تین شاہ کار (۱) علم کلام (۲) حکمت اشراق (۳) اور سیاست مدن منظر عام پر آ چکے تھے، علم برائے علم اور حکومت برائے حکومت کے کھوکھلے اصول بھی مروج ہو چکے تھے لیکن یہ سب پیاسی دُنیا کی تشنگی دُور نہ کر سکے۔ زندہ قوموں کی تمام علامات وصفات ان میں موجود تھیں۔ لیکن باوجود اس کے انسانیت پامال تھی اور دنیا عقلی اور مذہبی اعتبار سے گمراہی کا شکار تھی، عام طور سے تثلیث، ثنویت و شرک اور بُت پرستی میں مبتلا تھی۔ بقول مورخ ڈینی سن "تمدن کا سفینہ تباہی کے کنارے آ لگا تھا"۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک با اقتدار شخص کو خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دی تو اُس نے کہا "اقتدار تو میرے ہاتھ میں ہے"۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۔ خدا کی خدائی کا ثبوت یہ ہے کہ موت وحیات اُس کے قبضہ میں ہے۔ بالآخر یہ استدلال پیش کیا فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ پس اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تمہارے پاس بھی اقتدار ہے تو تم اس کو مغرب میں نکال کر دکھاؤ۔ یہ استدلال حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تو کفر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا جو پیغام اپنی قوم کو دیا تھا امتداد زمانہ سے اُس کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ گو آپ کے بعد بھی اولوا لعزم پیغمبر اور انبیاء آئے اور ان کی تعلیمات کا اثر بھی ہوا لیکن دیرپا نہ رہا بلکہ زود فراموش انسان نے توحید واخلاق کے تمام اسباق کو بُھلا دیا۔ یہی نہیں کعبۃ اللہ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے رکھی تھی وہ ۳۶۲ بتوں کی تیرتھ گاہ بن گیا تھا بلکہ ہر گھر میں ایک بُت تھا اور تقدیس وتکریم کے اعتبار سے ان بتوں کے مختلف مدارج تھے۔ عرب میں بُت پرستی کا بانی عمرو بن لحیٔ تھا، صرف عرب قوم ہی نہیں بلکہ تمام دنیا (یعنی روم، مصر، ہندوستان وچین وغیرہ) میں انسانیت دم توڑ رہی تھی اور قہر و مظلمہ کے تلاطم خیز طوفاں سے دوچار تھی۔ جب کہ دُنیا اس کشمکش میں تھی اس۔ اس وقت عرب قوم بہیمانہ ذہنیت اور بربریت کا مظاہرہ کر رہی تھی اور بُت پرستی وعیش پرستی کے نشے میں سرشار تھی۔ ثقافت وتمدن کے وہ آثار جو سبائی اور سامی دَور کی یادگار تھے قطعاً معدوم ہو چکے تھے۔ انسانیت اخلاقی زوال کی عمیق گھرائیوں میں پہونچ چکی تھی یعنی نور بصیرت سے اُن کے دماغ محروم اور سودائے جہالت سے قلب معمور تھے ایسے نازک وقت پر اُس قادر مطلق کی رحمت جوش میں آئی اور ذات پاک محمدیؐ کو کفر و ضلالت کے کثیف پردوں کو چاک کرنے اور انسانیت کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے مبعوث فرمایا۔

آپ کی تشریف آوری سے تمام سابقہ شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور آپ پر آخری صحیفۂ آسمانی قرآنی شکل میں نازل ہوا۔ اور یہ چیلنج پیش کیا:۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (یعنی کیا انھوں نے خدا کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ ان سے کہو کہ تم اپنی دلیل تو لاؤ)۔

ہمیں ارتقا کا کمال، انسانیت کی معراج، عمرانیت اور تہذیب کی آخری بلندی اور تمام انبیاء علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ آپ ہی کی ذات والاصفات میں ملتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ یعنی (اے محمدؐ) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اُس کا رسول (ہوں)) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے تو خدا اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی پر جو خدا پر اور اُس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ

آپ خاتم الانبیاء بلکہ امام الانبیاء بن کر مبعوث ہوئے اور اسلام پر پسندیدہ مذہب ہونے کی مہر ثبت فرمائی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف (یعنی دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے)

یہی نہیں بلکہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

اس طرح سے شریعت کامل اور توحید مطلق کا پیغام آپ پر حق تعالےٰ نے اس بشارت عظمٰی کے ساتھ نازل کیا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا

شارع علیہ السلام نے جس دین فطرت کی طرف انسان کی رہنمائی فرمائی وہ کوئی نیا دین نہیں تھا یہ دین اسی دین کی صدائے بازگشت تھی جو حضرت نوح وابراہیم، حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اپنے وقت پر گم کردہ راہوں کے سامنے پیش کیا تھا یہ وہی نغمہ توحید تھا جو اس سے صدہا برس پہلے چھڑ چکا تھا، دین اسلام نے انسانیت کا احترام سکھایا مساوات کا درس دیا، اخوت کا

سبق پڑھایا، نظام تمدن کے اصول سمجھائے، معاشرت کے آداب سکھائے، تدبیر منزل اور سیاست مُدُن سے آگاہ کیا، عبد و معبود کا رشتہ بتایا، خالق کائنات کو منوایا، انسان کو اس کے اعمال کا جوابدہ اور مسئول بنایا، فضائل اخلاق سے آراستہ کیا، رذایل سے دامن کو پاک وصاف کر دیا، عورت جو روز اوّل سے معاشرہ کے کاندھوں پر بار تھی اس کے حقوق منوائے اور سوسائٹی میں اس کو بھی اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام نے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ توحید مطلق کا جو درس دیا اس نے تمام باطل ادیان کا اس طرح بطلان کر دیا کہ پھر تاویل کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہی۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ه اَللّٰهُ الصَّمَدُ ه لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ه وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ه

اس نے شرک مطلق، دہریت، یہودیت، ثنویت اور تثلیث کا قطعی قلع قمع کر دیا اور اس وقت تک کے تمام مشرکانہ خیالات کی اس طرح تردید کر دی کہ پھر جہاں اور جب یہ دعوت توحید پیش کی گئی اس کو قبول کرتے ہی بنی۔ یہ دعوت توحید چھٹی صدی عیسوی میں جب پیش کی گئی تو اس وقت عقلی گمراہی اپنے شباب پر تھی، یونان، نوفلاطونیت کی موشگافیوں میں مبتلا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی حدِ کمال پر پہنچ چکی تھی، ایران اہرمن و یزدان کے پرستاروں کی آماجگاہ تھا، مصر کی حالت بھی مشرکوں سے کچھ الگ تھلگ نہیں تھی۔ ہندوستان میں آریوں کی لائی ہوئی صنم پرستی زوروں پر تھی، گوتم کی آواز مدھم پڑ چکی تھی پھر بھی اس ملک میں نکتی کے بہت سے تلاشی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور ویرانوں کو آباد کر چکے تھے ہر زمین پر ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں افراد حقیقت کی تلاش میں سرگرداں تھے اور ایک حقیقی توحید کی آواز سننے کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن مدتوں سے وہ اسی طرح سرگشتۂ منزل تھے اور ان کی رہنمائی کرنے والا اور ان کی تشنگی دور کرنے والا کوئی نہیں تھا کہ صحرائے عرب سے یہ آواز بلند ہوئی اور اپنی صداقت کے باعث بہت جلد نہ صرف عرب بلکہ ماورائے عرب بھی اس کے طنطنوں سے فضائیں معمور ہوگئیں۔

اسلام
ایک تقابلی مطالعہ

گذشتہ اوراق میں قدیم تہذیبوں اور ان کے عقائد کا مختصر سا جائزہ لیا جا چکا ہے اور بتا یا جا چکا ہے کہ ان تہذیبوں میں مذہب کی کیا حیثیت اور کیا نوعیت تھی۔ اگر ہم مذہب کی اس تعریف کے پیش نظر جو مشہور مغربی مفکر ٹیلر نے کی ہے، یعنی روحانی موجودات پر اعتقاد، تو بہت سے قدیم مذاہب اس مختصر تعریف پر پورے نہیں اتریں گے مثلاً بدھ مت اور کنفوشش مت کہ ان دونوں مذہبوں میں روحانی موجودات کا سرے سے وجود یا اعتقاد موجود ہی نہیں، اس اعتبار سے یہ دونوں مذاہب ایک ضابطہ اخلاق کے سوا کچھ اور نہیں۔

حقیقت میں "مذہب اس اعتقادی قوت کا نام ہے جس سے انسان کے باطن کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے یا ہم ان صداقتوں کو مذہب کا نام دے سکتے ہیں جو انسانی کردار اور فکر میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر دیں، جس کے نتیجہ میں ایک صالح معاشرہ اور پاکیزہ تمدن پیدا ہو۔"

"مذہب کا آغاز کس طرح ہوا اور اس نے کس کس طرح ترقی کی" اس سلسلہ میں متضاد اور مخالف آرا سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ شرکِ قدیم ہے یعنی ابتدائی انسانی زندگی کے اَدوار میں سب سے اول مشرکانہ خیالات نے جگہ پائی اور وہ مظاہر قدرت کو خدا سمجھ بیٹھا، برق و باد و باراں نے ابتدائی دور میں انسانی زندگی کی ہلاکت آفرینی قوتوں کے باعث معبودوں کا درجہ حاصل کر لیا، زلزلے طوفان، سیلاب، آتش فشاں پہاڑ اپنی حیرتناک قوتوں کے باعث جاہل اور اَن پڑھ انسان کی فکر میں ایک ایسی قوت تھے جس کو سجدہ ریزیوں سے اگر قابو میں نہیں لایا جا سکتا تھا تو راضی تو ضرور کیا جا سکتا تھا

تاریخ کی نظر میں یہ حجری دَور کی تہذیب اور اس دَور کا مذہب ہے رفتہ رفتہ عقلی اِرتقا اور شعور کی تہذیب کے ساتھ ساتھ اِن خیالات میں اِصلاح ہوتی چلی گئی اور انسان محسوس کرنے لگا کہ ان مظاہر میں خالقیت کی قوت نہیں ہے یا اگر ہے تو سب میں نہیں بلکہ بعض میں ہے، اس طرح رفتہ رفتہ وہ مظاہر پرستی کے دام سے آزاد ہونے لگا اور توحید پرستی کے دائرے میں اس کے قدم پڑنے لگے لیکن یہ تغیر چند سالوں میں نہیں بلکہ انسان ہزاروں سال کی زمانی طوالت کو طے کر کے اس منزل پر آیا۔

نفسیاتی نقطۂ نظر سے توارث اور ماحول نے اس کو جس ڈگر پر ڈال دیا تھا وہ اسی پر چلتا رہا اور اپنی

آنے والی نسلوں کو بھی: قدار ورثے میں بخشتا رہا، انفرادی فکر نے ورثہ میں ملی ہوئی اِن اقدار سے بغاوت کی بہت کم کوشش کی ہے۔

تاریخ یونانی افکار کی عظمت کے بہت کچھ گن گاتی ہے۔ یونانی فلسفہ یونانی فکر کے ارتقار کا ایک بدیہی ثبوت ہے لیکن سقراط کے یہ الفاظ پڑھ کر آپ کو حیرت ہوگی کہ :-

"کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو قبل اس کے ہلاک کرے کہ دیوتا اس کے واسطے ایسی اضطراری حالت یا مجبوری پیدا کر دیں جیسی اس وقت ہمارے واسطے موجود ہوگئی ہے"

"ہم انسان لوگ ان لوگوں کی طرح ہیں جو قید ہیں یہ مناسب نہیں کہ ہم لوگ بھاگیں اور نہ یہ کہ اپنے نفس کو کھول دیں، اس لئے کہ دیوتا اس وجہ سے کہ ہم انسان لوگ ان کے خادم ہیں ہماری طرف خاص توجہ رکھتے ہیں[1]۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شرک اور صنم پرستی فکر انسانی کا ایک ایسا عالمگیر اور دل پسند معمول رہا ہے کہ وہ ترقی فکر و فہم کے بہترین دور میں بھی اس سے آزاد نہ ہو سکا اور سقراط کے محولہ بالا مقولے یہ بتاتے ہیں کہ آج سے تین ہزار برس پہلے تک انسان صنم پرستی کی آویزشوں سے الگ تھلگ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے تاریخ کی یہ دلیل ماننے میں جھجھک سی محسوس ہوتی ہے کہ فکر انسانی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ مظاہر پرستی کا زوال اور خدا پرستی کا آغاز اور پھر اس کا ارتقا شروع ہوا۔

مذہب کی تاریخ کا دوسرا پہلو جس کو مذہبی پہلو کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیات انسانی کے آغاز ہی سے جس طرح اس کی دوسری ضرورتوں کا اہتمام فرمایا اسی طرح اس کی روحانی ضرورتوں کی تہذیب و تکمیل کا بھی بندوبست فرمایا چنانچہ اس دنیا کا پہلا شخص حضرت آدم علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھا تاکہ انسانی نسل کو جب فروغ اور کثرت میسر آئے تو وہ ان کی روحانی تہذیب کا بندوبست کر سکے بنی نوع آدم (انسان) کی تعداد جیسے جیسے بڑھتی گئی اور وہ دور دراز خطہ ہائے زمین پر آباد ہوتے گئے ان کی روحانی اصلاح اور تہذیب و تکمیل کے لئے پیغمبر (علیہ السلام) ان میں تشریف لاتے رہے اور توحید کا سبق ان کو دیتے رہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک جسقدر پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے وہ یہی درس دینے آئے اس اعتبار سے توحید قدیم ہے اور شرک جدید۔ یہ انبیاء جو ضابطۂ اصلاحِ نفس و اخلاق لے کر آئے اس کو اصطلاح میں الہامی مذہب کہا جاتا ہے لیکن نفسِ انسانی نے اِن الہامی مذاہب میں بھی اپنی خواہشات کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر لی چنانچہ یہودیت اور مسیحت کی مثالیں

---

[1] کتاب الہند :- ابوریحان البیرونی ؔ

آپ کے سامنے موجود ہیں صرف اسلام جو اللہ تعالیٰ کا سب سے پسندیدہ دین ہے اس تحریف سے مصئون وما مون رہا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

پیغمبروں کا اصلاح معاشرہ کے لئے دنیا میں تشریف لانا صرف ایک تاریخی حیثیت ہی نہیں بلکہ ایک عقلی حقیقت اور شہادت ہے کہ ہر دور اور ہر معاشرہ میں انسانی زندگی اپنے بنیادی مسائل سے دوچار ہوتی ہے اور تنازع للبقا کے لئے اس کو اپنی کوششوں کا آغاز کرنا پڑتا ہے۔ انہی کوششوں کے نہج، رنگ ڈھنگ، ان کے تسلسل اور نتیجے سے تمدن اور معاشرہ کے تار و پود مکمل ہوتے ہیں اور انہی سے زندگی کے بنیادی مسائل کا حل وابستہ ہوجاتا ہے۔

اسلامی نظریہ حیات

زندگی کے ان بنیادی مسائل اور ان کا حل صرف اسلامی نظریہ حیات میں پوشیدہ ہے اس لئے کہ اسلام نے ہم کو ان تمام سوالات کا جواب دیا ہے جو انسانی ذہن میں اس طرح پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ اس دنیا کا آغاز و انجام کیا ہے؟
۲۔ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے؟
۳۔ اس کائنات کی حقیقت بحیثیت مجموعی کیا ہے؟
۴۔ اس کائنات کو اس قدر سخت اور محکم ضابطے کے مطابق چلانے والی کون سی ہستی ہے؟
۵۔ اس ہستی کی کیا صفات ہیں؟
۶۔ کیا اسلام کوئی ضابطہ اخلاق عطا کرتا ہے؟
۷۔ اس ضابطہ اخلاق کی تفصیلات کیا ہیں؟
۸۔ یہ ضابطہ اخلاق انسانی زندگی کو کن بلندیوں تک پہنچاتا ہے؟
۹۔ انسان کا اس کائنات میں صحیح مقام کیا ہے؟
۱۰۔ کیا اس نظام کے تحت انسان خود مختار ہے یا کسی کا ماتحت؟
۱۱۔ کیا وہ کسی طاقت کے سامنے جوابدہ ہے یا غیر مسئول ہے؟
۱۲۔ انسان کا کمال مقصود و مطلوب کیا ہے؟

اسلام سے قبل جس قدر ادیان و ملل گذری ہیں اور جن کی مختصر تاریخ آپ کی نظروں سے گذر چکی ہے ان تمام سوالات کے جواب دینے سے قاصر رہی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان سے جب شعور انسانی کی تشفی نہ ہوسکی تو وہ خود بقدر فہم کسی نہ کسی دوسرے راستہ پر پڑ گئے اور وہ نظام جس میں ان مقتضیات

انسانی کے جواب کی صلاحیت نہ تھی جلد یا بدیر خود بخود اسلام کے راستے سے ہٹ گئے اور اسلام ایک دین فطرت کی طرح روز بروز کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا چلا گیا۔

شارع علیہ السلام نے جو قانون الٰہی قرآن پاک کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے اس میں صراحت وضاحت کے ساتھ ان تمام مسائل متفسرہ کا جواب موجود ہے اور یہی اس کے دین فطرت ہونے کی سب سے عظیم دلیل اور شہادت ہے۔

الہامی علوم! یہ اشراقی علوم کی طرح بے معنی اور بے مقصد اور معاشرتی زندگی سے بے تعلق نہیں ہوتے بلکہ وہ زندگی کی ہدایت اور اس کو سنوارنے ہی کے لئے ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ جب اسلام نے اپنی دعوت پیش کی تو اس کے سامنے اشراقی علوم بے بس اور بے معنی ہو کر رہ گئے ورنہ ارسطو اور افلاطون کے نظریات جو اشراقیت کے زبردست علمبردار تھے، عہد اسلامی میں بھی اسی طرح زندگی پر چھائے رہتے اور اسلام کی عظیم دعوت کے مقابل میں پسپا نہ ہوتے اور نہ اسلامی مابعد الطبعیات کو اس قدر پائیداری حاصل ہوتی جو اس کو حاصل ہوئی! یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وحی اور الہام کی بنیاد پر جو تمدن تعمیر ہوتا ہے وہ ان نظام ہائے زندگی سے اور ان تمدنوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو حواس، عقل یا اشراق کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، وحی و الہام کی بنا پر قائم شدہ تمدن اور معاشرہ ان تغیرات سے ہمیشہ مصئون و مامون رہتا ہے جو عقل یا وجدانی بنا پر تعمیر شدہ تمدنوں میں جلد جلد انقلاب لاتا رہتا ہے یہی سبب ہے کہ آج ہمارا معاشرہ اور تمدن اپنے اصول کے اعتبار سے ایک ناقابل تغیر حقیقت بنا ہوا ہے اور اشراقیت اور وجدان کے سہارے تعمیر شدہ تمدن ہر دور میں تغیر پذیر ہوتے رہے۔

اسلام کے بنیادی عقاید اور نظریہ توحید

ایک مسلمان کے تمام اعمال کی اساس، اس کا ایمان ہے اگر ایمان نہیں تو اعمال اکارت اور بیکار ہیں کہ ہمارے حرکات اور اعمال کا سرچشمہ یہی ہے، ایمان خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کے حصول سے عبارت ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ :-

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ
تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

یہ ہے اسلامی عقائد کی ایک تلخیص اگر اس کی تشریح اور توضیح کی جائے تو ہمارے تمام افعال و اعمال اس کے دائرے میں آجاتے ہیں، زندگی کے ہر پہلو اور ہر عمل پر کسی نہ کسی طرح یہ چند اصول محیط ہیں یہی سبب ہے کہ ایک مومن کا مرنا اور جینا صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اس لئے کہ ہر مومن جو ان بنیادی عقاید پر ایمان

رکھتا ہے اس کا جلوت و خلوت کا ہر فعل انہی بنیادی عقاید کے تحت ہوگا وہ اس سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا ہم یہاں ان بنیادی اصول کی تشریح نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم کو یہاں صرف ایک بنیادی عقیدے "توحید" کی توضیح پیش کرنا منظور ہے لیکن اس بحث کے آغاز سے پہلے اس امر کی تشریح ضروری ہے کہ اسلام کے یہ تمام بنیادی اصول ماورائی یا از قبیلِ غیب ہیں اور اس عالم وگل سے بظاہر ان کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے ان کو عقائد روحانی کہہ سکتے ہیں لیکن اگر ان کی حقیقت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ جس قدر ماورائی ہیں اسی قدر حیاتِ انسانی کے اخلاقی، تمدنی اور سیاسی نظام پر ان کی حکمرانی ہے، ان بظاہر ماورائی عقاید کی تہ میں دینی و دنیاوی دونوں نظاموں کی تکمیل و تہذیب پنہاں ہے، انہی کے تحت زندگی کے تمام شعبے اپنے اعمال کے ساتھ حرکت کرتے ہیں ان بنیادی عقاید کا مادیت و محسوسات سے ماورا رہنا ہی ان کے کامل اور انسانی فلاح کے لائق و قابل ہونے کی دلیل ہے اور یہ ایسے ہیں کہ عقل سلیم حقائق کے پیش نظر ان کی تصدیق کرتی ہے، یہ بنیادی اصول اوہام و ذہنی خرافات سے پاک ہیں۔ ان کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے اور ان میں ایک ایسی باطنی یا روحانی عظیم قوت پنہاں ہے جس کے باعث وہ خود انسانی نظام حیات کے قوائے فکر و عمل پر پورے پورے اقتدار اور تسلط کی قوت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنے میں قطعی باک نہیں کہ اسلام کے یہ بنیادی اصول عقل و فکر، احساس و عمل کی تمام ممکنہ آزمائشوں اور ضرورتوں پر پورے اترے ہیں اور یہی بات اس کی دلیل ہے کہ اسلام ایک کامل الہامی مذہب ہے۔ اور عقل کے پاس ان کی تکذیب کے لئے کوئی مواد موجود نہیں ہے۔

شارع علیہ السلام نے وحی الٰہی کی بنیادوں پر جس توحید مطلق کی تعلیم انسانیت کو دے کر تصور توحید کو اس مرتبہ کمال پر پہنچایا جہاں وہ دورِ ابراہیمی میں تھی وہاں اس عظیم معاشرہ اور تمدن کی فلاح اصلاح کے ایسے جامع و مانع، نافع اور کامل قوانین بھی پیش کئے جنھوں نے فلسفہ سے جلا پائے ہوئے ذہنوں اور اشراقی تجلیات سے منور اور مجلّیٰ اذکار سے اپنا لوہا منوالیا، چونکہ اس نظام حیات کی بنیاد بھی جس کو اسلام نے "شریعت" کے جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے، وحی الٰہی پر تھی اس لئے اس کا ہی نقص و قصور سے پاک و صاف ہونا ضروری اور لابدی تھا، اس قانون شریعت نے نوع انسانی کے لئے نعمت الٰہی کا اتمام کردیا۔

اسلام نے ہر شعبۂ حیات میں ہمارے لئے ایک مثالی لائحہ عمل قائم کردیا۔ شریعت اسلامی کی یہ کامل تفسیر جو رسول پاک نے اپنی عملی زندگی میں پیش کی، شریعت کے نام سے موسوم ہے۔ شریعت اسلام ایک صحت مند معاشرہ کے لئے ایک ضابطۂ حیات ہے جس میں حق اللہ و حق العباد کی مکمل تشریح ہے اس میں انسان کی مذہبی۔ اخلاقی۔ سیاسی۔ سماجی اقتصادی اور اجتماعی و انفرادی زندگی کے مکمل احکامات ہیں توحید اگر دین کا مغز ہے تو شریعت اس کا پوست ہے جس سے مغز کی حفاظت ہوتی ہے توحید جان ہے

تو شریعت اس کا جسم ہے۔ اس لئے توحید کامل کے لئے شریعت کاملہ لازمی ہے شریعت اسلامی کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ شریعت اسلامی اسلام کا "معجزہ" ہے۔ ایک مشہور غیر مسلم محقق کی شہادت شریعت اسلام کے لئے بڑی گرانقدر ہے موجودہ زمانہ کے ایک مشہور و معروف ہندو مہارشی اور مفکر سوامی وویکانند جو شنکر آچاریہ کے بعد ہندو مذہب کے فلسفہ ویدانت کے سب سے بڑے شارح تسلیم کئے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ "انسانیت کے لئے کامل ترین مذہب کی تشکیل کے لئے ویدانت کے دماغ اور اسلامی جسم (شریعت) کے امتزاج کی ضرورت ہے۔" ظاہر ہے کہ ویدانت کو دماغ قرار دینے کا مغالطہ سوامی وویکانند کی اسلام کے تصور توحید مطلق سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے ورنہ وہ ویدانت کے ناقص تصور توحید کے بجائے توحید مطلق کو اسلامی شریعت کے مغز کی حیثیت سے مشاہدہ کر لیتے۔

امام غزالیؒ نے "کیمیائے سعادت" میں حقیقت توحید کی یوں تشریح فرمائی ہے:۔

" توحید کا بیان طول طویل ہے اور اس کا علم سب علموں کی غایت ہے۔ توحید کے چار مراتب ہیں ۔ "توحید ایک مغز ہے اور اس مغز کا بھی ایک مغز ہے اور توحید کا ایک پوست ہے اور اس پوست کا بھی ایک پوست ہے۔ پس توحید کے دو مغز اور دو پوست ہیں۔ اس کی مثال کچے اخروٹ کی مانند ہے، ایک مغز اور اس کے دو چھلکے ظاہر ہیں۔ اور روغن اس مغز کا مغز ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دل سے اعتقاد نہ رکھے۔ یہ منافقوں کی توحید ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی کہ اس کلمہ کے معنوں کا دل سے اعتقاد رکھے۔ یا ایک نوع کی دلیل سے اعتقاد رکھے۔ جیسا کہ متکلمین اعتقاد رکھتے ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی مشاہدہ سے دیکھے کہ سب کی ایک ہی اصل ہے اور سب کاموں کا ایک ہی فاعل ہے اور یہ کسی دوسرے کا فعل نہیں ہے اور یہ ایک نور ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس نور میں یہ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ عامی اور متکلم کے اعتقاد کے مانند ہی ہے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد ایک گرہ ہے کہ جس کو تقلید یا دلیل کے حیلے سے دل میں ڈالتے ہیں۔ اور یہ مشاہدہ دل کے کشف سے ہے کہ ساری گرہیں کھول دیتا ہے مثلاً ایک شخص کسی کے کہنے سے اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں سردار گھر میں ہے۔ یہ عوام کی تقلید کی مثال ہے کہ انھوں نے اپنے ماں باپ سے سُنا ہے اور دوسرا شخص دروازے پر گھوڑے اور غلام کو دیکھ کر اعتقاد رکھے کہ سردار گھر میں ہے۔ یہ متکلمین کے اعتقاد کی مثال ہے کہ انھوں نے دلیل سے جانا ہے اور تیسرا شخص اس سردار کو گھر میں دیکھ لے۔ یہ عارفوں کی توحید کی مثال ہے کہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان تینوں شخصوں میں بڑا فرق ہے اور اگرچہ اس توحید کا بڑا درجہ ہے مگر عارف اس درجہ میں پہنچکر خلقت کو بھی دیکھتا ہے اور خالق کو بھی دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ خلقت خالق سے ہے۔ اس درجہ کی توحید میں کثرت اور دروازے بہت ہیں۔ اور عارف جب تک دو دیکھتا ہے تفرقہ میں رہتا ہے جمع میں نہیں ہوتا ہے یہ کمال توحید نہیں ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک کے سوا دوسرے کو نہ دیکھے اور سب کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی پہچانے

اس مشاہدہ میں تفرقہ کا کچھ کام نہیں ہے۔حضراتِ صوفیا اِس راہ یا اس درجہ کو فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ یہ درجۂ توحید کمالِ مرتبہ معارف ہے کیونکہ اس میں حق ہی حق رہتا ہے۔ اس درجہ کا موحد ایک کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے جس طرح اور چیزیں اس کے دیکھنے میں مست ہوگئی ہیں اس طرح وہ خود بھی اپنے دیکھنے میں مست ہو جاتا ہے۔

مولانا جامیؒ بھی توحید کے چار مراتب بیان فرماتے ہیں (۱) توحید ایمانی (۲) توحید علمی (۳) توحید حالی (۴) توحید الہٰی۔

(۱) توحید ایمانی یہ ہے کہ بندہ اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یگانہ ہے اس کے سوا اور کوئی مستحق معبودیت نہیں جس طرح کہ آیات (قرآنی وحدیث میں وارد ہے) دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرے۔

(۲) توحید علمی یہ باطنی علم سے ماخوذ ہے کہ جسے علم الیقین کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بندہ طریق تصوف کے شروع میں اس بات کو یقیناً جانے کے حقیقی موجود اور مطلق موثر خداوندِ عالم جل جلالہ کے سوا اور کوئی نہیں، باقی تمام افراد کی صفات وافعال کو اس کی ذات وصفات وافعال میں ناچیز جانے۔ ہر ایک ذات کی روشنی ذات مطلق کے نور سے سمجھے اور ہر صفت کو اُسی کے نور مطلق کا پرتو جانے۔

(۳) توحید حالی یہ ہے کہ ذات الہٰی میں انسان کی محویت اتنی بڑھ جائے کہ بجز ذات وصفات خداوندی کے اسے کچھ نظر نہ آئے حتیٰ کہ خود اپنی ہستی کا بھی احساس و شعور باقی نہ رہے اور اپنی ہستی کے قطرے کو بحرِ حقیقت میں غرق کر دے، سوائے حق اور کچھ نہ دیکھے۔

(۴) توحید الہٰی یہ ہے کہ حق تعالیٰ ازل میں واحد تھا اب بھی واحد و فرد ہے اور ہمیشہ واحد ہی رہے گا۔ توحید کے اس فلسفیانہ پہلو پر "وحدت الوجود" کے سلسلہ میں اس وقت تفصیلی بحث کی جائے گی جب ہم تصوف کے مرکزی نظریہ وحدت الوجود اور ہمہ اوست پر بحث کریں گے۔ اب ہم تصوف کے تمام علمی اور فلسفیانہ پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں۔

تصوّف

ان عقلی موشگافیوں کا جن کا آغاز معتزلہ نے کیا تھا اور سلاطین وقت کی پشت پناہی میں جن کے جبروت کا یہ عالم تھا کہ امام حنبل رضی اللہ عنہ مسئلہ خلق قرآن کے انکار پر چونکہ اعتزال کا ساتھ نہ دے سکے اور آپ نے صاف انکار کر دیا، آپ کی مشکیں کسوائیں، آپ کے تازیانے لگوائے، خدا جانے کیا انجام ہوتا اور اسلام کی صورت کس قدر مسخ کر دی گئی ہوتی اگر صوفیائے کرام آڑے نہ آجاتے اور عشق الہٰی کے جذبات سے یہ سرشار ہستیاں اگر اس سیلِ تندرَو کے مقابل میں چٹان بن کر سامنے نہ آجاتیں۔ تو مانویت، مزدکیت، قرامطہ

اور اعتزال کی تحریکوں نے اسلامی اقدار کو فنا کے گھاٹ اتار ہی دیا تھا۔ ارباب تصوف نے ان تحریکوں کے
میں اسی حربہ کو استعمال کیا جو کفر وطاغوت کے مقابل میں انبیاء ومرسلین نے استعمال کیا تھا یعنی توحید
صوفیائے کرام نے نظریہ توحید کو اس شدت سے اس وقت پیش کیا کہ ان غیر اسلامی تحریکات نے بہت جلد
توڑ دیا لیکن افسوس کہ امتداد زمانہ نے اس خالص اسلامی تحریک کو عجب عجب رنگ میں پیش کیا اور اسے
نت نئے نام دئے اور اس کا ماخذ غیر اسلامی بتایا، اس کو غیر اسلامی تحریک کا عنوان دیا، کفر و شر
اس کا ماخذ ٹھیرایا عوز فرمایئے کہ مسلمان مفکر یہ کہتے باک نہیں کرتا کہ

"تصوف کا ماخذ ویدانت اور اپنشد ہے"

قدیم مذاہب، ان کی تہذیب، ان کے انداز فکر کو ہم نے جو گذشتہ اوراق میں اس قدر تفصیل سے پیش
ہے ~~اس کا~~ اصل محرک اور سر چشمہ ہمارا یہی موضوع ہے اب تک جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے وہ بطور مبادیا
تھا آئندہ اوراق میں تصوف کے تاریخی اور مذہبی پہلو پر ہم تفصیلی طور سے لکھیں گے، تصوف کی تاریخ
قبل ہم ان خیالات کو پیش کرنا سب سے مقدم سمجھتے ہیں جو تصوف اسلامی پر مغربی مفکرین اور خود مسلما
نے اس کے غیر اسلامی اور اس کے ماخذوں کے سلسلے میں پیش کئے ہیں۔

سب سے پہلے ہم مسلمان مفکرین کا ذکر کرتے ہیں ہر چند کہ ان مسلمان مفکرین نے جو کچھ کہا ہے وہ
مغربی مفکرین کی تقلید میں اپنے کلام یا تنقید کو وقیع بنانے کے لئے کہا اور یہ ایک طرز نمود ونمایش بن کر رہ گی
کہ اسلامیات پر غیر مسلم ناقدین خصوصاً مغربی مصنفین کی تقلید یا ان کے حوالوں کے ساتھ تنقید کیجئے تاکہ
یہ سمجھ سکیں کہ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے مغربی ادب پر آپ کی گہری نظر ہے، نطشے کے فلسفے کے آپ شارح
آپ کا جانا پہچانا مصنف ہے، مغربی مفکرین کی تصانیف پر آپ کو عبور حاصل ہے، خواہ ذہن
صلاحیت موجود ہو یا نہ ہو!

ڈاکٹر قاضی عبدالحمید پی۔ایچ۔ڈی برلن، "اقبال، اس کی شخصیت اور اس کے پیام میں" رقمطراز ہیں۔
"منفی تصوف وہ ہندی عجمی تصوف" ہے جو انسان کو اس دنیا سے بے تعلق کرکے روحانیت میں گم کردے۔
اثباتی تصوف اسلامی تصوف ہے جو انسان کا روحانیت سے اس طرح تعلق باقی رکھے کہ وہ اس دنیا
زیادہ سے زیادہ انفرادی اور اجتماعی فرائض انجام دے اس کی سب سے اعلیٰ مثال رسول اللہ کی زندگی ہے
ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے "ہندی اور عجمی" تصوف کہکر یہ اقرار کیا ہے کہ ہند وعجم دونوں میں اسلام سے
تصوف موجود تھا۔

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم "رومی نطشے اور اقبال" میں کہتے ہیں:۔
"تصوف کے یہ اساسی حقائق بہت قدیم ہیں۔ یونانی فلسفے میں افلاطون نے ان کو وضاحت
سے بیان کیا ہے اور اس کے بعد فلاطینوس سکندر رومی نے ان یہ تصوف کی ایک

فلک بوس عمارت کھڑی کردی۔ اسلامی اور عیسوی تعلیمات میں افلاطون اور فلاطیغرس کے تصورات اور تخیلات خالص عیسوی اور اسلامی تعلیمات میں ایسے گھل مل گئے کہ اب ان کو علیحدہ کرنا ناممکن ہوگیا۔"

پروفیسر محمد حبیب صدر شعبہ سیاسیات، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ "تاریخ مشائخ چشت" کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

"ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تصوف اسلام سے کوئی سو برس پہلے انسانی فکر میں آچکا تھا، داراشکوہ کا خیال صحیح ہے کہ تصوف کی اولین مستند تشریح اپنشدوں میں ملتی ہے۔ غور کیا جائے تو یہ حقیقت بھی واضح ہوجائیگی کہ ترکوں اور منگولوں کا نظریہ ال تنگری، چینیوں کا تصور "یتان" اور صوفیائے اسلام کا نظریہ حق اساسی طور پر ایک ہی چیز ہیں۔"

ان مسلمان مفکرین میں جن کا تعلق اس برصغیر سے نہیں ایرانی ادیب ڈاکٹر قاسم غنی زادہ ہیں انہوں نے یوروپین محققین کی حمایت کرتے ہوئے تصوف کے منابع غیر اسلامی بتائے ہیں۔

مغربی مفکرین میں گولڈ تسہیر (جرمن مفکر) نولڈیکی، وان کریمر اور پروفیسر نکلسن کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تصوف بذات خود کوئی مستقل اور انفرادی اسلامی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کے ماخذ اور منابع مختلف مکاتب فکر اور مذاہب ہیں یعنی

۱۔ مسیحت
۲۔ نو افلاطونیت
۳۔ بدھ مت اور ہندو مت
۴۔ فلسفہ ایران اور مانویت

پروفیسر نکلسن نے تو خاص طور سے اس موضوع پر بہت کاوش کی اور ۱۹۱۴ء میں اس موضوع پر اپنی تحقیقات کو "مسٹی سزم آف اسلام" کی صورت میں پیش کیا، ان مفکرین کی آرا کو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

جرمن عالم گولڈ تسہیر (متوفی ۱۹۲۱ء) کہتا ہے:۔

"اسلامی تصوف میں ایثار اور قناعت کی صفات، دولت اور سرمایہ داری پر فقر کو ترجیح، فضایل یا صفات، خالص اسلامی نہیں بلکہ نصرانیت اور عیسائیت کے مطالعہ کا نتیجہ اور ان کے نظریات سے شغف اور دلچسپی کا نتیجہ ہے۔"

دوسرا جرمن عالم نولڈیکی (متوفی ۱۹۳۰ء) کا خیال ہے کہ:۔

"مسلمان صوفیا نے ذکر کے جو طریقے ایجاد کئے اور عمل میں لائے وہ بھی نصرانیت سے لئے گئے ہیں (تاریخ تصوف اسلام)۔

مشہور یورپین مفکر نکلسن کہتے ہیں:۔

"ذکر اور توکل کے نظریات قرآن اور احادیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں، لیکن اس امر میں شبہ نہیں کہ تصوف اس سلسلہ میں مسیحت کا بہت حد تک رہین منت ہے"۔

ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر کھل کر ان مفکرین نے اسلامی تصوف کے ماخذ اور اس کے منابع غیر قرار دئے ہیں۔ اور نصرانیت و مسیحت و مانویت کو اس کا منبع اور ماخذ قرار دے کر حق مذہب ادا کیا اور مسیحیت و نصرانیت کی برتری کے پہلو تلاش کئے ہیں۔

مغربی مفکرین نصرانیت و مسیحت کو تصوف کا منبع اور ماخذ بتاتے وقت یہ بھول جاتے ہیں

آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

نصرانیت و مسیحت جو خود شرک اور تثلیث میں گرفتار رہی ہے کسی توحیدی عقیدے کا یا ماخذ بن سکتی ہے؟ پھر یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جب اسلامی علوم کے نور سے عرب و عجم، عراق ہی نہیں بلکہ اندلس کی سرزمین جگمگا رہی تھی اس وقت یورپ جہالت کے اندھیرے میں فکر و علم کے راستہ پر دو قدم چلنے کی بھی سکت نہیں رکھتا تھا! خود ان مصنفین کے ان خیالات کے منابع اور ماخذ غیر مسلموں کے وہ معاندانہ خیالات اور تصانیف ہیں جو روما اور اندلس کی شکست خوردہ ذہنیتوں نے بطور انتقام دنیا میں پھیلائے لیکن افسوس کہ ہم جو آج مغربی مفکرین سے بُری طرح متاثر اور ان کی تہذیب، ان کی ثقافت اور تمدن کے سچے پرستار ہیں ان کے خیالات کو بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ ہماری فکر کی پرواز یہیں تک محدود ہے بلکہ ہم " زیب داستاں" کے لئے اس پر حاشیے بھی چڑھاتے ہیں

آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ مغربی مفکرین نے اسلامی تصوف کے ماخذ مسیحت اور نصرانیت ہی کو قرار دیا لیکن مسلمان ناقدین نے تو ویدانت اور اپنشدوں کو بھی اس میں شامل کر لیا اور کفر کو ایمان کا ماخذ قرار دینے میں کچھ باک نہیں کی جیسا کہ آپ ابھی مسلمان ناقدین کے اقوال میں ملاحظہ کر چکے۔ پچھلے اوراق میں، ویدوں اور اپنشدوں کے بنیادی تصورات کو آپ کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے آپ کو کہیں بھی اس ظلمت شرک میں نور وحدت کی کرن نظر آئی؟ پھر ان مزخرفات کا کیا جواب دیا جائے اور ان الزامات کا جواب دے کر ان کے قریں صحت ہونے کا شبہ کیوں پیدا کیا جائے!

اصل یہ ہے کہ کسی فکری اور تصوراتی تاریخ میں جب تک ہیگل، اسپنوزا، برگسان، افلاطون ارسطو وغیرہ کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ہمارے کلام کو وقیع اور گرانمایہ قرار نہیں دیا جاتا اور ہمارے نقاد سمجھ

کو پر مغز و پر بصیرت نہیں گردانا جاتا۔

تصوف اسلام کے سلسلہ میں اس برصغیر کے مبصرین اور ناقدین کے خیالات خود ان کی تحقیق و تفحص کا نتیجہ نہیں بلکہ مغربی مفکرین نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھدیا وہ ان کی نظر میں حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ تصوف پر تنقیدی خیالات کا ایک طومار موجود ہے ان تمام آرا کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان ناقدین کے یہاں یہی قدریں اور نظریات مشترک ملیں گے جن کی صراحت ہم اوپر کر چکے ہیں!

اسلامی تصوف کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایرانی مصنف ڈاکٹر غنی قاسم زادہ نے تو ایک عجیب و غریب انکشاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

"تصوف در اصل ایران پر عربوں کے غلبہ کا ردّ عمل ہے، سیاسی اور اقتصادی کشمکش کی بنا پر شروع ہی سے ایرانی عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن وہ جنگ قادسیہ، جلولا، حلوان اور نہاوند میں عربوں کے مقابلہ میں سخت شکست کھا کر اپنی شوکت اور استقلال کو کھو بیٹھے، تو وہ بہت مشتعل ہوے، اگرچہ ظاہری طور پر ایرانی اطاعت پر مجبور ہو گئے لیکن وہ نفسیاتی طور پر اپنی اس ہزیمت کو فراموش نہ کر سکے اور دین اسلام پر ایمان لانے کے باوجود وہ خفیہ طور پر اس امر کے کوشاں رہے کہ عربوں کے جذبہ غالبیت کو فرو کرنے اور ان کو ایرانیت میں مدغم کرنے کے لئے ایک ایسا حربہ استعمال کریں جو تلوار سے بھی زیادہ کارگر ہو۔

چونکہ وہ اس وقت عرب مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے قابل نہ تھے اس لئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے تصوف کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کے دل و دماغ میں ترک دنیا، نفئ خودی اور نفس کُشی جیسے سلبی خیالات اس طرح داخل کر دئے کہ رفتہ رفتہ ان کی زندگی کا عملی پہلو مضمحل ہو گیا[1]"

پروفیسر براؤن نے بھی دبے الفاظ میں اس خیال کی تائید کی ہے، ان کی تنقید سے ڈاکٹر غنی کے اس خیال کی قدرے تائید ہوتی ہے، مابعد الطبیعیات ایران میں علامہ اقبال مرحوم نے بھی قریب قریب ایسے ہی خیال کا اظہار براؤن کی نسبت کیا ہے۔

دو چار تنقیدیں ہی نہیں بلکہ بہت سے مسلم و غیر مسلم ناقدین نے اس قسم کے خیالات کا اسلامی تصوف

---

[1] تاریخ تصوف در اسلام اقتباس از اسلامی تصوف اور اقبال۔

کے بارے میں اظہار کیا ہے۔

گذشتہ اوراق میں قدیم مذاہب پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی مقصد کے پیش نظر لکھا گیا ہے تاکہ ایک قاری آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکے کہ تصوف کا ماخذ ان مذاہب میں سے کسی مذہب کو کہا جا سکتا ہے یا نہیں یا محض مغربی مفکرین کی غلط رہنمائی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اچھی چیز کو بھی انہی کے زاویۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ان کی تنقید کو ہم ہر مسئلہ پر اس قدر وقیع سمجھتے ہیں کہ اپنے خالص مسائل پر ان کی تنقید کو وارد کرتے ہوئے ہم جھجک محسوس نہیں کرتے۔

آئندہ اوراق میں ہم تصوف کی تاریخ، اس کے مبادیات، اس کے اصول، اجزائے ترکیبی دیگر مذاہب سے اس کی مماثلت و مشابہت اور اس کی خالص اسلامی حیثیت کو پیش کریں گے۔

لفظ تصوف اور صوفی کی اصل

مولانا شبلی امام غزالی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :-

"اس لفظ کے اشتقاق کے متعلق تین رائیں ہیں بعض کا قول ہے کہ صحابہ میں سے جو لوگ اہل صفہ[1] کہلاتے تھے یہ ان کی طرف منسوب ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا ہے بعض کے نزدیک صف لیکن قاعدۂ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں[2]۔ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ صوف سے ماخوذ ہو جس کے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔"

لیکن حضرت ہجویریؒ کے اس قول سے علامہ شبلی کے قول کی تردید ہوتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی رائے ہے کہ "لباس صوف اہلِ تصوف کا امتیازی نشان تھا یہی نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے ثبوت میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں :-

عَلَيْكُمْ تَلْبَسُ الصُّوفَ تَجِدُوْنَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (یعنی صوف کا لباس اختیار کرو تم اپنے دلوں میں حلاوت ایمان پاؤ گے)۔ بعض مشہور اصحاب کرام بھی لباس صوف کو محبوب رکھتے تھے، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں۔ آپ نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ "انھوں نے ستر اہل بدر

---

[1] "صفہ" سائبان کو کہتے ہیں مسجد نبوی کے کنارے پر ایک سائبان تھا۔ اصحاب رسول میں سے کچھ لوگ بالکل تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے حدیثیں سننا، عبادتیں کرنا ان لوگوں کا خاص مشغلہ تھا، انہوں نے اپنی تمام زندگی نبی کریمؐ کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی یہ لوگ اصحاب صفہ کہلاتے تھے" (سیرۃ النبی جلد اول) [2] الغزالی۔

کو دیکھا تھا (گویا وہ صوفی تھے) جن کی پوشاک صوف تھی"

پھر آگے چل کر کہتے ہیں :۔

"ہمیشہ سے صالحین اور زہاد اور متقین اور عباد کو صوف ہی کا لباس مرغوب اور مطبوع رہا ہے"

مستشرقین یورپ نے بھی زیادہ تر اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر ابن جوزی کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ :۔

"جاہلیت عرب میں صوفہ نام ایک گروہ تھا، جو لوگ تارک الدنیا ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے اور کعبہ کے پاس بیٹھے رہا کرتے تھے، یہ لوگ خاندان غوث بن مریم میں سے تھے جو تمیم بن مرہ کا ایک قبیلہ تھا، پھر بعد بعثت نبوی اسلام میں جو لوگ ان کے ہم مذاق پیدا ہوئے وہ بھی انہیں کی جانب منسوب ہو کے صوفی کہے جانے لگے"۔

اس ضمن میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنْ عَلٰی دُعَائِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ اللهِ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (یعنی جو اہل تصوف کی آواز سن کر آمین نہیں کہتا وہ خدا کے نزدیک غافلوں میں لکھا جاتا ہے) مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے: مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّجْلِسَ مَعَ اللهِ فَلْيَجْلِسْ مَعَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ (یعنی جو اللہ کا ہمنشیں ہونا چاہے وہ تصوف والوں کے پاس بیٹھے)۔

تصوف کی تعریف مغربی مفکرین نے یہ کی ہے :۔

۱۔ نولڈیکی کی رائے میں صاحب تصوف یعنی صوفی کلمہ "صوف" سے ماخوذ ہے اور یہ نام ان صوفیاء کو دیا گیا جنہوں نے عیسائی راہبوں کی متابعت میں ترک دنیا کے بعد "صوف" یعنی پشم کا لباس اختیار کیا تھا۔ (مسٹی سزم آف اسلام)

۲۔ پروفیسر نکلسن، نولڈیکی سے اتفاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلمہ "تصوف" "صوف" سے مشتق ہے۔

ایرانی محقق ڈاکٹر غنی کہتے ہیں کہ "تصوف" کی اصل کے متعلق تمام آراء میں سے بطور لغت اور عقل و منطق یہ قول صحیح ہے کہ تصوف عربی کا لفظ ہے اور "صوف" سے مشتق ہے (تاریخ تصوف در اسلام)۔

مسلمان مفکرین میں ابونصر عبداللہ علی السراج طوسی کہتے ہیں۔

"لفظ صوفی کی نسبت لباس صوف سے ہے کہ انبیاء اولیاء اور اصفیا کا لباس تھا"۔

علامہ ابن جوزی اس کی وہی تعریف کرتے ہیں جو عبدالحلیم شرر نے کی ہے گویا شرر علامہ جوزی کی رائے سے متفق ہیں۔ علامہ جوزی کہتے ہیں کہ صوفی "صوفہ" سے نکلا ہے، جو ایک قبیلہ تھا اور ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کی خدمت کرتا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ اپنے رسالہ "صوفیہ و فقرا" میں مندرجہ بالا تعریف کی تردید کر کے لکھتے ہیں :۔

"قول معروف ہے کہ تصوف کی نسبت "صوف" سے ہے۔

ابن خلدون کا یہی قیاس ہے، چونکہ ابتدائے حال میں صوفیا لباس صوف پہنتے تھے اس لئے ان کو صوفی کہنے لگے۔

تصوف کی اصل

لفظ تصوف کی تفصیلی بحث کے بعد اب تصوف کی اصل کی طرف آئیے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہی اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ تصوف اگر شریعت کا کوئی شعبہ، دین کا کوئی اصول یا اسلام کا کوئی رکن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے صراحت کے ساتھ اس کا کہیں اور کبھی ذکر کیوں نہیں فرمایا اور تصوف کے مسلک میں جو عوامل کارفرما ہیں اور دین اسلام و اسلامی اخلاقیات کے جو اصول اس کے اجزائے ترکیبی ہیں وہ کہاں تک شریعت کے اصول سے فرار کی کوشش ہے! ان میں شرعی احکام کو مزید مستحکم بنانے کی صلاحیت ہے یا نہیں اور اس نے اسلامی تعلیمات کی اشاعت و توسیع میں عہد بہ عہد کیا کوشش کی؟ یا ان تعلیمات کو نقصان پہنچایا؟

مسلک تصوف کی جو تعریف مختلف اکابر نے کی ہے وہ معمولی اختلافات کے سوا ایک دوسرے سے بالکل قریب اور قرین ہیں اور اس تعریف کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جس کو غیر اسلامی کہا جا سکے!

ابتدائے اسلام میں اسلامیات، اخلاقیات، سماجیات، اقتصادیات اور سیاسیات ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت کے حامل نہیں تھے اسلام کا سیاسی نظام، اخلاقی نظام کے دائرے میں تھا اور اخلاقی نظام اس کے سماجی نظام کے اجزائے ترکیبی تھے گویا اسلامی شریعت اور اسلامی ریاست کوئی الگ الگ چیزیں نہیں تھیں، اس کا ہر سیاسی، ثقافتی اور سماجی نظام ناممکن تھا کہ شریعت کے دائرے سے باہر ہو سکے ہر نظام پر شریعت کی پوری پوری گرفت تھی اور یہ تمام مختلف نظام ہائے زندگی شریعت کے تار پود تھے، جنگ و صلح، طاعت و عبادت، اور اکتساب و کفاف کے دائروں کا مرکزی نقطہ اسلام اور صرف اسلام ہی تھا، بندگی اور عبادت الٰہی کے عواطف ادائیگی فرض و سنت تک محدود نہ تھے بلکہ ان نفوس قدسیہ کا ہر سانس عبارت تھی عبادت سے اور ان کی اس طاعت وبندگی کا عنوان تھا "سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ" صحابہ کرام اپنے پیشوائے روحانی محسن عالم و عالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مقدس زندگی اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو تقلید کا نمونہ بنائے ہوئے تھے، اس لئے اس ابتدائی دور میں "تصوف" نہ کوئی مسلک بن سکا اور نہ کوئی نظریہ عبادت و محبت اور نہ اس کی ضرورت تھی۔

اصحاب صُفّہ جو اس مسلک کے سب سے پہلے عاملین ہیں اپنے محبوب ہادیٔ برحق کے چشم و ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے، آپ کی اطاعت و انقیاد ان کی زندگی کا اولیں مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور

اس کی عبادت ان کی ہر سانس کا مطلوب و مقصود! ہجرت کے بعد ایثار کی اعلیٰ ترین مثالیں غزوات میں نذرِ مال و متاع اور جاں سپاری کی شکل میں تاریخ کے صفحات پر جس طرح ثبت ہیں تاریخ عالم اس کی مثال سے خالی ہے، غزوات و سریات کا یہ سلسلہ غزوۂ تبوک (۹ ہجری) تک قائم رہا، ۹ہ ہجری تک ایک مسلمان کی دُھن، اس کی لگن، اس کی تمام تر مساعی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں تھیں کہ وہ اپنا سب کچھ اسلام کے اس بلند ترین مقصد پر قربان کر دے، چنانچہ صحابہ کرام اِس وقتی اور بنیادی ضرورت کو پوری پوری جاں سپاری کے ساتھ انجام دیتے رہے، دین کی تکمیل اور اسلامی اقدار کی تزئین کے بعد جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کو قبول فرمایا اور دَور صدیقی آیا تو فتنہ مدعیانِ نبوت، مرتدین و منکرین زکوٰۃ نے جو شدّت اختیار کی وہ ارباب تاریخ سے پوشیدہ نہیں۔ اس وقت ان فتنوں کا انسداد ہی سب سے بڑی دینی اور اسلامی ضرورت تھی۔ اس کے بعد دَورِ فاروقی سے جو اسلامی فتوحات کا یادگار عہد ہے اسلامی زندگی عبارت رہ گئی صرف دو باتوں سے یعنی جنگ اور عبادت آپ کا $10\frac{1}{2}$ سالہ (۱۳ھ-۲۳ھ) دَور جب ختم ہوا تو اسلامی سلطنت کے حدود، حجاز کی محدود وسعتوں سے نکل کر ایران، شام، عراق، مصر و روم سے جا ملے تھے۔ مسلمانوں کو بین الاقوامی ارتباط سے دوچار ہونا پڑا، عیسائی، یہودی، آتش پرست اور ذمیوں سے میل جول بڑھا، اسلامی سادگی نے اپنا چولا بدلا، سطوت فاروقی کے سامنے تو کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن درپردہ اقتدار کی کش مکش نے بڑی خاموشی کے ساتھ سینوں میں اپنا گھر کر لیا اور اپنے ظہور کے لئے وہ وقت کی منتظر رہیں کہ شہادت فاروق اعظم نے اسلامی اقتدار کی فلک بوس عمارت میں شگاف ڈال دیا اور ہوس اقتدار کو سینوں سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا جس کا نتیجہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی غم آفریں شکل میں نمودار ہوا خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد نے، شامیوں اور حجازیوں کے مابین عصبیت کی آگ کو خوب ہوا دی، خاندانی عصبیت کی وہ چنگاریاں جو اسلامی تعلیمات اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کی حکمت عملی سے دَب گئی تھیں پھر بھڑک اٹھیں اور خویش پروری، اقارب دوستی کے الزامات کو مقصد برآری کا نعرہ بنا کر یہ قوتیں آگے بڑھیں اور محسنِ اسلام و انسانیت، حامی دین و ملت، پیکر و ایثار و رحمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون بہا کر رہیں۔ ذرا غور تو فرمائیے حضرت عثمان کو کس حال میں شہید کیا گیا اور کس نے شہید کیا، انھوں نے جن پر صحابی کے اصطلاحی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اس حال میں کہ خلیفہ مظلوم قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔

اقتدار کی اس کش مکش کا جو انجام ہونا تھا وہ ہو کر رہا باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ چین سے دو دن اسلام کی خدمت نہ کر سکے۔ آپ کی پنج سالہ خلافت کا زمانہ زیادہ تر بغاوتوں و سیاسی سازشوں کے استیصال اور خانہ جنگی کے نذر ہو کر رہ گیا! سیاست کا وہ شاطرانہ حربہ جو آج بھی ضرورت کے وقت استعمال

کیا جاتا ہے سب سے پہلے اسلامی تاریخ میں حضرت عمر بن العاصؓ نے استعمال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کو حضرت ابو موسیٰ اشعری سے منوالیا، لیکن کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا اور اس اختلاف رائے کا نتیجہ جنگ نہروان کی صورت میں برآمد ہوا۔ مسلمانوں کا وہی خون جو شجر اعلائے کلمۃ الحق کی آبیاری میں صرف ہوتا تھا اس وقت دشت شام و حجاز پر رائیگاں بہہ رہا تھا ابھی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارک پر نصف صدی بھی نہیں گذری تھی کہ اسلامی اقدار و تعلیمات پر زوال کے بادل چھا گئے اس وقت وہی چند اصحاب صفہ متاع دین و ایمان کو سینے سے لگائے اس پر آشوب ماحول سے الگ تھلگ گوشوں میں یاد الہٰی کو اپنا نصب العین بنائے بیٹھے رہے اگر یہ بھی ان گوشوں سے باہر نکل آتے تو ان کا بھی وہی انجام ہوتا جو اشعثؓ، مالک اشترؓ اور دوسرے اکابرین امت کا ہوا۔

ہماری تحقیق یہاں تک تاریخ کی چھان بین کر سکی ہے اور تاریخ کے اوراق اُلٹ سکی ہے یاد الہٰی اور گوشہ نشینی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے کیا ان اصحاب کی یہ انزوا پسندی اور خلوت دوستی زندگی سے فرار کا خطاب پانے کی مستحق ہو سکتی ہے اور اس کو اس نام سے یاد کرنا کیا انصاف کا تقاضہ بن سکتا ہے؟ ہمارے خیال میں تو ایسا کہنا ایک بڑی ناانصافی اور تاریخی غلطی ہوگی۔

خوارج کا ظہور اسلامی تاریخ کی بساط سیاست کا ایک ایسا مہرہ ہے جس نے بڑے بڑے دیدہ وروں کو شہ مات دیدیا اور جسے نظر انداز کر دینا حقیقت پسندی سے آنکھیں بند کر لینا ہے، ان خوارج نے ایک تیر سے تین ہستیوں کو نشانہ بنانا چاہا خوبی قسمت کہ امیر معاویہؓ تو اس کا ہدف نہ بن سکے لیکن خلیفہ چہارم باب العلم رضی اللہ عنہ کو جام شہادت ضرور نوش کرنا پڑا اور اس کے بعد جو مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئے ہیں تو کیسی خشیئت الہٰی اور کیسا رحم! نہ آخرت کا ڈر نہ بازپرس کا خوف، اہل بیت اطہار کے خشاب گلے تھے اور سیاست کی تیز تلوار!! آن کی آن میں حکومت و اقتدار کی تلوار نے ان کی شہادت سے اپنی پیاس بجھائی تصوف پر بے عملی و جمود اور زندگی سے فرار کا لیبل لگانے والے اپنی تصویر کا یہ رُخ دیکھنا شاید بھول جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے پتھر برسا کر دیوار ہائے کعبہ کو شق کرنے والے، غلاف کعبہ کو جلانے والے حضرت زبیرؓ کی لاش کو تین دن تک پئے عبرت آویزاں رکھنے والے مسلمان ان غریبوں کی آواز پر لبیک کہہ سکتے تھے اور ان اسلامی اقدار و اصول کی طرف رجوع کر سکتے تھے جو ان کو اقدار اعلیٰ کی بلندی سے گرا کر پھر اس سطح پر لے آئے جہاں امیر و غریب، اسود و احمر، اور عربی و عجمی ایک ساتھ، ایک دل اور ایک زبان ہو کر اسلامی عزت و اقتدار کی بحالی کے لئے ہر آن اور ہر نفس کوشاں رہتے تھے۔

خدا کی شان پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے اس محل میں جس کو امیر معاویہؓ نے مسلمانوں کے بیت المال کے سرمایہ سے بڑے چاؤ سے تعمیر کرایا تھا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر بریدہ کے علاوہ ان والیان حکومت و سیاست کے تین سر اور آئے اور ان میں سب سے زیادہ سر پھرے شور مختار ثقفی کا سر تھا۔

اموی حکومت کی وہ بنیادیں جو امیر معاویہ کے عہد اقتدار میں تیار کی گئی تھیں بہت جلد مسلمانوں کے پاک و مقدس خون سے لبریز ہوگئیں اور پھر اس پر اموی سلطنت کی وہ فلک بوس عمارت کھڑی ہوئی جس نے اپنے تو اپنے غیروں کی نگاہوں کو بھی خیرہ کردیا تھا۔

اب تابعین کا اصطلاحی دور شروع ہو چکا تھا اور اموی حکومت کا عہد عروج! اب تاریخ کے صفحات میں اس کا جواب تلاش کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کا نصب العین دنیاوی امارت، عز وجاہ اور اعلیٰ اقتدار تھا یا اسلام کا بول بالا اور اسلامی اقدار کا عروج! یاد الٰہی، طاعت بندگی اور فضائل اخلاق اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات پر حاکمیت اور عاملانہ اقتدار، یہ تمام باتیں پہلے ایک مسلمان کا سراپا تھیں، اسلام کی اجتماعی زندگی کے روپ تھے لیکن اب ان کے راستے الگ الگ ہوگئے تھے، ایک راستہ اللہ کی محبت و رسول اللہ کے احکام کی بجاآوری اور اعلاء کلمۃ الحق کا دوسرا راستہ تھا، فتوحات ملکی، سیاسی اقتدار، آمرانہ قوت اور بیدقار زندگی کا ان دونوں نظریات میں جو بُعدالمشرقین تھا وہ ظاہر ہے یہ دونوں قدریں جو آپس میں متضاد اور متباین تھیں ایک ساتھ کیسے چل سکتی تھیں، اس لئے اس وقت کے مسلمانوں میں دو نظریات، دو مسلک اور دو نصب العین معین ہوگئے، ایک نصب العین کے پرستار اہل دین کہلائے یہ اصحاب صفہ کے جانشین تھے اور دوسرے نصب العین کی اقتدار کرنے والے وہ تھے جنہوں نے نسلاً بعد نسلاً حکومت کی مسند پر اپنے قدم جمائے اور تاریخ میں اموی، عباسی، سلجوقی اور فاطمی خانوادوں کے بانیوں کے شاندار ناموں سے موسوم ہوئے۔

دوسری صدی ہجری میں مسلک اولیں کے پیرو تابعین و تبع تابعین ہی کے نام سے موسوم ہوتے رہے کہ اس عظیم الشان اصطلاح دینی سے بڑھ کر کوئی اور اصطلاح یا نام ان کے لئے نہیں ہوسکتا تھا۔ اور یہ نفوس قدسیہ حتی الوسع سیاسی اقتدار اور فتوحات ملکی کی ہوس کاریوں سے بہت دُور دُور رہے۔ انھوں جلوت کے بجائے خلوت کو ترجیح دی، سیاسی رقابتوں میں الجھنے کی بجائے توکل کو اپنا رفیق بنایا، مسجدوں کو بھی جب انھوں نے دیکھا کہ یہ اب خالص عبادت کدوں کی بجائے شاہی درباروں سے مبدل ہوتی جارہی ہیں بنوک سنان صاحب اقتدار اپنا خطبہ پڑھواتا اور اپنے گُن گنواتا ہے مسجدوں میں خونریزی اور غارتگری میں خوف خدا حائل نہیں ہوتا تو ایسے حالات میں انھوں نے اپنے گھر کے گوشوں ہی کو اپنا معبد بنایا اور اپنے شب و روز یاد الٰہی میں بسر کرنے لگے۔ اس عہد جہانگیری میں جنہوں نے گوشۂ عزلت کو اپنا انیس بنایا اور خونریزیوں اور خوں آشامیوں سے بچنے کے لئے گھر کے دروازے بند کرکے بیٹھ گئے، چونکہ ان کی یہ حالت عہد نبوی کے ان دینداروں سے مماثلت قریبہ رکھتی تھی جو اصحاب صفہ کے نام سے موسوم تھے اور صوف پوش رہتے تھے، اس لئے اس گروہ کو "صوفی" اور ان کے اس مسلک کو تصوف کا نام دیا گیا، کہ اس سے بہتر اور کوئی نام اور عنوان نہیں ہوسکتا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں اس نظریہ اور مسلک کی پرورش ہوئی۔ملکی اور سیاسی حالات جیسے جیسے بگڑتے گئے، اموی، عباسی اور سلجوقی دَور میں خونِ انسانی جس قدر ارزاں ہوتا گیا اس مسلک کو فروغ ہوتا چلا گیا۔

بنی امیّہ کے دَور کی خونریزیوں اور ملکی انتشار کا اگر مختصر سا جائزہ آپ لینا چاہیں تو جنگ صفین جنگ جمل، واقعہ کربلا، مختار ثقفی کا نعرہ، قاتلانِ حسینؓ سے انتقام، عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھوں محمدؒ بن قاسم، موسیٰ بن نُصَیر (فاتح اُندلس) قتیبہ بن مسلم باہلیؒ کا انجام، حجاج بن یوسف کی سخت گیری اور مخالفین کی سرکوبی اور دوسرے اموی سلاطین کے ہاتھوں مسلمانوں کے جو سر قلم ہوئے تاریخی شہادتوں کے ساتھ ان کا شمار اگر ہوسکے تو کر لیجئے۔ اس کے بعد عباسی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے ابوالعباس سفاح، آخری اموی تاجدار ابراہیم کی خانہ ویرانی، امین و مامون کی جنگِ جہانگیری، مامون کے اقتدار کے لئے خونِ مسلم کی ارزانی، مسئلہ خلق قرآن، دیندار مسلمانوں کی تباہی اور پریشانی، ہارون رشید اور اس کے دور کی جنگیں! ہاروں سے لے کر مستعصم باللہ کے زمانہ تک عباسی اقتدار کی بحالی کے لئے کید و مکر کی فراوانی اور پھر فتنہ تاتاران سب پر مستزاد!! یہ تمام خونچکاں واقعات ایک قرن سے کچھ زیادہ مدت کے دوران ظہور میں آگئے۔

ان حالات میں جن دلوں میں خوف الہٰی، مسلمانوں کی جانوں کا احترام خشیئت الہٰی، اور احکام خداوندی اور ارشاد نبوی کا پاس موجود تھا ان کے سامنے دنیا اور متاعِ دنیا کا جو نقشہ کھنچا اور اس نے ان کی آنکھوں کے سامنے جو تصویر کھینچی وہ اس ارشاد ربانی کی تفسیر تھی:۔

١۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر!!

٢ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

٣ وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ط

یہ وہ دَور تھا کہ صحابہ کرام، حضرات تابعین رضی اللہ علیہم اجمعین کے اَدوار مقدس ختم ہو چکے تھے، تبع تابعین کا دَور چل رہا تھا، ان میں سے اکثر و بیشتر گوشہ نشین ہو چکے تھے ورنہ ان کو بھی شکوہ سلطانی کا ساتھ دینا پڑتا یا مسئلہ خلق قرآن پران کی خاموشی ان کی جان لے کر چھوڑتی۔ یا تو وہ خلافت کے نمائندے بن کر گوشے گوشے میں عباسیوں کی خلافت کے داعی بنتے یا ان کے مقابل آنے والی قوتوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے۔

ایسے پُرآشوب دَور میں ان نیک بندوں نے دینی و دنیاوی فلاح اسی میں سمجھی کہ اس مسلک کے نظریات کو اور وسعت دیں اور جہاں تک ممکن ہوسکے عامۃ الناس کو اس سیاسی تصادم سے بچا کر ایسے گوشہ میں لے آئیں جہاں ہوس ملک گیری کے بجائے تہذیب نفس موجود تھی، جہاں تفنگ دَم کے عوض حیات انسانی

کا احترام تھا، یہاں شاطرانہ چالوں کے بدلے فضایل اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی، زر و مال کے حصول کے لئے نت نئے حربوں کے استعمال کے بجائے توکل، صبر و قناعت کا سبق دیا جاتا تھا۔ یہ مسلک تصوف کے نام سے موسوم ہوا اسی طرح یہ محفوظ و مامون گوشے خانقاہ یا صومعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور دینداری، خدا ترسی، صبر و رضا، توکل و قناعت کا جو عہد لیا جاتا وہ بیعت کہلاتا یہ بیعت کوئی نئی چیز نہ تھی خلافت راشدہ کے بعد، خلافت اموی اور عباسی میں جو خلیفہ تخت نشین ہوتا وہ عمائدین سلطنت سے اپنی اطاعت، جاں نثاری اور وفاداری کا عہد لیتے اس کو بھی بیعت کیا جاتا تھا بس فرق دونوں میں یہ تھا کہ ایک بیعت ہوتی دنیا کے لئے اور ایک بیعت ہوتی دین کے لئے۔

تصوف کے اجزائے ترکیبی اور اس کی ہیئت کے مرتب کرنے والے تار و پود تاریخی شہادتوں سے آپ کے سامنے پیش کئے گئے اب اس کی تعریف کے سلسلہ میں ان اکابرین صوفیاء کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں جن کو اس مسلک پر گامزن ہونے والوں میں تاریخی اعتبار سے ودیعت کا شرف حاصل ہے!

۱۔ حضرت معروف کرخی (المتوفی ۲۰۰ ہجری) فرماتے ہیں:۔

"حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا اور خلایق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا" تصوف" ہے"۔

۲۔ حضرت ذوالنون مصری (المتوفی ۲۴۵ ہجری) ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:۔

"وہ لوگ صوفی ہیں جنہوں نے تمام کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کو پسند کیا"۔

۳۔ سہیل بن عبداللہ تستری "تصوف" کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔

"صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پُر ہو اور قرب خدائے عزّ و جل میں بشر سے منقطع ہو اور اس کی آنکھوں میں خاک اور سونا برابر ہو"۔

تصوف کے معنی ہیں کم کھانا، اور خدا سے قربت حاصل کرنا اور مخلوقات سے بھاگنا"

۴۔ حضرت ابوالحسن نوری (المتوفی ۲۹۵ ہجری) کا اس سلسلہ میں ارشاد ہے:۔

"صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہوگئی ہے اور آفت نفس سے صاف اور ہوا و ہوس سے خالص ہوگئی ہو۔ یہ لوگ صف اول اور درجہ اعلیٰ میں خداوند کریم سے قربت حاصل کئے ہوئے ہیں، غیر اللہ سے بھاگتے ہیں وہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ کسی کے مملوک"۔

"تصوّف مولیٰ کی دوستی اور دُنیا کا دشمنی کا نام ہے"۔

حضرت جنید بغدادی رقمطراز ہیں:۔

"عارف وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسرار پنہاں سے گفتگو کرتا ہے تو وہ خاموش

رہتا ہے۔"

"معرفت خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا نام ہے۔"

"صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمان الٰہی کو ماننے والا ہو۔ اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح تسلیم، حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اندوہ۔ حضرت عیسیٰؑ جیسا فقر اور حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا شوق اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اخلاق ہوں۔"

ان تصریحات اور ان حقائق کے پیش نظر یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامی تصوف، عیسائی رہبانیت یا عیسائی تصوف کا نتیجہ ہے، اس کے ماخذ اور منابع غیر اسلامی یعنی ویدانت، اپنشد، ایرانی فلسفہ و نوفلاطونیت ہے، حقایق آپ کے سامنے ہیں جن کے پیش نظر یہی کہنا پڑے گا کہ تصوف ایک خالص اسلامی نظریہ ہے اس کا منبع اور ماخذ شریعت اور اس کی تعلیمات قطعی اسلامی ہیں اور اس کی روح بھی قطعی اسلامی ہے۔ اکابرین تصوف نے تصوف کی اجمالاً جو تعریف کی ہے وہ آپ کے مطالعہ سے گذر چکی، ان توضیحات و تصریحات میں جو بنیادی اصول و معتقدات ملتے ہیں یا تمام تعریفات میں جو معتقدات مشترک ہیں وہ یہ ہیں:۔

ترک دنیا، عقیدۂ فنا، زہد، ایثار، قناعت، فقر، توکل، خشیت الٰہی، ذکر الٰہی، محبت رسول اور محبت الٰہی (عشق الٰہی)۔ ورع۔ حزن و الم۔ خضوع و خشوع۔

مذکورہ معتقدات پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان میں کون سا عقیدہ ایسا ہے جس کو غیر اسلامی کہا جا سکتا ہے یا اس کا ماخذ اور منبع اسلام سے قبل کے کسی دوسرے مذہب کو قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ کسی غیر الہامی مذہب نے فضائل و مکارم اخلاق کی یہ تعلیم دی ہی نہیں اور اسلام کے یہی، وہ بنیادی اصول ہیں جن کے باعث اسلام کو اس قدر جلد کامیابی اور مقبولیت حاصل ہو گئی ورنہ اگر دوسرے غیر الہامی مذاہب کے یہی بنیادی اصول اور معتقدات ہوتے تو اسلام کے پاس وہ کونسی متاع دلربا تھی جو غیروں کے دل موہ لیتی تھی، رہے الہامی مذاہب تو ان کا ذکر گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے ان کو اس قدر محرف کر دیا گیا تھا کہ ان کی ماہیت ہی بالکل بدل گئی۔

شاید بادی النظر میں یہ اسلامی معتقدات غیر اسلامی معلوم ہوں یا یہ خیال گذرے کہ یہ اسلام کے دور انحطاط کی یادگار ہیں اس لئے شارع علیہ السلام کی حیات مقدسہ سے خلفائے راشدین تک کی حیات پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان مقدس ہستیوں میں تصوف کے یہ بنیادی اصول اور اخلاق فاضلہ رچے بسے تھے یا نہیں؟

ترک دُنیا

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ آپ دنیا کے مال و متاع، دنیا کی آرائشوں اور آسائشوں سے کم سے کم متمتع ہوتے تھے

کہ آپ کے لئے کسریٰ اور خسروی شان و شوکت اور سامان شاہانہ موجود نہیں تھا، یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ نے دُنیا کو کبھی نہیں اپنایا۔

حیات طیبہ کا مشہور واقعہ ایلا ہے، ازواج مطہرات (امہات المومنینؓ) سے آپ نے ایک ماہ کے لئے محض اس لئے علیحدگی اختیار کرلی تھی کہ انھوں نے اجتماعی طور پر آپ سے نان و نفقہ کی کشادگی اور آسائش دنیاوی طلب کی تھی، اس زمانہ میں آپ نے تنہائی اختیار فرمائی تھی اور صحبت اصحاب سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خدمت سامی میں باریابی حاصل ہوئی اس وقت آپ کھال کے بنے ہوئے گدّے پر اس طرح استراحت فرمارہے تھے کہ جسم مبارک پر نشان پڑ گئے تھے، حجرہ اقدس میں دُنیاوی اثاثہ اس شہنشاہ عالمین کا صرف یہ گدّا، ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا، تاریخ اسلام میں یہ واقعہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کردہ موجود ہے، جب حضرت عمرؓ نے آپ کے اس حال پر تاسف فرماتے ہوئے فرمایا کہ حضور قیصر و کسریٰ تو دنیا کے عیش و آرام سے متمتع ہو رہے ہیں اور شہنشاہ عالم اس طرح زحمت کش ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اے عمرؓ کیا تم یہ کافی نہیں سمجھتے کہ ان کافروں کے لئے دنیا کا آرام اور ہمارے (مسلمانوں) لئے آخرت کی آسایش موجود ہے۔

خود آپ کا یہ ارشاد گرامی (حدیث شریف) اس بحث پر دلیل قوی ہے، ارشاد فرماتے ہیں۔

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ (مشکوٰۃ شریف)

(تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم ایک مسافر ہو یا راستہ چلنے والے)

خود قرآن حکیم کا ارشاد اس سلسلہ میں موجود ہے جس میں متاع دنیا کو لہو و لعب، ایک دوسری جگہ "متاع قلیل" اور اولاد و اموال کو فتنہ فرمایا گیا ہے"۔ لیکن اس ترک دنیا سے رہبانیت ہرگز مراد نہیں تھی بلکہ مقصد و مدعا اس ترک دنیا کا یہ تھا کہ کم سے کم تعلق دنیا سے رکھا جائے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین دنیا سے تعلق رکھتے تھے، ازواج و اولاد کے تعلقات موجود تھے لیکن وہ دنیا دار یا دنیا پرست نہیں تھے وہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ تھے لیکن ان کے حال کا مصداق اور ان کی نظر میں دنیا کی حقیقت یہ تھی۔

آئی ہے بے حیا مرا ایمان خریدنے
دُنیا کھڑی ہے دولتِ دُنیا لئے ہوئے

خلافت راشدہ کے بعد اس دنیا نے دولتِ دنیا کے لئے جن فتنوں کا آغاز کیا، ان کی تشریح ہم گذشتہ اوراق میں کرچکے ہیں، اِن فتنوں نے دُنیا کی وہ بھیانک تصویر ایمان پر در نگاہوں کے سامنے پیش کی کہ انھوں نے سلامتیٔ ایمان کے لئے اس سے قطعی ترک تعلق ہی کو اپنی نجات سمجھا! دُنیا نے اس پر رہبانیت کا لیبل لگایا لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ تابعین اور تبع تابعین کے دوَر میں جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا ترک دنیا اور تصوف کو لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا حالانکہ وہ ایک دوَر کی شدید ضرورت تھی،

لیکن بقول شاعر

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

سلامتی دین وایمان کے لئے اس دنیا سے قطع تعلق ہی کو بہتر سمجھا گیا لیکن اس طرح کہ ارباب تصوف اور اصحاب فقرنے دولت کمانے کے لئے ارباب دول کے دروازے نہیں کھٹکھٹائے بلکہ مزدوری کی، زمینیں کھودیں، کشاورزی کی اور اس سے جو کچھ اجرت یومیہ نصیب ہوئی اس کو کسب حلال سمجھ کر اپنا پیٹ بھرا اگر وہ چاہتے تو شاہانِ وقت ان کے قدموں پر ڈھیر لگا دیتے لیکن بس اتنا اس کے جواب میں کرنا پڑتا کہ ایک ظالم، فاسق، فاجر اور عیش پرست سلطان یا بادشاہ کو الظل اللہ علی الارض، خلیفۃ اللہ، السلطان العادل وغیرہ جیسے والاصفات کے ساتھ موصوف کرنا پڑتا، اسی کا نام ہے دیں فروشند و دنیا خرند! ان ہستیوں نے یہ گوارا نہیں کیا! یہ ہے تصوف کی دنیا میں ترک دنیا کا مفہوم اور اس کی تشریح!!

حُبِ الٰہی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت الٰہی کا امت کو جو درس دیا وہ اس کے احکام کی اطاعت اور اسی کی عبادت سے عبارت تھی، آپ کی سیرت طیبّہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات باخبر ہیں کہ آپ تمام رات عبادت میں مصروف رہتے، رات بھر کے قیام سے یہ عالم ہوتا کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے، خود حضرت باری نے اس محبوب کی شدت محبت وطاعت پر ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۙ (پارہ ۲۹)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اپنے ہادیِ برحق کے اسوۂ پاک کی تقلید کرتے اور ان کی زندگی کے لمحات وآنات بھی طاعت وبندگی میں بسر ہوتے، خود باری تعالیٰ نے ان کی طاعت وبندگی کو سراہا اور ان صالحین اور نیک بندوں کی علامت یہ قرار دی :۔

۱۔ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ (سورہ فتح پارہ ۲۶)

(تم ان کو رکوع، اور سجدہ کرتے دیکھو گے وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں، اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ قرآن حکیم)

اصحاب کرام اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی واطاعت میں ہر دم مصروف رہتے، ان کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔

۲۔ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ۔ الخ (پارہ ۳ رکوع ۱۱)

اے رسول! ان سے فرما دیجئے، اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو میری متابعت کرو،

اللہ تم کو دوست رکھے گا)

خلفائے راشدین اور اصحاب کرام آپ کی اتباع کامل میں ہر دم منہمک رہتے، آپ کے وصال کے بعد بھی تابعین مسلمانوں کا نصب العین یہی رہا، سنت نبوی کی پیروی میں اس قدر شغف رہتا کہ ادنیٰ سی ادنیٰ سنت کو ترک کرنا بھی وہ جذبہ محبت کی توہین سمجھتے تھے لیکن جب دور فتن آیا تو اس پر آشوب دور میں عبادت الٰہی میں ان کے انہماک کا یہ عالم ہوا کہ

اور کچھ اس کے سوا ہوش کی روئیداد نہیں
تو مجھے یاد ہے کچھ اور مجھے یاد نہیں
(شمس بریلوی)

استغراق

حبّ الٰہی میں جب یہ محویت و استغراق بڑھ جاتا ہے تو ایسی کیفیت اور حالت طاری ہوجاتی ہے کہ صاحب حال کو نہ اپنی خبر ہوتی ہے اور نہ خبر والوں کی خبر، حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس استغراق و محویت کو نہایت ایجاز کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے۔

"نشنیدہ کہ سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم گفت لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ و نہ گفت علی الدوام وقتے چنیں فرمود بہ جبرئیل و میکائیل نپرداختے و دیگر وقت با حفصہ رضی اللہ عنہا و زینب رضی اللہ عنہا درساختے"

اسی سلسلہ میں حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اس وقت سرور کائنات ؐ عالم استغراق میں تھے، آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ تم کون ہو حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا کہ عائشہؓ، آپ نے فرمایا عائشہ کون؟ جواب دیا، ابوبکرؓ کی بیٹی، ارشاد فرمایا کون ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست، حضرت رسالت مآب نے فرمایا محمدؐ کون؟ غور فرمائیے کہ۔ یہ فرمانے والی ذات گرامی خود محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، حضرت عائشہؓ یہ سن کر خاموش ہوگئیں اور آپ سمجھ گئیں کہ آپ پر اس وقت کوئی خاص کیفیت طاری ہے یہی استغراق ہے۔

یاد الٰہی میں یہ استغراق آپ کے فیض صحبت سے خلفائے راشدین کو جس طرح حاصل تھا، ہمارے قلم میں کہاں طاقت کہ بیان ہو سکے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پائے اقدس میں ایک غزوہ میں دوران مصاف ایک تیر کا پیکان در آیا، سخت کوشش کے باوجود نہیں نکل سکا، اس کی تکلیف آپ کی برداشت سے باہر تھی، یہاں تک کہ آپ عبادت (نماز) میں مشغول ہوئے اور اسی حضور قلب اور استغراق کی حالت میں اس تیر کو کھینچ لیا گیا اور آپ کو خبر نہ ہوئی، انہی حضرات کے فیض صحبت سے مستفید ہونیوالے بزرگوں کو یہ استغراق عبادت میسّر ہوا۔

حضرات تابعین کے بارے میں اس قبیل کے بہت سے واقعات کتب میں مرقوم ہیں جن سے انکے استغراق عبادت کا ثبوت ملتا ہے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ ان حضرات میں یہ وصف پیدا ہوتا رہا جو اس مسلک

میں شامل ہوتے رہے جس کا نام تصوف ہے۔ تاریخ تصوف اور تذکرۃ الاولیا میں تفصیل سے ایسے واقعات موجود ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی حیات مبارکہ کا یہ مستند واقعہ ہے کہ آپ پر جب حالت استغراق (جس کو زبان تصوف میں سُکر کہتے ہیں) طاری ہوتی تو کئی کئی دن یہ جاری رہتی صرف نماز کے وقت آپ عالم صحو میں آتے اور ادائیگی فرض کے بعد پھر آپ پر وہی استغراق طاری ہو جاتا۔ اسی طرح اور بزرگوں کے حالات زندگی سے اس وصف کا کمال نمایاں ہے۔

فقر قرآن مجید میں فقر کی واضح تعلیم اور یہ کھلا حکم موجود ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

(اے لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل حمد وستایش ہے)

اللہ تعالیٰ سے اسی احتیاج کا نام فقر ہے۔ فقر انسان کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو اس میں بہت سے فضایل اخلاق مثلاً توکل، ایثار اور صبر کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔ حرص و آز سے محفوظ رکھتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وصف پر اظہار فخر فرمایا ہے فرماتے ہیں "الفقر فخری" فقر میرے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

اس فقر کے معنی غربت و تنگدستی نہیں جس کے باعث انسان کو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑے بلکہ فقر سے مراد دل کا استغنا رہے جس کے سامنے دولت کے ڈھیر ہیچ ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ہم کو فقر کا بھی سبق ملتا ہے۔ دولت کے خزانوں کے ہمیشہ آپ کے سامنے ڈھیر لگے رہتے لیکن آپ جب تک مستحقین پر اس کو خرچ نہ فرما دیتے آپ کو تسکین و قرار حاصل نہ ہوتا۔ جو کچھ مال غنیمت سے ملتا وہ ضرورت مندوں پر خرچ کیا جاتا درانحالیکہ کاشانۂ نبوت میں بسا اوقات، پیالہ بھر دودھ اور مٹھی بھر جَو کے سوا اور کچھ نہ ہوتا لیکن آپ اپنی ذات پر ایک جَو سیم بھی اس مال غنیمت یا مسلمانوں کے مال سے خرچ نہ فرماتے بلکہ اس بے سروسامانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے، شہنشاہ دو عالم کا اثاثۃ البیت واقعہ ایلا میں ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔

خلفائے راشدین بھی فقر کے دلدادہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فقر مشہور ہے، آپ کی تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ عقد کے وقت اپنی مملوکہ ایک زرہ فروخت کر کے ولیمہ کا انتظام فرمایا تھا، تابعین اور تبع تابعین میں اللہ کے برگزیدہ بندے اس متاع عزیز کو اپنائے رہے لیکن اس دَور میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر رفتہ رفتہ مفقود ہوتا جا رہا تھا اور حرص و آز نے اپنے چنگل پھیلا دیئے تھے بیت المال جو کبھی مسلمانوں کا تھا اب اس پر حاکم وقت کو کلی اقتدار و اختیار حاصل تھا تاکہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق اس کو خرچ کر سکے اس وقت چند ہستیاں ایسی بھی تھیں جو رسول محترم و مکرم کی اس سنت کو اپنائے ہوئے تھیں چونکہ فقر دنیاوی خواہشات مثلاً حرص و آواز، جبر و تعدی اور تن آسانی سے محفوظ رکھتا تھا اس لئے صوفیا کرام نے اس وصف کو مسلک تصوف کا بنیادی ستون قرار دیا۔ اہل اللہ اور اکابرین صوفیہؒ نے دولت دنیا کے انباروں کو

جس طرح تیج سمجھا اور اپنے تقویٰ کو اس سے ملوث نہیں ہونے دیا اس کی تفصیلات مستند کتب میں موجود ہیں۔

صبر فقر کے وصف سے فضیلت صبر پیدا ہوتی ہے یعنی انسان کو جو کچھ میسر ہے اس کو کافی دوانی سمجھے اور حرص و آز کے سیلاب کا بند باندھے رہے ایذا اور تکلیف کو جو اسے راہ حق میں پہنچے برداشت کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- اِنَّمَا یُوفَّی الصَّابِرُونَ اَجرَھُم بِغَیرِ حِسَاب (بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملتا ہے)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعمت کے حصول کے لئے اس طرح دعا فرمائی :-

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْراً وَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْراً (اے اللہ مجھ کو شاکر اور صابر بنا دے)

صبر کی تعلیم کا منشا یہ ہے کہ مسلمان جب مشکلات میں گھر جائے اور مقابلہ کا سامان نہ ہو تو شکستہ دل اور بیتاب نہ ہو بلکہ رحمت الٰہی سے لو لگائے کشائش اور رحمت کا منتظر رہے۔ کامرانی اور بالادستی کے وقت اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا، عمل اور دعا کے نتائج کا قرار و اطمینان سے انتظار کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام میں دشمنوں کی ایذا رسانی پر جو صبر کیا، کتب سیر میں تفصیلاً مذکور ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ نے آپ کی پیروی میں جو زحمتیں اٹھائیں اور شدائد و مکائد کو جس خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں۔ حضرات امام حسنؓ اور امام حسینؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے جو شدائد برداشت کئے اور جس طرح ایذائے دشمن پر صبر کیا وہ ظاہر ہے، صحابہ کے بعد تابعین اور پھر ان کے بعد اولیا رکرام نے حق گوئی اور حکومت جابر کے خلاف آواز بلند کرنے پر جن شدائد کا سامنا کیا اس کی توفیق ان کو صبر ہی کی بدولت ملی یہی سبب ہے کہ صبر، تصوف کے مسلک کا ایک ضروری رکن ہے۔

اب دوسرے اوصاف مثلاً ایثار، توکل، خوف و رجا، حق گوئی وغیرہ پر نظر ڈالئے یہ تمام اوصاف اسلام کے نظام اخلاق میں شامل ہیں اور ان اوصاف کے بغیر ضابطہ اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی، ان اوصاف کا مکمل نمونہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی خود قرآن حکیم نے مومنین کو یہ بشارت دی

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم (بیشک آپ اخلاق کی بلندیوں پر ہیں)

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا یہی مقصد ظاہر فرمایا :

بعثت لِاُتمم حسنَ الاخلاق (میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں)

چنانچہ تمام فضائل اخلاق انسانی کمال کے لئے ضروری اور انسانیت کے لوازم ہیں جن کا مکمل اور جامع نمونہ آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی اور آپ کے فیضان صحبت سے یہ اخلاق حسنہ خلفائے راشدین میں بدرجہ کمال موجود تھے، اصحاب صفہ تو خصوصاً صبر و توکل، ایثار اور استقامت کا مجسمہ تھے انہی کے فیض صحبت سے یہ اثر ان اصحاب میں در آیا، جنھوں نے ان سے اکتساب فیض کیا، جس طرح روحانی کمال کے لئے محبت الٰہی، محبت رسول، استغراق، مراقبہ اور مجاہدۂ عبادت وغیرہ لازم قرار پائے اسی طرح فضائل اخلاق، تکمیل بشریت اور انسانیت کے لئے ضروری قرار دئے گئے۔ چنانچہ دور تابعین اور تبع تابعین میں جب ان کمالات روحانی اور انسانی کا

نام مسلک تصوف اور اس پر گامزن ہونے والے کو صوفی کے نام سے موسوم کیا گیا تو اس مسلک میں داخل ہونے کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ مرید مجاہدات کے ذریعہ ان فضائل دوگونہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے، مرشد کی توجہ باطنی اس کی دستگیری اور رہنمائی کے لئے موجود ہوتی تھی اور مرشد اس وقت تک اپنی نیابت اور قربت کا اہل مرید کو نہیں گردانتا تھا جب تک ان فضائل سے آراستہ نہیں ہوجاتا، اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان بندوں کی مرتبت اور مقبولیت کے سلسلہ میں یہ ربانی ارشاد اور الہامی دستاویز موجود ہے۔

مجاہدات، ریاضت وعبادت

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۞

بے شبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خضوع وخشوع کرتے ہیں اور جو لغو و بیہودہ بات پر دھیان نہیں دیتے، جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (عفیف و پاکدامن ہیں)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۞

اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

دیکھئے صراحت کے ساتھ احتراز کو قابل تعریف قرار دیا گیا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا۔ اور خدا کی محبت میں اپنا مال، رشتہ داروں کو، یتیموں کو، غریبوں کو (مسافر) مانگنے والوں کو، اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کیا اور نماز ادا کی، زکوٰۃ دیتا رہا اور وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت، تکلیف اور لڑائی (کافروں سے) میں ثابت قدم رہتے ہیں، یہی وہ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔

استقامت، راست بازی، ایثار، صدقہ وخیرات، ایفائے عہد کے ساتھ ساتھ، نماز میں حضور قلب اور

ارکان ایمان کی تصدیق بالقلب کی اہمیت کو مذکورہ آیات میں تصریح کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اسی لئے بیان فرمایا کہ مسلمان اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔

مقبول بندوں کی نشانیاں اور ان کے خصائص

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝

اور رحم والے خدا کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکسار سے چلتے ہیں اور جب ناسمجھ لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کریں (ان سے نہ الجھیں) اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدے میں رات گذارتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (پارہ ۱۹)

اور جو جھوٹے (غلط) کاموں میں شامل نہیں ہوتے اور جب کبھی لغویات سے گذر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے (دامن بچاکر) گذر جاتے ہیں اور جب خدا کی نشانیاں ان کو سنائی جائیں تو وہ اندھے اور بہرے نہ ہو جائیں اور یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

آیات ذیل میں ان اوصاف کی تصریح کی گئی ہے جو مندرجہ بالا فضائل پر کاربند ہو کر ایک سچے اور متقی مسلمان میں پیدا ہو جاتے ہیں، گویا یہ ایک مومن کی علامات ہیں:-

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں کے کام اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جو غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں، اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اور انکے کام باہمی مشورت سے ہوتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

یہ وہ ہیں جن کو دُہرا ثواب ملے گا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بُرائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا
لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ، (قصص)

اور جو ہم نے دیا ہے اس سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرلیتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، تم سلامت رہو، ہم ناسمجھوں کو نہیں چاہتے۔

یہ تھیں ارباب ایمان، ارباب ریاضت اور اہل اللہ کی نشانیاں، بارگاہ الٰہی میں ان کی عظمت اور ان کا اجر، ان بزرگوں کی حیات طیبہ کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ وہ اس قرآنی معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت رابعہ بصریؒ عدویہ) حضرت سفیان ثوریؒ مسلک تصوف کے عماد اور ارکان ہیں ان کے بعد اس مسلک کی جلوہ سامانیوں نے اطراف واکناف حجاز وعراق اور شام اور ایران کو اپنے فضایل وکمالات اخلاقی وایمانی کی بدولت نور ایمان سے منور فرمایا۔ ذیل میں ہم ایسے چند مشاہیر واکابرین صوفیاء کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں جو آسمان تصوف کے درخشندہ ستارے نہیں بلکہ سیارے ہیں جنہوں نے اپنے فضائل اخلاق اور کمالات انسانی سے لاکھوں گم کردہ راہوں کو سیدھے راستہ پر لگا دیا۔

چند کی قید اس لئے ہے کہ کُل کا شمار ناممکن ہے کہ ستارگانِ افلاک کا شمار کون کرسکتا ہے، آج انہی ستاروں اور سیاروں کی بدولت دولت ایمان کی جلوہ سامانیاں اس گئے گذرے دور میں بھی موجود ہیں کہ ان کے فیوض وبرکات ان کے بعد بھی اسی طرح جاری وساری ہیں۔

مشاہیر طریقت

صوفیائے حجاز و مصر، شام، عراق و ایران

اسمائے گرامی	سال وفات	اسمائے گرامی	سال وفات
امیرالمومنین حضرت علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ	۴۰ھ	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۳۲ھ
سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ	۵۰ھ	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۳۳ھ
سیدالشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ	۶۱ھ	حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ	۳۷ھ
حضرت خواجہ کمیل ابن زیاد رضی اللہ عنہ	۸۲ھ	حضرت امام قاسم بن محمدؒ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۰۷ھ
حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ	۱۱۱ھ	حضرت مالک دینار رضی اللہ عنہ	۱۲۸ھ
حضرت ابو الہاشم صوفیؒ	۱۵۰ھ	حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ	۱۵۶ھ
حضرت سفیان ثوریؒ	۱۶۱ھ	حضرت داؤد بن نصر طائیؒ	۱۶۵ھ
حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ	۱۷۷ھ	حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ	۱۸۷ھ
حضرت سلطان ابراہیم ادہم بلخیؒ	۱۶۶ھ	حضرت شفیق بلخیؒ	۱۹۴ھ
حضرت معروف کرخیؒ	۲۰۰ھ	حضرت حاتم بن عنوان اصمؒ	۲۳۷ھ
حضرت احمد بن خضرویہ بلخیؒ	۲۴۰ھ	حضرت ذوالنون مصریؒ	۲۴۵ھ
حضرت سری بن مفلس سقطیؒ	۲۵۳ھ	حضرت بایزید بسطامیؒ	۲۶۱ھ
حضرت طیفور شامیؒ	۲۶۱ھ	حضرت شیخ شجاع کرمانیؒ	۲۷۰ھ
حضرت ابو سعید خرازؒ	۲۸۶ھ	حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ	۲۸۷ھ
حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ	۲۹۵ھ	سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ	۲۹۷ھ
حضرت سید حسین بن منصور حلاج بیضاویؒ	۳۰۹ھ	حضرت شیخ ابوعلی رودباریؒ	۳۲۱ھ
حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتیؒ	۳۲۹ھ	حضرت ابوبکر شبلیؒ	۳۳۴ھ
حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ	۴۲۵ھ	حضرت ابواسحٰق بن شہریار گازرونیؒ	۴۲۶ھ
حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مہنویؒ	۴۴۰ھ	حضرت شیخ ابوالفراح طرطوسیؒ	۴۴۷ھ
حضرت خواجہ ناصرالدین ابو یوسف چشتیؒ	۴۵۹ھ	حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ	۴۶۵ھ
حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ	۴۸۱ھ	حجۃ الاسلام امام محمدؒ غزالیؒ	۵۰۵ھ

اسمائے گرامی	سال وفات	اسمائے گرامی	سال وفات
حضرت حکیم سنائیؒ	۵۲۵ھ	حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ	۵۲۷ھ
حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانیؒ	۵۳۵ھ	حضرت شیخ الاسلام ابو نصر احمد جام زندہ پیلؒ	۵۳۶ھ
حضرت سیدنا شیخ الجن والانس ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ	۵۶۱ھ	حضرت شیخ احمد یسویؒ	۵۶۲ھ
حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردیؒ	۵۶۳ھ	حضرت شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعیؒ	۵۷۰ھ
حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	۶۱۷ھ	حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ (ولی تراش)	۶۱۸ھ
حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوریؒ	۶۲۷ھ	حضرت شیخ الشیوخ ابو حفص شہاب الدین عمر سہروردیؒ	۶۳۲ھ
حضرت شیخ محی الدین محمدؒ بن علی العربی (شیخ اکبرؒ)	۶۳۸ھ	حضرت شمس الدین محمدؒ تبریزیؒ	۶۴۵ھ
حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ	۶۵۴ھ	حضرت شیخ جلال الدین محمدؐ بلخی الرومیؒ	۶۷۲ھ
حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ	۶۸۸ھ	حضرت شیخ مصلح الدین المتخلص بہ سعدی شیرازیؒ	۶۹۱ھ
حضرت خواجہ بہاء الدین محمدؐ نقشبندؒ	۷۹۱ھ	حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرارؒ	۸۹۵ھ
حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ	۸۹۸ھ	حضرت شیخ جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطیؒ	۹۱۱ھ

نساء العارفات

حضرت شعوانہؒ	۱۷۵ھ	حضرت رابعہ العدویہ بصریؒ	۱۸۵ھ

صوفیائے برصغیر پاک و ہند

حضرت شیخ اسمٰعیل بخاری لاہوریؒ	۴۴۸ھ	حضرت شیخ علی بن عثمان بن علی الہجویری جلابیؒ (داتا گنج بخشؒ)	۴۶۵ھ
حضرت شیخ احمد سلطان سخی سرورؒ	۵۷۷ھ	حضرت خواجۂ خواجگاں خواجہ معین الدین حسن سنجری ثم اجمیریؒ (سلطان الہند غریب نوازؒ)	۶۳۳ھ
حضرت خواجہ عبداللہ شطاریؒ	۶۳۲ھ	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ	۶۳۳ھ
حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ	۶۴۳ھ	حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ	۶۶۶ھ
حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنیؒ	۶۷۰ھ	سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی ناگوریؒ	۶۷۳ھ
حضرت مخدوم عثمان مروندی لعل شہباز قلندرؒ	۶۷۳ھ	حضرت صدر الدین عارفؒ	۶۸۴ھ
حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ	۶۹۰ھ	حضرت شیخ المشائخ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ	۷۱۵ھ
حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتیؒ	۷۲۴ھ	حضرت سلطان المشائخ محمدؐ نظام الدین بدایونیؒ (محبوب الٰہی)	۷۲۵ھ

اسمائے گرامی	سال وفات	اسمائے گرامی	سال وفات
حضرت قطب جمال الدین احمد ہانسوی	۶۵۹ھ	حضرت خواجہ امیر خسرو دہلوی	۷۲۵ھ
حضرت شیخ برہان الدین غریب	۷۳۲ھ	حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین	۷۳۵ھ
حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی	۷۵۱ھ	حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اودھی (چراغ دہلوی)	۷۵۷ھ
حضرت مخدوم الملک شرف الحق والدین احمد بن یحییٰ منیری	۷۸۲ھ	حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت	۷۸۵ھ
حضرت شیخ حمید قلندر	۷۹۸ھ	حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی	۸۰۸ھ
حضرت مخدوم شیخ اخی راجگیری	۸۱۱ھ	حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی	۸۳۷ھ
حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار	۸۴۰ھ	حضرت شیخ محمد (شیخ مینا) چشتی سہروردی	۸۷۰ھ
حضرت شیخ الاسلام میاں شیخ بن حکیم اودھی	۸۸۸ھ	حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی	۹۴۴ھ
حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری	۹۴۷ھ	حضرت خواجہ محمد باقی (باقی باللہ) نقشبندی	۱۰۱۲ھ
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴ھ	حضرت امیر ابو العلا نقشبندی اکبرآبادی	۱۰۶۱ھ
حضرت کلیم اللہ جہان آبادی	۱۱۴۲ھ	حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی	۱۱۹۹ھ

بنگال کے صوفیائے کرام

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی	۶۴۲ھ	حضرت شیخ جلال الدین مجرد سلہٹی	۷۴۰ھ
حضرت شیخ اخی سراج الدین (آئینہ ہندوستان)	۷۵۸ھ	حضرت شیخ علاؤ الدین علاؤ الحق لاہوری بنگالی	۸۰۰ھ

حضرت شیخ نور الدین المشہور بہ نور قطب عالم ۸۱۳ھ

دکن و گجرات کے صوفیائے کرام

حضرت طبل عالم سید نطہر ولی (ناصر ولی)	۴۱۷ھ	حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاء	۶۸۰ھ
حضرت بابا شرف الدین عراقی	۶۸۷ھ	حضرت شیخ منتخب الدین چشتی	۷۰۹ھ
حضرت شیخ حسام الدین ملتانی	۷۳۵ھ	حضرت شیخ جمال الدین	۷۴۵ھ
حضرت شیخ سراج الدین چشتی	۷۶۲ھ	حضرت شیخ مین الدین گنج العلوم	۷۹۵ھ
حضرت (شاہ منجھن) سید شاہ عالم	۸۱۷ھ	حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز	۸۲۵ھ

حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی ۱۱۴۲ھ

کشمیر کے صوفیائے کرام

حضرت شیخ موید الدین بلبل شاہ کشمیری	۷۲۷ھ	حضرت میر محمد ہمدانی	۸۰۹ھ
حضرت شیخ نور الدین ولی کشمیری	۸۴۲ھ	حضرت شیخ بہاؤ الدین گنج بخش کشمیری	۸۴۹ھ

مزید اُن ابرار الاخیار کے اسمائے گرامی جن کا تعلق سرزمین پاک و ہند سے ہے، حضرت محدث دہلوی کی کتاب اخبار الاخیار میں مذکور ہیں اور حالات احتیاط سے لکھے گئے ہیں۔ ان حضرات کی مقدس سوانح کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے اِن انعامات کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں اور یہ اس زمرۂ صالحین میں آتے ہیں یا نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب اور پسندیدہ بندہ قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم کے ارشادات اور رسول ہاشمی کے فرمودات کے پیش نظر ان حضرات کی زندگی کے حالات کا غایر مطالعہ کیجئے، ان کا ہر نفس ہر عمل اور ہر قدم اِن صفات کے پاکیزہ دایرے میں موجود ہے اور ان کے وجود گرامی پر ان اکرام الٰہی کی خلعت فاخرہ درست ہے، ان حضرات میں ہر فرد علم کا بحر ذخار اور عمل کا کوہ مواج ہے ان میں سے تقریباً ہر ایک صاحب تصانیف! عالم متبحر لیکن گوشۂ دین الٰہی کا بوریا نشیں!!

کیسی ناسپاسی اور حق ناشناسی ہے کہ ان کی اس زندگی کو جو سراپا آیئنہ تقدس و اتقا، ایثار کا پیکر، صبر و استقامت کا مجسمہ، خشیت الٰہی سے مثل بید لرزاں، خضوع و خشوع کی تصویر، اور اعلاء کلمۃ الحق کی ادائیگی کے لئے متاع جان برکف رہی، جن کے انفاس قدسیہ نے کفر کی مشعلوں کو بجھایا اور جن کے نور زہد و اتقا نے قنادیل ایمان کو روشن کیا، ان کے اس مسلک بے ریا پر لیبل لگایا جاتا ہے، زندگی سے فرار وجمود بے حسی، رہبانیت اور ملت اسلامیہ کو گمرہی میں مبتلا کرنے والوں کا! آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا، ان پاکباز ہستیوں کو مورد الزام کیوں بنایا گیا۔ ملک کے مشہور اہل قلم جناب ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب نے ان حضرات کی اُن مساعی کو "آب کوثر" میں کافی فصاحت سے پیش کیا ہے جو تبلیغ و اشاعت دین میں برصغیر پاک و ہند کے اِن بزرگوں سے ظہور میں آیئں لیکن شاید ان کے موضوع نے یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اس مقدس گروہ پر لگائے جانے والے ان الزامات کو اٹھاتے جو نکلسن، براؤن اور دوسرے مستشرقین نے تاریخ تصوف میں ان حضرات پر لگائے ہیں اور ان کی تقلید میں خود مسلمانوں نے بھی۔

اِن مستشرقین کی کوتاہ بینی کا پردہ تو یہیں چاک ہو جاتا ہے کہ انہوں نے "مسٹی سزم" "نظام اخلاق یا مسلک اخلاق" کو مسلک تصوف سمجھ لیا حالانکہ ان کو "مسٹی سزم" کی بجائے اس کو "صوفی ازم" کہنا چاہئے تھا، نظام اخلاق کے سلسلہ میں وہ ضرور ارسطو، افلاطون و عیسایئت وغیرہ کا ذکر کر سکتے ہیں حالانکہ ان فلسفیانِ اخلاق کے یہاں یہ نظام اخلاق بھی مکمل نہیں بلکہ اسلام نے اس کو مکمل حیثیت سے پیش کیا۔ پروفیسر براؤن ایرانی ادبیات کی تاریخ کے تفحص و تجسس میں جب بارہ سال ایران میں گذارتے ہیں تو ان کو بھی ایرانی مفکرین اور ایرانی ادبی مواد سے وہی کچھ حاصل ہوا جس کو ایک مسلمان محقق یعنی ڈاکٹر قزوینی نے تصوف کی تحقیق میں مغربی افکار سے اخذ کیا، یہی حال نکلسن اور دوسرے مستشرقین کا ہے وہ عیسایئت کی برتری کے لئے اس سے بہتر اور کون سا حربہ استعمال کر سکتے تھے کہ تصوف کے ماخذ اور منبع کو غیر اسلامی ٹھہرایا، عیسائیت کا پلہ تو جب ہی بھاری ہو سکتا تھا کہ تصوف جیسے عظیم ایمانی اور اتقانی مسلک کو ان کا

خوشہ چین قرار دیتے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا!

مغربی مفکّرین نے ہر ہر مرحلہ پر یہی کوشش کی ہے کہ مسلمان نوجوان طبائع جب تحقیق کے لئے مغربی دانش گاہوں پر دریوزہ گری کے لئے جائیں تو ان کے مطالعہ کے لئے وہی سامان فراہم کیا جائے جو ان کو زیادہ سے زیادہ فریب میں مبتلا کر سکے اور وہ اپنے راستہ سے زیادہ سے زیادہ دُور ہو سکیں، ہمیں حیرت ہے کہ مغربی مفکّرین جب زمانۂ وسطیٰ کی علمی تحقیق پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ رینا سنس آف یورپ (یوروپ کا نشاۃ ثانیہ) کو کیوں نظرانداز کر دیتے ہیں، سولھویں صدی تک جہالت کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی موجودہ علمی بصیرت مسلمانوں کی رہین منّت ہے۔ لیکن بجائے اظہار تشکر و امتنان اور اعتراف حقیقت وہ ہمارے مذہبی اور عقلی نظریات، ہمارے اخلاقی، معاشرتی اور عمرانی و اقتصادی نظام کے منابع اور ماخذ نصرانیت اور یہودیت کو بتا کر احسان ناشناسی کا حق ادا کر دیتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ صرف مستشرقین ہی تمامتر اس کے ذمہ دار ہیں بلکہ "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں" مستشرقین کی تحقیق و تلاش کے ہاتھوں نے جن عربی، فارسی مخطوطات تک رسائی حاصل کی، ان میں سے بعض ایسے مخطوطے بھی ان کو حاصل ہو گئے جو ان کے مقصد کی تکمیل میں ممد و معاون ہو سکتے تھے۔

صوفیائے کرام اور علمائے ظاہر کے مابین کش مکش کا سلسلہ کچھ سو دو سو سال کی بات نہیں بلکہ اسلامی قرونِ وسطیٰ ہی سے علماء کی یہ جماعت اپنے دنیوی اقتدار کے تحفظ کے لئے نبرد آزما رہی ہے، اور انہوں نے اپنی کامیابی کا راز اسی میں سمجھا کہ اس مسلک پر کم از کم اتنی کڑی تنقید تو محفوظ کرتے جائیں کہ ان کے بعد آنے والی نسلیں اس مسلک سے ضرور نفور اور دور ہو جائیں جن پر یہ خدا پرست آج گامزن ہیں اور خلق اللہ ان کے پیچھے پیچھے ہے۔

بغداد اور غزنی کے علمی خزانوں پر وہ تو یہ کہیئے کہ تاتاریوں کی آتش غضب اور علاء الدین جہانسوز کی جفادوستی برق آسمانی بن کر گری ورنہ آج اس مسلک پر اعتراض اور بے دینی و گمراہی کے طوماروں کا انبار یورپ کے کتب خانوں میں لگا ہوتا، ان علمی خزانوں میں گراں بہا مخطوطے بھی تھے اور کم مایہ بھی ہماری ایسی علمی کاوشوں کے ہزاروں شاہکار گردش دوراں کی نظر ہو گئے جو کچھ بچ رہے ان پر مغربی افکار نے حسب موقع اور حسب منشا اپنے افکار کے حاشیے علمی تبحر کی ضمانت کے ساتھ چڑھائے نتیجہ یہ نکلا کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے مسلمان محققین بھی اس سراب سے دھوکا کھائے بغیر نہ رہ سکے اور جو کچھ یورپ کے کتب خانوں سے انھوں نے حاصل کیا بلا غور و تعمق حوالۂ قرطاس کرتے چلے گئے۔

آج تصوف جیسے بلند پایہ خالص اسلامی مسلک پر جو مانویت، مزدکیت، ویدانت، اپنشدوں، نصرانیت یہودیت اور نوافلاطونیت کے نظریات کی ترجمانی کا بہتان عظیم ہے یہ اسی التباس کا نتیجہ ہے، یعنی

مغربی افکار نے جو دھوکا خود کھایا اس سے بڑے فریب میں دوسروں کو مبتلا کر دیا آج تصوف پر غیر اسلامی ہونے کا جب مسلمان مفکرین اور محققین الزام لگاتے ہیں تو وہ حوالہ انہی مغربی عالموں کا لاتے ہیں جو ہمیشہ سے اسلامی رفعتوں سے برسر پیکار رہے ہیں اور جن کا مطمح نظر سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ جس طرح ممکن ہو اسلامی تعلیمات، اسلامی نظریات اور اسلامی افکار کو مسیحت و یہودیت کا خوشہ چیں ثابت کیا جائے لیکن ہمیں دوسروں سے کیا شکایت ؎ سعدی از دست خویشتن فریاد۔ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا وجود باجود اور شیخ اکبر حضرت محی الدینؒ ابن عربی کی ہستی گرامی درمیان میں نہ ہوتی تو خدا جانے معتزلہ کی تحریکات، علمائے دربار کی معاندت، اور سلاطین اسلام کی آمریت کے ہاتھوں اس مسلک پر کیا گذرتی۔

اکابرین تصوف میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے "عوارف المعارف" تصنیف فرما کر اوائل ہی میں ان غلط فہمیوں اور شکوک کا ازالہ کر دیا تھا، جو اس نظریہ کے خلاف سلاطین وقت اور علمائے کرام کی کوششوں سے لوگوں کے دلوں میں تصوف کی قبولیت دیکھ کر پیدا کئے جا رہے تھے لیکن ان حضرات نے فلسفہ اور منطق کو منہ نہیں لگایا، مخالفین کو کچھ عرصہ کے لئے ایک کمزور سہارا مل گیا یعنی عقلیات کا سہارا اور لگے وہ اس کے بل پر ہاتھ پیر مارنے، لیکن حضرت امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم الدین" اور المنقذ من الضلال اور تہافتہ الفلاسفہ کے ذریعہ ان تمام اتہام باطلہ کا قلع قمع کر دیا جن کے سہارے یہ دشمن سانس لے رہے تھے، معتزلہ کے اس عقل و مذہب کے طوفان نے ہر طرف ایک غلغلہ بلند کر رکھا تھا کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فصوص الحکم میں "حقیقت محمدیہ" کو تکوین کائنات کی علت قرار دے کر عقل کو انگشت بدنداں کر دیا، شیخ اکبرؒ نے یونانی فلسفہ کی ثنویت پر وحدت الوجود کی اسلامی اور ایمانی توضیح و تشریح سے ایسی ضرب کاری لگائی کہ اسے پھر دوبارہ ابھرنے کا موقع نہ مل سکا۔

شیخ اکبر کے نظریۂ وحدت الوجود اور دوسرے مذاہب عقلی کے نظریۂ وحدت الوجود میں بڑا فرق ہے اُن کے یہاں ثنویت کو وحدت سمجھ لیا گیا تھا اور اسی پر انھوں نے اپنے استدلال کی عمارت قائم کی تھی اور ہمارے ناقدین تصوف نے اس مماثلت ظاہری سے دھوکا کھا کر یہ کہدیا کہ تصوف کے ماخذ غیر اسلامی ہیں۔

حضرت شیخ اکبرؒ کے نظریہ وحدت الوجود پر تنقید کرتے وقت یہ ناقدین اُن تشریحات و توضیحات کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں جو فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کو پیش کرتے ہوئے حضرت شیخ اکبرؒ نے اتباع شریعت کے سلسلہ میں پیش کی ہیں فصوص الحکم کے آغاز ہی میں شیخ اکبر نے فرما دیا تھا۔

اَنْ اَکُوْنَ مِمَّنْ اُیِّدَ فَتَایَّدَ وَ اَیَّدَ وَ قُیِّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحَمَّدِیِّ الْمُطَهَّرِ فَتَقَیَّدَ

میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تائید کئے گئے ہیں پس انہوں نے تائید پائی اور انہوں نے دوسروں کی مدد کی اور وہ قید کئے گئے شریعت

وَ قَیَّدَ وَ اَنْ یَحْشُرَنَا فِیْ زُمْرَتِهٖ کَمَا جَعَلَنَا مِنْ اُمَّتِهٖ فَاَوَّلُ مَا اَلْقَاهُ الْمَالِکُ عَلَی الْعَبْدِ مِنْ ذٰلِکَ

محمدؐی کے ساتھ جو پاک ہے خبث دہوائے طبیعت سے، پس خود مقید ہوئے اور انہوں نے دوسرونکو قید کیا اور میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو حشر میں اُٹھائے ان کے گروہ میں جس طرح حق تعالیٰ نے ہم کو انکی امت بنایا۔ پس اول اس چیز کا جو اس مالک نے اس بندہ پہ اسکو القا کیا۔

ایسا پاکیزہ اور شریعت کی کامل اتباع کا مطیع و منقاد ذہن کس طرح کسی ایسے نظریہ کو پیش کرسکتا ہے جو غیر شرعی ہو یا جس کا ماخذ و منبع غیر اسلامی ہے، گذشتہ اوراق میں ہم مذاہب عالم کے عقاید یا ان کے مذہبی نظریات کی تلخیص پیش کر آئے ہیں ان سے قارئین کو اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس مسلک مستقیم کو بدنام کرنے کے لئے کیسے کیسے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کئے گئے۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ بانی خانوادہ سہروردیہ نے "عوارف المعارف" کی تصنیف سے ان اولیں معاندانہ کوششوں اور سرگرمیوں کو بہت کچھ دبا دیا تھا جو تصوف کے غیر اسلامی ہونے پر کی گئی تھیں، انھوں نے اپنی اس گرانمایہ تصنیف میں تصوف کے ہر پہلو اور اس کی تمام تر تعلیمات کو قرآن و سُنّت کی روشنی میں پیش کیا ہے اور نص قرآن اور حدیث نبوی سے استدلال کرکے اس کی شرعی حیثیت کو ثابت کیا ہے۔ عوارف المعارف وہ گرانمایہ کتاب ہے جو ہر روحانی سلسلہ میں داخل درس رہی ہے اور بزرگان دین نے اس کا خود درس دیا ہے۔

عوارف المعارف اور امام قشیری کی کتاب الرسالت و رسالہ قشیریہ، فتوحات مکیہ، فصوص الحکم اور لمعات صوفیائے کرام کی درسگاہوں کا درس نظامی تھا، عرب و عراق، شام و ایران میں ارباب تصوف کے زیر مطالعہ یہی کتب ہمیشہ رہیں۔ ابن خلدون کا استدلال ہے کہ علم تصوف بھی علوم تفسیر حدیث اور فقہ کی طرح ابتدا میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔

اس برصغیر پاک و ہند میں معروف و مشہور اولیں رہبر طریقت حضرت داتا گنج بخش یعنی حضرت عثمان جلابیؒ نے پانچویں صدی ہجری میں کشف المحجوب کی تصنیف پر اسی لئے قلم اُٹھایا کہ مسلک طریقت کے حقایق کو عام کردیں اور رخنہ اندازوں کی اُن یورشوں سے اس کو محفوظ کردیں جو وہ تصوف کے غیر شرعی ہونے کے سلسلہ میں روز نت نئے طریقوں سے کرتے رہتے ہیں۔

کشف المحجوب کی تصنیف کو آٹھ سو سال سے زیادہ گذر چکے ہیں، اس کی مقبولیت کا آج بھی وہی عالم ہے جو آج سے آٹھ سو برس پہلے تھا، ارباب علم و دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ علوم خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ان کے ارتقا یا شیوع کے لئے بڑے سازگار ماحول اور امن و امان کی فضا کی ضرورت ہوتی ہے اور اس برصغیر میں گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر مغلیہ سلطنت کے قیام یعنی ۱۵۲۶ء عیسوی تک جو سیاسی ابتری پھیلی رہی اور یہ برصغیر جس طرح بیرون حملہ آوروں کی آماجگاہ، کھوکھروں، راجپوتوں اور مرہٹوں کی بغاوتوں اور تاخت و تاراج کا نشانہ بنا رہا اس نے علوم اسلامیہ کو پنپنے اور بارآور ہونے کے لئے کونسا موقع دیا۔ ورنہ پانچویں صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک جو صوفیائے کرام تبلیغ اسلام میں منہمک رہے وہ یہاں کی اسلامی دنیا کے لئے قابل قدر علمی ذخیرے میں برابر برابر اضافہ کرتے رہے، چنانچہ حضرت داتا گنج بخشؒ، امام حسن صنعانیؒ لاہوری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت گیسو دراز بندہ نوازؒ، حضرت شاہ کلیم اللہؒ جہاں آبادی اور ان کے متعدد خلفائے گرامی (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) کی تصانیف ان کی علمی گرانمائیگی کا ایک بیّن ثبوت ہیں، ان حضرات کی علمی و ادبی زبان عربی و فارسی تھی چنانچہ ان کی ان تصانیف سے وہی حضرات مستفید ہو سکتے تھے جو ان زبانوں پر دسترس رکھتے ہوں ظاہر ہے کہ یہاں کے ایسے حلقوں میں جن کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانا تھا ایسی تصانیف اور ایسے علم سے زیادہ عمل کی ضرورت تھی چنانچہ ان حضرات نے اپنی تمامتر توجہ اس نقطہ پر مرکوز و مبذول رکھی جو غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے کام آسکے اور وہ اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اور اسلام کے نام لیواؤں کے بلند کردار سے متاثر ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بن سکیں، ان حضرات کی تصانیف میں سے اکثر تو امتداد زمانہ کے ہاتھوں آج ہماری دسترس سے باہر ہیں اور جو موجود ہیں ان کو اُٹھا کر دیکھئے، ان کی تعلیمات پر غور و خوض کیجئے پھر یہ فیصلہ کیجئے کہ وہ اسلام کی آغوش میں کھینچ رہے ہیں یا اسلام سے فرار سکھاتے ہیں، تزکیہ نفس، راستی، پاکبازی کے اوصاف پیدا کرتے ہیں یا رہبانیت اور عیسائیت کی تعلیم دیتے ہیں۔

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں شبانہ روز کی سرگرمیوں کے باعث ان حضرات کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ معتزلہ کی مزخرفات پر توجہ کرتے یا ان کے ردّ پر کتابیں لکھتے! پھر یہ بھی ان حضرات کی حیات میں معاندین تصوف کو بہت کم جراٴت اس بات کی ہو سکی کہ وہ تعلیمات تصوف کے منہ آئیں اور اپنی تخریبی تنقید کو عام کریں، یہ جو کچھ ہوا تصوف کے دور تنزل میں ہوا یا انفرادی بغض و عناد کے نتیجے میں ایسی تنقیدیں ظہور میں آئیں اور ان حضرات کو ان تنقیدوں کی نہ فکر تھی نہ جواب دینے کا وقت اور نہ اختلاج نتیجہ یہ ہوا کہ ان معاندانہ سرگرمیوں کا یہ طور رہا کہ یہ کبھی کبھی سر اٹھاتیں اور پھر پسپا ہو جاتیں اس برصغیر پاک و ہند میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کے عہد میں سلطان تغلق کے منہ چڑھے شیخ الاسلام نے شاہی پشت پناہی میں سماع کے مسئلہ کو اپنی شیوخت کی بقا کے لئے ایک مابہ النزاع مسئلہ بنا کر مناظرہ تک کی نوبت پہنچادی اور نتیجۃً شیخ الاسلام کو منہ کی کھانی پڑی۔ بادشاہ وقت نے حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن مرشد گرامی کے ارشاد سامی کے بموجب ان تمام سختیوں کو جھیلتے رہے۔

اس برصغیر میں ہمایوں کے دَور تک مشائخ عظام کی تبلیغی سرگرمیاں جن کی تشریح ہم آئندہ اوراق میں کریں گے جاری رہیں لیکن اکبر کی رواداری کی حکمت عملی نے ان مساعی کو بہت سُست رَو بنا دیا لیکن ان بزرگوں کی عظمت و حرمت میں کچھ فرق نہیں آیا ابوالفضل کی پیشانی پر الحاد کا داغ تاریخ کہتا ہے کہ موجود ہے لیکن آئینِ اکبری میں دیکھئے کہ وہ کس ادب و احترام سے ان بزرگوں کا ذکر کرتا ہے اس کے برخلاف ملّا عبدالنبی اور ان کے ہم مشرب افراد پر کس طرح آستین چڑھاتا ہے، وہ تو اکبر کی براہ راست

کا بانی انہی ملا عبد النبی[1] اور ان کے ہم مشربوں کو ٹھہراتا ہے کہ اکبر کی علمی و ادبی مجلسوں میں یہ ایک دوسرے پر جو کیچڑ اُچھالتے تھے اس نے اکبر کو عالموں ہی سے نہیں بلکہ اسلام سے بھی اس حد تک دور کر دیا کہ اس نے ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جس کا مطمح نظر "صلح کل" ہو اس لئے کہ عالموں نے جس انداز میں اسلام کی تصویر اس کے سامنے پیش کی تھی اس میں رواداری، تالیف قلب، ہمدردی، احترام، عزت نفس وغیرہ کا کوئی مقام نہیں تھا۔

اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہجہاں کا[2] زمانہ ان بزرگ ہستیوں کے لئے جس عزت و احترام کا زمانہ تھا اس کی مثالیں خود جہانگیر کی توزک میں اور جہاں آرا نیت شاہجہاں کی مونس الارواح میں موجود ہیں لیکن گیارھویں صدی ہجری میں اس مسلک کو ایک انقلاب آفریں سانحہ سے دوچار ہونا پڑا۔ تمام اکابرین صوفیا کی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے عوام سے "حقیقت توحید" کا اخفاء کیا ہے اور اس مقصد کے پیش نظر وحدۃ الوجود یا ہمہ اوست کے بجائے وحدت شہود اور ہمہ از اوست کی اصطلاحات وضع فرمائی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف "فیصلہ وحدت الوجود والشہود" میں بالتفصیل صراحت فرمائی ہے کہ شیخ اکبر حضرت ابن عربیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اقوال کے مفہوم میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں، خود مجدد الف ثانیؒ نے مختلف مکتوبات میں مسلک وحدت الوجود کے مخالفین کے الزامات کی تردید کی ہے چنانچہ اپنے مکتوب بنام محمد صادق ولد حاجی محمد میں اس مسلک کے جواز کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے "جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور "ہمہ اوست" کا حکم کرتے ہیں اُنکی یہ مراد نہیں کہ اشیاء حق کے ساتھ متحد ہیں اور واجب ممکن ہو گیا اور بے چون چون ہو گیا ہے اور یہ سب باتیں کفر و الحاد و زندقہ و گمراہی ہیں بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں اور حق موجود ہے"۔ اس صراحت کے باوجود بعض حلقوں میں اس اصطلاحی فرق کو غیر معمولی اہمیت دی گئی اور طوفان مخالفت برپا ہوا۔

امام ابن تیمیہؒ کے پرستاروں کو ایک مدت سے ایسے موقع کی تلاش تھی، اس وقت صرف نظریہ وحدت الوجود ہی پر نہیں بلکہ "مسلک تصوف" بزرگان دین، ارباب یقین، صاحبان کرامات پر وہ لے دے کی گئی کہ خدا کی پناہ، مشائخ کرام کی عظمت، ان کے گُن گانے والوں پر الحاد و زندقہ کا لیبل لگایا گیا، فرقہ اہل حدیث نے سر اٹھایا۔ اورنگ زیب کی متقشفانہ فطرت اور طبیعت نے ان کو سہارا دیا، خود اورنگ زیب نے حضرت میاں لاہوریؒ کے در پر جبیں سائی کرنے والے شاہزادہ دارا شکوہ کو "در صحبت جوگیاں بے ایمان شدہ"[2] کے خطاب سے نوازا، ادھر ہمارے مشائخ کے سجادہ نشینوں نے کمی پوری کر دی، ان کی بے علمی، اور مسلک سے فرار و حُبِ جاہ و دنیا کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخرین سلاطین مغلیہ کے دور میں اس مسلک پر ایسا زوال آیا کہ وہ تمام عظمت و سربلندی اس سے چھن گئی جو قرون وسطیٰ اور قرون اولیٰ میں اس کو حاصل تھی!

علمائے اہل حدیث کی معاندانہ سرگرمیوں کے مقابل میں وہ اس طرح سپر انداز ہو گئے کہ بقول شاعر ؎

انجام اپنا دیدۂ تر دیکھتے رہے
دل میں لگی تھی آگ مگر دیکھتے رہے

شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیزؒ اور حضرت عبد الحق محدث دہلویؒ نے خصوصاً اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ ایک ایسی رَو تھی کہ بڑھتی چلی گئی۔ ان وارثان صومعہ کے پاس وہ

[1] ملا عبد النبی کا سلسلۂ نسب تیسری پشت میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی سے ملتا ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ دولت کی کشش نے ان کو خوار و زبوں کر کے اکبر کی قلمرو سے خارج البلد کرایا اور اکبر نے جبراً ان کو حج کے لئے مکہ معظمہ بھیجدیا، اکبر ان کی عالمانہ عظمت کا اس سے زیادہ احترام اور کیا کر سکتا تھا۔ [2] دیکھئے وقایع عالمگیر مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی اور رقعات عالمگیری۔

متاع گرانمایہ کہاں تھی جس کو وہ ان دشمن سرگرمیوں کے خلاف پیش کرتے، اور آن کی آن میں ان کو زیر کر دیتے، یہ خانقاہ کے گوشوں میں اپنی اسی بساطِ تقدس پر خاموش بیٹھے رہے جو ان کو ورثہ میں مل گئی تھی کاش ہمارے یہ سجادہ نشیں ان اعلیٰ اقدار و اخلاق کے حامل ہوتے یا علم کی ان فلک بوس بلندیوں تک ان کی پرواز ہوتی جہاں ان کے محترم اور بزرگ اسلاف پہنچ چکے تھے تو ناممکن تھا کہ دشمنوں کے داؤں چل جاتے۔

سترھویں صدی عیسوی سے اس برصغیر میں اس مسلکؒ کا زوال شروع ہوا ہرچند کہ نظامیہ سلسلہ کے مشائخ اپنی بساط سے بڑھ کر احیاء دین و ترویج شریعت اور سلسلہ کی بقا کے سامان فراہم کرتے رہے لیکن جب ملک میں بہت سے جعفر اور صادق پیدا ہو جائیں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ ازماست کہ برماست چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا آخری چراغ حضرت شاہ کلیم اللہؒ ہیں۔ سنہ ۱۰۶۵ - ۱۱۴۲ء آپ کا دور مسعود ہے یعنی سترھویں اور اٹھارھویں صدی دونوں قرنوں سے آپ گذرے اور بقول مؤلف مشائخ چشت :-

"حضرت شاہ صاحبؒ نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانہ میں روشن کی تھی جب ہندستان کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گذر رہے تھے، سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا، معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا، زندگی سکر دوام میں تبدیل ہو رہی تھی ہر شخص ایک گونہ بیخودی کے عالم میں مست و خراب تھا، مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی اور اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو اوہام کا تار و پود۔ شاہ صاحب نے تنزل اور انحطاط کے اس دور میں احیاءِ ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جو کوششیں کیں وہ اسلامی ہند کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں وہ حالات کی ناسا عدت کو پہچانتے تھے، زمانے کی رفتار کو دیکھتے تھے لیکن ہمت نہ ہارتے وہ پکار پکار کر کہتے تھے :-

" در اعلائے کلمۃ الحق باشید و جان و مال خود صرف ایں کار بکنید" (تاریخ مشائخ چشت)

لیکن ملت پر جو زوال مقدر ہو چکا تھا نہ ٹل سکا اور اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اس ملک میں مسلمانوں پر جو کچھ گذری اس کو کیا بیان کیا جائے بار بار کی دوہرائی ہوئی داستان ہے، جب معاشرہ انحطاط کی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو پھر اس کو ابھار کر سابقہ بلندی پر لانا کسی معجز نفس ہی کا کام ہو سکتا ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی اس مقصد میں صرف کر دی، اس گئی گذری حالت میں نظامیہ سلسلہ کی شاخیں اطراف ملک میں قایم کیں تاکہ حالات کچھ سدھر جائیں، شہنشاہ عالمگیر کے عہد حکومت کا آخری زمانہ ہے، عالمگیر دکن کی حکومت وہاں کے مسلمان حکمراں سے چھین لینا چاہتے ہیں، شاہی خاندان اور فوج کا بیشتر حصہ دکن منتقل ہو چکا ہے گویا ہندوستان کی سیاست کا مرکز ثقل شمال سے جنوب کی طرف منتقل ہو چکا ہے، اس وقت دکن میں اصلاح و تبلیغ کی بڑی ضرورت تھی چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت شیخ نظام الدینؒ اورنگ آبادی کو دکن روانہ فرمایا تاکہ وہاں سلسلہ کا

کام کریں۔ انہی حضرت شیخ نظام الدینؒ اورنگ آبادی کے فرزند حضرت شاہ فخر الدینؒ صاحب دہلوی ہیں جنہوں نے محمد شاہ (رنگیلے) کی دلی میں تبلیغ و اصلاح کا مشکل کام شروع کیا لیکن سیاسی ابتری، قتل و غارتگری، سکھ اور مرہٹوں کی لوٹ مار، نادر شاہی قتل عام سے مسلمانوں پر جو کچھ گذری اس کا اندازہ تاریخ کے مطالعہ سے کیجئے! کیا اس وقت کوئی اصلاحی آواز کامیاب ہو سکتی تھی یا تبلیغی کوششیں دلخواہ نتیجہ پیدا کر سکتی تھیں نہیں!! لیکن پھر بھی جو کچھ ہو سکا یہ کرتے رہے، شاہِ وقت کو سکھوں کی چیرہ دستیوں کا انجام بتا کر عبرت دلاتے لیکن بے سود!

شاہ صاحب کے انتقال (۱۱۹۹ھ) کے وقت بہادر شاہ ظفر کی عمر ہر چند کہ دس سال تھی لیکن وہ شاہ صاحب سے کمال درجہ عقیدت رکھتے تھے۔ ظفر کے کلام میں بہت سے اشعار ان کی مناقب میں موجود ہیں یوں تو بہادر شاہ ظفر کو فخر بیعت آپ کے فرزند غلام قطب الدین صاحب سے حاصل تھا۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے اس سیاسی ابتری اور قتل و غارتگری کی فضا میں سلسلۂ نظامیہ کی بحالی اور توسیع کے لئے وہ کام کیا جو ان حالات میں خود ایک عظیم کرامت ہے آپ کے خلفائے کرام نے تمام برصغیر پاک و ہند میں اس سلسلہ کو پھیلایا۔ بقول پروفیسر نظامی صاحب:-

ان کے خلفاء میں خصوصیت کے ساتھ شاہ نور محمد صاحبؒ (مہاروی)[1] نے پنجاب میں، شاہ نیاز احمد صاحبؒ نے یو۔ پی میں، حاجی لعل محمد صاحبؒ نے دہلی کے اطراف میں، مولانا حاجی جمال الدین صاحبؒ نے رامپور (ریاست رامپور۔ یو۔ پی) میں میر ضیاء الدین صاحبؒ نے جے پور میں اور میر شمس الدین صاحبؒ نے اجمیر میں سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں بڑی پرخلوص جدوجہد کی۔"

ان حضرات کی کوششوں سے ہر چند کہ وہ نتائج تو مرتب نہ ہوئے جو بزرگان سلسلہ کی مساعی تبلیغ سے ظہور میں آئے تھے لیکن یہی کیا کم ہے کہ اس دور ابتلاء و گمراہی میں ان خانقاہوں سے وہ آواز تو ضرور بلند ہوتی رہی جو قرن اولیٰ میں بلند ہوتی تھی اور جن کے طنطنے سے فضائیں گونجتی تھیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر میں مسلمانوں کی عام پستی کا موجب، سرسید نے انگریزی علوم سے عدم واقفیت کو قرار دیا تھا اور ان کے اس خیال کے مؤید ملک کے بعض دوسرے مشاہیر بھی تھے، علی گڈھ کالج کے قیام سے یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ مسلمانوں نے انگریزی علوم کے حصول میں جی توڑ کوشش کی اور وہ بھی

---

[1] تونسہ شریف، حاجی پور اور چاچڑوں میں نظامیہ سلسلہ کی جو خانقاہیں ہیں وہ حضرت شاہ نور محمدؒ صاحب مہاروی کے دم قدم کا فیض ہے۔ حضرت شاہ محمد سلیمانؒ صاحب تونسوی حضرت شاہ نور محمدؒ صاحب کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخشؒ تونسوی نے جو آپ کے نبیرے تھے آپ کے بعد مسند ارشاد پر قدم رکھا ۱۹۰۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔

وہ ڈگریاں حاصل کرنے لگے جن پر اب تک صرف غیر مسلم قابض تھے۔ لیکن ہمارے دور بین بزرگوں کے وہ اندیشے پورے ہو کر رہے جو انہوں نے بعض مغربی علوم کے حصول کے بعد بے دینی ڈگری کی صورت میں ظاہر ہونے والے تھے، ہر چند کہ سر سید اور ان کے رفقاء نے سر توڑ کوشش کی کہ مغربی تہذیب کے مضر اثرات سے ہماری قوم کے نوجوان محفوظ رہیں لیکن ان کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں نتیجہ یہ نکلا کہ بیسویں صدی عیسوی میں ہماری درماندہ قوم کا صرف ایک ہی سہارا رہ گیا کہ مغربی علوم حاصل کریں اور دنیاوی وقاری سند پر قدم رکھیں۔

اس مغرب زدگی کا نتیجہ بہت جلد نکل آیا، نوجوان طبقے میں ایک طرف تو مذہب سے بیزاری پیدا ہوئی اور دوسری طرف دینی درسگاہوں سے بلندیٔ فکر و نظر مفقود ہو گئی، یہ وہی درسگاہیں تھیں جن سے امام ابو حنیفہؒ، امام حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام غزالیؒ جیسے علمائے با کمال اور محبان با صفا پیدا ہوئے، اور حکیم سنائی، بو علی سینا، ابن رشد، امام رازیؒ، ابن خلدونؒ، شیخ اکبرؒ جیسے محقق و مفکر دنیائے علم و حکمت کے درخشندہ ستارے بن کر دنیائے علم پر تابندہ ہوئے لیکن اب ان درسگاہوں کا یہ فیضان رخصت ہو چکا تھا۔ مغرب زدہ نوجوانوں کی نگاہیں جب ان نا پختہ خام کار دل اور پست ہمت مسلمانوں پر پڑیں تو ان کے دل اور بھی اس قدیم نظام تعلیم سے بیزار ہو گئے اور انھوں نے یہ یقین کر لیا کہ بصیرت و دانائی، ذکاوت و فطانت اگر ہم کو مل سکتی ہے تو مغربی درسگاہوں میں مغربی علوم کی تحصیل کے ذریعہ، اس خیال نے ان کے ذہنوں میں ہمارے قدیم علوم سے ایک بغاوت پیدا کر دی اور لگے وہ اس پر نکتہ چینی کرنے اور اپنی بیزاری، جو ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اسی طرح عصر حاضر کی خانقاہوں میں ان کو وہ ذکر و گفتار و کردار نظر نہیں آئی جو ہمارے اسلاف کا شیوہ تھی، پہلے پیر صوفی کی ایک نگاہ گرم ہی متاع صبر و قرار چھین لیتی تھی، دلوں میں وہ سوز و گداز گھر کرتا تھا اور وہ اضطرار پیدا ہوتا تھا کہ سر پر غرور اپنے آپ کو مرشد کامل کے قدموں پر ڈال دیتا تھا لیکن اب سب کچھ اس کے برعکس تھا بقول علامہ اقبال ؎

میرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

(اقبالؒ)

ان حقائق نے اس طبقہ کو دینی درسگاہوں کے ساتھ ساتھ ان خانقاہوں سے بھی متنفر کر دیا اور اب وہ دوہری نفرت کی دلدل میں پھنسے تھے نہ علوم دینیہ میں ان کے لئے کشش تھی اور نہ مرکز علم عرفان ان کے لئے جاذبیت رکھتا تھا، اس نفرت اور بیزاری کی یہ خلیج رفتہ رفتہ اس قدر وسیع ہوتی چلی گئی کہ ان کے ہاتھوں ہی سے اہل مغرب نے ان کے علوم پر چھری پھروادی، تنقیص و معایب کے انہوں نے دروازے کھول دئیے اور اس سیلاب میں بے بچو دانہ اس طرح بڑھتے چلے گئے کہ ان کو یہ ہوش ہی نہیں رہا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، کیا کہنا ہے اور کیا کہنا درست ہے۔ چنانچہ تصوف پر ان کی تخریبی تنقیدات کے یہی اسباب ہیں۔

آج یہ طبقہ ہر وقت اسی فکر میں سرگرداں ہے کہ وہ کونسا حیلہ یا کوئی ایسی دستاویز ہاتھ لگے کوئی ایسا ذریعہ ملے جو زیادہ سے زیادہ خطرناک انداز میں ہماری تنقید میں ممد و معاون ہو سکے، تصوف کے سلسلہ میں اس طبقے کے جو خیالات ہیں وہ حقیقت سے کس قدر دور ہیں۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ تصوف کی تاریخ کو مغربی دستاویزوں کی صداقت سے مسخ کرنے کی کوشش جاری ہے، تصوف کا ماخذ تلاش کیا جاتا ہے۔ لفظ تصوف اور صوفی کی اصل کا کھوج لگاتے ہیں اور پھر پیر مغرب کے فرمودات پر بچون و چرا عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

لفظ صوفی اور تصوف کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا وہ اسی طبقہ کی بیباک بیانی کا جواب تھا اور ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کہنا باقی ہے تاکہ گم کردۂ منزل ان گم گشتگان منزل کے راستے پر پڑ جائیں۔ ان کی راہ میں کچھ روشنی تو ہو سکے۔ صوفی کی وجہ تسمیہ اور تصوف کے اشتقاق پر ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں اب اگر لفظ "صوفی کو" صفہ" سے مشتق قرار نہ دیا جائے جب بھی اصحاب صفہ کے افعال و اطوار صوفیائے کرام کے طریق کار سے بہت قریبی مماثلت رکھتے تھے اس لئے اہل تصوف اور اصحاب صفہ میں کوئی عظیم بُعد نہیں ہے مختصراً اہل تصوف کے تمام نمایاں اوصاف مثلاً ترک لذات، عزلت نشینی، کثرت ذکر و عبادت یعنی تزکیہ نفس و تصفیہ قلب وغیرہ، اہل صفہ میں نظر آتے ہیں چونکہ اس جماعت سے دنیائے اسلام میں عملی تصوف کا آغاز ہوا اس لئے حضرات صوفیائے کرام کو اصحاب صفہ کا باقیات صالحات قرار دیا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام کی حیات گرامی کا نصب العین آخرت اور رضائے الٰہی رہا وہ ظاہر کی بہ نسبت باطن کی طرف زیادہ متوجہ اور مشغول رہے ہیں۔ اصحاب صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ کا نام نامی بہت نمایاں ہے آپ سے مروی ہے کہ "ہم کو دو طرح کے علوم دیئے گئے ایک علم تو وہ ہے جو عام کیا جا سکتا ہے اور دوسرا علم وہ ہے کہ اُس کو بیان کیا جائے تو "قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ" (بخاری) تمہارے حلق پر چھری چلا دی جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کا باطنی علم خاص صحابہ (اوتی الحکمۃ) کو عطا کیا گیا۔ یہ علم قرآن کے باہر سے نہیں ہے بلکہ قرآنی آیات کی ایسی تشریح و تعبیر ہے جس کے اہل "اوتی الحکمۃ" ہیں۔ مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ یعنی اور سکھایا ہم نے اُن کو اپنے پاس سے ایک علم، اس سے واضح ہوا کہ علم دین کا ایک باطنی پہلو بھی ہے جس سے علم لدُنی مُراد ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق متفقہ حدیث ہے کہ "انا مدینۃ العلم و علی بابہا" یعنی سرکار مدینہ فرماتے ہیں کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں جس علم کا باب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہا گیا ہے یہی وہ باطنی علم دین تھا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خرقۂ فقر عطا فرماتے وقت ارشاد کیا تھا کہ یہ علم صرف اس کو دیا جاوے جس کا پیاسا اور مستحق خود تمہارے پاس اس کی تلاش میں آئے اس طرح سلسلہ چار پیر اور ہفت گروہ اور چودہ خانوادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاری ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا خرقہ خلافت ستر اصحابؓ کو عطا فرمایا اور پھر ان حضرات نے چار پیر مقرر کئے۔ اوّل پیر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔ دوم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سوم حضرت خواجہ کمیل بن زیاد علیہ الرحمۃ چہارم حضرت خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہٗ

مگر بعض مشائخ نے وہ چار پیر یہ قرار دیے ہیں۔ خواجہ حسن بصریؓ۔ خواجہ کمیل بن زیادؓ۔ خواجہ اویس قرنیؓ
خواجہ حسن سری سقطیؒ۔ اور بعض نے خواجہ حسن بصریؓ۔ خواجہ کمیل بن زیادؓ۔ عبداللہ مکیؓ اور عبداللہ بحری
رحمۃ اللہ علیہم کو بتلایا ہے۔ حضرت محمد قاسمؓ بن محمدؓ بن امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ
سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی اور پیشوا ہیں۔

انہیں سلاسل فقر کی بدولت متلاشیان حق بدستور معرفت دین سے بہرہ ور اور فیضیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ عارفین کا قول ہے کہ جس شخص کو علم باطن سے کچھ بھی حصہ میتسر نہ ہو اس کے خاتمہ کے بُرا ہونے کا اندیشہ ہے۔

بعض اہل علم حضرات کا یہ الزام ہے کہ تصوف کا ماخذ غیر اسلامی ہے اور یہ فلسفہ و منطق کی پیداوار ہے ان کا یہ الزام حقائق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ سلسلہ فقر کی بنیاد ہی اس مسلک پر ہے کہ تصوف (باطنی علم اسلام) یعنی لطیف حقایق دین کو نا اہلوں سے پوشیدہ رکھا جائے اور صرف مستحقین کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا جائے۔ تصوف منطق و فلسفہ کی پیداوار نہ تھی بلکہ فلسفہ زدہ لوگوں کے فتنہ عقائد کی تردید کے لئے صوفیان کرام کے لئے یہ امر ناگزیر ہوگیا کہ زبان فلسفہ ہی سے یہ لوگ قائل ہو سکتے ہیں اور گمراہی سے بچ سکتے ہیں تو ان کو باطنی رموز و حقایق اسلام (تصوف) کی ترجمانی فلسفہ اور منطق کی اصطلاحوں میں کرنی پڑی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ دُنیاوی میں صحابۂ کرامؓ نور نبوی سے بلا واسطہ فیضیاب ہوتے تھے۔ متلاشیان حق کو علم و عرفاں کے خزانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مقدس سے بلا دلیل و حجت حاصل ہو جاتے تھے۔ اصحاب تابعین و تابع تابعین سے بھی کم و بیش یہ سعادت متلاشیان حق کو حاصل ہوتی رہی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت آفریں سے جتنا بُعد ہوتا گیا اتنی ہی انوار و برکات کے فیضان سے دنیا محروم ہوتی گئی، اس کی تلافی کے جو سامان فراہم کئے گئے وہ روحانی کے بجائے تمام تر عقلی تھے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں جب دیگر ممالک کے مذاہب، علوم فنون اور یونانی منطق و فلسفہ کی کتب بالخصوص یونانی فلسفہ کے ترجمے شروع ہوئے جن کا اہتمام خاص طور پر مامون نے کیا تو اسلامی ممالک میں علوم و فنون کا ایک زبردست انقلاب برپا ہوگیا۔ یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر اس دور کے علوم میں فتنۂ عقائد پیدا ہوا۔ اس ماحول میں قدریہ اور معتزلہ فرقے پروان چڑھے جنھوں نے تقدیر و مشیت الٰہی پر ناقص تصورات پیش کئے اور بعض فرقوں نے ان کو ایسا اپنایا کہ آج تک وہ ان عقاید کو متاع جاں بنائے ہوئے ہیں۔ عباسی خلفاء منصور، ہاروں، ماموں وغیرہ معتزلی المذہب تھے ان کے زمانہ میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ قدیم یونانی فلسفیانہ عقاید کی تبلیغ ہوئی اور علمائے احناف ان کے جور و ستم کا نشانہ بنے۔

ملّت اسلامیہ کا شیرازہ اس فتنۂ عقائد سے درہم برہم ہوگیا۔ ضلالت الحاد اور زندقہ لوگوں میں

بڑھنے لگا اس وقت صوفیائے کرام نے احیاء دین کے لئے فلسفہ و منطق کی اصطلاحوں کے حقائق کے ساتھ اسلام کو پیش کیا تاکہ ملت اسلامیہ گمراہی اور انتشار سے محفوظ ہو جائے۔ ایک طرف تو صلحائے امت کی یہ کوشش جاری تھی، دوسری طرف نظریہ امامت کو اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ قلعہ الموت کا زمیندار دینی اقتدار کا مطلق العنان بادشاہ بن بیٹھا، تاریخ اسے حسن بن صباح کے نام سے جانتی ہے۔

حسن بن صباح نے علماء اہل سنت کے عظیم المرتبت افراد کو فریب اور سازش سے فدائیوں کے خنجر کا شکار کرایا۔ چنگیز خاں نے بغداد پر حملہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا اور یوں حکومت اسلامی کے مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس تباہی اور زوال کا سبب یہی فرقہ پرستی اور گروہ بندی تھی جس کی تہ میں فتنہ عقائد کا وہ عفریت تھا جس کو فلسفۂ یونان نے جنم دیا تھا۔

قدریہ، معتزلہ اور شیعہ فرقے تقدیر و توحید کے مسئلہ میں ہم عقیدہ ہیں۔ لیکن ان سب میں پیش پیش اور نمایاں فرقہ معتزلہ ہے اس دور میں خلفائے عباسیہ کا مذہب معتزلہ تھا۔ اس لئے فرقۂ معتزلہ کو بہت اقتدار عروج حاصل ہوا۔ فرقۂ معتزلہ کے علماء فلسفۂ یونان سے اتنے مرعوب ہوئے کہ انھوں نے فلسفہ کو عقائد اسلام کی کسوٹی قرار دیا ان کا بنیادی نظریہ تھا کہ دین کی حقیقت معلوم کرنے کا ذریعہ عقل اور علم ہے چنانچہ فلسفۂ یونان کے خلاف جو عقائد اُن کو اسلام میں نظر آئے اُن کی اُلٹی سیدھی تاویلات کر کے فلسفۂ یونان کے مطابق تاویل کرنی شروع کی۔ چنانچہ ان کے چند فلسفہ پرور دہ عقائد یہ تھے:۔

(۱) خدا کی صفات صرف منفیانہ طور پر قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

(۲) خدا ایک ہے۔ لیکن عالم سے اس قدر منزہ ہے کہ حقیقت میں عالم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۳) عالم کے خود اپنے ایسے داخلی قوانین ہیں جن سے نظام عالم جاری و ساری ہے خدا کی حیثیت صرف بیرونی محرک کی ہے۔

(۴) عالم میں خیر و شر کا ظہور خدا کی مشیت اور ارادے سے نہیں ہے۔

(۵) انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور خیر و شر اختیار کرنے میں قطعی آزاد ہے اور اسی کی بنا پر مستوجب سزا و جزا ہے۔

(۶) عدل کا قانون عالمگیر ہے خود خدا بھی اس قانون کی مخالفت سے مجبور و عاجز ہے۔ قانون عدل کے مقابلہ میں خدا کی قوت بھی محدود ہے۔

معتزلہ قرآن کو خدا کا ازلی کلام بھی نہیں مانتے اور چونکہ عقل و علم کو معیار عرفان دین قرار دیتے ہیں اس لئے قرآن کی صاف اور صریح آیات کی الٹی تاویلات فلسفہ و منطق سے تطابق کے لئے کرتے ہیں فرقۂ معتزلہ کے نظریات بالخصوص فرقۂ مجسمیہ یا مشبہہ کے نظریات کا شدید رد عمل تھا۔ فرقہ مجسمیہ خدا کی

تجسیم اور تشبیہ کا قائل ہے۔ اِس نظریہ کی تردید میں انھوں نے بالکل متضاد نظریہ خدا کی تنزیہ ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا۔ انہوں نے خدا کو کائنات سے اتنا منزہ اور بے تعلق قرار دیا کہ کائنات سے خدا کا کوئی محرکاتی تعلق باقی نہیں رہا۔ ان کے نزدیک کائنات اپنا نظم و نسق خود اپنے داخلی قوانین کے تحت چلا رہی ہے۔ خدا کی تقدیر، مشیت یا ارادہ کا دخل نہ تو کائنات میں ہے نہ انسان کی مرضی ارادہ یا فعل میں۔ اس فلسفہ کے بانیوں کا مقصد تو خدا کی توحید و تنزیہ کی تشریح اور تجسم و تشبیہ کی تردید تھی مگر اس کے منطقی نتائج سے وہ آگاہ نہ تھے۔ کائنات سے منزہ اور بے تعلق خدا معطل اور مجبور محض ہو کر رہ گیا اس نظریہ سے جب کائنات میں اس کا عمل و دخل ہی باقی نہیں رہا تو اس کا وجود و عدم کائنات کے لئے بے معنی ہو گیا۔ ایسا خدا جو قوانین کائنات کے مقابلہ میں اتنا بے دست و پا ہو کہ نہ تو انسان کی کوئی امداد کر سکے نہ اس کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکے، اس کے گناہ معاف کرنے سے قاصر ہو اس پر رحم و کرم کرنے سے عاجز، تو وہ انسان کی عبادت اور محبت کا مرکز کیونکر بن سکتا ہے انسان کو ایسے خدا کا وجود فرض کر لینے کی بھی کونسی ضرورت آپڑی ہے۔ ایسے خدا کی تقدیس و تنزیہ ان فرقوں نے ایسے مبالغہ سے کی ہے کہ دنیائے شاعری کے محبوب کے دہن یا کمر کی طرح اس کا وجود باقی نہ رہا اس فلسفہ کی رو سے خدا کی توحید تو ثابت نہیں ہوئی البتہ دو ازلی وجود ثابت ہو گئے ہیں کیونکہ ازلی ہونے سے یہ دونوں وجود اپنی ذات و صفات میں قطعی آزاد ہیں اور کسی طرح ایک دوسرے کے محتاج نہیں ہیں اس طرح نظریہ توحید کا اثبات تو درکنار مجوسیوں کی طرح یزداں و اہرمن جیسے دو خود مختار وجودوں کی ثنویت ثابت ہو گئی۔

یہاں یہ مطابقت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہندوستان میں شنکر آچاریہ نے بھی فلسفۂ اَدویت (یعنی دو وجود نہیں ہیں) بھی اسی زمانہ میں پیش کیا اور معتزلہ کی طرح اس کو فلسفۂ توحید (ادویت) سے موسوم کیا تھا۔ معتزلہ کی طرح شنکر آچاریہ نے بھی خدا (برھم) کو عالم سے منزہ اور بے تعلق قرار دیا۔ صرف فرق یہ ہے کہ معتزلہ نے عالم کا وجود حقیقی مانا ہے اور شنکر آچاریہ غیر حقیقی وجود یعنی دھوکہ (مایا) کہتے ہیں مگر عالم کو دھوکہ یا عدم قرار دینے کے لئے وہ کوئی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں بلکہ ان کا "نرگن" یعنی بلا صفات خدا بھی عدم محض ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ بلا صفات ذات بلا شبہ صرف عدم ہی کی ہو سکتی ہے وجود کی نہیں۔ الحاد، گمراہی اور فاسد عقائد کے اس دور میں جبکہ حکومتِ وقت کی پشت پناہی میں قرآنی آیات کی تاویل سنت و حدیث رسول کے بجائے فلسفہ یونان کی روشنی میں کی جا رہی تھی۔ حدیث و سنّت کے مقلد علما کا مقدس گروہ دین کی بنیادیں قائم رکھنے کے لئے سرگرم عمل ہوا۔ یہ علماء اہل سنت کہلائے۔

یہ وہ نفوس قدسیہ تھے جو فرقہ ہائے ضالّہ کے شیطانی عقائد سے نبرد آزما ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد

باری تعالےٰ ہے :-

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ

(البتہ میرے خاص بندوں پر تجھ کو غلبہ حاصل نہ ہوگا)

ان بزرگوں نے اصول دین کو فلسفہ کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لئے حکومت وقت کی سخت مخالفتوں کے باوجود اپنے جان وتن کی بازی لگادی۔ بنیاد دین کی حفاظت کے لئے ان اکابرین ملّت نے سخت جانفشانی کے ساتھ احادیث صحیحہ کی ترتیب و تدوین شروع کی۔ ان مقدس ہستیوں میں چھ آئمہ حدیث اور چار آئمہ فقہ اسلام ایسی عظیم المرتبت ہستیاں ہیں جو اہل سنت والجماعت کے لئے سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فقہ کے امام حضرت احمد حنبلؒ کو اسلام کے قدیم عقائد پر قائم رہنے اور عقائد معتزلہ کی تائید نہ کرنے پر جو جسمانی اذیتیں دی گئیں وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے ذاتی تقدس اور عقائد کی صداقت کی دلیل ہیں۔ امام ابو حنیفہؓ کو عہدۂ قضا قبول نہ کرنے پر خلیفہ وقت نے جو سزائیں دیں اور دیگر بزرگان اہل سنّت کو جو مصائب اُٹھانے پڑے وہ ان بزرگوں کے ذاتی تقدس اور عقائد اہل سنت کے بنیاد اسلام ہونے کی کافی شہادت ہیں اس دورِ پرفتن میں صرف خلیفۂ متوکل کے دور حکومت (یعنی ۸۴۷-۶۱ سنہ عیسوی) میں ان حق پرستوں کو فتح حاصل ہوئی اور آخرکار معتزلہ و قدریہ وغیرہ کے عقائد کی منطقی و فلسفیانہ خامیاں ہی خود ان عقائد کے زوال کا سبب بن گئیں ؎

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

علامہ ابوالحسن الاشعری (پیدائش ۸۷۳ء) جو خود ایک زبردست فلسفی اور معتزلہ مذہب کے ایک ممتاز عالم تھے۔ چالیس برس تک معتزلہ عقائد پر قائم رہے آخرکار اس کے معائب و فتنہ سامانیوں سے آگاہ ہوکر اہل سنت کے گروہ میں شامل ہوئے۔ ان کا وصال ۹۴۱ء میں ہوا۔ ان کے علم کلام کو باقلانی (انتقال ۱۰۱۲ء) نے اور ترقی یافتہ صورت میں پیش کیا۔ اس کے تقریباً ایک صدی بعد آسمان علم کا ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا۔ یہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی جامع کمالات شخصیت تھی۔ امام غزالیؒ ۲۸ سال کی عمر میں ۱۰۸۵ء میں مشہور عالم مدرسۂ نظامیہ کی مسند صدارت پر متمکن ہوئے دس سال تک عالم اسلام کے علماء و فضلاء اس سرچشمۂ علم سے سیراب ہوتے رہے دس سال بعد مدرسہ نظامیہ کی صدارت سے دل بیزار ہوگیا۔ علم کلام اور فلسفہ امام غزالیؒ کی روحانی تشنگی دور نہ کرسکے۔ ایک دن نہایت خاموشی سے مدرسۂ نظامیہ کی صدارت اور دنیاوی عیش و آرام کو چھوڑ کر تلاش حقیقت میں صحرا کی جانب نکل گئے۔ عرصۂ دراز تک بلاد اسلامیہ میں اہل اللہ کی تلاش میں پھرتے رہے اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لئے سخت ریاضتیں کیں

بالآخر صوفیان کرام کی صحبت میں وہ عرفان حقیقت اور نور باطنی حاصل ہوا کہ شک وشبہ کے بادل چھٹ گئے اس روحانی تجربہ کو اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان خلوتوں میں بکرمہٖ تعالیٰ مجھ پر جو اسرار و نکات منکشف ہوئے وہ ناقابل بیان ہیں نہ احاطۂ تحریر میں ان کا لانا آسان ہے البتہ بہ نیت افادۂ خلق اس میں سے کچھ بیان کرتا ہوں۔ اس دوران میں مجھ پر یقین و قطعیت کے ساتھ یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ:۔

۱۔ حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین راہ مولا پر گامزن ہیں اور اُن کا طریق وسلوک بارگاہ الٰہی تک پہنچاتا ہے۔

۲۔ اُن کی سیرت و عادت سب سے افضل ہے۔

۳۔ ان کا راستہ باقی راستوں سے صاف اور سیدھا ہے۔

۴۔ ان کے اخلاق باقی لوگوں کے اخلاق سے پاکیزہ تر ہیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عقلاً وفضلاء کی عقلیں اور حکمتیں اور اسرار شریعت سے واقفیت رکھنے والوں کی صلاحتیں اور واقفیتیں اگر مجتمع ہوجائیں تو بھی حضرات صوفیائے کرام کے اخلاق واطوار کا مقابلہ نہیں کرسکتیں چہ جائیکہ اُن سے افضل و برتر ثابت ہوں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی تمام ظاہری و باطنی حرکات وسکنات انوار نبوتؐ سے فیضیاب رہتی ہیں اور روئے زمین پر نور نبوت کے سوا کوئی اور نور نہیں جس سے دوسرے روشنی حاصل کرسکیں۔"

"اور اولیاء اللہ بارگاہ الٰہی یعنی خدائے تعالےٰ کے دوستوں کی کرامات بھی دراصل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے معجزات کی بدایات ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حالت انہی ایام میں حاصل ہوئی تھی جبکہ آپ دنیاوی معاملات سے تعلقات قطع کرکے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں خلوت میں پروردگار اعلیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے یہانتک کہ اُن اطراف کے عرب باشندے یہ کہنے لگے تھے کہ محمدؐ تو اپنے خدا کی محبت میں سب کچھ چھوڑ بیٹھے ہیں کسی سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) غرض یہ وہ حالت ہے جس کو راہ سلوک پر چلنے والے اور اُس کا ذوق رکھنے والے ہی خوب جانتے ہیں۔ ہاں جسے یہ ذوق ووجدان میسر نہیں وہ اپنے تجربہ ومشاہدہ یا اہل تحقیق سے سُن کر معلوم کرسکتا ہے۔" (از المنقذ من الضلال)

مدرسۂ نظامیہ کو چھوڑے ہوئے تقریباً گیارہ سال گزر چکے تو حضرت امام غزالیؒ کو پھر روحانی اشارات واحکامات عالم اسلام کو علم حقیقت سے روشناس کرنے کے لئے ملے۔ طوس میں آپ نے ایک خانقاہ اور مدرسہ قائم کیا۔ اسی دوران میں آپ نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب تہافتہ الفلسفہ تصنیف کی جس میں یونانی فلسفہ اور دیگر مدرسہائے فکر کے اس دعوے کا منطقی دلائل سے ابطال کیا کہ "معرفت الٰہی بذریعہ علم وعقل حاصل ہوسکتی ہے" (جیسا کہ معتزلہ کا نظریہ تھا) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علم وعقل کی پرواز ایک محدود بلندی تک ہے جہاں مادی قسم کی اشیا ء کا تو علم ہوسکتا ہے لیکن معرفت الٰہی کا ذریعہ کشف والہام ہی ہے یہ ایک روحانی یا مذہبی تجربہ ہے جو تزکیہ نفس وتصفیہ قلب کے ساتھ مراقبہ کی حالت میں وارد ہوتا ہے جو صوفیانِ کرام کے طریقہ مرضیہ پر چلنے اور تصوف وسلوک کی معرفت حاصل کرنے پر مبنی ہے۔ انہوں نے اس کی مزید تشریح میں بتایا کہ معرفت الٰہی اس لئے ممکن ہے کہ انسان کی ذات میں خدا ہی کا ظہور ہے۔" معتزلہ اور اشاعرہ کے مباحث اور کلامیہ عقاید کچھ اپنوں ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے ہر متنفس کو ان سے روشناس ہونے کا موقع ملا اور معتزلہ کا زوال جو اشاعرہ خصوصاً امام غزالی کی روحانی قوتوں کی بدولت مقدر ہو چکا تھا وہ تاریخ کی ایک حقیقت بن گیا۔

ڈاکٹر تاراچند کہتے ہیں کہ معتزلہ نے مذہبی عقائد کے مسئلہ پر منطق کو ثالث بنایا لیکن ان کی بے رحم منطق کا ہتھیار حسب اشعری، اور غزالیؒ کے ہاتھ آیا تو معتزلہ خود اس ہتھیار کے شکار ہوگئے۔ ڈاکٹر موصوف مزید تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ امام غزالیؒ کے بعد یعنی بارہویں صدی عیسوی سے عالم اسلام کے دل ودماغ پر تصوف اسلامی کی حکمرانی قائم ہوگئی اور ادب فلسفہ اور مذہبی عقائد سب اُس کے زیر نگیں آگئے۔ ایک ڈچ فلاسفر نے امام غزالیؒ کو تاریخ عالم میں فلسفہ کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے فلسفہ کے اس دعوے کو کہ وہ خدا یا حقیقت کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے فلسفیانہ دلائل ہی سے رد کر دیا۔

ڈاکٹر تاراچند کہتے ہیں کہ غزالی نے اسلامی الٰہیات پر آخری مہر ثبت کر دی ہے دینیات اسلام پر ان کا بیان سند ہے، حجتہ الاسلام ہے۔ مشہور مستشرق رینان ان کو عرب فلاسفروں میں نقید المثال ذہانت کا حامل قرار دیتا ہے اور تھولک اپنا خراج عقیدت یوں پیش کرتا ہے کہ اگر کسی انسان کو لفظ "مقدس" سے موسوم کیا جانا ممکن ہو تو وہ غزالیؒ ہے۔

امام غزالیؒ نے حدیث وسنت سے تلاش حقیقت شروع کی اور تصوف میں اسلام کی حقیقت پالی۔ ابن سینا نے تلاش حقیقت میں فلسفہ یونان سے ابتدا کی ان کو بھی دُرِ مقصود تصوّف اسلامی میں ملا۔ ابن سینا کہتے ہیں علم منطق وفلسفہ کی پرواز دنیائے سائنس تک محدود ہے لیکن عقل وعلم سے ماورا کشف والہام ہی وہ ذریعہ ہے جس سے حقیقت یا خدا کا علم وعرفاں زیادہ واضح یقین اور بلاواسطہ

طور پر حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت مطلق کو ابنِ سینا حسن ازل، سے تشبیہ دیتا ہے جس کا اقتضائے ذاتی اپنے کمالات کا ظہور ہے حسن ازل نے آئینہ عالم میں اپنے جمال کا مشاہدہ کیا۔ حسن کا یہ ذوق خودنمائی عشق ہے کیونکہ عشق حسن یا کمال کی مدح وستائش ہے عشق بایں معنی محرک عالم ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

(یعنی بے شک ہم نے اپنی امانت کو سارے آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے، انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اسے اُٹھالیا بیشک انسان (اپنے حق میں) بڑا ظالم (اور) نادان ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی خواہشات اور تمنائیں بکثرت ہیں اور ساتھ فرائض بھی گوناگوں فرائض سے عہدہ برآ ہونا عبادت ہے اور عبادت بغیر معرفت کے ممکن نہیں لہٰذا امانت کا مفہوم عبادت طاعت اور معرفت یقین ہوا اہل تصوف کے نزدیک محبت ہی ذریعہ حصول معرفت بلکہ محبت ہی معرفت ہے۔

پس جملہ موجودات عشق کی تحریک سے اپنے حقیقی حسن وکمال کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو تخلیق کے بعد اپنی حقیقت سے بہت دور ہو گئے تھے پس عشق ہی وہ جذبہ یا ذریعہ ہے جس سے روح انسانی حقیقت مُطلق سے واصل ہوتی ہے ؎

کھینچ کر لائیں عدم سے عشق کو بے تابیاں ۔۔۔ وجہ جلوہ بن گئیں خود حُسن کی رعنائیاں

اس عشق کی حقیقت حضرت مولانا رومؒ کی زبان سے سُنیئے:۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون وجالینوسِ ما

توحید مطلق اور وحدت الوجود

جس طرح عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں "وحدت الوجود" کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی تھی اسی طرح دَور خلافت راشدہ میں بھی اس اصطلاح کا کہیں پتہ نہیں چلتا، اس لئے کہ ان ادوار مقدسہ میں "یومنون بالغیب" اور "امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ" کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب نام تھا ایمان اور اسلام کا یا دل ودماغ کے یقین واذعان کا لیکن جب اموی اور عباسی دَور آئے اور اسلام میں نت نئے فرقوں کا ظہور ہوا جیسا کہ سابق میں بیان کیا جا چکا ہے، یونانی فلسفہ اور ایرانی ثنویت نے ہاتھ

پاؤں پھیلائے جس کے نتیجہ میں معتزلہ کا ظہور ہوا اور کلامی مسائل پر نکتہ آفرینیاں ہی طاعت و بندگی، محبت رسول و مہرِ الٰہی کا بدل ٹھہریں۔ اسماء اور صفات کی چگونگی، حدوث و قدم، عین ذات اور غیر ذات کے مباحث چھڑ گئے۔

یہ بحثیں اور فلسفیانہ مسائل اربابِ علم کی دقیقہ سنجیوں میں کام آتے رہے اور شاہانہ محفلیں ان افکارِ عقلی سے ہر روز گرم ہوتی رہیں۔ صوفیائے کرام تو اس گنج بخشی کی دنیا سے بہت الگ تھلگ تھے، ان کو ایسے مباحث میں الجھنے کا نہ وقت تھا نہ ضرورت۔ لہٰذا انہوں نے تو اس عقلی ہذیان کی طرف بالکل توجہ نہیں دی حالانکہ آج دنیا ان پر بھی الزام لگاتی ہے اور اس مسئلہ کا بانی انہی کو ٹھہراتی ہے لیکن تاریخ اٹھا کر دیکھئے، اکابرین معتزلہ اور اشاعرہ کی پوری تاریخ دیکھ ڈالئے آپ کو اس صف میں اصفیاء یا اولیاء اللہ کہیں نظر نہیں آئیں گے! ہاں جب عباسیہ دور میں یہ فلسفیانہ مسائل دینی و مذہبی بنیادوں کے انہدام کے درپے ہوئے اور اشاعرہ اور معتزلہ کے مباحث فیصلہ کن منزل پر پہنچ گئے اس وقت ایک طرف تو قدرت نے امام غزالیؒ کے ذریعہ.... اس فتنے کے سیلاب تند رَو کو علم و فضل کے بند سے رکوایا اور تصوف کے گوشوں سے حاصل ہونے والے مکاشفہ اور مراقبہ نے ان پر وہ دروازے کھول دیئے کہ وہ خود بھی اضطراب اور حالت غیر مطمئنہ کے ضغط سے نکل آئے اور اُمّت کو بھی اس فتنے سے محفوظ رکھا، فلسفہ اور معقول کے سہارے چلنے والے امام موصوف کے آگے نہ ٹھہر سکے، اور دوسری طرف سرزمین اندلس میں جہاں امویوں کے ہاتھوں قدرت نے ملت اسلامیہ کی ایک فلک بوس عمارت تعمیر کرائی تھی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ پیدا ہوئے اور انہوں نے تصوف سے اس الزام کو اٹھایا جو اس کے سر دنیا پرستوں نے زبردستی بار کر دیا تھا۔

امویوں کے ساتھ معتزلہ بھی اس سرزمین میں پہنچ گئے تھے اور انہوں نے وہاں بھی فلسفہ و منطق کے استدلال کو وہ فروغ بخشا کہ ابن رشد کا نام آج تک زندہ ہے، شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ (پیدائش ۵۶۰ھ وفات ۶۳۸ھ) نے علم و فضل کی گود میں آنکھ کھولی اور تصوف نے اُن کے شعور کو جلا بخشی، جماعتِ صوفیاً میں آپ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے "وحدت الوجود" کو فلسفیانہ رنگ سے ہٹ کر خالص معرفت اور خداشناسی کے راستوں سے روشناس کرایا۔ گویا دُنیائے تصوف میں اس مسئلہ وحدت الوجود کو سب سے پہلے آپ نے پیش کیا۔ اُنہوں نے اس کی جو تشریح و توضیح کی ہے وہ مختصراً درج ذیل ہے:۔

> "وجود صرف وحدت کا ہے" یعنی حقیقی وجود کے اعتبار سے محض وحدت ہی وحدت ہے، بالفاظ دیگر وحدت (یعنی خدا) کے سوا کسی اعتباری شے کا وجود ہی نہیں لیکن کائنات اور اس کی بے شمار اشیاء ہر وقت انسان کے مشاہدے اور استعمال میں رہتی ہیں، وہ بدیہی طور پر موجود نظر آتی ہیں، لیکن وجود کو وحدت محض میں منحصر کر دینے کے بعد ان سب کے وجود سے انکار کرنا لازمی ہے جو بظاہر تعجب انگیز اور ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے اس لئے وجود کائنات کی کیا تاویل کی جائے؟

جواب یہ ہے کہ کائنات وجود تو رکھتی ہے لیکن اس کا وجود حقیقی نہیں، وہ خدا کے وجود کا صرف پرتو ہے، خدا کی صفات میں اگرچہ تعدد ہے لیکن تمام صفات عین ذات ہیں کائنات تجلی صفات کا نام ہے، اس لئے وہ بھی اپنے ظہور میں عین ذات ہے وجود کائنات فی نفسہٖ کچھ نہیں، صرف صفات کا ظہور ہے اور چونکہ صفات عین ذات ہیں اس لئے کائنات اور ذات میں علاقۂ عینیت ہے۔ اور ذات چونکہ وحدت مطلقہ ہے اس لئے وجود وحدت ہی وحدت کا ہے، یہی عقیدۂ وحدت الوجود ہے جو "ہمہ اوست" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

مسلمان کا ایمان ہے کہ، اللہ ایک ہے اور عالم اللہ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ عالم کی علت ہے اور عالم اس کا معلول ہے مگر یہ سوال کہ خدا کا عالم کے ساتھ کیا تعلق ہے یہ مسئلہ مختلف مذاہب میں اور اسلام کے مختلف فرقوں میں متنازعہ مسئلہ رہا ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :۔

۱۔ خدا نے عالم کو بنایا ہے تو عالم حادث ہے یا قدیم؟

۲۔ عالم کا وجود خدا کے وجود سے علیحدہ ہے یا نہیں؟

۳۔ اگر عالم کا وجود خدا کے وجود سے قطعی جدا ہے تو کیا وجود کل خدا کے وجود اور عالم کے وجود کا جامع یا محیط ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل مبادیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۱۔ خدا عالم کی علت تامّہ ہے اور عالم صرف اللہ کا معلول ہے تو معلول میں علت کے وجود کے سوا اور وجود کیا ہو سکتا ہے۔

۲۔ خدا قدیم (ازلی) اور عالم کی علت ہے تو عالم کا حادث ہونا محال ہے کیونکہ حادث کی علت حادث اور قدیم کی علت قدیم ہونا چاہیئے یعنی معلول کے وجود سے پہلے علت کیسے کہلائی جا سکتی ہے علت اور معلول کا وجود ایک ہی وقت میں ہوتا ہے بالفاظ دیگر علت اور معلول میں تقدم زمانی نہیں ہو سکتا۔ عالم حادث ہے تو اس کی علت بھی حادث ہوگی۔ پھر اس علتِ حادث کی علت بھی حادث ہے اس طرح یہ سلسلۂ علت و معلول کتنا ہی دراز ہوتا جائے ہر معلولِ حادث کی علت حادث ہی ہوگی پس علت (خدا) قدیم ہے تو معلول (عالم) بھی قدیم ہے۔

۳۔ مندرجہ بالا استدلال کے بعد متکلمین معتزلہ اور اُن کی طرح کئی غیر اسلامی مذاہب بشمول ہندو مذہب) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ عالم قدیم ہونے کے باوجود خدا کا معلول ہے مگر منطق سے

بآسانی اس مفروضہ کی تردید ہو جاتی ہے کہ اگر خدا اور عالم دونوں کے وجود ازلی ہیں تو دونوں واجب الوجود ہیں کیونکہ لا ازل سے) دونوں میں سے کسی ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کہنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

یہ عُقدہ ہائے لاینحل خدا اور عالم کو علیحدہ علیحدہ وجود فرض کر لینے سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے کلام وحدت الوجود کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے یعنی وجود سوائے اللہ کے کچھ نہیں ہے حق تعالےٰ بلحاظ ذات واجب الوجود عالمِ امکاں سے منزہ ہے (یعنی یہ عالمِ امکاں حق تعالےٰ کے لاانتہا امکانات میں سے صرف ایک امکان ہے) اور باعتبار اپنی صفات کے وجود عالم یعنی ممکن الوجود میں ظاہر بھی ہے۔

حق تعالیٰ اور عالم کا علیحدہ علیحدہ وجود قرار دینے سے خدا کا وجود، وجودِ کل کا ایک حصہ ہو جاتا ہے یعنی وجود کل حق تعالےٰ اور عالم دونوں کے وجودوں کا جامع ہو جاتا ہے دونوں کو اپنے احاطہ میں لئے ہے جو حق تعالےٰ کی لامحدودیت کے منافی ہے (جس کے لئے صریح قرآنی آیت اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡط) موجود ہے۔

علاوہ ازیں حق تعالیٰ کا بلاصفات ہونا ناممکن ہے کیونکہ بلاصفات صرف عدم کی ذات ہو سکتی ہے ہر وجود کے لئے صفات لازمۂ وجود ہیں۔ اس طرح ہر صفت صدور یا افعال ہی کی وجہ سے وہ صفت کہلاتی ہے ورنہ وہ صفت ہی موجود نہیں اس طرح افعال سے آثار ظاہر ہونا لازمی ہے ورنہ وہ فعل ہی نہیں۔ اس نکتہ کی صراحت میں حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی تصنیف "فتوح الغیب کے چوہترویں مقالہ بعنوان" وحدانیت کی دلیل" میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

"عاقل کو چاہیئے کہ پہلے اپنے وجود کی حالت اور ترکیب پر غور و فکر کی نظر کرے پھر تمام مخلوقات اور ایجادات پر (گہری) نظر ڈالے اور ان سے ان کے خالق اور ان کے ازسرِ نو وجود میں لانے والے پر دلیل تلاش کرے۔ اس لئے کہ صفت اپنے صانع (کی ہستی و قدرت) پر دلالت کرتی ہے اور قدرت محکمہ میں فاعل حکیم کی نشانی ہے کیونکہ سب اشیاء اس کی صفت و قدرت (کاملہ) سے موجود ہیں اور اس معنی میں ہے (وہ کلام) جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ کے اس قول کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

"اللہ نے زمین و آسمان کی سب چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے"۔

اس (کی تفسیر میں) میں حضرت ابن عباس رضی نے فرمایا کہ:۔

"ہر شئے اسمار الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے اور ہر شے کا نام اسمار الٰہی میں سے ایک علامت ہے، پَر تو نہیں ہے مگر اس کے اسم اور صفت اور فعل کے درمیان اس طرح پر ہے، کہ اس کی قدرت میں پوشیدہ ہے اور اس کی حکمت سے ظاہر ہے! اللہ تعالےٰ نے اپنی صفات کو ظاہر کیا اور ذات کو چھپایا ہے اور ذات کو صفت میں اور صفت کو فعل میں پوشیدہ رکھا ہے اور علم کو ارادہ سے اور ارادہ کو حرکات سے ظاہر کیا۔

کام اور صفت کو چھپایا پھر صفت کو ارادہ سے ظاہر کیا اور اللہ تعالٰے اپنے غیب میں باطن اور اپنی قدرت وحکمت میں ظاہر ہے"۔کوئی شے اس کی شکل نہیں ہے اور وہ سُننے والا ہے"۔ بیشک حضرت ابن عباسؓ نے اس کلام میں اسرارِ معرفت سے اسی بات کو ظاہر کیا ہے جو نہیں ظاہر ہوتی مگر اس فانوس (سینۂ عارف) سے جس (فانوس میں"روشن چراغ" (قلب منور) ہے! اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ شان اِس وجہ سے تھی کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک ان کے لئے دعا میں بلند ہوئے تھے (اور آپ نے یہ دعا کی تھی کہ) اے میرے اللہ اس کو دین میں سمجھ عطا کر، اور اس کو تاویل کا علم (علم لدنی) سکھا۔ اللہ ہمیں اُن کی برکات عطا کرے اور اُن کے زمرے میں ہمارا حشر کرے"۔

بعض حضرات کا گمان ہے کہ مسئلہ "وحدت الوجود" کا ماخذ غیر اسلامی ہے، ان کے اس دعوے کی تردید صریح آیات قرآنی سے ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں بہت سی آیات "وحدت الوجود" کا اثبات کرتی ہیں ان میں سے معدودے چند درج ذیل ہیں:۔

(۱) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(یعنی وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے)

(۲) فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط

(یعنی تم جدھر بھی رُخ کرو اُدھر خدا کی ذات (منہ) ہے)

(۳) هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

(یعنی خدا تمہارے ساتھ ہے تم جدھر بھی رُخ کرو)

(۴) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

(یعنی اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)

(۵) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝

(ہم تو اس کی (انسان کی) رگ جان سے بھی اُس سے زیادہ قریب ہیں)

(۶) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج

(یعنی اور (محمدؐ) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھیں)

(۷) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج

(یعنی جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے)

(۸) وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(۹) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

(۱۰) اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

اس طرح احادیث میں بھی اس قسم کے اقوال ملتے ہیں مثلاً :۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

(یعنی تحقیق اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا)

(۲) اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَّمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ

(یعنی خدا کسی کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس کو ضرر نہیں پہونچاتا ہے)

(۳) کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِیَعْرِفُوْنِیْ (حدیث شریف)

(یعنی ارشاد خدا ہے کہ) میں ایک خزانہ مخفی تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ مجھکو پہچانے)۔

(۴) مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

(یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا)

عقائد فرقہ معتزلہ قدریہ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے ملت اسلام میں فتنۂ عقائد کی پیدا دار ہیں جو ہمارے ان سلاطین کا ممنون منت ہے جنہوں نے فلسفۂ یونان کو اپنے عہد اقتدار میں فروغ بخشا۔

فلسفۂ یونان خدا کو عالم سے منزہ اور بے تعلق وجود قرار دیتا تھا یعنی دوسرے الفاظ میں دو واجب الوجود کا اثبات کرتا تھا جس کے معتزلہ اور دیگر فرقے قائل تھے۔ نوفلاطونی فلسفہ نے حق تعالےٰ اور عالم کی اس ثنویت کو دور کرنے کے لئے عقل کل یا روح عالم کو ایک درمیانی واسطہ قرار دیا۔ لیکن یہ عقل کل یا روح عالم بالآخر خود ایسی ماورائی ہستی بن گئی کہ اس کا اِس مادّی اور حسّی دنیا سے کوئی تعلق نہ رہا نتیجۃً نوفلاطونیت خدا اور عالم کے درمیان تعلق پیدا کرنے میں ناکام رہی۔ لیکن مغرب نے جب فلسفہ کی دنیا میں قدم رکھا تو اس کو نوفلاطونیت غیر اسلامی فکر کا ایسا کارنامہ نظر آیا کہ اس نے اسلامی تصوف کی بنیاد ہی اس نظریہ کو بنا دیا باوجودیکہ نوفلاطونیت اور نظریہ وحدت الوجود میں کوئی مماثلت ہی موجود نہیں۔ اس کی وجہ اس فلسفہ کی یہ خامی ہے کہ فلاطینوس ذات واحد یا خدا کا تصور اس طرح کرتا ہے کہ خدا اپنی جگہ بالکل عالم سے بے تعلق، ماورا اور عالم روحانی سے بھی بالکل الگ تھلگ ہے یعنی وہ ذات واحد کائنات اور انسان میں ظہور نہیں کرتی، اس کے مقابلہ میں صوفیان کرام نے نظریۂ "وحدت الوجود" کو عقلاً ونقلاً ثابت کیا جس کی رو سے عالم میں خدا کے سوا کسی کا ظہور نہیں یعنی وجود وحدت ہی وحدت کا ہے ماسوا کا وجود ہی نہیں جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود کو چھٹی صدی ہجری میں شیخ اکبر شیخ محی الدینؒ ابن عربی (المتوفی ۵۶۰ھ) نے فلسفیانہ اور خالص اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے

حسن خود جلوہ ہے خود عشق ہے خود ذات و صفات

اِک یہی لفظ حقیقت ہے کل افسانوں کی (جگر)

یہ سوال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موجودہ فلسفۂ مابعد الطبیعیات ان احوال و افکار پر کیا روشنی ڈالتا ہے جبکہ انبیاء بنی اسرائیل اپنی قوم کی مذہبی اور اخلاقی بنیادیں الہامات پر قائم کر رہے تھے۔ یونانی قوم نے علم حقیقت حاصل کرنے کے لئے خالص عقل اور مابعد الطبیعیاتی فکر کا راستہ اختیار کیا۔ تقریباً تین سو برس قبل مسیح حکیم سقراط نے خالص منطقی دلائل کو علم حقیقت کا ذریعہ قرار دیا جس سے فلسفۂ یونان نے نظریۂ ثنویت کو ثابت کیا یہ فلسفہ مابعد الطبیعیات مختلف ممالک اور مختلف ادوار میں ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا انیسویں صدی کے وسط میں جرمن مفکر اعظم ہیگل کے ہاتھوں اپنے منطقی نتائج پر پہونچا۔ ہیگل کا نظریہ "وحدت الوجود" کا اثبات کرتا ہے اور موجودہ فلسفہ میں خالص منطقی نتائج کی بنیاد پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فلسفۂ یونان کے رد میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ، شیخ اکبرؒ جیسے بزرگوں نے جن عقلی افکار کو پیش کیا اُس نے عالمی فلسفہ۔ عالمی ادب اور مذاہب عالم میں ایک تاریخی انقلاب برپا کر دیا۔ اس اسلامی تصور کی رہنمائی میں عالمی فلسفہ بعد از خرابیٔ بسیار فلسفۂ اسلام کی متعین کی ہوئی منزلِ علم تک پہنچ گیا۔

ہیگل کے افکار کی شمع حقیقتاً اسی چراغ سے روشن ہوئی ہے جو عظیم المرتبت مفکر اور صوفی شیخ اکبرؒ نے چھٹی صدی ہجری میں مکاشفہ اور مراقبہ کے نور سے روشن کی تھی۔ بالفاظ دگر توحید مطلق کا جو تصور اسلام نے چودہ سو برس پہلے پیش کیا تھا اس کی تائید فلسفہ نے دو ہزار برس سے زائد عرصے کی سخت پریشان کن عقلی و علمی جد و جہد کے بعد عصر حاضر میں کی ہے۔

چونکہ اکثر مذاہب فلسفہ وحدت الوجود کے معیار پر نہیں اترتے اس لئے کچھ فلاسفہ محض مذہبی یا جذباتی یا سیاسی وجوہ پر اس سے اختلاف تو کرتے ہیں مگر اس فلسفہ کے حقایق کی مقبولیت اور مبنی بر منطق ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے اکثر مفکرین کا رجحان اس زمانہ میں یہ ہے کہ اپنے مذاہب کو "وحدت الوجود" کے نظریہ کی بنیاد پر قایم کیا جاوے تاکہ کفر و شرک کا وہ طوق ان کے گلے سے آزاد ہو جائے جو انہوں نے اپنے، اپنے مرتبہ پر زیب گلو کیا تھا۔

مشہور فلسفی سر رادھا کرشنن نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "رین آف ریلیجن اِن کنٹیمپریری فلاسفی"، یعنی موجودہ فلسفہ پر مذہب کی حکومت" میں عصر حاضر کے تمام ایسے فلاسفروں کا جو نظریہ "وحدت الوجود" کے قائل نہیں اس استدلال سے رد کیا ہے کہ ان کے فلسفہ کی بنیاد منطق پر نہیں بلکہ محض مذہبی عقائد اور ذاتی جذبات پر قائم ہے اس لئے وہ فلسفہ نہیں بلکہ توہمات کا مجموعہ ہے

کاش ہمارے جدید مغرب زدہ اذہان علمائے اسلام خصوصاً صوفیائے کرام کی ان خدمات کا اعتراف کرتے اور ان کو سراہتے لیکن ان کو توفیق تو میسّر نہیں ہوئی بلکہ مغرب کے مفکّرین کی لایعنی تنقید پر سر دھننے لگے اور ان کے اس غلط خیال کی تائید پر کمربستہ ہو گئے کہ تصوف نے اسلام کو زندگی سے فرار سکھایا اور اس کے بنیادی خیالات یونانی فلسفہ کی کورانہ تقلید ہے۔ گذشتہ اوراق میں یہ حقیقت آپ پر واضح ہو چکی ہے کہ صوفیاء کرام نے صرف اسلام ہی کی نہیں بلکہ نبی نوع انسان کی کس قدر عظیم خدمات انجام دیں، اور مسلمان تو کبھی ان کے احسانات عظیم سے عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتے کہ اس دور میں جبکہ اقتدار و اعزاز کی رسہ کشی جاری تھی، افکار و عقائد باطلہ کا طوفان تندرو ہر طرف بلاخیزیوں کو اپنے دامن میں لئے بڑھ رہا تھا ایسے نازک اور پر آشوب دور میں انہوں نے اسلامی قدروں کے تحفظ کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔

اسلامی غلبہ سے قبل ہندو تہذیب

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ ہندو مذہب کے بنیادی عقائد میں تناسخ کا اہم عقیدہ ہے جس کی رو سے ایک انسان مرنے کے بعد بار بار پیدا ہوتا رہتا ہے جب تک کہ اُسے مکتی (نجات) حاصل نہ ہو جائے۔ جب تک اُس کو دُنیا کی خواہش باقی رہتی ہے اُس کو بار بار جنم لینا پڑتا ہے۔ موجودہ زندگی قدیم اعمال "کرم" کا نتیجہ ہے اور آئندہ جنم میں موجودہ اعمال کی جزا یا سزا اس کو ملتی ہے۔ اچھے اعمال (کرم) سے نئے جنم میں بہتر زندگی حاصل ہوتی ہے اور برے اعمال سے نیچے درجہ کی کسی زندگی میں جنم لیتا ہے یہ دنیا ایک دھوکہ ہے اور حقیقت آتما یا انسان کی حقیقی روح ہے۔ جب تک دنیا کی خواہش باقی رہیگی انسان آواگون کے چکر میں پھنسا رہے گا۔ دنیا کی خواہشات سے روح کو بالکل آزاد کر لینے سے انسان کو مکتی (نجات) حاصل ہو جاتی ہے جو حقیقی زندگی ہے ہندو مذہب میں مکتی (نجات) حاصل کرنے کے تین راستے ہیں:۔

(۱) کرم یا عمل کا راستہ (۲) گیان یا علم کا راستہ (۳) بھگتی یعنی عبادت کا راستہ۔

ہندو مذہب کی تاریخ میں سب سے پہلے عمل (کرم) کا راستہ زمانۂ قدیم سے رائج تھا۔ گیان (علم) کا راستہ زمانۂ ما بعد میں مقبول ہوا۔ اور بھگتی یا عشق کا راستہ سب سے آخر زمانہ میں اتنی مقبولیت حاصل کر گیا کہ پہلے دو طریقے اپنا اثر بہت حد تک کھو بیٹھے۔ بھگتی تحریک نے ۱۳۵۰ تا ۹۰۰ء کے درمیان میں فروغ پایا۔

کرم مارگ (عمل کا راستہ) پر چلنے والے مختلف دیوتاؤں کی عبادت کرتے تھے یہ لوگ قربانیاں دیکر خیرات کرکے، مذہبی مقامات کی زیارت کرکے، جسم کو اذیّت پہنچا کر اور دیگر ایسے فرایض کی بجا آوری سے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ اور اُن سے دُنیا کی آسائش اور مرنے کے بعد آسانی راحتیں طلب کرتے تھے۔

دوسرا راستہ مُکتی (نجات) حاصل کرنے کا گیان (علم) ہے۔ ویدوں اور برہمنوں نے کرم یوگ کے

راستہ کو اعلیٰ قرار دیا تھا مگر بعد کے زمانے کے ہندو منکرین نے علم کی اہمیت مکتی (نجات) حاصل کرنے کے لئے تسلیم کروائی۔ خدا اور دنیا کے تعلق کے بارے میں مختلف نظریات اپنشدوں میں رشیوں۔ چھتریوں اور غیر برہمنی لوگوں نے پیش کئے جن میں ان مسائل کا حل تجویز کیا کہ خدا نے دنیا کو کس طرح پیدا کیا۔ دنیا حقیقی ہے یا دھوکہ (مایا) ہے خدا اور دنیا قدیم ہے اور دونوں حقیقی ہیں یا نہیں؟

مکتی (نجات) حاصل کرنے کا تیسرا راستہ بھگتی مارگ (عبادت و عشق کا راستہ) ہے۔ ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ ان تینوں راستوں میں کرم مارگ جس میں دیوی دیوتاؤں اور جانوروں اور پتھروں کی پرستش اور خوشنودی وغیرہ شامل تھی ہندوستان کا عام مذہب تھا۔ گیان مارگ (علم کا راستہ) عالموں۔ فلسفیوں وغیرہ تک محدود تھا۔ عوام کو اس سے بہت کم واسطہ تھا۔ اور بھگتی مارگ (عبادت اور عشق کا راستہ) بہت کم مقبول تھا۔ بھگوت گیتا اور نرائینا کے سوا (جو کتاب مہا بھارت کے حصے ہیں) شمالی ہندوستان کی مقدس کتابوں میں بھگتی (عبادت) کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان حقایق کے سامنے کس قدر عجیب اور مضحکہ انگیز ہے یہ خیال کہ صوفیائے کرام کے خالص مذہبی عقائد، یعنی ہمہ اوست (وحدت الوجود) مکاشفہ و مراقبہ، محبت الٰہی، فنا و بقا، کے ماخذ غیر اسلامی ہیں، اور ویدانت اور اپنشد اس کے ماخذ ہیں، نیز یونانی فلسفہ سے بھی مستنبط ہیں!

اس تنقید کا بنیادی نقطہ تو یہی ہے کہ صوفیائے کرام کی تعلیمات اور ان بنیادی الہامی مسائل تک ان ناقدین کے ذہنوں کی رسائی نہ ہو سکی اور جب اس میں ان کو ناکامی ہوئی تو محض مغربی منکرین کے سہارے پر انہوں نے ان لاطایل تنقیدات کا طومار مرتب کر دیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ ان سے اسلامی اقدار کو کس قدر نقصان پہنچے گا، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ خود اسلامی عقائد کا لبادہ اوڑھ کر جو غیر اسلامی تحریکیں دوسری صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری تک ظہور میں آئیں اگر یہ پنپ جاتیں اور صوفیوں کی ان کے خلاف آواز بلند نہ ہوئی ہوتی تو اسلامی دنیا کے آج حدود اربعہ کیا ہوتے اور دنیا کے اس بلند اور سچے مذہب کا کیا حشر ہوتا؟

آج دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی جو ضیا باریاں موجود ہیں یہ کن مجاہدین اسلام کے قدوم پاک کا صدقہ ہے، اسلام کی اعلیٰ اقدار کی ضو فشانیاں کن انفاس قدسیہ کا طفیل ہیں۔ اسلامی اخلاق کو جو یہ سربلندی حاصل ہوئی کس کے کردار کی رہین منت ہے! یاد الٰہی اور محبت الٰہی کی گرم جوشیاں کس کی ریاضت و مجاہدہ کا نتیجہ ہیں؟ کیا انسانیت کی یہ تمام بلند اور بالا قدریں، ان حضرات کی مساعی اور ان کے دم قدم سے قائم و دائم رہیں جو کبھی اعلاء کلمۃ الحق نہ کر سکے، جن کے قدم عقلی طوفان کی تند موجوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے جنہوں نے انسانیت کے دشمنوں کو، انسانیت کا محسنین بتایا، جنہوں نے سیم و زر کی چمک دمک کے آگے اپنی آنکھیں بند کر لیں، جنہوں نے سطوت سلطانی کے ڈر سے حرام کو حلال بنایا، تیغ شاہی جب قریب گلو پہنچی تو حلال کو حرام کہنے لگے، طاؤس و رباب کی تانیں جن کے لئے جنت گوش و ہوش تھی لیکن دف نوازی پر حد شرعی قائم کرنے کو تیار رہتے محض، اس لئے کہ طاؤس و رباب نواز ان کا وہ آقا اور خداوند تھا جو ان پر سیم و زر کی

بارشیں کرتا رہتا تھا اور دف ونئے ان سوکھے اور لاغروں ہاتھوں میں ہوتا تھا جو خود تہی دست و تہی داماں تھے! شاید یہ تلخ حقائق طبائع نازک پر گراں گذریں اس لئے ہم صراحت و وضاحت تاریخ کے صفحات کے حوالے کرتے ہیں۔ تاریخ طبری، ابن کثیر، ابن ہشام، جہاں کشائے جوینی، تاریخ وصاف وغیرہ کا ملاحظہ کیجئے ہمارے بیان کی صداقت آپ پر خود عیاں ہو جائے گی۔ تاریخ عالم کے وہ صفحات جو تاریخ ہند پر مشتمل ہیں آپ کو اس زمانہ میں پہنچا سکتے ہیں جبکہ اسلام کے قدم ہندوستان میں سیاسی اقتدار کے ساتھ نہیں آئے تھے لیکن افغانستان میں یہ اپنا اقتدار قایم کر چکے تھے۔ چوتھی صدی ہجری کا مشہور مورخ علامہ ابوریحان البیرونی جو حکیم ابن سینا کا ہم عصر اور ہم پلہ تھا، جس نے اپنی عمر گرانمایہ کا ایک بڑا حصہ اپنے اس مقصد پر قربان کر دیا کہ خود ہند میں رہ کر اہل ہند کے معتقدات اور ان کے فلسفۂ مذہب اور ان کے تمدن سے آگاہی حاصل کرے، اور محض قیاسات پر اپنی تاریخ مرتب نہ کرے۔

چوتھی صدی ہجری کا عہد وہ عہد ہے کہ عرب و ہند کے تجارتی تعلقات قایم ہو چکے ہیں، سواحل ہند پر مسلمانوں کی آمد و رفت جاری ہے، اسلام اور مسلمانوں کے الفاظ اہل ہند کے کانوں تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ دَور علمی کارناموں کا دَور ہے مامون کے دربار میں اس سے بہت پہلے ہندو فلسفی مفکر و سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرنے کے لئے پہنچ چکے ہیں اس لئے ہم اس دَور کو عقلی اعتبار سے ہند کا تاریک دَور کسی طرح بھی نہیں کہہ سکتے! اس دَور کے حالات البیرونی سے زیادہ صحیح طور پر کوئی بھی پیش نہیں کر سکا بعد کے تمام مورخین نے البیرونی ہی سے استفادہ کیا ہے، آپ کو ہندوؤں کے تمام عقائد تشریحی صورت میں البیرونی کی "کتاب الہند" میں ملیں گے، یہاں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

ہندو تمدن و تہذیب کے سلسلہ میں سب سے معتبر شہادت البیرونی کی ہے کہ وہ اس تمدن اور تہذیب کا عینی شاہد ہے۔

مسلمانوں کا ہندوستان میں داخلہ

مورخ الفنسٹن اپنی کتاب تاریخ ہند میں رقمطراز ہے کہ "حضرت یوسفؑ کے عہد سے لیکر مارکوپولو اور واسکوڈی گاما کے زمانے تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب تھے" لیکن ان کا دائرہ عمل ساحلی علاقوں تک محدود تھا۔ چونکہ اسلام کی ضیاء پاشیاں ہندوستان میں خلفائے راشدین کے زمانہ سے ہی شروع ہو گئیں تھیں اس لئے مسلمانوں کے ہندوستان میں داخلہ کے اسباب و علل پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا مناسب ہوگا:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں تبلیغ اسلام کے لئے دنیا کے مختلف ممالک میں ایلچی روانہ کئے ان میں سے ایک صحابی حضرت وہابؓ بن ابی کبشہؓ تھے آپ کو ۶۲۶ء میں سرزمین چین کے لئے [illegible]

نہ دیا گیا۔ چین کے بادشاہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ آپ نے کچھ عرصہ بعد یہیں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار شریف کینٹن میں ہے اور آپ کی بنائی ہوئی مسجد چین میں آج تک موجود ہے۔ علاوہ ازیں ایک صحابی عکاشہؓ کا مزار شریف محمود بندر اور دوسرے صحابی تمیم انصاریؓ کا مزار شریف کولم (میلاپور) میں بتایا جاتا ہے۔

سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ھ میں رفیق اعلیٰ کے قرب کی دعوت قبول فرمائی۔ آپ کی وفات شریف کے بعد امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ منصب خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ سوا دو سال اس منصب پر فائز رہے اور ۱۳ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا زیادہ وقت بغاوتوں کے فرو کرنے اور امن قائم رکھنے پر صرف ہوا۔ آپ کے عہد میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے عراق عرب پر حملہ کیا اور انھیں اکثر و بیشتر مہمات میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کے بعد امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطابؓ نے عنان خلافت اپنے مضبوط اور توانا ہاتھوں میں لی آپ کا عہد فتوحات کے لئے بڑا مساعد ثابت ہوا۔ عہد فاروقیؓ میں جو علاقے و ممالک فتح ہوئے وہ بحیثیت مجموعی خلفائے سابقہ کے عہد کی مجموعی فتوحات سے زیادہ تھے۔ آپ کے دور میں تمام جزیرۃ العرب، ایران و مصر شام اسلام کے زیر نگیں آگیا۔

آپ کے دس سالہ عہد خلافت میں نظم و نسق کا وسیع نظام مرتب کیا گیا دیگر رفاہی کاموں کے علاوہ آپ کے عہد میں مسلمانوں کی تعداد ۴/۱ ۲ کروڑ ہو چکی تھی۔ دس سو ۱۰۳۶ چھتیس شہر فتح ہوئے۔ چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔ ایک ہزار نو سو ممبر رکھے گئے اور اسلام کے جمہوری نظام کی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کا نظام قائم کیا گیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے لَا خِلَافَةَ إِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ۔ اولیات فاروقی کی تمام تر اساس اسلامی تعلیمات و احکام پر مبنی ہے۔

آپ ہی کے عہد میں عثمان بن ابی عاص ثقفیؓ (۱۵ھ) بحرین اور عمان کے گورنر مقرر کئے گئے۔ ہندوستان پر حملہ کے لئے عثمانؓ نے ایک بحری بیڑا تیار کیا اور ۶۳۶ء میں یہ پہلا اسلامی بحری بیڑا تھانہ بندرگاہ (گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر واقع ہے) تک پہنچا اور وہ اس کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد بے شمار مال غنیمت عمان لے گئے۔ دربار خلافت میں جب اس امر کی اطلاع ہوئی تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ قدرے برہم ہوئے۔ (آپ بحری جنگ سے بمصالح چند اجتناب فرماتے تھے)۔ بعد ازیں حضرت عثمانؓ نے اپنے بھائی مغیرہ ابن ابی عاصؓ کی سرکردگی میں پھر ایک بحری بیڑا سندھ روانہ کیا۔ یہ لوگ دیبل کے بندرگاہ پر پہنچے۔ اس علاقہ کی افواج نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور حضرت مغیرہؓ نے معرکہ کارزار میں جام شہادت نوش فرمایا۔ بہرحال مقامی لوگوں کو شکست دے کر مال غنیمت کے ساتھ اسلامی بیڑا واپس بحرین آگیا۔ اسی زمانہ میں عثمانؓ بن ابی عاصؓ نے اپنے دوسرے بھائی حکمؓ بن ابی عاص کو دوسرے بحری بیڑے کا افسر بنا کر ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ یہ بحری بیڑا گجرات کے مشہور بندرگاہ بروچ پر پہنچا اس طرح سے یہ گجرات پر دوسرا حملہ تھا۔ اس قسم کے حملوں سے کچھ زیادہ مفید نتائج نہیں نکلے۔

۲۳ھ میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کے عہد میں بعض فتوحات فاروقی کی تکمیل ہوئی یعنی ایران کو ترکستان کی سرحد اور دوسری طرف آرمینیہ تک فتح کر لیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرآن اور ایک مصحف پر متحد کرنا اور یہ قرآن مجید کتابی شکل میں خلیفہ اول امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تدوین ہو چکا تھا اس کی اشاعت کرنا تھی آپ کے عہد میں عبداللہ بن عامر بن کریز نے حکیم بن جبلۃ العدوی کی سرداری میں ایک دستہ بحری راستے سے سندھ کے مفصل حالات کی فراہمی کے لئے روانہ کیا۔ اس نے واپسی میں نقل وحمل کی دشواریاں دیگر حوصلہ شکن واقعات کی کیفیت امیرالمومنین حضرت عثمانؓ بن عفان کی خدمت میں بیان کر دیں۔

بہرحال اس عہد میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ بن حبیب نے (جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ صحابی تھے) زرنج اور "کش" کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ علاقہ اُس وقت ہندوستان کے ماتحت تھا۔ اب یہ بلوچستان میں شامل ہے۔ اس طرح خشکی کے راستہ سے سرزمین ہند پر یہ پہلا حملہ تھا۔ علاوہ ازیں امیرالمومنین حضرت ذوالنورین عثمان غنیؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو سفیر بنا کر چین بھیجا۔ انہوں نے سفارت کے کاموں کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کا کام بھی جاری رکھا حضرت عثمانؓ نے ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ آپ کی مدت خلافت بارہ ۱۲ سال ہے۔

آپ کے بعد خلافت مرتضوی کا دور شروع ہوا۔ امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ۳۹ھ-۳۸ھ میں ایک لشکر سندھ کی طرف روانہ فرمایا (اس میں حارثؓ بن مرۃ العبدی جیسے تجربہ کار لوگ بھی تھے) یہ فوج دیبل کے ایک حصہ پر قابض ہو گئی مگر امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کی خبر سن کر لشکر اسلام اُس مقام سے مراجعت کر کے مکران میں مقیم ہو گیا۔ بہرحال حارثؓ اور اُن کے اکثر اصحاب ارض قیقان میں کام آئے یہ واقعہ ۴۲ھ کا ہے۔

آپ نے اپنے عہد خلافت میں نظام خلافت کی اصلاح کی اور ان خرابیوں کو دور کرنے کی طرف قدم بڑھایا جو یہودیوں، نصرانیوں اور منافقوں کے اتحاد ثلاثہ سے اسلام میں پیدا ہو چکی تھیں، شہادت حضرت عثمانؓ نے ان دشمنانِ اسلام کو اس کا اور موقع فراہم کر دیا کہ وہ شامی اور حجازی مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیں چنانچہ آپ کے دور میں جنگ جمل اور صفین لڑی گئیں اور یہیں سے ملت اسلامی میں اختلاف اور انتشار کی راہیں ہموار ہوئیں۔ آپ کی جلالت و تبحر علمی پر سب کا اتفاق تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کی سند ہی نہیں دی بلکہ اَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ یعنی صحابہ کرام میں سب سے بڑے معاملہ فہم کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ آپ کی ذات والا صفات ہی تصوف کا سرچشمہ ہے۔ صوفیہ کرام کے تمام بڑے بڑے سلاسل حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے واسطے سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں۔

بعض ارباب ظاہر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا کوئی بھی تعلیم دینی کا پہلو نہیں تھا جس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوشیدہ رکھا ہو اور ایسا کوئی بھی راز شریعت و حقیقت نہیں تھا جس کو

آپ نے ظاہر نہ فرما دیا ہو۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ امام المفسرین امام فخر رازی کا یہ قول یاد رکھیں۔

لِلْعُلَمَاءِ سِتٌّ وَلِلْخُلَفَاءِ سِتٌّ وَلِلْاَنْبِيَاءِ وَلِلْمَلَائِكَةِ سِتٌّ وَلِلّٰهِ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ الخ یعنی وہ ستر ہے جس کی تعلیم آپ کو مشکوٰۃ نبوت سے حاصل ہوئی اور آپ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سینہ کو اس نور معرفت سے معمور فرمایا۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت (سنہ ۴۰ھ) کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے۔ چھ ماہ بعد آپ ملت اسلامیہ کو خون خرابے وانتشار سے بچانے اور ایک مرکز پر جمع کرنے کے خیال سے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے آپ سیرت وصورت میں ذات پاک نبوی کی مکمل تصویر تھے۔

آپ کے امتیازی اوصاف صبر وضبط وتحمل وسخاوت ہیں۔ آپ نے سنہ ۵۰ھ میں رحلت فرمائی۔ امیر معاویہؓ کی خلافت میں امیر مہلب بن ابی صفرہ (جو ابن سمرہ کی فوج کے سردار تھے) اپنی افواج کو لئے ہوئے سنہ ۴۴ھ میں درۂ خیبر کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور واپسی میں ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقوں سے کفر وشرک کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا اور غنیم کو شکست فاش دی۔ تاریخ اسلام کا عظیم سانحہ ملوکیت تھا یزید کی ولی عہدی کے اعلان نے خلافت کی جمہوریت، واسلامی حریت اور آزادی کی روح کو فنا کر دیا۔ آپ نے سنہ ۶۰ھ میں انتقال کیا آپ کی مدت خلافت انیس ۱۹ سال اور کچھ مہینے ہے۔ سعد بن مالک نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کرتے وقت کہا "السلام علیک یا ایھا الملک"۔ (طبری)

خلافت کا لبادہ اوڑھی ہوئی ریاست وملوکیت کا سلسلہ حضرت معاویہؓ سے لے کر خاندان بنی اُمیہ میں سنہ ۱۳۲ھ تک رہا۔ یزید اوّل بن معاویہ کے عہد میں کربلا کا جانکاہ ولرزہ خیز واقعہ پیش آیا سید الشہدا حضرت امام حسینؓ نے (معہ اپنے بہتّر ۷۲ جاں نثاروں کے) ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ جام شہادت نوش کیا۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ جب تک حق آشکارا تھا آپ حق کی پیروی کرتے رہے اور جب حق پوشیدہ ہو گیا تو آپ نے تلوار اُٹھائی اور اُس وقت تک دم نہ لیا جب تک جان عزیز حق تعالیٰ کی راہ میں فدا نہ کر دی۔ سرکار غریب نواز کی رباعی اس سلسلہ میں اپنی نظیر آپ ہے۔

رُباعی

شاہ ہست حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ	دین است حسینؓ، دین پناہ ہست حسینؓ
سر داد نہ داد، دست در دست یزید	حقّا کہ بنائے لا اِلٰہ ہست حسینؓ

واقعہ کربلا کے بعد یزید کے حکم سے مدینۃ الرسول کا تین دن تک بیدریغ لوٹا جانا اس کے بعد خانہ کعبہ پر سنگ باری، غلاف کعبہ کا جلنا، حجر اسود کا تین جگہ سے شق ہونا تاریخ کے ایسے مستند واقعات ہیں کہ مستند مورخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور یزید کے سیاہ کارناموں میں شامل کیا ہے، اب یزید کے دامن سے شہادت حسینؓ کے داغ کو ہلکا کرنے کی مذموم کوشش کرنے والے حضرات خواہ کتنی ہی کوشش کریں، مدینۃ الرسول اور کعبہ کی بیحرمتی کا سیاہ داغ اس کی پیشانی سے کبھی نہ مٹ سکے گا۔ یہ واقعات ان حضرات کے لئے لمحات فکر ہیں جو حضرات صوفیائے کرام کی گوشہ نشینی پر ہنستے ہیں، اور طنز کرتے ہیں کیا ان حضرات کو یہ توقعات تھیں کہ وہ بھی ارباب اقتدار اور حُبّ دنیا رکھنے والوں کی طرح میدان میں آکر تیغ مسلم گلوئے مسلم پر چلاتے!

ولید اول بن عبدالملک کے عہد (۸۶ھ تا ۹۶ھ) میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے عربوں کو سندھ پر حملہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لنکا میں بغرض تجارت ایک مسلمان تاجر قیام پذیر تھا۔ اتفاقاً اُس کی موت واقع ہوگئی اور اس کے پس ماندگان میں اُس کی بیوہ چند لڑکے لڑکیاں تھیں۔ لنکا کے راجہ نے اس غرض سے کہ والیٔ عراق کی جناب میں تقرب حاصل کرے ان مسلمان عورتوں کو ایک جہاز پر سوار کر کے مع تحف وہدایا کے عراق روانہ کیا۔ اس جہاز میں چند حاجی بھی موجود تھے جب یہ جہاز سندھ کی بندرگاہ دیبل (دیول) کے قریب پہونچا تو "مید" قوم کے سندھی بحری قزاقوں نے اسے لوٹ لیا اور عرب عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ان قیدیوں میں ایک عورت جو قبیلہ یربوع سے تعلق رکھتی تھی اضطراری کیفیت میں پکار اُٹھی "فریاد اے حجاج"۔ اس واقعہ کی اطلاع جب حجاج تک پہنچی تو وہ سخت متاثر ہوا۔ حجاج کی جانب سے عبید اللہ بن نبہان اور بدیل بن طہفة البجلی کے زیر قیادت یکے بعد دیگرے دیبل پر دو ناکام حملے ہوئے بالآخر حجاج نے سندھ پر حملہ کرنے کے لئے ایک جرار لشکر اپنے عم زاد اور داماد محمد بن قاسم کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ محمد بن قاسم بروز جمعہ ۹۲ھ میں دیبل پہنچے اور راجہ داہر کی سلطنت کا تختہ اُلٹ دیا۔ اور راجہ داہر ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ میں مارا گیا۔ اور بہت تھوڑی مدت میں ایک وسیع علاقہ پر پرچم اسلام لہرانے لگا جس کا باعث محمد بن قاسم کی تصنع سے پاک اسلامی زندگی اور فضایل اسلامی تھے۔

محمد بن قاسم قنوج کے راجہ پر حملہ کا عزم ارادہ کر چکا تھا لیکن کوچ کرنے سے پہلے ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی جو اس کا سرپرست تھا اس دنیا سے شوال ۹۵ھ میں کوچ کر گیا اور اس کے مرنے کے آٹھ ماہ بعد ہی خلیفہ ولید بن عبدالملک ۹۶ھ کا انتقال ہوگیا۔ ولید کا جانشین سلیمان بن عبدالملک ہوا سلیمان کو عبدالملک کے زمانہ میں حجاج سے اکثر معاملات میں اختلاف رہا تھا اور تخت خلافت سے اپنی محرومی کا باعث وہ حجاج ہی کو سمجھتا تھا۔ چنانچہ تخت نشینی کے بعد انتقام کا پُرانا جذبہ عود کر آیا۔ قتیبہ بن مسلم گورنر ترکستان اور محمد بن قاسم گورنر سندھ دونوں حجاج کے حامی اور اس کی اس نیک نامی کے جو فتوحات کے ذریعہ اس کو حاصل ہوئی تھی بانی تھے، اس لئے ان بطل حریت اور شمع اسلام کے پروانوں کا مورد عتاب ہونا چنداں موجب تعجب نہیں۔

محمد بن قاسم کو اس حال میں کہ وہ سندھ سے آگے بڑھ رہا تھا سپہ سالار کے منصب سے معزول کر کے دربار خلافت میں طلب کر لیا گیا۔ اور اس کی ایذا پسند طبیعت نے اس کو یہ سزا دینا پسند کی کہ نئے سپہ سالار کو لکھا کہ "محمد بن قاسم کو زندہ ایک کھال میں سی کر جلد ہی ہمارے حضور میں پیش کیا جائے"۔ اس طرح خلیفہ سلیمان نے محمد بن قاسم کو انعام واکرام کے بجائے سخت ترین سزا دے کر آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ سلیمان بن عبدالملک کا یہ اقدام شیوع اسلام کے حق میں مضر اور خطرناک ہی نہیں بلکہ اس بند کے مترادف تھی جو سیل تندرو کے مقابل باندھ دیا جائے، اس محسن کُشی کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔

اس سے قبل کے ہم شمالی ہند میں اسلامی سرگرمیوں پر مزید بحث کریں جنوبی ہند میں تبلیغی مساعی کا ذکر کرنا

ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مورّخ رولینڈسن کہتا ہے کہ "عرب مسلمان سب سے پہلے ساحل مالابار میں تقریباً ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں آباد ہوئے اور اُس کے بعد مسلمانوں کی ... ان علاقوں میں بڑھتی گئی۔"

ہندو ان کی قدر و منزلت کرتے تھے ... رما پلا (یعنی نوشہ یا فرزند کلاں) کے معزز لقب سے انھیں خطاب کرتے تھے۔ راجہ زمورن کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں کے علماء (تھنگل) کو پالکی میں سوار ہو کر جانے کی اجازت بھی تھی۔ زمورن ان سے ان کی راست کرداری اور اعلیٰ اخلاق کے باعث بہت ہی زیادہ متاثر تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے یہ حکم دیدیا تھا کہ ماہی گیروں کے ہر ایک خاندان سے کم سے کم ایک فرد دولتِ اسلام سے ضرور مشرف ہوتا کہ وہ جہازرانی میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹا کر ان کے احسان کا بدلہ کچھ نہ کچھ ضرور ادا کرسکے نویں صدی کے شروع میں مالابار میں چیرامن پیرومل مالابار کے آخری راجہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس راجہ کے قبول اسلام کے سلسلہ میں روایت ہے کہ راجہ نے خواب میں چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھے۔ اتفاقاً سیلون (لنکا) سے مسلمانوں کا ایک وفد اسی وقت شیخ سرکا ؍ الدین (سخار الدین) کے زیر قیادت راجہ کے پاس پہنچا راجہ کے دریافت کرنے پر شیخ نے راجہ کو اس خواب کی تعبیر بتلائی۔ خواب کی عجیب و غریب تاویل سے متاثر ہو کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا۔ دیار مقدس کے دیدار نے راجہ کو اس قدر مضطرب کیا کہ کچھ مدت بعد ہی وہ عازم مدینہ منورہ ہوا اور اس کی خوش بختی کہ وہ پاک و مقدس سرزمین مرنے کے بعد استراحت کے لئے اس کو نصیب ہوئی۔

راجہ نے وفات سے قبل مالک بن دینارؒ، شرف بن مالکؓ اور مالک ابن حبیبؓ کو ان کے اہل و عیال کے ہمراہ بغرض تبلیغ مالابار روانہ کیا۔ اور اس مسلمان جماعت کے ساتھ کمال عزت و توقیر کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کی۔ چنانچہ وہاں پہنچنے پر ان لوگوں کا شاندار استقبال ہوا۔ اُن کو وہاں مساجد بنانے کے لئے اراضی دی گئیں۔ اس مقدس جماعت کی مساعی سے مالابار کے ساحل پر گیارہ مساجد تعمیر ہوئیں، اس طرح بہت جلد اس علاقہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور تبلیغی کوششوں کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ مٹھی بھر مسلمان مالابار کے ہندوؤں پر اپنے اعلیٰ اخلاق ہی سے اثر انداز ہو سکتے تھے، تیر و تفنگ کا تو ذکر ہی کیا، ان بزرگوں کے انفاس قدسیہ اور پاکیزہ سیرت کا صرف فیض تھا کہ جو ان کو دیکھتا ان کا گرویدہ ہو جاتا اور ان کے پاک مذہب کی آغوش میں آجاتا۔ ڈاکٹر آرنلڈ اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں رقم طراز ہے کہ۔

"اسلام کی اشاعت بزورِ شمشیر نہیں ہوئی بلکہ صلح و آشتی کے ساتھ ہوئی۔"

صوفیائے کرام کی تبلیغی مساعی

تمام ہندو اور عیسائی مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ اسلام کی اشاعت نہایت پر امن طریقہ پر ہوئی۔ اسلام کی اشاعت میں مسلمانوں کی پاکیزہ زندگی، ان کا نظریہ مساوات اور حسن اخلاق نے بڑی مدد دی جہاں ان لوگوں کے قدم پہنچتے تھے لوگ اُن کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے اور اُن کے گرویدہ ہو جاتے تھے بلکہ ان کے ہم مذہب ہونے کو باعث افتخار تصور کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ابتدائی دور میں ایک مسلمان بذات خود ایک عالم ایک فقیہ، ایک صوفی، ایک معلم اخلاق اور ایک جانباز مجاہد ہوتا تھا۔ لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ انتشار کا شکار ہو گئی۔ نتیجۃً ملت اسلامی کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا اور بکثرت فرقے اسلامی وحدت میں ظہور پذیر ہو گئے۔ اس افراط و تفریط کے عہد میں علماء کی جماعت برسر اقتدار آ گئی اور انہوں نے حکومت وقت سے مصلحتی سمجھوتے پر اکتفا کر لیا اور بسا اوقات وہ اس مصلحت کوشی میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ محض حکومت کا آلہ کار بن کر رہ گئے۔ مگر صوفیائے کرام اور مشائخ عظام باوجود تبحر علمی اور اقتدار و اعتبار اپنی زندگی کو ظاہری زیب و زینت سے پاک و صاف رکھا اور سیاست و اقتدار سے بے نیاز ہو کر تبلیغ دین کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا۔ ان برگزیدہ ہستیوں کی زندگی کا نصب العین صرف آخرت اور رضائے الٰہی، ان کے کردار و عمل میں ظاہر و باطن کی یکرنگی تھی۔ خلق اللہ کی فلاح و بہبود ان کو مقصود تھی۔ ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ :-

> "مسلمانوں نے جنوبی ہند میں آباد ہونے کے بعد ہی تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ اگر آپ مدراس اور ترچناپلی کے مسلمانوں سے دریافت کریں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد ناتھڑ (ناصر) ولیؒ کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔"

ناتھڑ (ناصر) ولیؒ کا مزار پرانوار ترچناپلی میں آج بھی مرجع خلائق ہے جس پر ۴۳۱ھ (یعنی ۱۰۳۹ء) کندہ ہے آپ کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک سیّد شہزادے تھے اور ترکی کا ایک علاقہ ان کے زیر نگیں تھا۔ تبلیغ کا ذوق جب ان پر غالب آیا تو اپنی ریاست کو چھوڑ دیا اور ایک مسلمان درویش کی حیثیت سے اشاعت اسلام کے لئے نکل پڑے۔ ناتھڑ (ناصر) ولیؒ عرب۔ ایران اور شمالی ہند سے گذرتے ہوئے ترچناپلی پہنچے۔ یہاں پر وہ تبلیغ اسلام کی خاطر مستقل سکونت پذیر ہو گئے اور کثیر تعداد میں ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ ایک اور قبیلہ جو دودے کلاس (یا ڈریکلوں) کے نام سے موسوم ہے، اپنی قوم میں اشاعت اسلام کو پینوکونڈا کے ولی اللہ بابا فخر الدینؒ سے منسوب کرتا ہے حضرت بابا فخر الدینؒ، سید ناتھڑ یا ناصر ولیؒ کے خلیفہ تھے۔ ..... پینوکونڈا کا راجہ آپ ہی کے دست حق پرست پر

مسلمان ہوا تھا۔ مورخ تھرسٹن ان کا سال وفات ۷۶۵ھ بمقام پینوکنڈا بتاتا ہے مدورا میں مسلمان مالک الملوک کی قیادت میں ۱۰۵۰ء میں داخل ہوئے، ان کے ساتھ ایک عظیم ولی اللہ حضرت شاہ علیؒ یا علی بادشاہؒ تھے ان کا مزار مدورا میں حضور کچہری کے قریب ہے ان علاقوں میں مسلمان اولیاء اللہ نے مساجد اور خانقاہیں تعمیر کرائیں، ان حضرات کے مزار آج بھی مرجع خلائق ہیں ان حضرات کے بعد مختلف ادوار میں دیگر اولیاء اللہ یہاں تشریف لائے، ان میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ اور بابا عجبؒ قابل ذکر ہیں جنہوں نے دکن کے مختلف اضلاع بالخصوص پونا، بیلگام، کوکن اور دھارواڑ کے گرد و نواح میں اسلام پھیلایا۔ سورت، گجرات اور کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ حضرت شاہ محمدؐ صادق سرمستؒ کی مساعی کی رہین منت ہے۔ جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت تیز رفتاری میں وہاں کے ~~ہند~~ و باشندوں کی ذات کی تفریق اور اونچ نیچ کی خلیج نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلہ میں جنوبی ہند کی ایک ادنیٰ سی مثال پیش کی جاتی ہے :۔

یہاں پر "نائر" ذات بہت مشہور و معروف ہے یہ ہندوؤں کی اعلیٰ ذات ہے انھیں کے مقابلہ میں دوسری ذات "پولیا" ہے اس زمانہ میں نائروں کو پولیوں سے خاص نفرت تھی اسی نفرت کی بنا پر وہاں کے راجہ نے یہ قانون نافذ کر رکھا تھا کہ "کسی نائر پر کسی پولئے کا سایہ نہ پڑے اگر اس قانون کے خلاف کوئی چلے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔"

چنانچہ جنوبی ہند میں جب اسلام داخل ہوا تو دیگر طبقہ کے لوگوں کے علاوہ پولئے جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے کیونکہ اسلام مساوات کا سبق دیتا تھا اور ذات و پات کے جھگڑوں کا قلع قمع کرتا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند اس.... سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :۔

> "ساتویں صدی کے بعد جنوبی ہند میں ہندو مذہب میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں (بشرطیکہ وہ خود ہندو مذہب کے اقتضا سے پیدا نہ ہوئی ہوں) وہ بلا مبالغہ اسلام کے اثرات سے منسوب کی جا سکتی ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کی آبادیاں بھی جنوبی ہند میں تھیں مگر عیسائیت کا کوئی اثر ہندو مذہب نے قبول نہیں کیا۔"

ڈاکٹر تاراچند مزید لکھتے ہیں کہ :۔

> "جہاں جہاں اسلامی لشکر نے پیش قدمی کی یا تجار آباد ہوئے اولیائے اسلام ان کے ساتھ ساتھ پہنچے۔"

اب ہم اپنی توجہ شمالی ہند کی طرف دوبارہ مبذول کرتے ہیں۔ محمد بن قاسمؒ نے سندھ میں ہندوؤں کے سامنے اسلامی کردار اور اخلاق کا وہ نمونہ پیش کیا تھا کہ سندھ میں بہت تھوڑی مدت میں مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو گئی تھی۔ محمد بن قاسمؒ کے بعد دن بدن تبلیغ اسلام کی رفتار سُست ہوتی چلی گئی اور اس کا سبب وہی امارت اور سیاست تھی۔ البتہ جنید بن عبدالرحمن المریؒ کے عہد ۱۰۱ھ

سے ۱۱۱ھ تک) میں نظامی حیثیت سے سندھ کی حکومت میں ترقی ہوئی اور فتوحات میں بھی توسیع ہوئی۔
لیکن ۱۱۱ھ میں ان کی جگہ جب تمیم بن زید عتبی نے سنبھالی تو وہ بڑا ہی کمزور اور نا اہل حاکم ثابت ہوا۔ محمد بن قاسمؒ سے لے کر اُس کے عہد تک جو مساعی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ظہور میں آئیں اُن سب پر تمیم نے پانی پھیر دیا۔ غیر مسلم سندھیوں کا زور اتنا بڑھا کہ متوطن مسلمانوں کو اس سرزمین کے چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ عراق کے حاکم اعلیٰ خالد تستری کو ان حالات سے آگاہی ہوئی تو خلیفہ ہشام بن عبدالملک سے سفارش کر کے حکم بن عوانہ کلبی کو سندھ کا ناظم مقرر کرا دیا۔ حکم اپنے ہمراہ عمر بن محمد بن قاسم ثقفی کو لایا اور تمام اہم امور اُس کے حوالے کر دئے چونکہ اس وقت سندھ کے حالات ناگفتہ بہ تھے اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور دشمن تقریباً ہر جگہ قابض ہو گئے تھے۔ اس سے اشاعت اسلام میں سخت رخنہ پڑ گیا۔

جیسا کہ اس سے قبل مذکور ہوا کہ بنی اُمیہ کی خلافت ۱۳۲ھ تک رہی اور چودہ[۱۴] خلیفہ ہوئے۔ بعد ازیں خلافت کا سلسلہ خاندان بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔ خلفائے بنی عباس ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک یکے بعد دیگرے تخت خلافت پر متمکن ہوتے رہے اور ان کے سینتیس[۳۷] خلیفہ ہوئے۔ بغداد ان کا مستقر خلافت تھا۔ تاتاریوں کے فتنہ کے بعد چند عباسی خلفا نے سرزمین مصر پر بھی کچھ عرصہ تک حکمرانی کی، مگر ۹۲۳ھ میں تمام مصری سلجوقی سلاطین سے اس لقب کو سلطان سلیم نے چھین کر خلیفہ کا لقب اپنی ذات اور اپنے خانوادہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس وقت سے خلافت کا سلسلہ ترکوں میں رہا، سلطان عبدالحمید (المتوفی ۱۹۱۸ء) کے عہد میں حالات نے پلٹا کھایا۔ یہاں تک کہ لُدانیہ کی کانفرنس کے بعد نیشنل اسمبلی نے یکم نومبر ۱۹۲۲ء میں بادشاہت کو معطل کر دیا اور پہلی جنگ عظیم کے بعد ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں مصطفےٰ کمال پاشاہ نے سلطان عبدالمجید کو معزول کر کے خلافت در اصل ملوکیت کا تختہ اُلٹ دیا اس طرح برائے نام خلافت کا سلسلہ جس کی داغ بیل امویوں نے ڈالی تھی گیارہ[۱۱] سو سال کے بعد ختم ہو گیا۔ بہرحال خلافت اموّیہ کے اختتام پر خلافت عباسیہ کے آغاز میں دیارِ سندھ میں از سرِ نو تبلیغ کی مساعی کی گئیں لیکن وہ زیادہ بار آور ثابت نہیں ہوئی۔

ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور عباسی (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کے دور خلافت میں عبداللہ الاشتری علوی بصرہ سے بظاہر اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کے تجارت کی غرض سے بحری راستہ سے سندھ پہنچا۔ لیکن اس کا مقصود اصلی "بنی عباس کے خلاف علویوں کے لئے خلافت حاصل کرنا تھا" والئی منصورہ عمر بن حفص نے اس گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ اور اس نے یہاں آکر شیعت کی تبلیغ شروع کر دی۔ خارجی بھی اپنے فرائض سے غافل نہ تھے۔ عمان کے خارجی اکثر و بیشتر سندھ کا دورہ کرتے اور اپنے عقائد دینی کی عوام الناس میں خاموشی سے تبلیغ کرتے اور دلوں میں خلافت عباسیہ کے خلاف جذبات کو ہیجان میں لاتے، ۱۴۲ھ میں حسان بن مجاہد ہمدانی خارجی رقہ سے سندھ پہنچا اور بڑے جوش و خروش سے اپنے عقائد کی تبلیغ کی اور عوام کو عباسیوں کے خلاف ہموار کرنے کی سعی پیہم میں مصروف رہا لیکن اُس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی طرح ابو العباس احمد بن متوکل الملقب بہ

معتمد علی اللہ (۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ) کے عہد جب عبداللہ بن عمر ہباری سندھ کی اسلامی سلطنت کا حاکم تھا (یعنی ۲۷۰ھ میں)، اسماعیلیوں کے امام عبداللہ یا عبیداللہ المہدیؒ نے "ہشیم" نام کا ایک داعی یہاں بھیجا کہ اس کے اثرات کے بار آور ہونے کیلئے فضا ہموار ہو چکی تھی یہ سندھ کا پہلا داعی ہے۔

اسماعیلی حضرت امام جعفر صادقؒ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت اسماعیل بن جعفر کو اپنا امام مانتے ہیں۔ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شیعہ حضرات دو فرقوں میں بٹ گئے تھے ایک نے سیدنا حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو امام برحق علی الاتین اور جانشین تسلیم کیا اور دوسرے طبقے نے حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو۔ اس فرقہ کو سبیعہ بھی کہتے ہیں انکا اعتقاد ہے کہ پیغمبر سات ہیں۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ حضرت محمدؐ اور محمد بن اسماعیل۔ ملک شام میں سلمیہ نامی مقام اسماعیلی آئمہ کا دارالقرار اور مستقر تھا۔ الغرض ہشیم نے سندھ میں پہنچکر ایک ایسی انقلابی تحریک کا آغاز کیا جو بظاہر امام قایم کے حقِ خلافت کی دعوت تھی لیکن پس پردہ اس کا مقصد سیاسی اقتدار کے سوا کچھ نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ یہ تحریک زور پکڑتی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً ایک صدی کی کوششوں کے بعد ملک میں انقلاب پیدا کر ہی دیا اور اپنی سلطنت قائم کر لی۔

اس اثنا میں صوفیائے کرام ہندوستان میں تشریف لائے ان میں قابل ذکر منصور حلاجؒ اور بابا ریحانؒ ہیں۔ منصور حلاجؒ دسویں صدی عیسوی میں سمندری راستے سے ہندوستان آئے اور بری راستوں سے شمالی ہند سے گذرتے ہوئے ترکستان واپس پہونچے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں بابا ریحانؒ بغداد سے بھڑونچ آئے اور ان کے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت تھی انہوں نے وہاں کے راجہ کو مسلمان کیا۔

تاریخی شہادتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ لاہور کے راجہ اجے پال اور امیر سبکتگیں کی پہلی جنگ ۳۸۰ھ مطابق ۹۹۰ء میں ہوئی تھی اور دوسری جنگ ۳۸۱ھ مطابق ۹۹۱ء میں ہوئی جس میں دریائے سندھ تک علاقہ امیر غزنہ کے زیر اقتدار آگیا۔ ۳۸۶ھ میں امیر سبکتگیں کے انتقال کے بعد یعنی ۹۹۶ء میں محمود نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ ہندوستان پر سلطان محمود غزنویؒ کے حملوں کی تعداد سترہ ہے۔ جو ۱۰۲۲ء تک جاری رہے۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں مرقوم ہے۔ کہ محمود نے منصورہ کی اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ محمود غزنویؒ ہندوستان کے ان سرکش راجاؤں کی سرکوبی کر رہا تھا جنہوں نے انند پال سے مل کر محمود غزنوی پر حملہ کیا تھا۔ ابن اثیر نے سلطان محمود غزنویؒ کے منصورہ (برہمن آباد)

پر حملہ کی تفصیل اس طرح قلم بند کی ہے۔

"اور سلطان نے منصورہ کا قصد کیا۔ یہاں کا والی اسلام سے پھر گیا تھا (یعنی اسماعلیہ عقیدہ کا پیرو تھا) جب اس کو سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو شہر سے نکل کر اپنے محافظین اور لشکریوں کے ساتھ قریب کے جنگل میں روپوش ہوگیا۔ سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا۔ اور دو طرف سے اس پر حملہ آور ہوا، اس میں بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب گئے ایک معمولی تعداد نے فرار ہو کر اپنی جان بچالی۔ پھر منصورہ کے حکمراں کو شکست دے کر سلطان بھاٹیہ ہوتا ہوا غزنہ چلا گیا، سلطان غزنہ (غزنی) میں ۱۰ صفر ۴۱۷ھ میں پہنچا۔"

محمود غزنوی نے امیر حنیف والیٔ منصورہ کی یہ سرکوبی سومنات کی مہم (۱۰۲۵ء سے ۱۰۲۶ء) سے واپسی کے موقع پر کی تھی یہ قابل غور ہے کہ اگر مسلم سلاطین چاہتے تو ہندوستان پر ان کی مستقل حکومت کا قیام ایسے وقت جبکہ وہ تمام سرکشوں کو زیر کر چکے تھے ناممکن نہیں تھا وہ اپنے دارالخلافہ سے اس کا الحاق بآسانی کر سکتے تھے لیکن سلطان محمود غزنوی کا ان حملوں سے صرف یہ مقصد تھا کہ ہندوؤں کی منتشر قوت کو ایک اجتماعی طاقت نہ بننے دیا جائے جو آئندہ کسی وقت بھی سرحدی اسلامی ممالک کے لئے خطرۂ عظیم بن سکتی تھی۔

ان حملوں کا ایک دوررس نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ آئندہ حملہ آوروں کے لئے راستہ ہموار ہوگیا اور جو مسلمان ہندوستان کے سرحدی یا ساحلی علاقوں پر آباد تھے اور ہر وقت ان ہندوستانی یورشوں سے تباہ حال، برباد اور بے خانماں ہوتے چلے آئے تھے، ان کی حالت میں ایک سکون اور ٹھہراؤ پیدا ہوگیا۔ لیکن ہندوستان کی ثقافت اور سماجیت پر سلاطین اسلام کے یہ حملے کوئی خاطر خواہ اثر نہ ڈال سکے، اور کفر و شرک کی جو ظلمت اس برصغیر پر چھائی ہوئی تھی وہ اسی طرح چھائی رہی۔ سومنات میں سلطان محمود کی بُت شکنی نے ہندوؤں کے مذہبی تعصب کی آگ کو اور مشتعل کر دیا، خلافت عباسیہ پر ضعف آچکا تھا ہندیوں کو اُس طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں تھا اور اس پر طرّہ یہ کہ سندھ کی اسلامی سلطنت مرکز خلافت سے کٹ چکی تھی چنانچہ وہ اس طرف سے بھی مطمئن تھے۔

ایسے وقت میں یہ صرف صوفیائے کرام ہی کے پاک قدموں کی برکت تھی کہ دیار ہند و پاک میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ بزرگان کرام و اولیاء عظام کی نظریں سرکار دو عالم فخر موجودات رحمت اللعالمین کے اس ارشاد گرامی پر مرکوز تھیں جو آپ نے حضرت امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"اے علیؓ! اگر تمہارے ذریعہ ایک انسان بھی ہدایت یاب ہو جائے تو یہ دُنیا وما فیہا سے افضل و بہتر ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتبۂ تبلیغ اسلام میں کس قدر بلند ہے اور مبلغ اسلام کے لئے کس قدر اجر عظیم ہے۔

چنانچہ ۳۹۵ھ ہجری میں حضرت سیدنا محمد اسمٰعیل بخاریؒ سرزمین ہند میں تشریف لائے بعد ازیں حضرت حسین زنجانیؒ و سیدنا مخدوم داتا گنج بخش علی ہجویریؒ جو غزنی کے باشندے تھے بہت سے بلاد اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے سرزمین ہند ۴۳۱ھ میں جلوہ افروز ہوئے اور ۴۶۵ھ میں لاہور میں واصل بحق ہوئے۔

بارہویں صدی عیسوی میں حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ تشریف لائے۔ یہ بزرگان دین مختلف مقامات پر اس لئے مامور کئے گئے تھے کہ کفر کی ضلالت میں نور اسلام کی شمع روشن کریں۔ بے شک ان بزرگان دین کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام پھیلا لیکن ان کا دائرہ عمل زیادہ تر سرحدی اور ساحلی علاقوں تک محدود رہا۔ اگرچہ مالابار اور دوسرے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی مستقل سکونت سے اسلام کے شیوع میں ضرور کچھ مدد ملی لیکن چونکہ یہ علاقے مستقل اسلامی سلطنت یا مرکز کی حیثیت نہیں رکھتے تھے اس لئے یہ اسلامی تبلیغ کا مرکزی نقطہ نہ بنے اس کے برخلاف سندھ و ملتان میں اسلامی حکومتیں قایم ہو چکی تھیں اس لئے یہاں علماء اور مشائخ کی آمد شروع ہوئی۔ علماء و مشائخ صرف عرب ہی سے نہیں بلکہ عجم و عراق سے بھی آنے لگے، سندھ کے شیخ ابو ترابؒ (متوفی ۱۷۱ھ) ان مشائخ میں قابل ذکر ہیں۔

ملتان کے صوبہ میں اسلامی ریاست اُچھ (ریاست بہاولپور) میں حضرت شیخ صفی الدینؒ گازرونی کا مزار اس صوبہ میں سب سے پہلی زیارت گاہ ہے، حضرت شیخ صفی الدین مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابو اسحاق گازرونیؒ کے خلیفہ تھے جو اپنی تبلیغی کوششوں کے لئے شہرہ آفاق ہیں شیخ صفی ۹۶۲ء میں پیدا ہوئے اور ۹۷۹ء میں اُچھ تشریف لائے اور تبلیغی خدمات انجام دے کر ۱۰۰۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔

شیخ اسماعیلؒ نے لاہور میں ۱۰۰۵ء میں تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہزاروں افراد ان کے وعظ سے متاثر ہو کر خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، امام حسن صنعانی اور سلطان سخی سرور جیسے بزرگوں کی مساعی بھی فراموش نہیں کی جا سکتی ہیں۔

ایک اور قابل ذکر ہستی شاہ یوسف گردیزیؒ ملتانی بغدادی کی ہے آپ بہرام شاہ غزنی (متوفی ۱۱۵۲ء) کے دور میں ۴۸۱ھ میں ملتان تشریف لائے۔

ان سب میں سرخیل صوفیائے متقدمین حضرت داتا گنج بخش کی ذات گرامی ہے۔ آپ کی ولادت (۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء) ہے۔ رائے راجو جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کی طرف سے اس وقت لاہور کا حاکم تھا آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کے اسلام لانے سے لاہور کے اکثر غیر مسلم اسلام لے آئے۔ داتا صاحب کا وصال ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) کے قریب ہوا۔ آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ لاہور غزنین کا چونکہ ماتحت صوبہ تھا اس لئے اسلامی سلطنت کا اس کو ایک حصہ سمجھا جاتا تھا، تبلیغی مشن لاہور سے آگے قدم نہیں بڑھاتا تھا۔ باقی ہندوستان ظلمت کدہ کفر و شرک بنا ہوا تھا۔ صرف ساحلی علاقے یعنی مالا بار مغربی ساحل پر اور اس کماری کے مشرق میں آباد ہونے والے نبتی آباد تھے، لنکا اور مالدیو کے مجمع الجزائر، ساحل گجرات، پر تبلیغی کوششوں سے جو لوگ مسلمان ہوئے اگرچہ ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ ہندوستان میں تبلیغ کا دور اول ہے۔ اور اس کو ہمہ گیر تحریک تبلیغ اسلام نہیں کہا جا سکتا۔

دور دوم یعنی توسیع و اشاعت کا سلسلہ حضرت خواجہ خواجگان چشت رضی اللہ سے شروع ہوتا ہے۔

بارھویں صدی عیسوی کے آخری حصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں مختلف بلاد اسلامی سے گذرتے ہوئے اور اکابر اولیاء سے ملاقات کرتے ہوئے مبلغ اعظم خواجہ معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ چالیس جاں نثاروں کی ایک قلیل جماعت کے ساتھ لاہور میں رونق افروز ہوئے اور حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر انوار پر دو ماہ تک معتکف رہے اس کے بعد کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرما کر اجمیر شریف میں تشریف لائے۔ سرکار غریب نوازؒ کے قدوم پاک راستہ میں جس جگہ پڑے اور جہاں بھی آپ قلیل یا طویل مدت کے لئے قیام پذیر ہوئے اس شمع رشد و ہدایت کے پروانے اس پر جوق در جوق نثار ہوئے۔

امن و امان کی فضا میں یا دار الاسلام میں تبلیغ کا کام جس قدر آسان ہے دار الکفر میں اسی قدر مشکل و دشوار ہے، غور فرمائیے کہ محمود غزنوی سے شکست کھانے اور سومنات کے عظیم بت کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد ہند و دنیا پر کیا کچھ گذری ہوگی، ان کی منتشر طاقتیں جمع ہو رہی تھیں، لاہور کی چھوٹی سی اسلامی حکومت دنیا کی نگاہوں میں کھٹک رہی تھی، اس وقت لاہور سے قدم آگے بڑھا کر قلب کفر کو اپنا مستقر بنانا بڑے دل گردے کا کام تھا، اور یہ کام وہی اہم شخصیت انجام دے سکتی تھی جو جہاد اکبر پر گامزن تھی:۔

ابو الفضل اکبر نامہ جلد دوم میں آپ کی ان مساعی کے سلسلہ میں رقمطراز ہے:۔

"الحق خواجہ از ارباب ریاضت و مجاہدہ بودند۔ و با نفس ایشاں را مجاہدات عظیم روی دادہ بود اگرچہ خوارق عادات از ایشاں بسیار منقول است۔ امّا کدام خارقِ عادت روشن تر از مخالفتِ خواہش این نفس بوالفضول خواہد بود۔"

اسی طرح رسالہ احوال پیران چشت میں درج ہے کہ:۔

"نظر شیخ معین الدینؒ بر ہر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے باز گرد معصیت نگشتے۔"

اس سے بڑھ کر کیا جوانمردی اور اولوالعزمی ہوسکتی ہے کہ آپ اپنے وطن مالوف سے سینکڑوں میل ظلمت کدہ ہند میں اور وہ بھی رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) جیسے جابر و سرکش کے پایۂ تخت اجمیر شریف میں اقامت پذیر ہوئے۔ اجمیر شریف میں اس وقت حالات لاہور اور لودھی علاقوں کی مسلمان بستیوں سے بالکل مختلف تھے۔

وسطی ہندوستان ہندو حکمرانوں کے زیر اثر قرنوں سے چلا آرہا تھا، ان کا تمدن و معاشرت اسلامی تمدن و معاشرت سے بالکل مختلف اور جداگانہ تھا۔ اس معاشرہ کا صحیح نقشہ البیرونی نے کتاب الہند میں تفصیل سے پیش کیا ہے، اس ظلمت کدہ میں اب تک کوئی کرن نورِ اسلام کی طلوع نہیں ہوئی تھی یہ شرف قدرت نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے لئے مخصوص فرما دیا تھا کہ چھٹی صدی ہجری میں دیارِ کفر میں اسلام کی شمع تاباں آپ کے ہاتھ سے روشن ہو۔

مولوی عبدالحلیم شررؔ نے حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کا نقشہ کیا ہی خوب انداز میں کھینچا ہے۔

"چھٹی صدی ہجری کا درمیانی زمانہ ہندوستان میں نہیں بلکہ ساری دنیائے اسلام میں نہایت پرشور اور طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں کا تھا۔ ہندوستان میں دولت غزنویہ کا خاتمہ ہو رہا تھا اور محمود غزنوی کے کارناموں کا دفتر تہہ کیا جا رہا تھا اور خاندان غوریہ کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ جبکہ ۵۴۳ھ میں خاندان غزنوی کے آخری چشم و چراغ بہرام شاہ کو تاج و تخت نے رخصت کر کے علاقہ غور کے نو دولت حکمراں حسین بن حسن الملقب بہ علاؤ الدین کو اپنے آغوش میں لے لیا تھا۔ جس کے عہد میں اُس کے بھتیجے شہاب الدین کی کوششوں سے لاہور دولت کا پایۂ تخت قرار پایا۔ اور پُرانا شہر غزنی چند انقلابوں کے بعد بہت بری طرح تباہ و برباد ہو گیا۔"

البیرونی ان الفاظ میں ہندوستان کی حالت بیان کرتا ہے:۔

"ہندؤوں میں بکثرت ذاتیں ہیں، ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جدا گانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندؤوں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے"

الغرض آپ کی تشریف آوری کے وقت دیار ہند کی سماجی حالات ناگفتہ بہ تھی تخالف کی حالت میں تفہیم اور تعارض کی حالت میں تطابق یہاں کے ذہنی مزاج کی عام خصوصیت تھی۔ اس طرح آپ کو نامساعد و ناسازگار حالات اور بے حوصلہ شکن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری نور اللہ مرقدہٗ نے اجمیر شریف میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنی تمام تر توجہ اپنے مقصد حیات یعنی فروغ اسلام کی طرف مرکوز کر دی۔ اس سے پہلے کہ ہم یہ بیان کریں کہ آپ کی مساعی جمیلہ سے کیا دُور رَس نتائج نکلے ہم ہندوستان کی مذہبی، سماجی اور تمدنی حالت پر اجمالاً نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔

زمانۂ قدیم سے ہندوستان کی سرزمین نظریاتی تصادم کا گہوارہ رہی ہے، آریوں سے قبل کے نظریہ پرستش کو برہمنی نظریۂ پرستش سے متصادم ہونا پڑا، اور اُس نظریہ کو جین مت کے اور اُسے بدھ مت کے نظریہ سے ٹکرانا پڑا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان مختلف نظریات کے تصادم نے جہاں زبردست خون خرابہ کی صورت اختیار کی، سمجھوتہ کی راہ بھی نکال لی گئی اور تاریخ شاہد ہے کہ خود برہمن جنیو کو زنار باندھنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اور گوتم اس صورت حال کو برداشت کرنے میں عار نہیں سمجھتے۔ اس نظریاتی افراط و تفریط سے ہندوستان کے باشندوں کی حالت دن بدن رو بہ زوال ہوتی چلی گئی۔ اور یہاں تک کہ جب سرکار غریب نوازؒ نے برصغیر ہند کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا اس وقت یہاں کے باشندے جیسے بھی نظریات زندگی اُنھیں ورثہ میں ملے تھے ان پر اوہام کا تانا بانا بننے میں مصروف تھے اور ان کی تہذیب قوانین منو، کے گرد گھومتی تھی جس میں برہمن ہی سب کچھ تھا۔ عوام الناس اس طرح زندگی بسر کر رہے تھے گویا ان کا کوئی خدا ہی نہیں۔ ایک طرف سیاسی انتشار و ابتری و رواج پرستی دوسری طرف ہندو قوم خود اپنی تہذیب کے عفریت سے پامال تھی۔ ہر تازہ وہم ان کے لئے تازہ ترین معبود کی حیثیت رکھتا تھا اور ان بتوں سے ایسی روایتیں اور کرشمے منسوب تھے کہ انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتے اس سے بڑھ کر ستم ظریفی کیا ہو سکتی ہے کہ ۵۵۵ھ میں دکن کے ایک پنڈت نے شیو مت میں مخرب الاخلاق "لنگ کو" اصل عبادت قرار دیا اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسانیت کی کلاہ دن بدن مدہم ہوتی جا رہی تھی ہر سو شیطان کی کارفرمائی تھی۔

مختصر یہ کہ حضرت خواجۂ غریب نواز نے مہیب تاریکی کے مرکز اجمیر میں قندیل حق و صداقت روشن کر دی جس کی نوریں شعاعوں نے دشت و دمن منور کر دیئے۔ سرکار غریب نواز کا کام سب سے

کٹھن تھا۔ کیونکہ آپ کو ہزاروں سال پرانے نظریات، اوہام اور مذہبی پاکھنڈ سے نبرد آزما ہونا پڑا آپ کا مقصد مسلمانوں کی حکومت کا قیام نہیں تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سلاطین غور کے کے بعد آپ اپنے وطن مالوف واپس تشریف لے جاتے یا خاموشی اختیار فرما لیتے۔ لیکن آپ کا اصل مقصد یہ تھا کہ ملوکیت کے اثرت آزاد و بے نیاز رہ کر اس سرزمین پر بسنے والے مشرکین کو اس نظریۂ حیات سے آشنا کیا جائے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ اور اس تعلیم کو پیش کرنے کے لئے بہترین ذریعہ وہ مسلک ہی ہو سکتا تھا جس پر آپ گامزن تھے یعنی تصوف جو صلح و آشتی، رواداری، محبت و مساوات کی عملی تعبیر اس پر مشتمل تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب سرکار غریب نواز سرزمین ہند میں تشریف لائے آپ کے ہمراہ سوائے چالیس جاں نثاروں کے کوئی فوج نہیں تھی نہ کسی سلطانِ وقت کی اعانت و امداد آپ کو حاصل تھی آپ نے اپنے کردار و عمل سے لوگوں کے قلوب مسخر کر لئے اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا اجمیر کو مرکز بنایا اور آپ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں ہندوستان کے اطراف و اکناف میں اپنے خلفا و مریدین کو بغرض تبلیغ اسلام روانہ کیا۔ آپ کے تبلیغی کارنامے ہندوستان میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی رحلت کے بعد بھی تبلیغ کا یہ سلسلہ مدتوں جاری و ساری رہا، آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے اس عظیم خدمت کو بطریق احسن انجام دیا۔ آپ کے وابستگان دامن سے جنہوں نے تبلیغی مساعی میں اہم کردار ادا کیا ان میں سے چند اکابر اولیاء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خواجہ علیہ الرحمۃ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ اوش میں ۵۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے دہلی میں قیام فرما کر تبلیغ دین کا فریضہ ادا فرمایا اور ۶۳۳ھ میں یہیں واصل بحق ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش آپ کا مرید تھا۔ دلی کے ہزاروں غیر مسلم آپ کی بدولت سرمایہ ایمان سے مالا مال ہوئے۔

۲۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی فرائض انجام دیئے۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبۂ کھوت وال (جو پاک پٹن اور دیپالپور ضلع ملتان کے درمیان واقع ہے) ہوئی۔ آجکل یہ قصبہ مشائخ کی چاولی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی وفات ۶۷۰ھ میں ہوئی۔ سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن کو آپ سے بڑی ارادت تھی۔

ہر چند کہ سلاطین وقت ان مشائخ کرام کے معتقد و حلقہ بگوش ہوتے تھے لیکن یہ حضرات ہمیشہ سلاطین کی امداد و اعانت سے بے نیاز رہے اس کی ایک ادنیٰ مثال درج ذیل ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے ایک شخص نے سلطان غیاث الدین بلبن کے لئے سفارش نامہ کے لئے درخواست کی۔ اس سفارش نامہ کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

"میں نے حامل رقعہ کی حاجت پہلے تو اس احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش کر دی ہے جس نے آپ کو بادشاہ بنایا ہے، اس بادشاہی کے لحاظ سے اللہ تعالےٰ کی بعد اس کی خواہش کا اظہار آپ سے بھی کیا جاتا ہے اگر آپ اس کی ضرورت کو پورا کریں گے تو حاجت بر لانے والا اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے تاہم حامل رقعہ آپ کا بھی ممنون ہوگا اور اگر آپ اس کی حاجت بر نہ لائیں گے تو اس ناکامی کو بھی اللہ تعالےٰ کی مشیت پر محمول سمجھتے ہوئے آپ کو معذور سمجھا جائے گا"۔ (حیات گنج شکر)

حضرت گنج شکر کے بعد حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء (۶۳۶ھ-۷۲۵ھ) اور آپ کے بعد آپ کے اعظم خلفاء میں سے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (المتوفی ۷۵۷ھ) نے اشاعت دین کی زبردست خدمات انجام دیں اور نہ صرف شمالی ہندوستان بلکہ اطراف و اکناف ہند میں اپنے خلفاء کو اشاعتِ دین کی اہم خدمات پر مامور فرمایا۔

چنانچہ سرزمین دکن میں آپ کے خلیفہ حضرت مخدوم ابو الفتح سید محمد گیسو درازؒ نے تبلیغی کوششوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور آپ کے دم قدم سے دکن کی سرزمین میں دین اسلام کی خوب آبیاری ہوئی۔ آپ کی یہ تبلیغی مساعی صرف قدمے، نفسے ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اور مواعظ سے بھی اس مہم کو خوب سر کیا، سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں ۸۲۵ھ میں گلبرگہ میں آپ کا وصال ہوا، آپ کا مزار آج بھی مرجع خلایق ہے۔

تبلیغ دین کا یہ کام یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ یہ مہم چشتیہ سلسلہ میں بعد میں بھی جاری و ساری رہی، دلی میں شاہ کلیم اللہؒ جہاں آبادی نے محمد شاہ اور فرخ سیر کے پر آشوب دور میں بھی اس کو جاری رکھا اور اسی طرح آپ کے خلفاء نے دوسرے صوبوں میں سرگرمی کے ساتھ یہ خدمات انجام دیں۔

دنیائے اسلام کو آج بھی اس کا اعتراف ہے کہ تمام عالم میں عموماً اور اس برصغیر پاک ہند میں خصوصاً مشائخ چشتؒ نے جو تبلیغی خدمات انجام دیں وہ آپ اپنی نظیر ہیں، اس ظلمت کدہ کفر وطغیان میں نور ایمان کی یہ ضیا باریاں انہی انفاس قدسیہ کا فیضان ہے اور آج بھی نظامی اور صابری سلسلے کہ ان دونوں کی اصل چشتیہ ہے پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ افغانستان، مصر، سوڈان، مراکش، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید میں سرگرم عمل ہیں خصوصاً تاریک براعظم یعنی افریقہ میں بہت کچھ کام اس سلسلہ میں ہوا ہے۔

صوفیائے کرام پر بے عملی کا الزام یا تو عدم واقفیت پر مبنی ہے یا پھر دیدہ و دانستہ بہتان طرازی پر مشتمل ہے جبکہ اس برصغیر میں نہ صرف سلسلہ چشتیہ کو یہ شرف تبلیغ حاصل ہے بلکہ سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ سلسلہ کے اکابرین نے بھی ہمہ وقت اور بہر حال اس مقصدِ عظیم کو پیشِ نظر رکھا کہ زیادہ

سے زیادہ بندگانِ خدا کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر لگا دیں، بنگال، کشمیر، وسطی ہند اور مہاراشٹر کے علاقوں میں ان سلاسل کے شیوخ اور اکابرین نے بہت کچھ تبلیغی کام انجام دیا لیکن نظریاتی اسلاف نے اِن حضرات کی ایسی گرانقدر مساعی کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

اس ملک کے مورخین زیادہ تر غیر مسلم تھے وہ اپنی اس دکھتی رگ کو کس طرح پکڑتے نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے نوجوان طبقہ کو اِن کارناموں سے قطعی طور سے آگاہی حاصل نہ ہو سکی۔ آج سے پندرہ بیس سال پہلے اس سلسلہ میں کچھ کام ہوا لیکن وہ بھی اس عام بیزاری کے باعث جو اس مقدس گروہ سے کسی مقصد کے تحت پیدا کرادی گئی تھی، پردۂ خِفا میں رہا، خود ان اکابرین تصوف نے جو کچھ رشحاتِ فکر و قلم بطور یادگار چھوڑے اِس عہد کی زبان میں نہ تھے - لہٰذا ان کی تشریحات و توضیحات کی رسائی بھی عام اذہان تک نہ ہو سکی اور وہ الزام اسی طرح موجود رہا۔

اسی کے ساتھ ساتھ اربابِ تصوف کے بنیادی نظریہ (وحدت الوجود) کی ایسی عجیب و غریب تاویلات و توجیہات پیش کی گئیں کہ ان حضرات کو الحاد و زندقہ کا کوچہ گرد ثابت کیا گیا اور ان کے فرمودات کو شرع و آئینِ اسلام سے اس قدر متضاد و مخالف ظاہر کیا کہ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی بیدینی و گمرہی کا مترادف سمجھا گیا۔

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، ان تمام مذکورہ سلاسل کے اکابرین اس برصغیر میں جس مقصد کے لئے تشریف لائے اس کی تکمیل کے لئے وہ شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ پھیل گئے، خانقاہیں قایم کیں ذکر و ورد کے حلقے شروع ہوئے، مقامی زبانیں سیکھیں اور خالص انسانی ہمدردی کے جذبات سے تالیفِ قلوب شروع کی، دوسروں کے شریکِ غم ہوئے ان کی ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا، نتیجہ ظاہر ہے کہ نفوس اور گریزپا طبائع ان کی گرویدہ ہوئیں اور ان کی محفلوں میں شرکت کو لازمی قرار دیا۔ اسلام کی اعلیٰ اور پاکیزہ تعلیم کو قریب سے سمجھا اور عملی نمونہ دیکھا اور تھوڑی مدت میں یہی باغی اِن بزرگوں کا دم بھرنے لگے۔

اِن عارفینِ اسلام نے فلسفۂ اسلام و تصوف سے فاضل برہمنوں کو اسلام کی حقانیت سے متاثر کیا، ان کے دل جیت لئے اپنے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار، انسان دوستی اور شرافتِ نفس سے عوام کے قلوب مسخر کر لئے اور اپنی روحانی قوت سے جویانِ حق اور تشنگانِ معرفت کی پیاس بجھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد اس وسعتِ فکر و نظر کے آثار ظہور میں آگئے!

اسلامی تصوف کے جو انقلابی اثرات ہندو مذہب پر مرتب ہوئے اور ان کے اخلاق میں جو بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کے متعلق ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں :-

"عشق و محبت (بھگتی) کا پہلو بالخصوص سامی مذاہب میں پایا جاتا ہے، اسلام کے اثرات قبول کرنے سے پہلے ہندوستان میں جو مذہب موجود تھا اس میں کرم مارگ

(عمل) ہندو عوام کا مذہب تھا اور گیان مارگ (علم کا نظریہ) مہذب اور تعلیم یافتہ ہندوؤں کا۔

بھگتی مارگ (خدا پرستی) کا ہندو مذہب میں ذکر تو ہے مگر قدیم زمانہ سے نہ تو مذہبی کتب میں اس کو کوئی اہمیت دی گئی اور نہ خود ہندوؤں نے اس کو اختیار کیا۔"

ڈاکٹر تارا چند نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا، بھگتی مارگ ہندو مذہب میں پروان ہی کیسے چڑھ سکتا تھا جبکہ ہندو مذہب کا فلسفہ واجب الوجود (خدا) کو عالم سے منزّہ اور بے تعلق وجود قرار دیتا ہے، جب یہ بے تعلقی عقیدہ میں داخل ہو جائے تو پھر خدا کی بھگتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صرف ہندو مذہب ہی پر موقوف نہیں بلکہ ایسے تمام مذاہب اور فرقوں میں جہاں خداوند عالم سے کوئی تعلق نہیں، انسانی قلوب ذوق عبودیت اور معبود حقیقی کے عشق و محبت کی لذت سے، محروم ہوتے ہیں، صوفیائے کرام کے نظریہ عشق الٰہی نے ان کے تبلیغی کام کو بہت جلد کامیابی کے راستہ پر ڈال دیا، چنانچہ محبت سے محروم انسانی دل بہت جلد اسیر دام ہو گئے، اور عشق الٰہی کی شراب نے ان کو بہت جلد سرمست و بیخود بنا دیا! اس برصغیر میں تبلیغ کی کامیابی کے لئے اس سے بہتر اور کوئی راستہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

صوفیائے کرام کے نظریہ الوہیت یا عقیدہ وحدت وجود خداوند عالم کی تنزیہی اور تشبیہی دونوں صفات کا جامع ہے یعنی جلالی اور جمالی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے اور اللہ تعالیٰ بہ تمام لطف و کرم کائنات میں خود ظاہر ہے، اس لئے انسان ہر حال میں اس کے لطف و کرم کا منتظر اور دست نگر ہے، اس شان ظہور نے جو شدت ظہور کے باعث عین خفا بن گئی ہے آتش محبت کو بھڑکا دیا!!

بے حجابی میں بھی نکلیں ان کی پردہ داریاں
شمس وہ اتنے نمایاں ہیں کہ پنہاں ہو گئے

صوفیائے کرام کی طاعت و بندگی میں یہ شدت عشق و محبت ہر آن نمایاں اور ان کے جذبۂ سرمدی کی آئینہ دار تھی، اہل ہند نے ایسی طاعت و بندگی (بھگتی) اور سرشاری و سرمستی کبھی مشاہدہ نہیں کی تھی، ان کی روح تشنہ تھی، اسلام نے اس حقیقی اور بنیادی پہلو کی سیرابی سے جس سے ہندو مذہب کی تاریخ عاری ہے ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا جس سے اس کی کایا ہی پلٹ گئی اور ہندو عوام و خواص میں ایک ہیجان محبت پیدا ہو گیا اور ہندو جوق در جوق ان بزرگوں کے دام ارادت میں اسیر ہونے لگے لیکن جن دلوں میں دلیری اور صداقت پرستی کے اعلان کی جرأت کا فقدان تھا وہ اسلامی تصوف کے حلقہ بگوش تو نہیں ہوئے لیکن اس سے متاثر ضرور ہوئے اور اس تاثر کی بنا پر انہوں نے بھگتی کو مذہب کا ایک یقینی اور ضروری عنصر تسلیم کر لیا اور کفر و اسلام کی قید کو غیر ضروری سمجھ کر توحید اور عشق الٰہی کو بنیاد قرار دے دیا اور اس پر ایک نئے مذہب کی بنیاد

رکھی۔ اور اس کو بھگتی مت کا نام دیا گیا، ہندوستان میں بھگتی کی تحریک کا آغاز انہی صوفیائے کرام کا رہین منت ہے۔ انصاف شرط ہے کہ اس بھگتی تحریک نے صوفیائے کرام کے تبلیغی مشن کو کس قدر عظیم فائدہ پہنچایا اور ہندو اسلام کی آغوش سے کس قدر قریب آگئے۔ بھگتی تحریک کی تاریخ میں گرو رامانند، بھگت دادو، بھگت نام دیو اور بھگت تکا رام کے نام ناقابل فراموش ہیں، ان کی تحریک ایک کامیاب تحریک تھی اور بہت جلد ان کے حلقہ ان کے مریدوں (چیلوں) کی کثرت سے، ایک مستقل اور مضبوط مسلک کی صورت میں یاد کئے جانے لگے۔

لیکن کچھ تو ماحول کے اثرات اور کچھ اصنام پرستی پر مزاولت کے باعث ان بھگتوں کے بعض چیلے خالص عشق الٰہی کی منزل پر اپنے گرو کا ساتھ نہ دے سکے اور انہوں نے عشق الٰہی کے اسلامی عناصر کے ساتھ ہندو صنم پرستی کو بھی شامل کر لیا، انہوں نے عشق الٰہی کے اسلامی عناصر کے ان پہلوؤں پر غور و فکر سے کام نہیں لیا جو دوئی کی زنگ دل سے دور کر دیتے ہیں اور توحید مطلق کے سوا غیر کا دخل اس میں باقی نہیں رہتا انہوں نے رام اور کرشن کی بھگتی کو عشق الٰہی سمجھ لیا یا عوام کی بغاوت سے بچنے کے لئے قدیم ہندو مذہب کی بنیادوں پر تیشہ نہیں چلایا، حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پیشرؤں یا اپنے گروؤں کی بھگتی کو بالکل مسخ کر دیا اور اس طرح انہوں نے ہندو مذہب کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور اس کی ایک عظیم خدمت انجام دی۔

ہندو مذہب کی پیشانی پر یہ داغ موجود تھا کہ اس مذہب میں نظریہ خدا پرستی اور عشق الٰہی موجود نہیں انہوں نے رام اور کرشن کو خدا کا اوتار تسلیم کر کے ان کی محبت اور ان کے عشق کے راگ الاپنا شروع کر دیئے اس طرح انہوں نے ہندو مذہب کی پیشانی سے یہ داغ مٹانے کی کوشش کی۔ ان کی یہ تدبیر ضرور کارگر ہوئی اور ان کی اس تحریک سے اسلامی تبلیغ کی رو کچھ سست پڑ گئی۔ اس تحریک کے علمبرداروں میں بھگت رامانند کے چیلے بھگت تلسی داس، بھگت سور داس اور بنگال کے مشہور بھگت چیتنیا [illegible] شامل ہیں۔

یہی نظریہ بھگتی تھا جس کے تحت عظیم مفکر ہندو رامانج نے شنکر آچاریہ کے فلسفۂ ویدانت کو رد کر کے عالم کو حقیقی ثابت کیا اگر وہ عالم کو دھوکا یا مایا تسلیم کر لیتے اور عالم سے خدا کا تعلق تسلیم نہ کرتے تو نظریہ بھگتی کس طرح پروان چڑھ سکتا تھا چنانچہ انہوں نے شنکر آچاریہ کے نرگن (بے صفات) خدا کو تسلیم نہیں کیا اور بھگتی یعنی عشق الٰہی اور گرو بھگتی یعنی تصور شیخ کی مثالی صورت کو رواج دیا۔

اس طرح رامانج نے ذات پات کی تفریق (جس میں ہندو صدیوں سے جکڑے ہوئے تھے) دور کر کے بھگتی (عبادت) کے دروازے ان تمام افراد پر کھول دیئے جو آج تک برہمنوں کے ہاتھوں اس شرف سے محروم تھے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر رامانج نے صرف خدا ہی کی محبت نہیں بلکہ "انسان سے انسان کی محبت" کی بھی تعلیم دی۔

ہندو مذہب کے عظیم مورخ اور نقاد ڈاکٹر تارا چند اس سلسلہ میں یہ اعتراف کرتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ بہت سے اسلامی عناصر ہندو مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔

رامانج کے زمانہ میں مسلمان ساحل کارومنڈل پر بس گئے تھے اور اس وقت ناتھرولی (ناصرولی یا نطہرولی) جیسے اولیاء اللہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف تھے اور بے شمار ہندو داخل اسلام ہو رہے تھے۔ ہندو راجے مثل کنوپانڈ وغیرہ مسجدوں کے لئے اراضی وقف کر رہے تھے۔ بھگتی یا عبادت کا طریقہ اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے، تاریخی طور پر یہ بات تسلیم کر لینے میں کوئی ایسی مشکل حائل نہیں ہوتی کہ رامانج نے اس کو (یعنی بھگتی کو) اسلام سے مستعار لیا۔"

(ڈاکٹر تاراچند)

رامانج کے زمانہ میں جنوبی ہند میں اور بھی چند ایسے فرقے پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے بھگتی کو اپنایا اور اپنے مشرکانہ ہندو مذہب میں اسلامی نظریات اور اصول کو سمویا، رامانج کے مسلک نے بہت جلد ترقی کر لی تھی اور ان کے مقلد اور جانشین جنوبی ہند کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں اس نظریہ کی اشاعت کے لئے پھیل گئے تھے، رامانج کے مشہور متبعین اور مقلدین میں رامانند نامی ایک شخصیت تھی، جس کا تعلق شمالی ہندوستان (الہ آباد) سے تھا یہ اولاً ایک ایسے گرو کا پیرو تھا جو دین موحدین کے مسلک کا متبع ایک ویدانتی تھا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ راگھونند کا حلقہ بگوش ہو گیا جو رامانج کے مدرسہ فکر کا متبع تھا، رامانند نے چودھویں صدی عیسوی میں رامانج کے مسلک میں مزید اسلامی عناصر داخل کئے اور اس ترمیم شدہ مسلک کو بہت زیادہ رواج دیا، راما . . کی یہ ترمیم ان صوفیاء کرام کا فیض صحبت تھا جن سے بنارس میں اس کو شرف ملاقات حاصل ہوا تھا، رامانند نے اس نظریہ کو ترمیم کے بعد رامانج کے مقابلہ میں اسلام سے بہت زیادہ قریب کر دیا تھا، اس نے بھی اپنے گرو کی طرح بھگتی کی تعلیم کو بلا امتیاز ذات اور مذہب تمام لوگوں میں پھیلایا۔

ران . . کے مریدوں میں تلسی داس (۱۵۳۲ء) اور کبیر داس (۱۴۴۰ء) نے خاص شہرت حاصل کی، کبیر داس کو تو صوفیائے کرام سے بہت کچھ استفادہ کا موقع ملا وہ مانک پور میں مشہور بزرگ شیخ تقی کی خدمت میں مدتوں تک رہے اسی طرح جونپور کے شیوخ سے بھی انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ کبیر داس کی تعلیمات میں اور تصوف کے بنیادی اصولوں میں یگانگت اسی فیضان کا نتیجہ ہے۔ بھگت کبیر داس کا کلام ان کے عقائد کا آئینہ دار ہے انکے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ، وحضرت مولانا رومؒ اور شیخ سعدیؒ سے کس قدر متاثر ہیں بھگت کبیر کے متبعین کبیر پنتھی کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں اس مسلک کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

دوسرے سلسلہ کی نمائندگی بھگت تلسی داس اور بھگت سورداس نے کی لیکن یہ بھگت کبیر کے سلسلہ سے قدرے مختلف نظریات کا حامل سلسلہ ہے یہ دونوں رامانند کے مدرسہ فکر کے نمائندے تھے انہوں نے اسلام سے نظریہ عبادت اور دوسری اہم خصوصیات مستعار لیکر ہندو مذہب میں سمو دیں اور اس کی صورت وہی قایم

رکھی یعنی تلسی داس نے "رام بھگتی" کی ابتدا کی اور نظریہ عبادت کو صنم پرستی سے ملوث کر دیا۔ راماین ان کی ایک منظوم تصنیف ہے اور آج بھی ہندوؤں میں مذہبی کتاب کا درجہ رکھتی ہے، سورداس نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا گویا وہ تلسی داس ہی کے راستہ پر چلے ہیں۔

چودھویں صدی عیسوی میں صوبہ پنجاب میں مسلمانوں کی حکومت نسبتاً زیادہ مستحکم تھی، اسوقت سرزمین پنجاب صوفیائے کرام کے مقدس انفاس سے معمور تھی، شیخ علاء الحقؒ (المتوفی ۷۶۲ھ) شیخ جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ (المتوفی ۷۸۵ھ) اور حضرت اسماعیل بخاریؒ کے فیوض و برکات کا گھر گھر چرچا تھا، صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگی اور تقویٰ سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ان حضرات کے اثرات صحبت اور پاکیزہ تعلیمات سے غیر مسلموں کے دل و دماغ بھی اثر پذیری سے محروم نہ رہے، اور بھگتی تحریک کی مزید تصریحات و تشریحات کے امکان پیدا ہو گئے!

پنجاب میں نظریۂ توحید کے زبردست محرک بابا نانکؒ یا گرونانک ہیں جن کا تعلق آٹھویں صدی ہجری سے ہے، انہوں نے تیس سال کی عمر میں اپنی متاہل زندگی کو خیر باد کہہ کر فقیرانہ وضع اختیار کر کے صحرانوردی اختیار کر لی، ان کے ساتھ ان کے دو مشہور رفیق یا ان کے ہم خیال مردانہ نے نواز (جو تلونڈی کا ایک مسلمان میراثی تھا) اور بھائی بالا تھے گرونانک کی تعلیمات بھائی بالا کی زبان ہی سے زیادہ تر محفوظ کی گئی ہیں، گرونانک صوفیائے کرام سے کس قدر متاثر تھے اس کی وضاحت ڈاکٹر تاراچند کی حسب ذیل تصریح سے ہوتی ہے۔ (الف) "نہ صرف ہندوستان بلکہ سیلون، ایران اور عرب کے مشہور مقامات کی زیارت اور وہاں کے بزرگوں سے اکتساب فیض کرنا ہی نانک کی زندگی کے آخری چالیس سال کا ایک اہم جزو رہا ہے۔" (ب) "شیخ شرف پانی پتی (یعنی حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی المتوفی ۷۲۴ھ) اور بابا فرید گنج شکرؒ کے خلیفہ شیخ ابراہیمؒ اور ملتان کے بہت سے بزرگوں سے گرونانک کی طویل ملاقاتیں رہیں۔" (ج) "گرونانک پر اسلام کا جو قرضہ (اثر) ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ ان کے الفاظ اور خیالات سے یہ پوری طرح ظاہر ہے کہ وہ کلیتہً علم تصوف میں مستغرق ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ہندوؤں کی مقدس کتب سے انہوں نے کیا اخذ کیا ہے"؟۔ (د) "یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ گرونانک نے پیغمبر اسلام کو اپنے لئے نمونہ بنایا اور اس لئے ان کی تعلیمات لازمی طور پر اس حقیقت کے رنگ سے رنگی ہوئی ہیں۔"

(تاراچند۔ انفلوئینس آف اسلام آن ہندو کلچر)

ڈاکٹر تاراچند کی اس صراحت کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ باباگرونانک کے سلسلہ میں مزید شواہد اس امر کے پیش کئے جائیں کہ وہ اسلام سے کس قدر قریب تھے اور انہوں نے کن خیالات کو اپنے متبعین کے لئے چھوڑا ہوگا، بابا نانک بت پرستی سے بیزار ہی نہ تھے بلکہ وہ بت پرستوں پر تمسخر کیا کرتے تھے۔

ان کے کلام (گرنتھ صاحب) میں جگہ جگہ ایسے خیالات ملتے ہیں جو خالص اسلامی ہیں، ان کے دوہوں میں نعت نبوی موجود ہے کہیں وہ قرآن مجید کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسے اقوال جنم ساکھی اور بھائی بالا میں بکثرت موجود ہیں۔

[illegible] تاریخ پیدائش ۱۴۶۹ء۔ آپ مہتہ کالو چند کھتری کے گھر پیدا ہوئے بمقام تلونڈی۔

ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول ؐ   نانک قدرت دیکھ کے خودی گئو سب بھول
(یعنی میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے کئی انبیا ء پیدا ہوتے دیکھے۔ نانک خدا کی یہ قدرت دیکھ کر اپنی خودی بھول گیا)

تِرے حروف قرآن دِے تیس سپارے گِن   لِس وِچ کی نصیحتاں سُن سُن کر ویقین
(یعنی قرآن تین حروف سے مشتق ہے اور اس کے تیس پاروں میں نصیحتیں ہیں، انکو سنو اور ان پر عمل کرو)

بہرحال بھگت رامانُج، بھگت رامانند، بھگت کبیر داس اور گرونانک جو ہندوستان میں اپنے اپنے وقت پر ایک انقلابی مذہبی تحریک کے بانی ہوئے وہ صوفیائے کرام سے جس قدر متاثر اور ان سے جس قدر قریب تھے اس کے بارے میں ہم پچھلے اوراق میں لکھ چکے ہیں یہاں اس ضمن میں عصر حاضر کے ایک محقق "پروفیسر خلیق نظامی" کا ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں :۔

" ان آزاد صوبائی حکومتوں کے کارناموں سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان حکومتوں کے وجود میں آنے سے قبل چشتیہ سلسلہ کے مشائخ نے ان علاقوں میں ایک زبردست تمدنی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ شاید یہ حکومتیں کبھی وجود میں نہ آسکتیں اگر اولیا ءکرام ان علاقوں میں بس کر مختلف تمدنی عناصر کو ہم آہنگ کرنیکی کوشش نہ کرتے۔ بنگال، گجرات، مالوہ، دکن وغیرہ میں جو آزاد سلطنتیں قایم ہوئیں ان کے پیچھے ایک مضبوط معاشرہ نظر آتا ہے، یہ معاشرہ کس طرح وجود میں آیا؟ اگر تاریخ کے اشاروں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ یہ سماجی نظام مشائخ چشت کی کوششوں کا مرہون منت ہے، انھوں نے اِن علاقوں میں بسنے والے مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں میں اتحاد عمل اور اتحاد فکر پیدا کیا اور ان منتشر طبقوں کو ایک ایسے سماجی رنگ سے رنگ دیا جس نے ایک مضبوط معاشرہ کی شکل اختیار کرلی۔

ان بزرگوں کی خانقاہوں میں ہندو اور مسلمان سب ہی جمع ہوتے تھے ان مشائخ نے اختلافات کے پردے ہٹا کر ان میں ہم دلی اور ہم زبانی پیدا کی اور ایسا عمدہ سماجی ماحول پیدا کر دیا کہ ہر صوبے کا سماجی نظام اپنے مضبوط معاشرہ کو ایک مضبوط سیاسی نظام کی شکل میں ظاہر کرسکا۔"

اس اختلاط باہمی، رواداری اور انسان دوستی کا، نتیجہ یہ ہوا کہ صوفیائے کرام کا طریقہ ذکر و ورد ایک ایسا طریقہ بن گیا جس پر ہر شخص عمل کرنا اپنے لئے خوش بختی کا موجب سمجھتا تھا۔ بھگت کبیر داس کے طریق بھگتی نے اس قدر قبول عام حاصل کیا کہ ان کے چیلے اطراف وجوانب میں بھگتی کی تحریک کو عام کرنے کے لئے پھیل گئے، بھگت کبیر داس کے علاوہ گرو رامانند کے بارہ مشہور شاگرد ایسے تھے جنہوں نے رامانند کی بھگتی کی تحریک کو ہندوستان میں پھیلایا ان چیلوں میں دھنّا، پیپا، سائیں اور ریداس نے بہت شہرت حاصل کی، ان چیلوں کے مذہبی نغمے آج بھی گرنتھ صاحب اور آدی گرنتھ صاحب میں موجود ہیں۔

اسلامی تصوف سے متاثر ہو کر بھگت کبیر داس کے ہم خیال بہت سے بھگتوں نے توحید اور بھگتی کا پیغام طول و عرض پاک و ہند میں پھیلایا، ان لوگوں نے تصوف کی اصطلاحیں اپنے بھجنوں اور گیتوں میں نظم کیں اور تصوف کی تعلیمات کے ساتھ اپنے قدیم مذہبی خیالات کو خلط ملط کر کے پیش کیا اور یہیں سے اس خیال نے بغیر تحقیق کے یہ تقویت پکڑی کہ "تصوف کی تعلیمات اور اس کی اصل غیر اسلامی ہیں" کاش دورِ متاخرین کے صوفیائے کرام کو ویسا ہی پرسکون ماحول میسر آجاتا، سکھوں اور ہندوؤں کو اپنے قریب لانے کے زیادہ سے زیادہ موقع میسر آجاتے تو یقیناً ان اقوام کی تعداد آج وہ نہ ہوتی جس کے بل پر ان میں سے ہر ایک اکثریتی فرقے میں شمار کئے جانے کا دعویٰ کرتا ہے۔

تصوف کی تعلیمات کو جوگیوں کی تعلیم کے مترادف قرار دیے جانے کا اصل موجب یہی تھا کہ ان بھگتوں کی تعلیمات بر طرف عام تھیں ان میں اور صوفیائے کرام کی تعلیمات میں بہت سے اصول مشترک ہو گئے تھے جو بزرگان دین کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ تھے، اصل میں یہ بھگت اسلام اور ہندو مذہب میں ایک حقیقت مشترکہ کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور نتیجۃً یہ مسلمانوں کے تبلیغی مسلک کی کامیابی کے لئے ایک نیک شگون تھا اس لئے کہ اس اصل مشترکہ کی بنا پر وہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے قریب سے قریب تر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

بھگت کبیر داس کے چیلوں میں سرت گوپال داس، بھگوان داس، جیون داس، کبیر کے فرزند کمال اور ان کے خاص چیلے بھگت دادو وغیرہ نے سارے برصغیر پاک و ہند میں کبیر داس کے پیغام توحید اور بھگتی کا پرچار کیا، انہوں نے برج بھاشا ریختہ، فارسی اور دوسری ہندوستانی زبانوں میں اسلامی تصورات کو اپنے معتقدات کے ساتھ پیش کیا۔

دادو ایک برہمن خاندان کے فرد تھے یہ ۱۵۴۴ء میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنے پیشرو بھگتوں کے اسلامی تصورات اور تصوف کو پیش کیا، دادو نے ہندی اور فارسی میں پانچ ہزار سے زیادہ اشعار کہے ہیں، مغربی ہندوستان میں دادو کے بے شمار مرید یا چیلے تھے، دادو کی بھی تمام تر کوشش یہی تھی کہ وہ ہندو مذہب کو اسلام سے زیادہ سے زیادہ قریب لے آئیں، بھگت دادو کے ایک ہم عصر بھگت بیر بھن نے بھی کبیر داس کے مدرسہ فکر کی اسی زمانہ میں خوب نمائندگی کی۔ سترھویں صدی عیسوی کے مشہور بھگتوں میں بھگت دھونی داس (۱۶۵۶ء) اور جگ جیون داس (۱۶۸۲ء) قابل ذکر ہیں۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں بھگت غریب داس (۱۷۱۷ء) بھگت رام چرن (۱۷۱۸ء) سوامی نرائن سنگھ (۱۷۴۳ء) اور اس صدی کے آخر میں سچانند (شاہجہاں نند) اور بھیکا بلٹو داس نے بھگتوں کی صف میں خاص امتیاز حاصل کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے مسلک کی بنیاد اسلامی تصوف پر رکھی، یہ مذہبی تحریک بہت جلد صحیح اسلامی نظریہ پر گامزن ہونے والی تھی کہ ہندوستان میں سیاسی انتشار اور بدامنی کی وجہ سے یہ جذبہ کچھ سرد پڑ گیا۔ اور اس اسلامی توحید اور عبادت (بھگتی) کے اثرات کی عالمگیر قبولیت کے پیش نظر کچھ قدامت پسند ہندو رشی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھگتی کے لئے سیتا، رام

رادھا کرشن کی بھگتی کے طریقوں کو فروغ دیا ان میں تلسی داس اور سورداس کا نام سرفہرست ہے۔
تلسی داس کے اقوال سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ویدوں اور پرانوں کا معہود نبی مانا ہے چنانچہ ایشور نے اپنے بیٹے شمنکہہ کو آئندہ ظاہر ہونے والے دین اور نبی کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی۔ اس کی تشریح اور اس کی شان میں اس طرح مدحت طرازی کرتے ہیں:۔

جب سنگرام کا دن ہووے بنا محمدؐ نیا پار نہ ہووے
تب ہوئے سنگ لنگ اوتارا مہدی کہے سکل سنسارا (بحوالہ سنگرام پران)

(یعنی جب وہ دن آجائے جس میں جہاد فرض اور مال غنیمت حلال ہو تو حضرت سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کامیابی ناممکن ہے) اس طرح انہوں نے رام اور کرشن کی عظمت کے اقرار کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور سرداری کا بھی اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ:۔

"ان علاقوں میں جہاں ہندی بھاشا نہیں بولی جاتی مثلاً بنگالی اور مرہٹی علاقہ جات میں یہ مذہبی انقلاب سو برس بعد پہونچا۔ دکن اور شمالی ہند کی طرح بنگال اور مرہٹی علاقوں میں بھی اس تحریک نے "جو توحید اسلامی اور بھگتی، یعنی عبادت پر مبنی ہے" وہی سماجی اور مذہبی انقلاب برپا کیا جو شمالی ہند اور دکن میں برپا ہوا تھا"

ان علاقوں میں اس مذہبی انقلاب کے دیر میں یعنی سو سال بعد پہنچنے کے متعدد وجوہ اور اسباب ہیں۔
حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ نے جنھوں نے دلی کو چشتیہ مرکز یا تبلیغی مرکز کی حیثیت عطا کی وسطی ہندوستان میں تبلیغی ذمہ داریوں کو مختلف خلفاء کے سپرد فرمادیا تھا اور مدتوں تک انہی اطراف میں کام ہوتا رہا، ان اطراف کے لئے مردان حق آگاہ کا انتظار تھا اور ایسے جوہر قابل کی تلاش تھی جو اس مہم کو انجام دے سکے۔

یوں تو بنگال ۹۰۹ء میں مسلمانوں نے فتح کرلیا تھا اور اطراف و اکناف میں خانقاہیں بھی قائم ہوگئی تھیں لیکن چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھنوتی (بنگال) کی مشہور ہستی حضرت سراج الدین المعروف بہ سراج اخی بنگال سے دلّی وارد ہوئے، تکمیل علوم شرعیہ کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت حاصل کیا، مرشد نے آپ کو جوہر قابل پاکر بنگال ہی کی طرف تبلیغی مہمات کی انجام دہی کے لئے رخصت فرمایا آپ کے انفاس قدسیہ سے بنگال کے بہت سے علاقوں میں دین متین کی روشنی پہنچی، آپ کے مشہور خلیفہ حضرت علاء الحق والدین بن اسعد بنگالی تھے انہوں نے تبلیغی کام میں آپ کا بہت ہاتھ بٹایا۔

آپ کے بعد آپ کے خلفاء میں حضرت نور قطب عالمؒ اور حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے نام قابل ذکر ہیں اول الذکر یعنی حضرت نور قطب عالمؒ نے بنگال میں تبلیغ اشاعت میں خصوصی حصہ لیا آپ ہی کے مذہبی افکار اور صوفیانہ حقایق اور اشغال نے مشہور مصلح بنگالی سوامی چیتنیا (۱۴۸۵ء) کو متاثر کیا اور نہ صرف بھگت چیتنیا بلکہ ان کے مشہور شاگرد بھگت روپا، بھگت سناتن اور جیواگو سوامی کی بھگتی کی تعلیمات ان ہی کی تعلیمات

کا فیضان ہے۔

ڈاکٹر تارا چند سوامی چیتنیا پر تصوف کے اثرات کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں :۔

"مسلمانوں کے سادہ مذہب کے جمہوری نظریات نے بنگال میں وہ جوش و خروش پیدا کر دیا۔ جو بھگت چیتنیا کی تعلیمات میں موجود ہے۔ چیتنیا نے ہندو مسلمان اور ذات پات کی تفریق مٹائی۔ برہمنوں کے پوجا پاٹ کی تردید کی اور ہر ذات کو مذہب کا اہل قرار دیا اور بھگتی یا عشق ہی کو اصل مذہب تسلیم کیا۔

ڈاکٹر تارا چند آگے لکھتے ہیں کہ :۔

"بنگال میں اسلام کی آمد کے وقت بدھ مت کے لوگ بکثرت تھے مگر ان کا زوال وہاں شروع ہو چکا تھا اور قدیم ہندو مذہب کا احیا ہو رہا تھا مگر مسلمانوں کی آمد کے بعد بدھوں کا رجحان ہندو مذہب کی طرف سے ہٹ گیا اور اس کا اثر و نفوذ وہاں پر قطعی ختم ہو گیا۔"

نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ بنگال کے ہندو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مشرقی پاکستان میں بفضلہ تعالےٰ مسلمانوں کی اکثریت یعنی کروڑوں مسلمانوں کا وجود انہی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کاش نواب سراج الدولہ کو قدرت میر جعفر جیسے کورنمک کی نمک حرامی سے کچھ پہلے واقف کر دیتی تاکہ جنگ آزادی میں اس مرد وغا کو شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا تو بنگال کا موجودہ نقشہ کچھ اور ہی ہوتا اور غیر منقسم بنگال میں صوفیائے کرام کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ دس کروڑ مسلمانوں کی صدائے لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کی پرشکوہ آواز میں نکلتا۔ لیکن ہماری تن آسانیوں، جاہ پرستیوں اور دولت طلبیوں نے ان کوششوں کے مقابل ایک عظیم رکاوٹ کھڑی کر دی، مرہٹے، برہمن اور غیر برہمن جوان رشیوں اور عظیم مذہبی رہنماؤں کی پر اثر تعلیمات سے اسلام کی آغوش سے بہت قریب آ گئے تھے، یکایک ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

انیسویں صدی کے وسط میں مسلمان ایک سخت ابتلا کے دور سے گذر رہے تھے، سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا، مجاہد دکن سلطان حیدر علی اور سلطان شہید فتح علی شاہ کے حصے میں شکست فاش آ چکی تھی، اودھ کا تاجدار مٹیا برج کلکتہ میں اپنی بدنصیبی کا مرثیہ لکھ رہا تھا، روہیلکھنڈ سے مسلمانوں کا اقتدار رخصت ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی ہندو اور مسلمان دونوں کی مشترکہ جدوجہد تھی۔ لیکن پانسہ پلٹتے ہی ہندو تو ساتھ چھوڑ بیٹھا اور اپنا کیا دھرا سب کچھ مسلمان کے سر تھوپ دیا، مسلمان ہٹ نہ سکا اور قول کا سچا کیے پر منفعل ہو نا کیا جانے تحریک آزادی کی تمام تر ذمہ داریوں کو اس نے قبول کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کے گلے تھے اور پھانسی کا پھندا بڑے بڑے ارباب اقتدار کی قسمت میں زوال مقدر ہو چکا تھا ان پر زوال آ کر رہا، مسلمانوں کی دلّی، اب مسلمانوں کی دلّی نہیں تھی بلکہ بنئے بقالوں کی دلّی تھی، اس وقت مسلمان کو کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی، اور ارباب اقتدار

ی نظر میں مسلمان ہونے سے بڑا کوئی جرم نہیں تھا ظاہر ہے کہ جان ہے تو جہان ہے اس وقت صوفیائے کرام کی یہ تحریک اور بھگتوں کا یہ مشن کس طرح کامیاب ہو سکتا تھا نتیجہ ظاہر ہے کہ شمالی ہند میں رفتہ رفتہ وہ اثرات مٹنے لگے جو ہندو تہذیب پر صوفیائے کرام نے چھوڑے تھے، اعلیٰ اخلاق، بلند کردار، راست بازی اور راست گوئی اور مذہبی رواداری کے نقوش جلد مدھم پڑ گئے۔

ادھر پنجاب میں بھی جو مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ ہو سکتا تھا، حالات امید افزا تو کیا روز بروز ابتر ہوتے جا رہے تھے، گرونانک کی تعلیمات جو گرنتھ صاحب میں موجود تھیں سیاسی اقتدار کی بقا کے لئے ان پڑھ سکھوں سے چھپا کر رکھی گئیں ان کی اشاعت تو بڑی بات ہے، مسلمانوں کی قیادت توڑنے کے لئے رنجیت سنگھ (المتوفی ۱۸۳۹ء) نے جو کچھ از قسم ظلم و تعدی بن پڑا وہ کیا کہ شمالی ہند سے عالموں کی ایک جماعت نے تحریک جہاد شروع کی جس کے قائد مولانا اسمٰعیل شہید تھے، بالاکوٹ کی پہاڑیاں آج ان مجاہدین کے انجام پر مرثیہ خوانی کر رہی ہیں، غیر مسلم اقوام کا یہ فقید المثال تعصب اور مغلیہ سلطنت کے خلاف ہمہ گیر بغاوت اسلامی دور حکومت کا ایک المناک حادثہ ہے۔ جب تک برصغیر کے مسلمان حکمران ارباب تصوف کی پناہ میں رہے خصوصاً شاہان مغلیہ پر جب تک ارباب تصوف کی مکرمت اور رافت کی بارش جاری رہی، یہی غیر مسلم اقوام اسلامی حکومت کی جاں نثار تھیں اور فوج در فوج اسلامی آغوش میں بڑھتی چلی آ رہی تھیں جیسے ہی جاہ پرستوں کی ریشہ دوانیوں نے ان حضرات کو حکمرانوں سے بدگمان کیا اور انہوں نے دست رافت و کرم کو روکا اہل ہند کے قلوب اسلامی حکومت سے آمادہ بغاوت ہوتے چلے گئے اور ان کا قومی تعصب اسلامی حکومت کے استیصال پر آمادہ ہو گیا۔

مغربی تعلیم کا فیضان کہیے کہ جیسے جیسے ذہنوں پر جلا آتی گئی "گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے" انسانی کمالات پر زوال آتا گیا اس کا ظاہر صرف صاف اور پاکیزہ بن گیا لیکن دلوں کی کدورت کیا کہیئے! شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے جنم لیا، دیانند اور شردھانند آریہ سماجیوں نے فضا اپنے موافق دیکھ کر صوفیائے کرام کی سابقہ تبلیغی کوششوں کا بدلہ چکانا چاہا، اور دیہات دیہات وہ پھیل گئے، ان کی کوششیں بے نتیجہ ثابت نہیں ہوئیں اور دیہات میں مسلمانوں کی تعداد گھٹنے لگی اس سیل تند رَو کو روکنے کے لئے عالموں کو حرکت میں آنے کی ضرورت تھی لیکن وہ بیچارے "ضرب زید عمرو" ہی سے کب فارغ تھے جو اس طرف توجہ کرتے نتیجہ ظاہر ہے کہ اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی تعداد کو اضافے کے بجائے اور ایک خطرۂ عظیم سے دوچار ہونا پڑا، اس صورت میں تبلیغی مشن کی توسیع تو درکنار پچھلی حالت اور کیفیت کو برقرار رکھنا ہی بڑی کامیابی تھی۔

مرہٹی علاقوں میں بھی ہندو اور مسلمانوں کے ملاپ سے وہی ثقافتی و مذہبی انقلاب برپا ہوا جو بنگال اور بقیہ ہندوستان میں ہوا تھا۔ مرہٹہ سنتوں اور رشیوں نے ہندو اور مسلم مذاہب کو ایک دوسرے سے ملانے کی وہی کوشش کی جو گرونانک اور کبیر داس نے کی تھی۔

اسلام نے جو تنزیہ و تشبیہ کا جامع تصور الوہیت پیش کیا تھا اس نے مرہٹہ علاقوں میں (عبادت) "بھگتی" کا جوش و خروش پیدا کیا۔ برہمنوں اور غیر برہمنوں نے رام اور رحیم کو ایک قرار دیا۔ ذات پات کی تقسیم کو دور کر کے خدا اور انسان کی محبت پر مذہب کی بنیادیں قائم کیں۔ بعض کوتاہ بیں محققین

اس کوشش کو تصوف کا نام دیتے ہیں، اور تصوف پر اعتراضات کی بنیاد صرف اسی پر قایم کرتے ہیں۔
حالانکہ یہ تصوف کی تعلیمات کا اثر ہی تھا کہ جس نے غیر مسلموں کو اس قدر متاثر کیا اور وہ اسلام سے اس قدر قریب آ گئے جس کے نتیجہ میں کشمیر سے راس کماری تک لاکھوں ہندو اسلام کی آغوش میں درآئے۔

مہاراشٹر میں اس مذہبی انقلاب کی ابتدا سنت گیانیشور سے شروع ہوتی ہے جس نے ۱۲۹۰ء میں بھگوت گیتا کی شرح مرہٹی میں لکھی۔ لیکن مرہٹہ سنتوں اور عظیم مذہبی رہنماؤں میں نام دیو کا نام سرفہرست ہے۔ جنہوں نے اس ملک کے لوگوں کے ذہنوں کو برہمنوں کی پوجا پاٹ اور کافرانہ عقائد سے نکال کر آزادی اور محبت کی فضا میں پہنچا دیا۔

نام دیو ۱۲۷۰ء میں پیدا ہوئے ان کا نام مہاراشٹر شمالی ہندوستان۔ اور راجپوتانہ و پنجاب میں بھگتوں کی تاریخ میں اولیت رکھتا ہے۔ نام دیو کے بعد مہاراشٹر کی سب سے عظیم ہستی سنت تکارام کی ہے جو تصوف اسلامی سے متاثر ہوئے۔ اُن کا اثر تمام مہاراشٹر پر تھا، سنت تکارام شیواجی کے ہمعصر تھے مرہٹوں میں وہ جذبہ اور روح پیدا کرنے والوں میں سے ہیں جس نے مرہٹوں میں وحدت افکار و مقاصد پیدا کر کے ایک متحد قوم کو جنم دیا۔ اگرچہ وہ مذہب کے سیدھے راستہ پر نہ پڑ سکے، لیکن وہ اس وحدت کو اسلامی وحدت میں تبدیل کرنا چاہتے تھے لیکن شیواجی اور اس کے حواریوں نے اس یکجہتی کا رخ مسلمانوں پر یلغار کی طرف موڑ دیا اور اس طرح سنت تکارام اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ سنت تکارام پونا میں ۱۶۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ شیواجی ان کا بہت معتقد تھا، سنت تکارام بھی دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز تھے شیواجی ان کی ہر طرح خدمت کرنے پر آمادہ تھا لیکن وہ دنیاوی اقتدار کے بھوکے نہیں تھے اس لئے انھوں نے ایسے نذرانے ہمیشہ رد کر دیئے انہوں نے اس میں سے کچھ قبول نہیں کیا۔

سنت تکارام بھی خدا کا وہی تصور پیش کرتا ہے جو بھگت کبیر داس کا ہے خدا کی تنزیہہ و تشبیہ دونوں ان کے مذ ؤں (اشعار) سے ظاہر ہیں۔ تکارام نے بھی اسی طرح ہندو مذہب اور اسلام میں مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ سنت تکارام ایک جگہ اپنے مدھوں میں کہتے ہیں۔

"اے دوست اللہ کا ذکر کیا کر کہ وہ ہر چیز سے ظاہر ہے۔ تکا کہتا ہے جس نے یہ نکتہ سمجھ لیا وہ درویش ہو گیا۔ بڑے ناموں میں سب سے پہلے اللہ ہے اس کے ذکر سے کبھی غافل نہ رہو۔ اللہ بے شک ایک ہے اور نبی بھی بے شک ایک ہی ہے۔ ہاں اے دوست تو ایک نہ ایک ہے۔ ایک ہے وہاں نہ میں ہوں نہ تو ہے۔" ۵

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

صوفیائے کرام کی انسان دوستی اور تعلیمات تصوف کے نتیجے میں ہندوؤں کی مشرکانہ ذہنیت میں جو

انقلاب عظیم آیا اور اس سلسلہ میں جو تحریکات اس سرزمین میں رونما ہوئیں ان کا مختصر سا جائزہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ غور فرمایئے کہ ہندوستان پر صوفیائے کرام کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور انہوں نے اپنی سادہ اور منفعت بخش عملی زندگی سے ہندی عوام کو کس حد تک متاثر کیا اور ان کی کوششوں سے کس قدر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے سلاطین دہلی کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کی چیرہ دستیاں اور مسلمان سلاطین سے ان کی بدعہدیاں ایک تاریخی حقیقت ہے۔ تغلق خاندان کے ۷۷ سالہ دور میں ان کی سازشوں سے مسلمان عوام پر جو کچھ گذری وہ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔ صوفیائے کرام اس ابتلا اور عہد اختلال میں بھی بڑی پامردی کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل میں سرگرم رہے۔

غیر مسلموں کی ریشہ دوانیاں تو ایک طرف خود بعض کوتاہ اندیش اور کور باطن مسلمان امرا اور خصوصاً شیخ الاسلام کے عظیم عہدے پر فائز ہونے والے دنیا پرستوں نے ان بزرگان دین کے خالص دینی تبلیغی مشن کی راہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کیں وہ تاریخ کے صفحات پر آج بھی ثبت ہیں کاش ان بزرگوں کو حکومت وقت کی پشت پناہی حاصل ہوتی تو تبلیغ کا یہ کام ان رخنہ اندازیوں سے آزاد رہ کر ایک سیل تند رو بن جاتا۔

مسلمان سلاطین کی صوفیائے کرام سے سرد مہری اور بے اعتنائی اگر تبلیغی راہ کی صرف ایک رکاوٹ ہوتی تو اس کے نتائج اس قدر قبیح نہ ہوتے، افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے مسلمان سلاطین نے غیر مسلموں کے ساتھ اس رافت والفت کو روا نہ رکھا جو شعار مصطفوی تھا اور جس کی تقلید میں صوفیائے عظام ہمہ تن مصروف تھے اور جس کے نتیجے میں کفر کے شبستانوں میں ایمان کے چراغ روشن ہوئے۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ نفوس قدسیہ اگر درمیان میں نہ ہوتے اور اگر ان ناقابل عبور جنگلوں کو اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنا مستقر و مسکن نہ بنایا ہوتا تو کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اسلامی ہند کی تاریخ کا کیا رنگ ہوتا۔ یہ تاریخی شہادت قابل عبرت ہے کہ جب :۔

> "تاتاریوں کی یورش پیہم نے آخری شاہ خوارزم کی تمامتر توانائیاں برباد کر دیں اور اس نے دریائے سندھ میں اپنا گھوڑا آخری چٹان سے کدا کر ڈال دیا تو عرصہ تک وہ دیار ہند میں بے یار و مددگار پھرنے کے بعد سلطان التمش سے طالب امداد ہوا۔ سلطان نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میرے دوست مرے خزانوں کے منہ آپ کے لئے کھلے ہیں جتنا مال و زر چاہئے موجود ہے لیکن میں جنگ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا کہ مجھے ہندوستان کے کافروں سے اطمینان نہیں نہ معلوم وہ کس وقت پیٹھ میں چھرا گھونپ دیں"۔

لیکن سلطان جو سینے میں ایک درد مند دل اور اس دل میں بزرگانِ دین کی عزت و احترام کا جذبہ رکھتا تھا بہت جلد اس خطرے سے باہر نکل گیا اور اس کے جانشین ان گوشہ نشین بزرگوں کی مبلغانہ جد و جہد کی بدولت

طمانیت قلب کے ساتھ سریر آرائے سلطنت ہوتے رہے۔

یہ صرف صوفیائے کرام کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور تبلیغی مساعی کا کا نتیجہ ہے خصوصاً حضرت خواجۂ خواجگان سلطان العارفین قدوۃ السالکین حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری ؒ کے قدموں کا صدقہ کہ ہندوستان کی وہ سرزمین جس کا چپہ چپہ بتکدہ اور ظلمت کدہ تھا وہ قرنوں تک ایک جہاں دین وایمان بنا رہا اور اسی ذات ستودہ صفات کا صدقہ ہے کہ ان کا لگایا ہوا شجر تبلیغ ایسے برگ وبار لایا کہ اس برصغیر میں سینکڑوں ہوشربا طوفانوں سے گذرنے کے بعد بھی بحمداللہ آج مسلمانوں کی تعداد ۱۵ کروڑ کے قریب ہے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح مقدس سلطان الہند خواجہ غریب نواز

قدس سرہ العزیز

ولادت باسعادت

گلشن زہرا کا یہ سدا بہار شگفتہ پھول جو کھلنے کے بعد معین الدین حسنؒ کے نام نامی سے موسوم ہوا۔ (بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کا نام نامی حسنؒ اور لقب معین الدین تحریر کیا ہے) چودہ[۱۴] رجب المرجب بروز دوشنبہ (پیر) بوقت صبح صادق رونق افروز عالم ہوا۔ آپ کی آمد سے روحانی پیشواؤں و مقتداؤں کی کہکشاں میں ایک نہایت درخشندہ و گوہر بار ستارہ کا اضافہ ہوا۔ اکثر کتب میں آپ کا تاریخی نام امام مجتبیٰ لکھا ہے، آپ کے سنِ ولادت اور آپ کے مولد کے سلسلہ میں محققین و اہل سیر میں کافی اختلاف ہے۔

الف :۔ بعض نے آپ کا سنِ ولادت ۵۲۷ھ ۵۳۰ھ، بعض نے ۵۳۵ھ بعض نے ۵۳۶ھ اور اکثریت نے ۵۳۷ھ تحریر کیا ہے۔

ب :۔ اسی طرح جائے پیدائش کے سلسلہ میں کسی نے سیستان، کسی نے اصفہان کسی نے سجستان (س، ج، ز، ی) اور معدودے چند نے سنجر یا سجز تحریر کیا ہے بلکہ بعض نے تو سنجر کو اصفہان کا محلہ قرار دیا ہے۔ مگر قرائن و آثار سے محققین نے سنِ ولادت ۵۳۷ھ[۱] کو

[۱] ہندوستان کی سپریم کورٹ کے فیصلہ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۱ء کے مطابق بھی یہی سنِ ولادت ہے یعنی ۱۱۴۳ء سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں اس سنِ ولادت پر اعتبار کیا ہے۔

معتبر تسلیم کیا ہے۔ رہا مولد یعنی سنجر کا سوال تو اس ضمن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سلطان سنجر اوّل نے حضرت غوث الثقلینؒ کو لکھا تھا کہ اگر عنانِ توجہ اس طرف متوجہ ہو تو ولایت سیستان جو مُلکِ نیم روز ہے حضرت کی خانقاہ کے لنگر خانے کے لئے مقرر کر دی جائے۔ آنحضرت نے جواب میں لکھا :۔

چون چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد ☆ جز فقر گر بود ہوسِ ملکِ سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از مُلکِ نیم شب ☆ صد ملکِ نیم روز بیک جَو نمی خرم

اور بعض اس حکایت کو شیخ نجم الدین کُبریٰؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

مندرجہ بالا عبارت سے سنجر کے وجود کا اثبات ہوتا ہے اس لئے قرینِ صواب یہی ہے کہ سرکار غریب نواز کی جائے پیدائش سنجر ہے۔

آپ کی ولادت سے متعلق گنجینہ سروری سے ایک قطعہ پیش کیا جاتا ہے۔

سیّد عالم معین الدینؒ ولی ☆ مقتدائے دین شہ ہندوستان
سال تولیدش بگو بدر المنیر ☆ باز سرور عارف صوفی بخوان
۵۳۷ ☆ ۵۳۷

والدین بزرگوار

آپ کی والدہ ماجدہ کا نامِ نامی سیدہ بی بی اُم الورعؒ الموسوم بی بی ماہ نورؒ بی بی خاص الملک ہے آپ حضرت داؤدؒ بن عبداللہ الحنبلیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ آپ کی ولادت دُنیا کے لئے باعثِ برکت و رحمت ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ دنیا کو انوارِ معرفت سے جگمگا دیا۔ آپ نے فرمایا :۔

"میرا نورِ نظر جب میرے شکم میں آیا میرا گھر خیر و برکت سے معمور نظر آنے لگا جو لوگ میرے ساتھ عناد رکھتے تھے وہ محبت سے پیش آنے لگے"۔ نصف شب کے بعد آپ کی والدہ کے شکمِ مبارک سے تسبیح و تہلیل کی آواز آتی تھی۔ مزید آپ کی والدہ ماجدہ سے منقول ہے کہ حضرت غریب نوازؒ کی پیدائش کے وقت تمام گھر انوارِ الٰہی سے روشن و معمور ہو گیا تھا۔

آپ کے والد بزرگوار کا نامِ نامی خواجہ غیاث الدین حسنؒ ہے۔ آپ صاحبِ ثروت، یکتائے صالحین و یگانۂ مجاہدین میں سے تھے۔ آپ کا مزار اقدس شام میں طالبانِ حق کے لئے مرجع خاص و عام ہے۔ (صاحب اقتباس الانوار نے آپ کا مزار شریف عراق میں بتایا ہے)

لہ ملک سنجرم کی ترکیب میں ملکِ سنجر کو مرکب اضافی نہ سمجھا جائے بلکہ اضافت توضیحی ہے ☆

سلسلہ اجداد

آپ کا سلسلہ نسب دس پشتوں میں حضرت سیّد الشہداء حضرت امام حسینؓ ابن حضرت مولائے کائنات مولا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

نسب نامہ پدری

خواجہ معین الدین حسنؒ بن خواجہ غیاث الدین حسنؒ بن سید نجم الدینؒ طاہرؒ بن سید عبدالعزیزؒ بن سید ابراھیمؒ بن سید ادریسؒ بن امام موسیٰ کاظمؒ بن امام جعفر صادقؒ بن امام محمد باقرؒ بن امام علی سجاد زین العابدینؒ بن سید الشہداء حضرت امام حسینؑ بن امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

(بحوالہ شجرہ انساب، مراۃ الاسرار، مدائن المعین، معین الاولیاء)

نسب نامہ مادری

حضرت سیدہ اُم الورعؒ، بنت حضرت داؤدؒ، ابن سید عبداللہ الحنبلیؒ، بن سید یحیٰی زاہدؒ، بن سید محمد مورثؒ، بن سید داؤد اوّلؒ، بن سید موسیٰ جونؒ، بن سید عبداللہ محضؒ، بن حضرت سیدنا حسن مثنیٰؒ، بن حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن حضرت اسداللہ غالب سیدنا علی ابن طالب رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

آپ والد بزرگوار کی طرف سے حسینی سادات ہیں اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسنی سادات ہیں اس طرح سے حضرت خواجہ غریب نوازؒ نجیب الطرفین سید ہیں

حضرت غوث الثقلینؒ سے قرابت داری

ایک رشتہ سے حضرت خواجہ غریب نوازؒ حضرت غوث الثقلینؒ کے خالہ زاد بھائی اور ماموں ہوتے ہیں چونکہ حضرت غوث پاک کی والدہ خواجہ غریب نوازؒ کی ننھالی رشتہ میں خالہ اور ددھالی رشتہ میں بہن ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ حضرت عبداللہ الحنبلیؒ کے پوتے ہیں اور خواجہ غریب نوازؒ کی والدہ ماجدہ پوتی ہیں ان دونوں کے والد حقیقی بھائی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ کی والدہ ماجدہ غوث پاکؒ کی چچازاد بہن ہیں۔ پس حضرت غوث پاکؒ پیرانِ پیر دستگیر اس رشتہ کی رو سے خواجہ غریب نوازؒ کے ماموں ہوتے ہیں۔

ابتدائی زندگی

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات رحمت اللعالمین راحت العاشقین کی طرح حضرت خواجہ غریب نوازؒ بھی بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے یعنی ۵۵۲ھ میں جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو والد بزرگوار سید خواجہ غیاث الدین حسنؒ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کی والدہ ماجدہ بھی اس ناپائیدار دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ اسکے بعد آپ کی پرورش خراسان میں ہوئی ابتدائی تعلیم والد مکرم کے حسب منشاء وارشاد مدرسہ نیشاپور (جو مشہد مقدس کے قریب ہے) میں ہوئی۔ آپ غیر معمولی طور پر ذہین واقع ہوئے تھے اور آپ کا حافظہ نہایت عمدہ تھا۔ آپ نے نو سال کی عمر شریف میں کلام پاک حفظ کر لیا۔

عہدِ طفلی کی سعادتیں

سرکار دو عالم رحمت اللعالمین کا ارشاد گرامی ہے کہ:-

"اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعِدَ فِی بَطْنِ اُمِّہٖ وَالشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ"

ترجمہ:- سعید انسان کی سعادت لکھ دی جاتی ہے درآنحالیکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اسی طرح شقی انسان کی شقاوت لکھدی جاتی ہے اور وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ جیسے زبردست مُصلح، مبلغ اعظم وہادی کی سعادت اَزلیہ میں شبہ کی کہاں گنجایش ہے۔ عہدِ طفلی ہی سے صاحبِ اقبال ہونے کی علامات آپ سے ظہور پذیر ہوئیں، آپ کی والدہ ماجدہ سے منقول ہے کہ "میرے معین الدین کی زمانہ شیر خوارگی میں یہ عادت تھی کہ جب محلہ کی عورتیں گھر پر آیا کرتی تھیں اور کسی کا شیر خوار بچہ دودھ کے لئے روتا تو میں معین الدینؒ کے اشارہ سے دودھ پلا دیتی، تو اس نظارہ سے آپ خوش ہو کر ہنستے"۔

جب آپ کی عمر تقریباً تین یا چار سال کی تھی تو آپ اپنا کھانا اپنے ہم عمر بچوں کو کھلا دیتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ عید کے موقع پر اچھے لباس میں ملبوس تھے اور نماز عید کیلئے

جا رہے تھے، راستہ میں ناگاہ آپ کی نظر ایک لڑکے پر پڑی جو نابینا تھا اور اُس کے کپڑے بھی پھٹے پُرانے تھے، آپ کو اُس لڑکے کی حالت پر ترس آیا ہی نہیں کہ آپ نے اپنے کپڑے اُس لڑکے کو دیدیئے بلکہ اُس کو اپنے ہمراہ عیدگاہ لے گئے۔

مذکورہ بالا واقعات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ میں اوائل زندگی ہی سے جذبۂ ایثار و قربانی بدرجہ اتم موجود تھا اور شانِ غریب نوازی کے پہلو اسی وقت سے نمایاں ہونے لگے تھے۔

متاعِ دنیاوی

والد بزرگوار کے ترکہ میں سے مکان اور اثاث البیت کے علاوہ سرکار غریب نوازؒ کو ایک قطعہ باغ اور پن چکی ملی تھی اُس کی آمدنی سے آپ بسر اوقات فرماتے تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ترکہ کے متعلق اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

"ما ملکانِ ترکہ سید غیاث الدینؒ سہ پسر[1] بودند ہر سہ ورثہ پدری باہم تقسیم کردند دیک قطعہ باغ بورثہ خواجہ (غریب نوازؒ) رسید"۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ بہ نفیس نفیس باغ کی باغبانی فرماتے اور درختوں کو سیراب کرتے تھے۔ کمسنی ہی سے آپ اولیاء کرام کی صحبت سے بہت محظوظ ہوتے تھے اور اُن کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے تھے۔ ایک روز حسب معمول اپنے باغ کی نگرانی میں مصروف تھے کہ آپ کی ملاقات یکتائے روزگار مجذوب حضرت ابراہیم قندوزیؒ سے ہوئی، اس ملاقات نے آپ کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب پیدا کر دیا۔ خواجہ غریب نوازؒ حضرت ابراہیم قندوزیؒ سے نہایت ادب و احترام سے پیش آئے اور آپ کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھایا اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے بمصداق وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ کے اپنے باغ سے تر و تازہ انگور کا ایک خوشہ پیش کیا۔ اس طرح حقوق مہمان نوازی کا پورا پورا ثبوت پیش کیا اور اولین مرحلہ پر اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا جس کی فضیلت سرور کائنات رحمت اللعالمین کے اُس خطبہ سے واضح ہے جو آپ نے سرزمین مدینہ میں قدم رنجہ ہونے کے بعد دیا تھا۔

---

[1] جناب غیاث الدینؒ کے ترکے کے وارث اور حق دار تین بیٹے تھے، اِن تینوں نے پدری ترکہ تقسیم کر لیا اور ایک قطعہ باغ خواجہؒ کے ورثہ میں آیا۔

"اِفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ دَارُ السَّلَامِ"

ترجمہ :- طریق سلام کو خوب پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ شب کو نماز ادا کرو اس حال میں کے لوگ سوتے ہیں (اتنا کرنے پر) جنت میں داخل ہوجاؤ گے جو سلامتی کا گھر ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی خاطر و تواضع سے متاثر ہوکر عارف باللہ مجذوب حضرت ابراہیم قندوزیؒ نے زیرِ بغل زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُس کو دانتوں سے چبا کر خواجہؒ صاحب کے دہنِ مبارک میں دیا۔ خواجہؒ صاحب نے جیسے ہی اُس کھلی کے ٹکڑے کو کھایا، حالت میں عجیب انقلاب برپا ہوگیا۔ اور آپ کا قلب انوارِ الٰہی سے مزیّن و منوّر ہوگیا۔ نتیجۃً دنیا سے طبیعت متنفر ہوگئی اور یہاں سے آپ کی زندگی نے ایک نیا رُخ اختیار کرلیا۔ آپ نے اپنا تمام اثاثہ و سرمایہ فقراء، و غرباء، و مساکین میں تقسیم کر دیا اور خود تلاشِ حق میں جادہ پیمائے غربت ہو گئے۔

اجتماعی اور شخصی زندگی جس طرح اقتصادی اور سماجی زندگی سے متاثر ہوتی ہے اسی طرح سیاسی زندگی کا اثر بھی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر پڑتا ہے۔ عام زندگیاں اسی سانچے میں ڈھلتی ہیں جس سانچے میں یہ حالات اس کو ڈھالتے ہیں ناممکن ہے کہ اس کے اثر سے انفرادی زندگی متاثر ہوئے بغیر رہ سکے، چنانچہ اس وقت کے سیاسی حالات نے خواجہ صاحبؒ کی زندگی پر بھی اپنا اثر ڈالا، آپ اِن اثرات سے کس قدر متاثر ہوئے، اس کا اندازہ آئندہ سطور سے ہوگا۔

سیاسی حالات

حضرت کی پیدائش کا زمانہ سیاسی اعتبار سے بڑا ہی ہنگامہ پرور و پُرآشوب تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ایشیائی ممالک میں قتل و غارت کا بازار گرم تھا خلافت عباسیہ تیزی سے زوال پذیر تھی۔ مسلمان فرقہ بندیوں میں تقسیم ہو چکے تھے، خراسان ان متضاد مذہبی فرقوں کا گہوارہ تھا تو معتزلی مذہب کی بنا یہیں پڑی شعوبی فرقہ یہاں پروان چڑھا۔ ابو مسلم نے اسی علاقہ میں خروج کیا، روانڈیہ فتنہ نے بھی اسی سرزمین میں سر اُٹھایا۔ المقنع جیسے مدعی نبوت نے یہیں ہنگامہ برپا کیا۔ حسن بن صباح نے یہیں نشو و نما پائی۔ غنیۃ الطالبین مصنفہ

سرکار غوث الاعظمؒ میں ان تمام فرقوں کا بالتفصیل ذکر ہے۔ ان تمام فرقوں میں ملاحدہ و باطنیہ فرقے جو تباہ کاریوں اور قتل و غارتگری کا سیلاب اپنے ساتھ لائے انھوں نے مسلمانوں کے سکون کی دنیا کو تہ و بالا کرڈالا، سب سے زیادہ تباہی باطنیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر آئی اِن دونوں گروہوں کا نصب العین احکام اسلامی کی بندشوں کو توڑنا اور مذہب اسلام کو فنا کرنا تھا۔ غزنی سے لیکر فارس وعراق تک کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ مساجد جلائی جارہی تھیں تعلیمی درسگاہوں کو نیست و نابود کیا جارہا تھا۔ مشہور جامع مسجد شعیبی شہید کردی گئی تھی اور جن مسلمانوں نے اس میں پناہ لی ان کو بھی تہ تیغ کیا گیا۔ امام الحرمین ابو المعالی جوینیؒ کا مکان جو گذشتہ مرجعیت عامہ کی یادگار رہتی جلاکر خاکستر کردیا گیا تھا اکابر علماء و فضلاء و مشائخ و امراء بھی اُن لامذہب وحشیوں کے ظلم سے نہ بچ سکے، مشاہیر علماء اور فضلائے وقت جنھوں نے ان کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا اُن میں سے معدودے چند حضرات کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں

(۱) محمد بن یحییٰ فقیہ شافعیؒ (۲) عبدالرحمٰن بن عبدالصمد اکافؒ نیشاپوری فقیہ و عابدؒ زاہد (۳) امام قشیریؒ کے نواسے احمد بن حسینؒ کاتب ابوالبرکات فراوی (۴) امام علی صبّاغ متکلّم (۵) احمد بن حامد عبدالوہابؒ مقاہادی (۶) قاضی سعد بن عبدالمالکؒ (۷) حسن بن عبدالحمید رازیؒ (۸) امام نجم الدینؒ نیشاپوری۔

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ابھی ان کے فتنے فرو نہ ہونے پائے تھے کہ تاتاریوں کے حملہ شروع ہوگئے، بالخصوص خطائی تاتاریوں کا ایک گروہ (جو "غزہ" کے لقب سے منسوب ہے) کی ریشہ دوانیوں سے سلطان سنجر جو دولت سلجوقیہ کی یادگار تھا محفوظ نہ رہ سکا اور ۵۳۶ھ میں ان لوگوں کے ہاتھوں اُس کو شکست فاش اٹھانا پڑی اس جنگ میں سیستان کا حاکم زندہ گرفتار کرلیا گیا۔ سلطان سنجر کو دوسری شکست ترکان غزہ کے مقابل ہوئی اور وہ بھی زندہ گرفتار کرلیا گیا۔

مختصراً یہ کہ ان لامذہب وحشیوں نے مشرقی ایشیا کو تہ وبالا کردیا۔ ہر طرف انسانیت سوز مظالم ڈھائے جارہے تھے۔ ایک عجیب طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ نیشاپور اور بلاد طوس کو اس طرح لوٹا کہ عورتوں کی عفت و عصمت محفوظ نہ رہ سکی بلکہ ان کو لونڈی غلام بناکر لے گئے۔ جب یہ انسان نما درندے مخلوق خدا کو بے دردی سے تہ تیغ کررہے تھے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے حیران و ششدر رہتے۔ یہ برگزیدہ ہستیاں اس حیوانیت

دبدبہ بیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، ان لرزہ براندام مشاہدات نے ان بزرگوں کے قلوب کو اس بے ثبات دنیا سے متنفر کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو بہت سے ایسے بزرگوں کے حالات ملتے ہیں جنھوں نے اس بے وفا اور ناپیدار دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور خدائے قدوس سے زیادہ لَو لگائی۔ حضرت ابراہیم قندوزی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اُنھیں بزرگوں میں سے ایک تھے۔

تحصیل علم

خواجہ غریب نوازؒ کو بھی دورانِ سفر میں متعدد اولیاء اللہ و بزرگانِ دین ایسے ملے جنھوں نے اس وحشیانہ مظالم سے متنفر ہو کر اجتماعی زندگی سے منہ موڑ لیا اور گوشہ نشیں ہو کر اللہ تعالیٰ سے وحشی انسانوں کے مظالم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ بھی زمانہ کے نامساعد حالات سے غیر متاثر یا بے خبر نہیں تھے۔ آپ کے قلب پر اس کا گہرا اثر اُس وقت ہوا جبکہ آپ کی نظریں حضرت ابراہیم قندوزیؒ سے دوچار ہوئیں۔ آپ ان کی ملاقات سے نہایت متاثر ہوئے اور آپ کو بھی اس دُنیا سے نفرت ہوگئی لیکن حضرت خواجہ غریب نواز نے گوشہ نشینی کے بجائے علم دینی کی تحصیل کو اپنا نصب العین بنالیا اور عنفوان شباب ہی میں تحصیل علوم کے لئے خدا کی راہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند پہونچے یہاں پر آپ نے مولانا حسام الدین صاحب بخاریؒ و مولانا شرف الدینؒ شرع الاسلام جیسے مشہور مقتدائے روزگار ہستیوں سے تفسیر، فقہ، حدیث، اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعض آپ کی مدت تحصیل علوم ظاہری چوبیس ۲۴ سال اور بعض چونتیس ۳۴ سال بیان کرتے ہیں۔ بہرحال علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر باطنی ہدایت کے لئے آپ کو علوم معرفت کی تحصیل ایک جگہ سے دوسری جگہ کشاں کشاں لے جاتی تھی اس طرح آپ کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس تگ و دو میں صرف ہوگیا۔

سعادت بیعت اور خرقہ خلافت

عراق عجم میں پہونچکر راہ سلوک طے کرنے کے لئے مرشد کامل کی تلاش کی اور گوہر مقصود آپ کو نیشاپور کے قصبہ ہارون میں ملا۔ قصبہ ہارون میں آپ حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ جیسے عظیم المرتبت بزرگ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ حضرت عثمان ہارونیؒ نے خواجہ غریب نوازؒ کو دس شوال بروز پنجشنبہ ۵۶۰ھ کو ازلی دولت یعنی سعادت بیعت سے مشرف فرمایا۔ اور آپ کو کمال مجاہدہ اور ریاضت کے بعد خواجہ عثمان ہارونیؒ نے جبکہ وہ پیرانہ سالی کی منزلوں سے گذر رہے تھے اور حضرت

خواجہ بزرگؒ عہد شباب کی منزل سے نکل چکے تھے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ انیس الارواح میں اپنی بیعت کا حال خود خواجہ غریب نوازؒ اس طرح سے تحریر فرماتے ہیں :۔

"الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ

تمام تعریفیں تمام جہانوں کے پالنے والے کے لئے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے اور درود

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین بدان اسعدک اللہ تعالےٰ کہ اخبار

وسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی آل واصحاب پر (تمام وکمال) اے مخاطب اللہ تعالیٰ تجھ کو زیادہ

وآثار انبیا واسرار وانوار اولیا از کلمات وانفاس متبرکہ سید العابدین

سعادت مند فرمائے تجھے معلوم ہو کہ انبیاء کے آثار واخبار اور اولیاء اللہ کے اسرار وانوار کے سلسلہ میں جو کچھ

بدر العارفین اکرم اہل ایمان وافر البر دالاحسان شیخ معظم خواجہ

میں نے عبادت گذاروں کے سردار عارفوں کے چودھویں کے چاند اہل ایمان میں سب سے زیادہ مکرم احسان

عثمان ہارونی غفر اللہ ولوالدیہ شنیدہ شد دریں رسالہ کہ بنام

اور بھلائی کا وافر حصہ رکھنے والے شیخ معظم خواجہ عثمان ہارونیؒ (اللہ تعالیٰ انکی اور انکے والدین کی مغفرت

انیس الارواح است نوشتہ آمد" الحمد للہ رب العالمین

فرمائے) کے انفاس مبارکہ سے سُنا، ان کو اس رسالہ میں جو انیس الارواح کے نام سے موسوم تحریر کیا ہے ؛ تمام

دعاگو مسلمانان فقیر حقیر اضعف العباد معین الدین حسن سنجری

تعریفیں جہانوں کے پالنے والے کیلئے ہیں اسکے بعد یہ مسلمانوں کا دعاگو فقیر حقیر سب سے زیادہ کمزور بندہ معین الدین

را در شہر بغداد بہ مسجد خواجہ جنیدؒ بغدادی دولت پائے بوسی

حسن سنجری (کہتا ہے کہ) اس کو شہر بغداد میں مسجد خواجہ جنیدؒ بغدادی میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ حاصل آمد مشائخ کبار بخدمت حاضر

دولت پابوسی میسر آئی۔ بڑے بڑے مشائخ اس وقت خدمت عالی میں حاضر تھے،

بودند ہمنیکہ ایں درویش روی بر زمیں نہاد فرمود دوگانہ بگذار،

جیسے ہی اس درویش (میں) نے روئے نیاز زمین پر رکھا آپ نے ارشاد فرمایا، دوگانہ

بگذاردم فرمود مستقبل قبلہ بنیش، بنشستم، فرمود کہ سورۃ البقرہ

ادا کرو، میں نے تعمیل ارشاد کی پھر حکم ہوا کہ قبلہ رو ہو کے بیٹھو، میں اسی طرح بیٹھ گیا پھر فرمایا کہ سورۃ البقر

بخواں، بخواندم، فرمود کہ بست ویکبار درود بگو بگفتم بعد ازاں

پڑھو میں نے یہ سورۃ پڑھی، ارشاد فرمایا کہ اب اکیس مرتبہ درود شریف پڑھو،

خود بایستاد و روے سوی آسماں کرد و دست مرا بگرفت وگفت

میں حکم بجالایا، اس کے بعد آپ بہ نفس نفیس کھڑے ہوگئے اور آسمان کی طرف منہ کرکے میرا ہاتھ پکڑ

بیا ترا بخدای رسانیدم ہمینکہ ایں بگفت و دست مبارک

لیا اور فرمایا میں نے تم کو خدا تک پہنچا دیا یہ فرماتے ہی آپ نے دست مبارک میں قینچی لے کر اس

مقراض بستید بر سر دعاگو رانده کلاه چہار ترکی بر فرق

دعاگو کے بال کاٹ دیئے اور کلاہ چار ترکی اس عقیدت مند کے سر پہ رکھ دی

ایں عقیدت کیش نہادند و گلیم خاص عطا شد فرمود

اور گلیم خاص مجھ کو عطا فرمائی اور ارشاد کیا بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا،

بنشین بنشستم فرمود کہ در خانوادہ ما یک شبانہ

ارشاد فرمایا کہ ہماری خانقاہ میں ایک شبانہ روز تک

روز مجاہدہ است امروز و امشب برو و مشغول باش

مجاہدہ ہو رہا ہے آج کے دن اور آج کی رات جاؤ تم بھی اس مجاہدہ میں

ہمیکہ ایں درویش بہ حکم بشارت محترم یک شبانروز

شریک و مشغول رہو، چنانچہ یہ فقیر اس محترم حکم و بشارت کی تعمیل میں ایک

بطاعت گذرانیدم چوں روز دویم بخدمت خواجہ رح

شبانہ روز تک طاعت و بندگی میں مصروف رہا جب دوسرا دن ہوا تو میں خدمت عالی

مشرف شدم گفتند بنیش ہزار بار سورۂ اخلاص بخواں

سے مشرف ہوا، مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ اور ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھو

بخواندم فرمود نظر بالا کن ہمینکہ سوی آسمان نظر کردم

میں نے تعمیل کی پھر ارشاد کیا اوپر دیکھو جونہی میں نے آسمان کی طرف دیکھا آپ نے دریافت

گفت چہ مے بینی گفتم تا عرش عظیم فرمود کہ در زمین

فرمایا کیا نظر آتا ہے میں نے عرض کیا کہ عرش عظیم تک دیکھ رہا ہوں فرمایا کہ اب زمین

ببیں ہمینکہ در زمیں دیدم فرمود تا کجا می بینی، گفتم

میں دیکھو جونہی میں نے زمین میں دیکھا۔ فرمایا کہاں تک دیکھ رہے ہو، میں نے

تا تحت الثریٰ، باز فرمود، ہزار بار سورۂ اخلاص

عرض کیا کہ تحت الثریٰ تک، پھر ارشاد فرمایا کہ ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھو،

بخواں. بخواندم فرمود کہ باز بین چوں بدیدم فرمود

میں نے تعمیل کی، فرمایا کہ پھر دیکھو (آسمان کی جانب) میں نے دیکھا تو ارشاد فرمایا

اکنوں چہ می بینی گفتم تا حجاب عظمت، فرمود چشم

کہ اب کہاں تک نظر آرہا ہے، میں نے عرض کیا کہ اب حجاب عظمت تک نظر آتا ہے فرمایا اب آنکھیں

بستہ کن، چوں چشم بستہ کردم فرمود باز کن باز

بند کرلیں، فرمایا کہ اب آنکھیں کھولو، میں نے آنکھیں کھولدیں، آپ

ما کردم. دو انگشت مرا بنمود، گفت چہ می بینی گفتم ہیژدہ

نے دو انگلیاں مجھے دکھائیں اور فرمایا کہ ان میں کیا نظر آرہا ہے، میں نے عرض کیا کہ اٹھارہ ہزار

ہزار عالم را ہمنیکہ ایں گفتم فرمود کہ برو کار تو تمام

عالم کو دیکھ رہا ہوں۔ جب میں نے یہ بات عرض کی تو فرمایا اب تمہارا معاملہ ٹھیک ہوگیا جاؤ،

شد، خشتی پیش بود گفت ایں را بر کن چوں برکردم مشتی دینار

آپ کے سامنے ایک اینٹ پڑی تھی ارشاد کیا کہ اس کو اٹھاؤ جب میں نے اس کو

زر بود فرمود بہر درویشاں را صدقہ بدہ، چوں بدادم فرمود چند

اٹھایا تو مٹھی بھر دینار اسکے نیچے تھے فرمایا کہ انکو لیکر درویشوں کو صدقہ کردو۔ میں نے بارشاد ان دینار وں

روز در صحبت ما ملازمت نمائی، گفتم فرماں بردارم ؁

کو صدقہ کردیا، ارشاد ہوا کہ اب چند روز تک ہمارے حضور میں ٹھہرو میں نے عرض کیا کہ میں فرمانبردار ہوں جو ارشاد ہو بجالاؤں نگا۔

انیس الارواح مجلس ۲۸ میں تحریر ہے کہ (حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے) پھر فرمایا "اے معین الدینؒ میں نے تیرے حال کی کمالیت کے لئے ان باتوں کی ترغیب دی ہے۔ پس چاہیئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے تو دل و جان سے اسے بجالائے تاکہ قیامت کو شرمندہ نہ ہووے۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سُنے تو ہوش کے کانوں سے سُنے اور اس میں مشغول ہو جائے، اور اسے بجالائے۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے اپنے شجرہ میں لکھ لے تاکہ شرمندہ نہ ہووے"۔

چونہی کہ خواجہ ادام اللہ بقاہٗ، یہاں تک پہنچے عصا پاس پڑا تھا اُٹھایا اور دعا گو کو عنایت فرمایا اور خرقہ اور لکڑی کی پاپوش یعنی کھڑاویں اور مصلا بھی مرحمت کر کے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں ہمارے پیروں کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہونچی ہیں ہم نے تجھے دیں۔ مناسب ہے کہ جیسا ہم نے ان چیزوں کو رکھا ہے ویسا ہی تو بھی رکھے اور جس شخص کو تو مرد خدا معلوم کرے یہ یادگار اسے دیدے۔ جب یہ فرما چکے تو بندہ سے بغلگیر ہو کر فرمایا کہ تجھے خدا کو سونپا چونہی کہ یہ فرمایا عالم تحیر میں مشغول ہو گئے (انیس الارواح)

خزینۃ الاصفیا میں نقل ہے کہ خرقۂ خلافت دیتے وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے خواجہ غریب نوازؒ کو نصیحت کی کہ:۔

"مراد کلاہ چار ترکی چار ترک است، اول ترک دنیا، دوم ترک عقبیٰ وسوائے ذات حق مقصود دیگر نداری سوم ترک خورد خواب مگر قدرے برائے رمق کہ از ضروریات است چہارم ترک خواہش نفس یعنی ہرچہ کہ نفس بگوید خلاف آں کنی وہر کہ ایں چہار چیز ترک کند پوشیدن کلاہ ترکی بوے سزاوار است۔"

اس طرح سے خواجہ عثمان ہارونیؒ نے خواجہ غریب نوازؒ کو اپنا سجادہ نشین وجانشین بنایا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک لمحہ میں تمام حجابات دور ہو جائیں اور تمام منازل سلوک طے کر لیں۔ جب خواجہ غریب نوازؒ کا سا مرید ہو اور خواجہ عثمان ہارونیؒ جیسا پیر ہو۔ اس پر آشوب دور میں ایسی باتیں بہت مشکل سے نصیب ہوتی ہیں۔ نہ پیروں میں اس درجہ کمال نہ مریدوں میں ایسی لگن اور طلب لیکن کم سے کم ظاہری طور پر اُن اصول اور رسوم کی پیروی کریں جس کا نمونہ سرکار غریب نوازؒ نے پیش کیا ہے۔

شجرۂ طریقت[1]

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

محبوب کردگار سید الابرار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ اِنَّمَآ اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ لِّلْخَلْقِ (یعنی میں مخلوقات کیلئے رحمت کا تحفہ ہوں) حضور پر نور سید یوم نشور مالک کلّ ہادی سُبل، ختم الرسل احمد مجتبیٰ سید الاصفیہ امام الانبیاء تاجدار خاتمیت مظہر شان احدیت باعث ایجاد خلق محسنِ اعظم

---

[1] حضرت خواجہ غریب نواز کے شجرہ مبارکہ کے سلسلہ کی تمام محترم ومقدس ہستیوں کے مختصر سوانح حیات کو پیش کیا جارہا ہے اور اس شجرہ متبرکہ کو اصل اصول یعنی ذات گرامی سرور ذیشان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کیا جاتا ہے۔

تمام عالمین کے لئے مجسم رحمت بن کر ۱۲ ربیع الاول سنہ عام الفیل بروز دوشنبہ جلوہ افروز عالم ہوئے اور تمام عالم کو اپنے نور سے منور کر دیا۔ اس سراج منیر پر ہم دل و جان سے قربان کہ جس کی ضو فشانیوں نے ہمارے قلوب کو روشن کر دیا، جس کے نور سے ہماری روح مجلیٰ اور جس کے فضل و کرم سے جنت کے دروازے ہمارے لئے وا کر دیئے گئے۔ بلحاظ ولادت وجودِ محمدؐ کے تین مراتب ہیں:۔ (۱) نیاز (۲) ناز (۳) راز:۔ (۱) مرتبۂ نیاز میں وجودِ محمدؐ۔ وجودِ بشر ہے (۲) مرتبۂ ناز میں وجود محمدؐ خاتم النبیین و رحمت اللعالمین ہے (۳) مرتبۂ راز میں وجودِ محمدؐ ظل اللہ و مظہر اللہ ہے۔ مشائخین کرام نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ تعالٰے نے ذات پاک محمدیؐ کی طرف اُس وقت توجہ مبذول فرمائی جب نہ زماں تھا نہ زمیں، نہ مکاں تھا نہ مکیں یعنی نہ اس زمین کا وجود تھا نہ آسماں کا، نہ پیمانۂ اوقات، اگر تھی تو صرف ہستی مطلق، یعنی ذات لانہایت اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ واجب الوجود ہستی نے اپنی ربوبیت کو آشکارا کرنا چاہا۔ اس لئے حقیقت محمدیؐ کو ظاہر فرمایا۔ پھر صانع قدرت نے اپنی صنعتِ کاملہ کی تعریف کی، خود ہی اُس کا والہ و شیفتہ ہوا۔ اور اُس نورٌ علیٰ نور کو محمدؐ (تعریف کیا گیا اور ہر طرح سے قابل تعریف) کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ ظاہرا عالم سے یہ کہا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (میں تم جیسا انسان ہوں) اور باطن میں اس کی رضا کامل کا آئینہ دار تھا کہ اس کے بارے میں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی۔ (وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے وہی کچھ کہتے ہیں) کہا گیا۔ بعد ازاں سرمۂ بے نیازی لگایا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ٥ (نہ آنکھ جھپکی اور نہ اِدھر اُدھر ہوئی) اور پھر قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کے تخت پر بٹھایا (تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم)

رخ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس نور کی تشریح کرائی:۔
(۱) اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ وَكُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِيْ وَاَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ (ترجمہ) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور تمام مخلوقات میرے نور سے ظہور میں آئی اور میں خدا کے نور سے ظہور پذیر ہوا۔

اس حدیث کی شرح میں دوسری حدیث قدسی موجود ہے۔
(۲) لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

یعنی اے محمدؐ اگر میں تم کو نہ پیدا کرتا تو آسمانوں کو نہ پیدا کرتا۔
مختصراً یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تخلیق کائنات کا باعث ہے۔

اور تمام خوبیوں کی جامع ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اس طرح سے ہے:۔

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ (یعنی جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا)

اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم رحمت اللعالمین کو کس قدر عزیز و محبوب رکھتا ہے کہیں آپ کو لباس کے لحاظ سے خطاب کرتا ہے:۔ یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ، یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اور کہیں اعداد میں مخاطب ہے طٰہٰ یعنی (بدر) چودھویں رات کا چاند۔

یہ ارشاد باری محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حجت قاطع ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

ترجمہ (اے محبوب تم فرمادو کہ اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخشدیگا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

جناب باری تعالیٰ نے ذات گرامی پر دین کو کامل کرکے اپنی نعمتیں تمام کردیں اور اسلام کو پسندیدہ دین فرماکر یہ روح افزا مژدہ اپنے حبیبؐ کو دیا:۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۝

اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

عشق محمدیؐ کے لئے اسوۂ محمدیؐ کو سامنے رکھنا لازمی ہے کیونکہ بغیر عشق آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم عشق الٰہی پیدا نہیں ہو سکتا اور عشق بغیر اتباع محبوب ناقص وبیکار ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ط

اور جس نے رسول کی پیروی کی اُس نے خدا کی پیروی کی۔

ایسے محبوب کی تعریف کرنا انسان کی بساط سے باہر ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر آپکی وفات شریف یوم دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی۔

(۲) امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

امیر المومنین امام المتقین اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابو طالب مشکل کشا کرم اللہ وجہہ اصحاب کرام میں ممتاز تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا اسم گرامی اسد رکھا لیکن حضرت ابوطالب

نے آپ کا نام نامی حیدر رکھا۔ آپ کا نکاح خاتون جنت حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ آپ کی اولاد ذکور میں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہیں جن کی عظیم شخصیت اور والا ہمتی اور والا صبر و رضا و بلند حوصلگی سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل میں اس دنیا کعبۃ اللہ میں قدم رنجہ فرمایا۔

سرکار دو عالم رحمت اللعالمینؐ نے آپ کے لئے فرمایا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر ہوں اور علی کرم اللہ وجہہ دروازہ ہیں۔ شب معراج میں خرقۂ فقر جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ رب العزت سے عطا ہوا تھا وہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مرحمت فرمایا۔ اس ہی وجہ سے قیامت تک جتنے خرقہ پوش اولیاء ہوں گے آپ ہی کی وساطت سے ان کو خرقہ عنایت ہوگا۔ آپ شاہ ولایت ہیں یہ دینی کام آپ ہی کے سپرد کیا گیا۔ آپ ۲۳ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلافت پر مسند آراء ہوئے۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس اصحاب کرام کو راہِ عرفاں کے سلسلہ کو فروغ دینے کے لئے بیعت کیا یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ حضرت سعیدؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

انھیں حضراتؓ سے تمام سلاسل طریقت جاری ہوئے۔ بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے چنانچہ چار پیر ہفت گروہ اور چودہ۱۴ خانوادوں کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وابستہ ہے اور خاندان نقشبندیہ کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمدؒ سے جاری ہوا۔ جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوت تھے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاتم ولایت قرار پائے۔ آپ کے متعلق امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ اگر علی کرم اللہ وجہہ نہ ہوتے تو (امیر المومنین) عمرؓ مر چکا ہوتا

عبدالرحمٰن ابن ملجم المرادی شقی ازلی نے نماز ادا کرتے وقت آپ پر حملہ کیا اس طرح آپ نے ۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر مبارک بوقت شہادت ۶۳ سال کی تھی۔ آپ سے ۵۸۵ احادیث مروی ہیں۔

ایں علی در کمالِ خلق و سیر	عینِ بو بکر بود عینِ عمر
بود ختم از رسل نبی از پے	شد علی خاتم ولایت وے

(۳) خواجہ حسن بصریؓ

پروردہ آغوشِ عاطفت نبوت وولایت خواجہ ابو علی الحسن بن الحسن بصریؓ ۲۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد آپ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے دعا دی اور آپ کا نام بوجہ خوبصورتی حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ نے حسن رکھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ اکثر وبیشتر امورِ خانہ داری میں مشغول رہتی تھیں، اکثر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ آپ کو اپنا دودھ پلاتی تھیں۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ نے سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے کوزۂ مبارک سے پانی پی لیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اس کوزہ سے کس نے پانی پیا؟ ام المومنین نے فرمایا کہ حسن بصریؓ نے۔ یہ سن کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قدر حسن نے پانی پیا ہے اسی قدر میرا علم اس میں سرایت کر گیا۔

آپ نے ایک سو تینتیس ۱۳۳ صحابہ کرام کا شرفِ صحبت حاصل کیا ان میں سے اکثر اصحاب کرام اہلِ بیت میں سے تھے آپ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور خواجہ کمیل بن زیادؓ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مرید تھے اور خرقۂ خلافت وولایت آپ ہی سے ملا تھا۔

آپ نے ۱۱۱ھ میں نوّے ۹۰ برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔

(۴) خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ

معدنِ ولایت حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد ابن زیدؒ، آپ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے آپ نے خواجہ حسن بصریؓ سے سعادت بیعت حاصل کی اور انہیں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے بے حد مجاہدہ وریاضت کی۔ صاحبِ مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "در ریاضت ومجاہدات وترک وتجرید وذوق وعشق در عہد خود نظیرے نہ داشت"

امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ یافعی میں تحریر فرماتے ہیں کہ چالیس

سال تک آپ نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرمائی۔
۲۷ صفر ۱۶۱ھ کو آپ نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔

(۵) خواجہ ابو الفیض فضیل ابن عیاضؒ

سر حلقۂ تابعین حضرت خواجہ ابو الفیض فضیل ابن عیاضؒ کی کنیت ابو علی ہے آپ سمرقند میں پیدا ہوئے اور قندین جو خراسان کا ایک گاؤں ہے اس میں نشو و نما پائی۔ آپ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے علم حاصل کیا اور ایک عرصہ تک آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے اور حضرت خواجہ ابو الفضل عبد الواحد بن زید سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"وے از کبار مشائخ بود و عیار طریقت و عزیق بحر حقیقت و مرجع قوم در ریاضت و کرامات شانے رفیع داشت و در ورع و معرفت بے ہمتا بود۔"

آپ موٹا لباس اور سر پر صوف کی کلاہ پہنا کرتے اور ہاتھ میں تسبیح لئے رہتے تھے۔ آپ ابتداً ڈاکوؤں کے سردار تھے آپ کے پاس لوٹ مار کا جو مال آتا تھا ڈاکوؤں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک رات کو ایک قافلہ کہیں جا رہا تھا قافلہ والوں میں سے ایک شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ

یعنی کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی اور اُسکے فرمانوں کی طرف مائل ہوں

یہ سُن کر آپ تائب ہو گئے اور راہِ عرفاں میں اعلیٰ ترین منازل پر فائز ہوئے۔

آپ نے ماہ محرم الحرام ۱۸۷ھ میں اس دارِ فانی سے ملک جاودانی کی طرف کوچ فرمایا بعض کے نزدیک آپ کی وفات تین ربیع الاول ۱۸۷ھ ہے۔ آپ مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے روضہ مبارک کے متصل دفن ہیں۔

لہ نفحات الانس جامیؒ (اس طرح آپ کا وصال ہارون الرشید خلیفہ پنجم عباسی کے عہد خلافت میں ہوا)

(۶) خواجہ ابراہیم ادہم بلخیؒ

سلطان السالکین حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخیؒ کی کنیت ابو اسحٰق ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید کا قول آپ کے متعلق یہ ہے۔ "مفاتیح العلوم ابراہیم ادہم"۔ منقول ہے کہ آپ بلخ کے امیرزادے اور بقول بعض بادشاہ تھے آپ کی سواری بڑے طمطراق سے نکلا کرتی تھی ایک مرتبہ آپ جنگل میں شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اثنائے راہ میں ہاتفِ غیبی نے ندا دی "اے ابراہیم تم کو اس لئے پیدا نہیں کیا گیا" یہ آواز سن کر آپ کے اوپر خوفِ خدا طاری ہو گیا اور امارت سے دل کو نفرت ہو گئی۔

دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا کہ ایک رات کو آپ تخت پر آرام فرما رہے تھے کہ آدھی رات کو چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ ہوئی۔ آواز دی کہ کون ہے۔ جواب ملا آپ کا واقف کار، میرا اونٹ کھو گیا ہے اُسے تلاش کر رہا ہوں" آپ نے فرمایا نادان چھت پر اونٹ کیونکر آ سکتا ہے جواب ملا "اے غافل تم تخت زریں پر آرام کر رہے ہو اور خدا کی طلب رکھتے ہو خدا یہاں پر کیسے مل سکتا ہے"۔

ان واقعات کے بعد آپ نے تخت و تاج کو خیرباد کہا اور راہِ حق میں جادہ پیما ہو گئے۔ آپ کو خرقۂ خلافت سر حلقہ تابعین حضرت خواجہ ابوالفضل فضیل ابن عیاضؒ سے ملا تھا۔ آپ مدتوں حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت ابو یوسف غسولیؒ و امام ابو حنیفہؒ کی صحبت میں رہے ہیں اور حضرت امام باقرؒ سے بھی آپ نے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ آپ نے ۲۶ رجمادی الاول ۱۶۶ھ (بحوالہ اورادِ چشتیہ ۲۶۱ھ) کو رحلت فرمائی۔ آپ کی رحلت کے وقت ہاتف غیبی نے کہا:-

الاِنَّ - اَمَانَ الاَرْضِ قَدْ مَاتَ

یعنی معلوم ہو کہ زمین کے لئے جو باعث امان تھا فوت ہو گیا

آپ بغداد میں امام احمد ابن حنبلؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔

(۷) خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ

امام الفقراء حضرت خواجہ سید سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ تو ابع شام میں مرعش ایک شہر ہے وہاں پیدا ہوئے۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور سولہ سال کی عمر میں ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر کے علوم باطنی کی تکمیل کے لئے سلطان السالکین حضرت ابراہیم ادہم بلخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ کسی چیز کی طمع سے اپنے قلب کو آلودہ نہ کرتے تھے اور بے طلب جو مل جاتا اُسی پر اکتفا کرتے تھے اور اُس میں سے دوسروں کو بھی دیتے تھے۔ اور اہلِ دُنیا سے میل جول اور محبت نہ رکھتے تھے۔ منقول ہے جب آپ نے حضور نبی کریمؐ کے روضہ منورہ پر حاضری دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار فیض الانوار سے آپ کو مشرف فرمایا۔

آپ کی نسبت صاحب مرأۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "ہمیں خوارق دیر ابس بود کہ جمیع خواجگان چشت بوے می پیوندند"۔

آپ نے ۱۴ ماہ شوال ۲۵۲ھ میں بصرہ میں رحلت فرمائی۔

(۸) خواجہ امین الدین ابو ہبیرۃ البصریؒ

تاج العارفین حضرت خواجہ امین الدین ابو ہبیرۃ البصریؒ مشائخ کبار میں سے تھے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد تیس سال تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہے اس کے بعد امام الفقراء حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا:-

اے ہبیرہؒ! جو مجاہدہ بلا واسطہ اور اپنی خودی سے ہوا ہے وہ فائدہ مند نہیں"۔ یہ ارشاد گرامی اپنے پیر و مرشد کا سن کر آپ نے پھر مکمل تیس سال تک مجاہدہ کیا۔ جب اپنے مرشد کی خدمت میں آئے تو ایک ہفتہ میں منازل سلوک طے کرا دئے اور قریب ایک سال کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ کا اور آپ کے مریدوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ دن رات با وضو رہتے اور حضور دل سے نماز ادا کرتے اور خدائے عز و جل کے سوا کسی اور کا ذکر اپنی مجلس میں نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ روز کا روزہ رکھتے اور جنگلی پھلوں سے افطار فرماتے۔ آپ امراء و ملوک کی

صحبت کو سالک کے لئے سمِ قاتل تصور کرتے تھے۔

آپ کا وصال ۵ یا ۷ شوال ۲۸۷ھ کو بصرہ میں ہوا۔ آپ نے ایک سو تیس (۱۳۰) سال کی عمر شریف پائی۔

(۹) خواجہ علو ممشاد دینوری رح

مقتدائے طریقت خواجہ (ممشاد علی) علو ممشاد دینوری رض، دینور میں پیدا ہوئے جو بغداد اور ہمدان کے درمیان ایک شہر ہے۔ آپ نے بغداد شریف میں نشو و نما پائی۔ آپ جلیل القدر اولیاء کرام میں سے ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ:۔

"در مجاہدات و ریاضات محلے رفیع داشت و در مشاہدہ مقامات عالی بے نظیر وقت بود"

آپ مادر زاد عارف باللہ تھے اور آپ عشق و محبت کے دلدادہ تھے۔ بغداد شریف میں آپ کریم الدین منعم کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ آپ متموّل تھے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ جب عشق الٰہی کا غلبہ آپ پر ہوا، سب مال و زر کو راہِ خدا میں خرچ کرکے تلاش حق میں روانہ ہوگئے اور تاج العارفین خواجہ امین الدین ہبیرۃ البصری رح سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ اپنی خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے تھے۔ جب کبھی کسی مسافر کا ادھر سے گذر ہوتا تو آپ اُس سے دریافت فرماتے تھے کہ مسافر ہے یا مقیم، اگر مقیم ہے تو اس خانقاہ میں قیام کرلو اور اگر مسافر ہو تو اس خانقاہ میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں، کیونکہ جب تم چند روز یہاں پر قیام کروگے تو لامحالہ مجھے تم سے محبت ہو جائے گی اُس کے بعد اگر تم جانا چاہو گے تو مجھے اس سے تکلیف ہوگی پھر مجھے تمہارے فراق کی طاقت نہ ہوگی۔

آپ نے ۱۴ محرم ۲۹۹ھ (بعض کے نزدیک ۳۱۹ھ) کو رحلت فرمائی، مزار قصبہ دینور میں ہے۔

(۱۰) خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ

تاج الاولیاء حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ، آپ کا لقب شریف الدین تھا۔ آپ ملک شام کے رہنے والے تھے۔ آپ اپنے وطن مالوف سے بغرض بیعت بغداد شریف تشریف لائے اور مقتدائے طریقت خواجہ علو ممشاد دینوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت دینوریؒ نے آپ سے دریافت کیا "تمہارا نام کیا ہے" آپ نے جواباً عرض کیا "بندہ کو ابو اسحاق شامی کہتے ہیں" خواجہ بزرگ نے فرمایا آج سے ہم تمہیں ابو اسحاق چشتی کہیں گے۔ اس لئے کہ چشت کی مخلوق تم سے راہِ ہدایت حاصل کرے گی اور جو لوگ تمہارے سلسلہ میں داخل ہوں گے چشتی کہلائیں گے۔

آپ کو صحبت رجال الغیب کی حاصل تھی۔ آپ دن کو روزہ رکھتے اور چند لقموں سے افطار کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے معلوم کیا کہ آپ اس قدر کم غذا کیوں کھاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"بھوک میں وہ کیفیت ولذت پاتا ہوں کہ کسی چیز میں وہ نعمت ولذت نہیں ہوتی"۔

منقول ہے کہ آپ کی توجہ اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو شخص آپ کی خدمت اختیار کرتا اُس سے معصیت کا ظہور نہیں ہوتا تھا۔

آپ نے مقام عکہ واقع شام میں ۱۴؍ ربیع الثانی ۳۲۹ھ کو رحلت فرمائی۔

(۱۱) خواجہ ابو احمد ابدال ابن فرسنافۃ الچشتیؒ

پیشوائے اصفیاء حضرت خواجہ ابو احمد ابن فرسنافۃ الچشتیؒ المقلب بہ قدوۃ الدین ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے حضرت حسن مثنیٰؓ بن حضرت امام حسنؓ تک پہونچتا ہے۔ آپ سلطان فرسنافہ کے نورِ نظر تھے جو شرفائے چشت اور امراء ولایت میں سے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ:۔

"درفناء احدیت گم گشتہ و ہیچ سرّی از اسرار دوست بیرون نداد"۔

آپ نے خرقۂ خلافت تاج الاولیا، حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ سے حاصل کیا۔
آپ کے پیرو مرشد کبھی کبھی آپ کے گھر پر آیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ :۔

"اس لڑکے سے ایسی خوشبو آتی ہے کہ جس سے ایک بڑا خاندان اور بزرگ ظاہر ہونگے عجیب حالات اور غریب آثار دیکھنے میں آئیں گے"۔

منقول ہے کہ جب آپ کی عمر شریف تقریباً بیس ۲۰ سال کی تھی اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کی زندگی کے دھارے کا رُخ بدل دیا۔ ایک روز اپنے والد ماجد کے ہمراہ شکار کے ارادہ سے پہاڑ کی سمت گئے۔ اور اثناء راہ میں شکار کی تلاش میں اپنے والد ماجد سے جُدا ہو گئے۔ ایک پہاڑ پر پہونچے جہاں چالیس رجال الغیب کو دیکھا اور اُن کے درمیان حضرت ابو اسحٰقؒ تشریف فرما تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور آپ بھی حلقۂ رجال اللہ میں شریک ہو گئے۔

آپ نے ۹۵ برس کی عمر پائی، آپ نے خلیفہ المعتمد علی اللہ سے لے کر خلیفہ المطیع باللہ تک کا زمانہ دیکھا جو بنو عباس کا تیئسواں خلیفہ تھا۔ آپ نے یکم یا دہم جمادی الثانی ۳۵۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار قصبہ چشت میں ہے۔

(۱۲) خواجہ ابو محمد ابن احمد ابدال چشتیؒ

ملجاء و ملاذ حضرت خواجہ ابو محمد ابن احمد ابدال چشتیؒ شب عاشورہ کو ۳۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بیس سال سے بھی کم عمر میں امورِ دینی و معارف یقینی کو حاصل کیا۔ آپ بڑے پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"جب اول و آخر دنیا کا ترک ہے۔ تو اپنے آپ کو اس دھوکہ اور غرور سے بچانا چاہیئے"۔

آپ ہمیشہ اہل دنیا سے کنارہ کش رہتے تھے۔ آپ اکثر و بیشتر تحیّر کے عالم میں رہا کرتے تھے، سالہا سال آپ نے پہلوئے مبارک آرام کے لئے زمین سے نہ لگایا۔

آپ نے خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد خواجہ ابو احمدؒ سے حاصل کیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر اور آنکھوں میں وہ نور پیدا کیا تھا کہ

جس کی نظر آپ پر پڑتی تھی وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور اسلام قبول کرلیتا تھا۔
آپ نے اواخر ربیع الاول یا یکم جمادی الثانی ۴۱۱ھ اور بقول بعض مؤرخین ۴۱۵ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک موضع چشت میں مرجع خواص و عام ہے۔

(۱۳) خواجہ ناصرالدین ابو یوسف چشتیؒ

عالم علوم مشاہدہ حضرت خواجہ ناصرالدین ابو یوسف چشتیؒ، آپ محمد سمعانؒ کے نورِ نظر ہیں جن کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے امام زین العابدینؓ تک پہنچتا ہے۔
آپ ۳۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے خرقۂ خلافت ابو محمد ابن احمد ابدال چشتیؒ سے حاصل کیا جو آپ کے ماموں بھی تھے۔ آپ کے ماموں یعنی پیر و مرشد خواجہ ابو یوسف کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ آپ میں سکر و فنا کی حالت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔
منقول ہے کہ آپ کو قرآن کریم حفظ نہیں ہوتا تھا جس کے باعث آپ آزردہ خاطر رہتے تھے۔ ایک دفعہ جبکہ آپ کی طبیعت اس سلسلہ میں مکدر تھی آپ نے اپنے پیر و مرشد کو عالم رویا میں دیکھا (یا پیر و مرشد کی روح سے مشورہ کیا) پیر و مرشد نے فرمایا کہ سو بار سورہ فاتحہ پڑھو تاکہ اس تردد سے چھٹکارا ملے۔ آپ نے تعمیل ارشاد کی اور اس طرح قلیل مدت میں قرآن کریم حفظ ہو گیا۔ آپ نے ابو جعفر عبیداللہ الملقب بہ قائم بامراللہ خلیفہ عباسی اور سلاطین سلجوقیہ میں سلطان طغرل بیگ بن میکائل بن سلجوق کا زمانہ پایا۔
آپ نے ۸۴ سال کی عمر شریف میں ۳ رجب المرجب ۴۵۹ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ چشت میں ہے۔

(۱۴) خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ

پیشوائے اولیاء نامدار حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ۔ آپ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی کے نورِ نظر تھے آپ ۴۳۰ھ میں پیدا ہوئے (بعض تذکرہ نویسوں نے ۴۳۱ھ لکھا ہے) نفحات الانس میں درج ہے کہ" درسن ہفت سالگی تمام قرآن را با واضح آں حفظ کردہ بود بہ تحصیل علوم اشغال می داشت" آپ کی عمر جب چھبیس سال کی ہوئی توسایۂ پدری آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ آپ نے خرقۂ خلافت اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کیا۔ آپ اپنے اوصافِ حمیدہ اور فضائل کریمانہ کی وجہ سے مشہور ہیں۔

شاہ سنجان جس کا لقب اور نام رکن الدین محمود ہے آپ کی صحبت میں کچھ مدت تک رہا اور فیضیاب ہوا۔ روایت ہے کہ آپ کی خانقاہ میں جو شخص تین روز قیام کرتا، صاحبِ کرامت ہو جاتا۔ آپ کو فاقہ کشی سے خاص شغف تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ" درویش کو فاقہ کشی سے کشائش ہوتی ہے"۔ کشفِ ارواح اور کشفِ قلوب آپ کا خاصہ تھے آپ نے بہ عہد سلطان معز الدین سنجر بن ملک شاہ سلجوقی بمقام چشت غرہ رجب ۵۲۷ھ میں رحلت فرمائی۔

(۱۵) خواجہ حاجی شریف زندنیؒ

مقتدائے اولیاء عظام حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ، آپ موضع زندنہ میں پیدا ہوئے اور علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ سے حاصل کیا۔ آپ مشائخِ وقت میں عدیم المثال تھے۔ توحید کے مسئلہ پر آپ کا تبحّر مسلّم تھا۔ صاحب مراۃ الاسرار ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"او در ریاضت و مجاہدات و ترک و تجرید قدمے ثابت داشت و در کلماتِ حقائق و خوارق میان قوم مخصوص بود و در نکاتِ اشارت و معانی توحید جملہ اہلِ حقیقت زمانہ توجہ بدو داشتہ اند"

آپ تفرید و تجرید کے اس قدر دلدادہ تھے کہ آپ نے مکمل چالیس سال تک خلق سے کنارہ کشی اختیار کی اور صحرا و بیابان اور ویرانوں میں درختوں کے پتے اور پھل کھا کر بسر اوقات فرمائی۔ نقل ہے کہ جو آپ کا پس خوردہ کھا لیتا مجذوب ہو جاتا تھا۔

آپ نے ۳ رجب یا ۶ شوال ۵۸۴ھ کو رحلت فرمائی، آپ اپنے وطن مالوف میں مدفون ہیں۔

(۱۶) خواجہ عثمان ہارونیؒ

آفتابِ روحانیت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین امام اربابِ طریقت حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، آپ قصبہ ہارون ضلع نیشاپور (خراسان) میں ۵۲۶ھ[1] میں پیدا ہوئے۔ آپ ہمیشہ سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے تقریباً تمام مشائخ وقت سے ملاقات کی اور اُن کی صحبت میں رہے۔ آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔ آپ نے کم سنی ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور معمولاً ہر روز ایک قرآن مجید ضرور ختم کرتے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ:۔

"درہر فن منتہی بود۔ تصرفے قوی داشت وکمالات ولایت وے از ینجا قیاس باید کرد کہ مثل خواجہ بزرگ معین الحق والدین حسن سنجری شاہباز عالم وعالمیاں را در دام تربیت خود آورد۔"

آپ نے خرقہ خلافت مقتدائے اولیاء حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ سے حاصل کیا۔ آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ اے عثمان کلاہ چار ترکی اُس کو سر پر رکھنے کا حق حاصل ہے جو ماسوا اللہ کو ترک کر دے، لہٰذا تمہارا بھی ان چار باتوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:۔ (۱) ترک دنیا (۲) ترک عقبیٰ کہ سوائے ذات پاک حق سبحانہ اور کچھ مقصود نہ ہو (۳) ترک خورد و خواب مگر بقدر ضرورت (۴) ترک خواہش نفسانی یعنی جو نفس کہے اُسکے خلاف کرے

---

[1] بعض ارباب سیرت نے آپ کی ولادت ۵۳۰ھ تحریر کی ہے۔

منقول ہے کہ خواجہ عثمان ہارونیؒ ایک دفعہ دوران سفر میں ایک ایسے مقام سے گذرے جہاں مجوسیوں کا بہت بڑا آتش کدہ تھا۔ حضرت خواجہؒ نے اسی آتش کدہ کے قرب وجوار میں قیام فرمایا۔ چونکہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ روزہ سے تھے قریب مغرب خدام نے افطار اور کھانا پکانے کا اہتمام کیا۔ حضرت شیخ کا ایک خادم فخر الدین آتش کدہ سے آگ لینے کو بڑھا۔ مغانِ آتش کدہ نے خادم کو آگ نہیں دی، خادم واپس چلا آیا اور خواجہ بزرگ سے واقعہ بیان کیا۔

حضرت خواجہؒ وضو فرما کر آتش کدہ کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں ایک بوڑھا موبد ایک بچے کو آغوش میں لئے کھڑا تھا۔ حضرت نے اُس سے دریافت کیا کہ آگ ایک فانی شے ہے ایک چلّو پانی سے معدوم ہو جاتی ہے تم اسے کیوں پوجتے ہو اور خداوند قدوس برتر و بالا جو اس آگ کا خالق ہے اس کی بندگی کیوں بجا نہیں لاتے۔ اُس نے عرض کیا کہ "آتش پرستی ہی ہماری نجات کا باعث ہے"۔ اس لئے اس کو ہم پوجتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم اتنی مدت سے اس آگ کی صدق دل سے پرستش کرتے ہو کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ اپنا ہاتھ یا پیر اس آگ میں ڈالو اور وہ نہ جلے۔ موبد نے کہا جلانا آگ کی خاصیت ہے جو اس میں ہاتھ یا پاؤں ڈالے گا جل جائے گا ؎

اگر صد سال گبر آتش فروزد ‌ ‌ ‌ چو یک دم اندراں افتد بسوزد

حضرت نے یہ سن کر بچہ کو اس کی گود میں سے لے لیا اور "قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْداً وَّ سَلٰماً عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ" پڑھتے ہوئے آگ کے اندر تشریف لے گئے اور چند ساعت لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے اور پھر صحیح وسالم معہ بچہ کے آگ کے اندر سے نکل آئے۔ ان لوگوں نے جب آپ کی یہ کرامت دیکھی فوراً مسلمان ہو گئے اور اس آتش کدہ کی جگہ مسجد تعمیر کر دی۔ خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کہ آپ اکثر یہ فرماتے تھے کہ "جو شخص تین خصلتیں رکھتا ہو خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ ایک تو دریا کے مانند سخاوت۔ دوسرے آفتاب کے مانند شفقت اور تیسرے زمین کے مانند تواضع"۔ آپ سیر و سیاحت سے فارغ ہو کر آخری عمر میں مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے تھے اور یہیں ۶۱۷ھ یا (۶۱۷ھ) میں واصل بحق ہوئے۔

آپ کا مزار شریف، شریف مکہ کے دولت سرا کے بالمقابل حرم مکرم سے متصل ہے۔

آخری عمر میں جب آپ حرم محترم میں معتکف ہو گئے تھے آپ نے حق جلّ وعلا سے دو چیزوں کے لئے دعا مانگی۔ ایک یہ کہ میرا مزار مکہ مکرمہ میں ہو دوسری یہ کہ ہمارے مرید خاص حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو بہت بلند مرتبہ عطا فرما چنانچہ آپ کی دونوں دعائیں مستجاب بارگاہِ ایزدی ہوئیں۔

آپ کے چار خلفاء تھے۔ (۱) حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ (۲) شیخ نجم الدین صغریؒ (۳) شیخ سعدی لنگوچوئیؒ (۴) شیخ محمد ترک نارنولیؒ۔ ان چاروں خلفا میں سے آپ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی مریدی پر فخر کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"معین الدین حسن محبوب حق ہے"

تمام علوم و معارف پر ایک عالمانہ نظر رکھتے تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ ذوق شاعری بھی آپ میں موجود تھا، آپ کا دیوان یا مجموعہ کلام آج ناپید ہے عام طور پر صرف یہ غزل آپ کی مشہور ہے:-

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم ۔۔۔ مگر نازم بایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خونِ من ریزی ۔۔۔ من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم
بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں ۔۔۔ بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
خوشا رندی کہ پامالش کند صد پارسائی را ۔۔۔ زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار می رقصم

منم عثمانؒ ہارونی کہ یار شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

حضرت شیخ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے بعد یہ سلسلہ معرفت و طریقت حضرت خواجہ خواجگان چشت سلطان الہند غریب نوازؒ کی طرف منتقل ہوا اور آپ حضرت عثمان ہارونیؒ کی جانب سے ہدایت خلق کی خدمت پر مامور ہوئے۔

ہمارا اصل مقصد یہاں آپ ہی کی ذات والا صفات تھی اور آپ کی سوانح حیات کو تفصیلی طور پر معرض تحریر میں لانا ہی ہمارا مقصود تھا لیکن یہاں بطور افادیت و تبریک شجرہ چشت سے سدا بہار نہال کے ہر شگوفہ پُر بہار کا مختصر سا تعارف کرا دیا تاکہ خواجہ غریب نواز سلطان الہند کو جن مشائخ عظام اور رجال کرام سے درجہ بدرجہ فیض حاصل ہوا اور جن نورانی سینوں سے مرتبہ بہ مرتبہ یہ رازہائے معرفت و طریقت منتقل ہوئے ان سے قارئین کو قدرے آگاہی حاصل

ہو جائے اس لئے بہ تقریب تمہید یہ چند صفحات تحریر کئے گئے ورنہ عام طور پر شجرہ مبارکہ کے اندراج ہی پر اکتفا کی جاتی ہے گویا مؤلفین نے کہ اس درگاہ والا کے ذرہ ہائے بیمقدار ہیں اور اس بڑے نام سے ہم نیازمندوں کو ایک گونہ نسبت روحانی حاصل ہے، مشہور مورخ عصامیؔ کی پیروی کی ہے عصامیؔ کے شجرہ منظومہ کی مختصر تشریح آپ کے سامنے پیش کر دی ہے ورنہ اس سلسلہ کی ہر ایک ہستی پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اور ہر ایک مصنف نے بقدر علم و آگاہی اس ذکر سے سعادت دینی و دنیوی کا ذخیرہ کیا ہے اگر ہم بھی یہاں قدرے تفصیل سے ان ستودہ صفات برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں سوانح نگاری کا فریضہ انجام دیتے تو ظاہر ہے کہ کتنے ہی مجلد اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے درکار ہوتے اور پھر بھی ؎

"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

کا مصداق ہوتا اس لئے ہم نے سمندر سے ایک قطرہ اور صحرا سے ایک ذرّہ پیش کرنے کو کافی سمجھا۔

فتوح السلاطین میں عبدالمالک عصامی نے مذکورہ بالا مشائخ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے:۔

علیؓ چو ازیں کارواں رخت بُرد	۱	یکے خرقہ بر پیر بصریؒ سپرد
حسنؒ چوں سفر کرد ازیں کوچگاہ	۲	شرف یافت از و عبد واحدؒ کلاہ
رسیدہ از و بر فضیلِ عیاضؒ	۳	کہ شد تازہ از بوئے خلقش ریاض
وزو خرقہ بر پور ادہمؒ رسید	۴	ملک وار آں حلّہ در بر کشید
ازو یافت آں خواجۂ مرعشی	۵	حذیفہؒ بہ صد فرحت و دلخوشی
پس آں گہ بہ صدقِ ارادت ربود	۶	ہبیرہؒ کہ تعریفش از بصرہ بود
ازاں پس بہ خواجہ علوؒ کش عرب	۷	بہ دینور نسبت کند در نسب
وزو خواجہ اسحٰقؒ چشتی نژاد	۸	بہ بر در کشید آں لباس مراد
پس آں خرقہ بواحمدؒ چشت یافت	۹	کہ حورش برشت و ملائک بتافت
محمدؒ کہ او نیز از چشت بود	۱۰	ز سودائے خوش کرد از آں مایہ سود
وزو یوسفؒ آں پیر چشتی گرفت	۱۱	چو روحش ہوائے بہشتی گرفت
وزو یافت آں قطب چشتیؒ سرشت	۱۲	کہ بودست مودودؒ و مقبول چشت
وزو یافت آں اشرفِ دینؒ شریف	۱۳	کہ شد زندنی نسبتِ آں حریف

وز و یافت ہارونی عثمانؒ بہر ۱۴ در آورد آں خلعتِ خوش بہ بر
وز و در بر آں خرقۂ عہدے بعید ۱۵ معین دینؒ آں پیر سنجر کشید

(۱۷) خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتیؒ

مہر سپہر طریقت بدر سمائے معرفت گوہر معدن عطائے رسول، خواجہ عرش مقام سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری چشتیؒ

خواجہ عثمان ہارونیؒ جن کی عمر کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں بسر ہوا۔ آج یہاں کل وہاں لیکن اس دشت گردی اور صحرا نوردی میں ان کو ایک ایسا شہباز طریقت مل گیا تھا جس کی جدائی ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا اور پسند خاطر نہ تھی اور وہ شہبازِ طریقت بھی ایسا دیدہ ور کہ سفر و حضر ہر حال میں پیر طریقت کا غاشیہ بردار رہا یہ تھی ہستی اس بدر طریقت کی جس کو آج دُنیا خواجہ غریب نوازؒ کے نام سے جانتی ہے اور چار دانگ عالم جن کی شہرت سے معمور ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے :۔

کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو اس عہد کے مشائخ سے ملاقات کا شوق ہوا آپ قصبہ سنجان (سنجار) جو بغداد شریف سے تقریباً، میل دور ہے شیخ نجم الدین کبریؒ (ولی تراش) کی خدمت میں پہنچے اور تقریباً ڈھائی ماہ ان سے استفادہ کیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر قصبہ جیلؒ[1] جو کوہ جودی کے دامن میں ہے حضرت غوث الثقلین سید محی الدینؒ عبدالقادر جیلانی غوث صمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی سرور عارفاں اولیاء عالم کے سردار پیران پیر دستگیر سے شرف نیاز حاصل کیا اور استفادہ کیا (اس وقت آپ کا سن مبارک تاریخ ولادت کے لحاظ سے ۲۲ سال تھا اور حضرت غوث پاکؒ پیران پیر دستگیر کی عمر شریف (بلحاظ سن ولادت ۴۷۰ھ و وفات شریف سترہ[2] ربیع الثانی ۵۶۱ھ) نواسی ۸۹ سال تھی۔ حضرت غوث پاک نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو دیکھ کر فرمایا :۔

"یہ مرد مقتدائے روزگار ہے بہت سے لوگ اس سے منزل مقصود کو پہونچیں گے"

---

[1] مونس الارواح میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ کا حجرہ متبرک اب تک قصبہ جیل میں موجود ہے [2] پاک و ہند میں آپ کا عرس ۱۱ تاریخ کو ہوتا ہے

مزید یہ بھی فرمایا کہ "اے معین الدین سرحد ہند پر ایک شیر بیٹھا ہوا ہے اس سے ڈرنا۔" اس سے حضرت غوث پاکؒ کا اشارہ حضرت داتا گنج بخش علی الہجویری کی طرف تھا۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ پانچ ماہ سات روز ہم صحبت غوث الاعظم پیران پیر دستگیرؒ رہے اور مجلس محرمانہ واقع ہوئی۔ (مناقب الحبیب و جواہر فریدی)

لطائف الغرائب (مصنفہ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ) کی سند سے سید غلام قادری موسوی لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے کہ مزاج داں غوثیت تھے۔ حضرت غوث الاعظم پیرانِ پیر دستگیرؒ سے عراق کی ولایت مانگی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے اخی صالح میں نے عراق حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کو دیا اور تمہیں مملکت ہند کی ولایت دیتا ہوں۔ "لطائف الغرائب" میں حضرت نصیر الدین چراغؒ کے زبانی لکھا ہے کہ جب حضرت غوث الثقلین پیرانِ پیر دستگیرؒ نے قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيٍّ فرمایا تو خواجہ غریب نوازؒ خراسان میں ایک پہاڑ کے دامن میں ریاضت میں مشغول تھے۔ جب آپ کو اس قول کا علم ہوا تو فوراً آپ نے اپنا سر جھکا دیا۔ سیر الاقطاب میں قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حوالہ سے نقل ہے کہ قیام بغداد کے دوران شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ (پیدائش ماہ رجب ۵۳۹ھ وفات شریف یکم محرم ۶۳۲ھ) شیخ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ العزیز (بروایت صحیح ۶۳۵ھ بمقام تبریز آپ نے انتقال فرمایا) شیخ محمد کرمانیؒ، شیخ محمد صفہانیؒ، مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتیؒ، مولانا بہاء الدین بخاریؒ مولانا محمد بغدادی و خواجہ اجل سنجریؒ و شیخ سیف الدینؒ ماجوزی و شیخ احمد بن محمد اصفہانیؒ و شیخ جلال الدین تبریزیؒ و شیخ احمد واحدؒ و شیخ برہان الدین غزنویؒ و خواجہ سلیمانؒ و عبد الرحمٰنؒ، ان بزرگوں کے علاوہ شیخ ضیاء الدینؒ و دیگر مشائخ کبار حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی سماع کی محفلوں میں تشریف لاتے اور فیضیاب بھی ہوا کرتے تھے، سیر العارفین میں مولانا روم کے خلیفہ شیخ حسام الدین چلپی کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ حضرت اوحد الدین کرمانیؒ کو حضرت غریب نوازؒ نے اپنے حلقۂ مریدین میں شامل فرما کر خرقۂ خلافت عطا کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے متعدد اولیاء اللہ سے فیوض و برکات باطنی حاصل کئے۔ معدودے چند کے اسمائے گرام درج ذیل ہے:۔

ہمدان میں خواجہ یوسف ہمدانیؒ۔ تبریز میں شیخ ولی اللہؒ، شیخ ابو سعید تبریزیؒ۔ اصفہان میں شیخ محمود اصفہانیؒ۔ مہنہ میں حضرت خواجہ ابو سعید مہنویؒ۔ استر آباد میں

شیخ ناصرالدینؒ استرآبادی۔ غزنی میں شیخ عبدالواحدؒ غزنی سے استفادہ کیا۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ و شیخ عبداللہ انصاریؒ و دیگر آئمہ کے مزارات پر حاضری دی اس طرح حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے صدہا اولیا و مشائخ کرام سے فیض باطنی حاصل کیا۔

سلسلۂ چشتیہ کا آغاز یا وجہ تسمیہ

خواجہ غریب نوازؒ کا شجرۂ طریقت سات واسطوں سے حضرت خواجہ مکرم ابو اسحاق شامی چشتیؒ تک پہونچتا ہے جو قصبہ چشت کے رہنے والے تھے۔ خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی چشتیوں کے مبدا تھے۔ جب حضرت ابو اسحاق شامیؒ بہ نیت بیعت حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ کی خدمت میں بغداد شریف تشریف لے گئے۔ آپ نے آپ کا نام دریافت فرمایا۔ آپ نے اپنا نام بتایا اور اُس کے ساتھ شامی کا اضافہ کیا ("ابو اسحاق شامی")

تو حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے فرمایا:۔

"از امروز ترا ابو اسحاق چشتیؒ خوانند کہ خلائق چشت و دیار آں از تو ہدایت یابند و ہر کہ سلسلۂ ارادت تو در آید آنہا را نیز تا قیامت چشتی خوانند"۔ یعنی خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے فرمایا کہ آج سے ہم تجھے ابو اسحٰق شامیؒ کے بجائے چشتی کہیں گے اور جو لوگ تیرے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوں گے وہ بھی قیامت تک سب چشتی کہلائیں گے۔ اس طرح سے سلسلہ چشتیہ کا آغاز ہوا۔ مشرق میں کوئی خطہ ایسا نہیں جو سلسلہ اہلِ چشت سے فیضیاب نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ ابو اسحاق شامیؒ نے ہدایت خلق اللہ کے لئے اور طالبین کو رموز باطنی سے سرفراز کرنے کیلئے اس قصبہ کا انتخاب کر لیا تھا۔ چشت کے متعلق مولانا رحیم بخشؒ (حضرت خواجہ فخرالدینؒ دہلوی کے خلیفہ) کی تصنیف شجرۃ الانوار میں درج ہے کہ:۔

"و آں دو مقام اند یکے شہریست درمیان ولایت خراساں قریب ہرات و چشت دوئیم دیہہ ست در ولایت ہندوستان (اب پاکستان میں ہے) درمیان اوچ و ملتان و خواجگانِ چشت از چشت خراساں بودہ اند"۔

خدمت پیر و مرشد و سفر حرمین شریف و ہمرکابی مرشد

خواجہ غریب نوازؒ اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ بیس سال تک رہے جیسا کہ سیر الاولیاء میں درج ہے:۔[1]

[1] سیر الاقطاب۔ سیر الاولیا۔ اخبار الاخیار

"منقول است کہ شیخ الاسلام معین الدینؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز میفرمود کہ چوں
منقول ہے کہ شیخ الاسلام معین الدینؒ قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے کہ جب میں
من بخدمت خواجہ عثمان ہارونی پیوستم و بہ شرف ارادت آں بزرگ مشرف
خواجہ عثمان ہارونیؓ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ اور برگزیدہ ہستی کی مریدی کے شرف سے
شدم بست سال ملازم خدمت ایشاں بودم چنانکہ یک ساعت نفس راز
مشرف ہوا تو بیس سال تک حضرت کی خدمت میں قیام کیا اور اس طرح کہ ایک پل کے لئے بھی
خدمت آں بزرگ راحت ندادم و در سفر جامۂ خواب خواجہ من می بُردم
اپنے نفس کو اس والا مرتبت کی خدمت سے الگ نہیں رکھا۔ سفر میں خواجہ بزرگ کا بستر میں اٹھائے
چوں رسوم خدمت من باعتقاد کرد آنگاہ نعمتے کہ از کمال خواجہ اقتضا
رہتا تھا۔ جب آپ نے میری خدمت گذاری کے خلوص کو پرکھ لیا تو اس وقت خواجہ بزرگ
کرد در حق من کرم فرمود۔"
نے اپنے کمالات کی نعمتوں سے میرے حق میں کرم فرمایا۔

تاریخ فرشتہ میں مندرجہ ذیل عبارت اس ضمن میں ہے:۔

"شیخ عثمان ہارونیؓ را کہ از مشائخ کبار وقت بود، دیدہ مرید او شد،
شیخ عثمانؓ ہارونی سے جو وقت کے عظیم کبائر و مشائخ میں سے تھے، ملاقات ہوئی اور انکے مرید ہو گئے
و دو سال و نیم در خدمت او بمجاہدہ و ریاضت نفس اشغال نمود"
اور دو سال چھ ماہ تک ان کی خدمت میں رہ کر مجاہدہ و ریاضت نفس کی منزل سے گذرے۔

مذکورہ بالا سطور میں ۲ ½ سال کی مدت سے مراد مدت مجاہدہ ہے نہ کہ مدت خدمتِ شیخ لیکن اس عبارت نے اکثر تذکرہ نویسوں کو مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔

اس سلسلہ میں دلیل العارفین کا یہ بیان قابل غور ہے:۔

"(خواجہ غریب نواز) فرمود وآنجا من بخدمت شیخ الاسلام سلطان المشائخ
خواجہ غریب نواز نے فرمایا، کہ وہاں میں خدمت شیخ الاسلام سلطان المشائخ
خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہٗ پیوستم و بارادت بیعت قبول اقتادم مدت
خواجہ عثمان ہارونی (نور اللہ مرقدہٗ) میں باریاب ہوا۔ اور آنجناب سے بیعت کا شرف مجھے حاصل ہوا
ہشت سال در خدمت کردن ایشاں یکزمان نفس را آسودگی ندادم چنانچہ

تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں اس طرح مصروف رہا کہ ایک لحظہ کے لئے بھی میں نے نفس کو مہلت نہیں
نہ روز دانستم و نہ شب ہر جا کہ خدمت خواجہ مسافرمی شدند دعا گو برابر
دی، نہ مجھے دن کا پتہ تھا نہ رات کا، جب خواجہ سفر اختیار فرماتے تو یہ دعا گو ہر دم
بودی و جامہ خواب و توشہ خواجہؒ برسر کردہ رفتی چوں پیر خدمت ایں درویش
ساتھ رہتا اور حضرت شیخ کا جامۂ خواب اور توشہ اپنے سر پر لئے رہتا۔ جب پیر محترم نے میری
بدید نعمت بمن رواں کرد کہ آں نعمت راحدی و نہایتی نبود"
یہ خدمت گذاری ملاحظہ فرمائی تو پھر مجھکو وہ نعمت روحانی عطا فرمائی جس کی حد و نہایت نہیں تھی۔

مزید انیس الارواح کی ایک مجلس سے اخذ کر کے حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکیؒ نے دلیل العارفین میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"پیرکہ واصل راہ خدا است از خدا جدا نیست و بندہ نیز در سفر و حضر
وہ پیر جو واصل راہ خدا ہے خدا سے جدا نہیں ہے، یہ بندہ بھی سفر و حضر میں
ہمراہ پیر و مرشد بود و از برکت انفاس متبرکہ اوشاں کار خود سرانجام نمودم"
اپنے مرشد کے ہمراہ رہتا تھا اور ان کی متبرک انفاس کی برکتوں سے اپنے معاملات (روحانی) کو سرانجام دیتا۔

بہرحال سرکار غریب نوازؒ نے اس ارشاد ربانی کے مطابق سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ (پارہ ۷) اس بیس سال کی مدت میں سے تقریباً دس سال اپنے پیر و مرشد کی ہمرکابی میں سیر و سیاحت میں گذارے۔ بغداد شریف سے مرشد کے ہمراہ خانہ کعبہ کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں اسلامی علوم و فنون کے مراکز یعنی بخارا۔ بدخشاں و بلخ کی سیر کی۔ اثناءِ راہ میں ایک جماعت درویشوں کی دیکھی جو شراب عشق الٰہی میں سرشار و عالم سکر و حیرت میں از خود رفتہ تھی۔

"ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی"

چند روز اُن کے پاس قیام کیا لیکن وہ بزرگانِ طریقت عالم صحو میں نہیں آئے کہ ان سے اکتساب فیض کیا جاتا۔

بدخشاں میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو حضرت جنیدؒ بغدادی کے پیشکاروں میں سے تھے۔ وہ بہت عبادت گذار تھے اور اُن کی عمر لگ بھگ سَو برس کی ہوگی مگر ایک پاؤں نہ تھا۔ حضرت خواجہؒ نے جب آپ سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے

فرمایا میں نے جھونپڑی میں خلوت گزینی اختیار کرلی تھی ایک دفعہ خواہش نفسانی نے اُکسایا اور میں نے قدم جھونپڑی سے نکالا ہی تھا کہ غیب سے ندا آئی کہ "مدعی یہی اقرار تھا جو تونے فراموش کردیا، کیا ہم سے یہی عہد کیا تھا" چھُری میرے پاس تھی میں نے اسی دم ایک ٹانگ کو کاٹ کر پھینک دیا۔ چالیس برس سے اب تک میرے اوپر اُس بات سے خوف طاری ہے کہ کل قیامت کے روز مجھ سے اس کے متعلق سوال ہوا تو میں کیا جواب دوں گا۔ "میرا منہ تو نہیں کہ میں درویشوں کے سامنے جاسکوں"۔

مکہ معظمہ پہونچ کر فرائض حج ادا کرکے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا ہاتھ پکڑا اور خدا تعالےٰ کو سپرد کرکے میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہوکر یوں دعا کی :۔

"سَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ وَسَنَدِیْ وَرَجَائِیْ اَنَّ عَبْدَكَ الضَّعِیْفَ قَدْ بَلَغَ مِنَ الْکِبَرِ مَا بَلَغَ وَلَمْ یَسْئَلْكَ قَطُّ شَیْئًا اِلَّا بَلَغَهٗ بَلْ اَسْبَغْتَ عَلَیْهِ نِعَمَكَ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً قَبْلَ اِسْتِحْقَاقِهٖ وَلَمْ یَكُ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِیًّا فَهَا اَنَا الْیَوْمَ یَا مَوْلَائِیْ اَسْئَلُكَ مِنْ لُّطْفِكَ الْخَفِیِّ مَا سَئَلَكَ زَکَرِیَّا عَلَیْهِ السَّلَامُ حِیْنَ اشْتَعَلَ الرَّأْسُ مِنْهُ شَیْبًا اَنْ تَهَبَ لِیْ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ بَیْتِ نَبِیِّكَ فَیَکُوْنَ نَائِبًا عَنِّیْ وَعَنْهُ وَمُعِیْنًا لِدِیْنِكَ وَمُحِیِیًا لِسُنَّةِ حَبِیْبِكَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا۔

(بحوالہ عطائے رسولؐ)

یعنی اے میرے مولا! میرے آقا۔ اے میرے مرجع اعمال! یہ تیرا ضعیف بندہ (حال یہ ہے کہ عمر میں حدِ ضعیفی کو پہنچ چکا ہے اور تجھ سے ہرگز کسی چیز کا سوال نہیں کیا مگر یہ کہ اس کو پاچکا ہے اس پر تونے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو اور زیادہ کامل کردیا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے دعا کرنے میں کبھی محروم نہیں رہا ہوں، آج بھی اے میرے مولا تیرے لطفہائے خفی سے وہی چیز مانگتا ہوں جس کو حضرت ذکریا علیہ السلام نے بڑھاپے کے وقت مانگا تھا وہ یہ کہ مجھ کو ایک ایسا جانشین عطا کردے جو میرا اور اہلبیت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث بنے اور تیرے حبیبؐ کا نائب اور دین کا مددگار اور دین کے طریقوں کو زندہ کرنے والا ہو اور اے میرے پروردگار تو ان کو

راضی رکھیو۔"

ارشادالٰہی اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ کے مطابق یہ مبارک دعا فوراً شرف قبولیت کو پہنچی۔ ہاتف غیب سے ندا آئی ہم نے معین الدینؒ کو قبول کیا۔ بعض اہلِ سیر حضرات نے اس طرح لکھا ہے: "ہم نے معین الدینؒ کو قبول کیا اور اپنے حبیب کا حبیب بنادیا" ۵

معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم

بعدازاں مدینہ منورہ میں حرم نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ کے مرشد نے فرمایا۔ "سلام کرو"۔ خواجہ غریب نوازؒ نے عرض کی "السلام علیکم یارسول اللہ ﷺ" آواز آئی "وعلیکم السلام یاقطب المشائخ البر والبحر" یہ سُن کر مرشد نے خواجہ غریب نوازؒ سے فرمایا "اب تو درجہ کمال کو پہنچ گیا"۔

انیس الارواح میں یہ واقعہ یوں درج ہے:۔

"آنگاہ بزیارت خانہ کعبہ رسیدم آنجا نیز حضرت خواجہ (عثمان ہارونی) دست من بگرفت و بخدای بسپرد در زیرنا ودان خانہ کعبہ مناجات کرد درباب ایں درویش آواز آمد کہ ما معین الدین را قبول کردیم چوں از آنجا باز گشتیم تا بزیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسیدیم مرا فرمود کہ سلام کن سلام کردم آواز برآمد علیکم السلام اے قطب مشائخ البّر و البحر ہمینکہ آواز برآمد خواجہ فرمود کہ بیا اکنوں کار تو تمام شد۔"

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے والہانہ محبت فرماتے تھے آپ نے فرمایا کہ:۔

"معین الدین محبوب خداست و مرا فخر است بر مریدی او۔"

آخر وہ گھڑی آپہونچی جب آپ نے اپنے پیرومرشد سے رخصت چاہی، پیرومرشد نے آپ کی پیشانی چومی اور کہا تم کو خدا کی امان میں دیا۔ رخصت کرتے وقت مزید فرمایا "معین الدین مخلوق سے طمع نہ رکھنا، آبادی و بستی میں کبھی قیام نہ کرنا، کسی سے ہرگز کچھ طلب نہ کرنا"

پیرومرشد سے رخصت ہو کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے پھر سفر شروع کیا۔ بغداد شریف

سے آپ اصفہان پہنچے۔ اصفہان میں خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکیؒ سے ملاقات ہوئی وہ آپ کو دیکھ کر آپ کے گرویدہ ہو گئے اور آخر کار یہ شیفتگی بیعت کی صورت میں انجام کو پہنچی۔ آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور آپ کی رفاقت میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی اور پھر مدتوں آپ کے ہمراہ سفر میں رہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ دیار و امصار کی اسی طرح سیر فرماتے ہوئے ایک بار پھر کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے مکہ معظمہ پہنچے، قیام کعبہ کے زمانہ کا ایک واقعہ "سیر الاقطاب" میں اس طرح منقول ہے :۔

"نقلست کہ روزی آں حضرت درحرم کعبہ مشغول بودند ندا رسید کہ اے

نقل ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ غریب نوازؒ حرم کعبہ میں ذکر و عبادت میں مشغول تھے کہ

معین الدین من از تو خوشنودم و ترا آمرزیدم ہرچہ خواہش داری بخواہ

آپ کو یہ آواز آئی کہ "اے معین الدین میں تجھ سے خوشنود ہوں میں نے تجھے بخش دیا اب جو کچھ تیری خواہش ہے

تا عطا کنم گفت الٰہی مریدان معین الدین را و مریدانِ معین الدین کہ بشجرہ بر سلسلہ

وہ بیان کر تا کہ میں اس کو پورا کر دوں، آپ نے عرض کی الٰہی، معین الدین کے مریدوں کو اور ان مریدوں

بیامرز فرمان آمد کہ ای معین الدین تو ازانِ مائی ہر کہ مرید تو و مرید مریدان

کے مریدوں کو یعنی جو میرے شجرہ سے منسلک ہوں ان سب کو بخش دے، فرمان الٰہی ہوا کہ اے معین الدین تو ہم کو

تو تا قیامت بشجرہ تو بر سلسلہ بیامرزم بعد ازاں حضرت خواجہ اکثر میفرمود

اتنا عزیز ہے کہ ہم نے تیرے مرید کو اور اس کے مریدوں کو یہاں تک کہ قیامت تک جو تیرے شجرہ سے منسلک ہونگے

ہر کہ مرید من و مرید مریدان من تا قیامت کہ از روی شجرہ بمن رسد

بخش دیا، اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا مرید اور اس مرید کے مرید قیامت تک جو

معین الدین پای در بہشت ننہد تا اورا بہ بہشت نہ برد"

اس سلسلہ اور شجرہ سے وابستہ ہونگے اور مجھ تک پہنچیں گے جبتک ہر ایک بہشت میں نہ پہنچ جائیگا یہ معین الدینؒ اسوقت تک بہشت میں پاؤں نہیں رکھے گا۔

آپ نے کچھ روز مکہ معظمہ میں قیام کیا حج کا فریضہ انجام دیا پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ایک روز مسجد قبا میں عبادت فرما رہے تھے کہ آخر کار وہ ساعت مبارک آ پہنچی جب آپ کو دربار رسالت سے یہ بشارت ملی۔

"اے معین الدین" تو میرے دین کا معین ہے میں نے ولایت ہندوستان تجھ کو عطا

کی (یہی وجہ ہے کہ آپ کو سلطان الہند کہتے ہیں) وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ تو اجمیر جا۔ ترے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔"

اس نوید جانفزا کو سُن کر آپ کی مسرت کی حد نہ رہی۔ لیکن آپ کو یہ علم نہ تھا کہ اجمیر کہاں واقع ہے آپ ان ہی خیالات میں محو تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہوگئی اور اس عالم میں آپ سرور دو جہاں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت نے فرمایا "معین الدین دیکھو تمام مشرق و مغرب کے دروازے تم پر وا کر دیئے گئے ہیں پھر آپ کو اجمیر کا شہر تمام دکمال دکھایا اور جنت کا ایک انار عطا فرما کر رخصت کیا۔

عزم اجمیر شریف

دربار رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ حکم ملنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ عازم سرزمین ہند ہوئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ بغداد شریف تشریف لے گئے۔ کچھ روز وہاں قیام پذیر رہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۱۲ سال کی تھی آپ کی مجلس کے سامنے سے گذر ہوا، آپ نے اُس کو دیکھ کر فرمایا کہ :-

"جب تک یہ لڑکا دھلی کا بادشاہ نہ ہوگا خدا اسے دنیا سے نہ اُٹھائے گا۔"

یہ لڑکا سلطان شمس الدین التمش تھا جو بعد میں واقعی بادشاہ ہوا لیکن اس وقت اس کی حیثیت ایک عام بچے سے زیادہ نہ تھی۔ بغداد شریف سے آپ جب ہرات (اسبزوار) پہنچے تو وہاں کے حاکم یادگار محمد کے باغ میں داخل ہوئے۔ یہ باغ یادگار محمد کی خصوصی سیرگاہ تھی اور کسی شخص کو اس میں داخلہ کی اجازت نہیں تھی۔ آپ حوض کے کنارے بیٹھ کر تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو گئے۔ یہ حاکم یعنی یادگار محمد نہایت ہی فاسق و فاجر واقع ہوا تھا اور سخت بد عقیدہ تھا اور اصحاب کرام خصوصاً خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھتا تھا اور دیدہ و دانستہ ان برگزیدہ ہستیوں کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا تھا اس کے بغض کی انتہا یہ تھی کہ جس کا نام ابو بکرؓ یا عمرؓ یا عثمانؓ ہوتا اس کو قتل کرنے سے بھی نہیں کرتا تھا۔ حسنِ اتفاق سے اس وقت یادگار محمد بھی باغ میں آ پہنچا۔ اُس کے ملازموں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حاکم خواجہ غریب نوازؒ کو باغ میں فروکش دیکھ کر برہم نہ ہو اور آپکی

شان میں گستاخی کا مرتکب نہ ہو اس لئے خادموں نے خواجہ غریب نوازؒ سے عرض کی کہ باہر تشریف لے چلیں کہ حاکم آرہا ہے۔ خواجہ غریب نوازؒ نے ارشاد فرمایا اگر تم کو خوف معلوم ہوتا ہے تو تم درخت کے نیچے بیٹھ جاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔ خواجہ غریب نوازؒ کو باغ میں دیکھ کر یادگار محمد اپنے ملازمین پر ناراض ہوا۔ خواجہ غریب نوازؒ مسکرائے اپنا سر اُٹھا کر اُس کی جانب دیکھا، جو نہی نظریں چار ہوئیں یادگار محمد بید کی طرح کانپنے لگا اور بیہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ حضرت نے ملازمین کو حکم دیا کہ حوض میں۔ تھوڑا سا پانی لے کر بسم اللہ پڑھ کر اُس کے منہ پر چھڑکیں۔ ملازمین نے ایسا ہی کیا۔ یادگار محمد ہوش میں آگیا اور معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا تو مجھ سے معافی کا خواہاں ہے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کرتا ہے اس پر پشیمان نہیں ہوتا۔ افسوس کا مقام ہے کہ تو اصحاب رسول پر تبرہ بھیجتا ہے حالانکہ سرکار دو عالم رحمت اللعالمین کا ارشاد ہے۔" اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے راہ راست پالوگے نصیحت کا حاکم ہرات پر بڑا اثر ہوا اور وہ تائب ہوگیا۔ اس موقع پر مورخ فرشتہ نے خوب شعر نقل کیا ہے :-

آنچہ زر میشود از پرتو آں قلب سیاہ کیمیائے ست کہ در صحبت درویشاں ست

اسی وقت یادگار محمد خواجہ غریب نوازؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ اپنا مال و متاع فقراء و غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا اور حسب فرمان حصار میں اقامت پذیر ہوگیا اور خلق اللہ کی ہدایت اور اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو

حضرت خواجہ غریب نوازؒ یہاں سے عازم بلخ ہوئے۔ بلخ میں شیخ خضرویہؒ کی خانقاہ میں قیام فرمایا، دوران قیام حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فاضل مولانا ضیاء الدین حکیم کو اپنے حلقۂ مریدین میں داخل کیا۔ مولانا ضیاء الدین فلسفے میں بڑی دستگاہ رکھتے۔ مگر مسلک صوفیاء کے قائل نہ تھے بلخ کے ایک دیہات میں اُن کا پر فضا باغ تھا اُسی میں ایک مدرسہ تھا جہاں بیٹھ کر مولانا ضیاء الدین فلسفہ و حکمت کا درس دیا کرتے۔ آپ کے مرید ہونے کا واقعہ حسب ذیل ہے :-

"حضرت خواجہؒ کا معمول تھا کہ جب سفر کرتے تھے ایک تیر و کمان چقماق اور ا

نمک دان اپنے ساتھ رکھتے تھے"۔ ایک دن آپ نے سفر میں ایک کلنگ کا شکار کیا۔ خادم سے کباب بنانے کے لئے کہا اور آپ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنار میں حکیم ضیاء الدین کا گذر اس طرف سے ہوا۔ اس منظر کو دیکھ کر حکیم صاحب اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے جب تک حضرت خواجہ غریب نوازؒ عبادت سے فارغ نہ ہو گئے۔ عبادت سے فارغ ہو کر حضرت نے انطار فرمایا آدھا کباب خود کھایا اور آدھا حکیم صاحب کو دیا۔ کباب کھانا تھا کہ مولانا کے دل سے کثافت دور اور رنگ فلسفہ کافور ہو گیا۔ اور اسرار الٰہی منکشف ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے پس خوردہ سے قدرے مولانا کے منہ میں ڈالا تو حالت اصلی بحال ہوئی۔ اس ملاقات کا مولانا ضیاء الدین پر اتنا اثر ہوا کہ انھوں نے تصوف کے متعلق اپنے خیالات ترک کر دیئے اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

المختصر خواجہ غریب نوازؒ چالیس خادموں یا درویشوں کے ہمراہ ہرات، بلخ اور غزنی (غزنی میں شیخ عبدالواحد غزنویؒ سے ملاقات کی اُس وقت غزنی میں زبردست سیاسی ہیجان تھا) ہوتے ہوئے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور آپ براہ قلعہ شادماں ملتان[2] میں رونق افروز ہوئے۔ یہاں آپ نے کچھ عرصہ (تقریباً ۵ سال) قیام کر کے سنسکرت و پراکرت پر عبور حاصل کیا۔ ملتان سے لاہور تشریف لائے اور یہاں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور معتکف ہوئے اور وقتِ رخصت یہ شعر بطور نذرِ عقیدت داتا صاحب کی شان میں پیش کیا۔ یہ شعر آج بھی حضرت داتا گنج بخشؒ کے روضۂ اقدس کی محراب پر کندہ ہے:۔

"گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما"

یہاں سے براہ سمانا (پٹیالہ) دہلی[1] تشریف لائے اور راجہ کھانڈے راؤ کے محل کے سامنے

---

[1] دلی میں خواجہ غریب نوازؒ نے ۵۸۶ھ مطابق ۱۱۹۰ء قدم رنجہ فرمایا۔ ۱۱۸۶ء میں دلّی پر پرتھوی راج کا قبضہ تھا۔ ۱۱۷۶ء سے ۱۱۸۶ء تک معزالدین سام نے تین بار پنجاب پر چڑھائی کی اور سارے پنجاب کو اپنے قلمرو میں شامل کرلیا یہ وہ زمانہ ہے جبکہ پرتھوی راج چوہان اجمیر کا راجہ تھا اور دلّی کی سلطنت بھی اس کے قلمرو میں شامل تھی محمد غوری نے ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء دلّی کو فتح کیا۔

[2] بعض نے لاہور تحریر کیا ہے۔

قیام فرمایا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دھلی (یعنی کفر کے مرکز میں) میں آپ کے قدوم پاک کی برکت سے صدائے حق بلند ہوئی اور مسلمانوں نے نماز ادا کی۔

سیر العارفین میں آپ کے دھلی تشریف لانے کی متعلق حسب ذیل عبارت درج ہے :۔

"وقتیکہ خواجہ رحمت اللہ علیہ تشریف آوردند۔ درآں زماں مردمان
جس زمانہ میں خواجہ رحمتہ اللہ علیہ یہاں تشریف فرما ہوئے، اس زمانہ میں
دھلی بدیدن، مسلمان میگریختند خواجہ "بمحض قوتِ کمالیت خود
دہلی کے لوگ مسلمانوں کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے، حضرت خواجہ غریب نوازؒ
با چہل تن پیروان کامل۔ خویش در دھلی داخل گشتند وتا چند
اپنی قوت کاملہ کے ذریعہ چالیس نفر پختہ کار مریدوں کے ہمراہ دہلی میں داخل ہوئے اور چند روز
روز در آنجا رخت اقامت داشتند و ہر روز اذاں وتکبیر بہ آواز
تک اس شہر میں قیام پذیر ہوئے اور ہر روز اذان وتکبیر بلند آواز سے کہی
بلند میگفتند"
جاتی تھی۔

زمانہ قیام دہلی میں ایک شخص آپ کے قتل کے ارادہ سے ایک روز آپ کی خدمت میں آیا۔

"روزے شخص قوی کارد در بغل پوشیدہ با ارادۂ دیگر درآمد
ایک دن ایک مضبوط اور قوی جثہ شخص بغل میں چھُری چھپائے ہوئے ناپاک ارادہ سے
خواست، تا ارادۂ خود ظاہر سازد خواجۂ بزرگ از کشفِ باطن
آپکی خدمت میں آیا اور چاہا کہ اپنے ناپاک ارادہ کو عملی جامہ پہنائے، خواجہ بزرگؒ نے اپنے کشف
مکنون وضمیر روشن دریافت فرمودند کہ آنچہ در دل داری بجا
باطنی سے اس کے دل کی بات پالی اور فرمایا کہ جو کچھ ترے دل میں ہے اس کو پورا
آر بجرد ایں سخن لرزہ برتنش وکارد از دست بر زمین افتادہ
کر! یہ سُنتے ہی وہ شخص تاب نہ لا سکا اور چھُری اسکے ہاتھ سے زمین پر گر پڑی
سر بر قدم تقدس لزوم نہادو توبہ کردہ بشرف اسلام مشرف
اور اس نے اپنا سر آپ کے قدموں میں جھکا دیا، اپنے ناپاک ارادہ سے توبہ کر کے شرف بہ اسلام

شد و ہفت صد مرد ماں او نیز ہماں روز بہدایت خواجہ
تھے اور اس کے ساتھ سو دوسرے ساتھی بھی خواجہ بزرگ کی ہدایت
بزرگ اسلام آوردند۔
سے اسلام لے آئے۔

منقول ہے کہ دھلی کے قیام کے دوران ایک مرتبہ آپ کے حلقۂ ارادت کا ایک شخص زار و قطار روتا ہوا آیا اور عرض کی کہ سفاک و ظالم راجہ نے "میرے جوان اور اکلوتے بیٹے کو بے قصور قتل کر دیا ہے، آپ انصاف فرمائیں میں تباہ ہوگیا" آپ اُس شخص کے ہمراہ اُس کے فرزند کی لاش پر تشریف لے گئے اور اُس کا سر بریدہ لاش سے ملا کر فرمایا "اگر تجھ کو بے قصور قتل کیا گیا ہے تو تو خدا کے حکم سے زندہ ہو جا" اس ارشاد کے فوراً بعد ہی لڑکا زندہ ہوگیا اس کرامت سے رجوع خلق اور بھی بڑھ گیا اور اس طرح سرزمین دھلی میں اسلام کی پہلی کرن پھوٹی۔ آپ نے دہلی میں خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکیؒ کو اسلام کی تبلیغ کے لئے تفویض فرمایا۔ اور خود بہ نفس نفیس دہلی سے اپنے جاں نثاروں کی مختصر جماعت کے ساتھ عازمِ اجمیر شریف ہوئے۔ اب آپ کی شمع جمال کے چالیس پروانے آپ کو حلقہ میں لئے ہوئے جادہ پیمائے اجمیر شریف تھے اور پروانہ وار آپ پر نثار ہونے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔

سرکار غریب نوازؒ کے ہند کی سرزمین میں ورود فرمانے سے پہلے رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) کی ماں کو نجومیوں اور جوتشیوں کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ اس خد و خال کا ایک شخص وارد اجمیر ہوگا اور اس سرزمین میں نئے دھرم کا پرچار کرے گا، پرتھوی راج کے کارندے ایسی ہستی کی تلاش میں تھے۔

جب سرکار غریب نوازؒ دہلی سے مسافت کرتے ہوئے سرحدِ اجمیر شریف کے قریب قصبہ سانبھر (اس کا پرانا نام سمانا یا سمار ہے)[1] میں پہونچے راجہ کے کارندوں نے شبیہ مبارک کو نقوش کے مشابہ پاکر آپ کی تعظیم و تکریم کی اور خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا بلکہ قیام کے لئے مُصِر تھے۔ در اصل اُن کی نیت میں فتور تھا وہ حضرت کو گرفتار کر کے

---

[1] بعض نے قصبہ سمانا پٹیالہ حوالی لکھا ہے۔

رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے تھے ۔ آپ پر اسی وقت حالتِ کشف طاری ہوگئی اور آپ کو سرکارِ دوعالم فخرِ موجودات رحمت اللعالمین کا دیدار ہوا ۔ دربارِ رسالت سے حکم ہوا کہ " حیلہ میں نہ آنا " دشمن کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، آپ اپنا سفر جاری رکھیں ۔ اس واقعہ کو سیر العارفین میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :۔

" بعدازاں عازمِ اجمیر گشتند چوں بقصبۂ سمانا رسیدند اہل کاران پتھورا صورت حضرت را موافق شبیہ یافتہ بکمال تواضع و تعظیم پیش آمدند و گفتند کہ اگر مرضی مبارک باشد مکان عمدہ خوب برائے اقامت خالی کنانیدہ شود خواجہؒ بزرگ در کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دیدند فرمودند ے معین الدینؒ بہ قول وقرار شاں اعتبار منمائی کہ آں از دغا خالی نیست "

دہلی اور اجمیر کی اس مسافت میں تقریباً سات سو قبیلے آپ کی نظر کیمیا اثر و اسوۂ حسنہ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ۔

" مسلمان بندہ رویش برہمن بستہ مویش   حقیقت میں ہے یہ نقشہ معین الدین چشتیؒ کا

سرکار غریب نوازؒ ۵۸۸ھ یعنی بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں) اجمیر شریف میں رونق افروز ہوئے ۔ یقیناً یہ آپ کی عظیم کرامت ہے کہ آپ کی دوررس نظروں نے اجمیر شریف کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز اور توحید و معرفت کا روحانی دارالخلافہ منتخب کیا ۔ آپ کا یہ انتخاب سیاسی پہلو سے بھی ایک عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا ۔

وجہ تسمیہ اجمیر شریف | سرکار غریب نوازؒ کی تشریف آوری کے وقت پرتھوی راج چوہان اجمیر شریف کا فرماں روا تھا ۔ ان دنوں موجودہ شہر اجمیر سلسلہ کوہ پر آباد تھا ۔ تاراگڈھ کا قلعہ یا گڈھ بیٹلی اب بھی یہاں موجود ہے البتہ پرانی آبادی کے کھنڈر آثار الصنادید کی صورت میں پائے جاتے ہیں اخبار الاخیار میں مرقوم ہے کہ ہندوستان میں پہلی دیوار جو پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کرائی گئی یہی دیوار ہے جو کوہ اجمیر پر واقع ہے ۔ بعد ازاں شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد میں (۱۵۷۰ء) میں اجمیر شریف کے اردگرد ایک شہر پناہ تعمیر کرائی ۔ بہرحال یہ شہر سمت ۲۰۲ بکرمی (تقریباً ۱۴۵ء) میں آجانامی ایک راجہ نے آباد کیا تھا جو راجہ اجے پال کے

لہ ہندوستان کی سپریم کورٹ کا فیصلہ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء

نام سے بھی مشہور ہے۔ اس شہر کا اصلی نام آجامیر تھا۔ "آجا" سنسکرت میں سورج کو کہتے ہیں اور میر پہاڑ کو، یہاں آجا سے بادشاہ کا نام مقصود ہے (بعض نے اس طرح سے بھی بیان کیا ہے کہ یہ شہر یدِ ہشٹر کے زمانہ میں آباد ہوا۔ سابق میں اسے "اجمیر" "جیدرگ"، "آدمیر" "جیانگر" اور جلوپور، بھی کہتے تھے) بہر حال مانند لاہور کے جیساکہ خزینۃ الاصفیہ میں نقل ہے کہ :۔

"در ابتدائے لوہو پور نام داشت من بعد بعملداری اسلام بلہا نور دحالا از چند مدت بالاہور موسوم است"۔

کثرتِ استعمال سے اجمیر ہو گیا۔ صاحبِ اخبارالاخیار نے شہر اجمیر شریف کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے :۔

"کہ در ایام سلف آجانامی راجۂ راجگان ہند بود کہ تا حدود و عزمین مملکت در قبضۂ اقتدار او بود و ایں شہر را و بنام خود آباد ساخت و میر بمعنی کوہ و آجا بمعنی آفتاب بزبان ہندیست در اصل با بتدا نام ایں شہر آج میر یا آجامیر بود بعد ازاں بکثرتِ استعمال باسم اجمیر مشہور گردید"۔

محلِ وقوع اجمیر شریف

اجمیر شریف دہلی سے ۲۷۵ میل، آگرہ سے ۲۲۸ میل لاہور سے ۔۰۰ میل اور بمبئی سے ۶۸۷ میل پر واقع ہے۔ آب وہوا گرم وخشک ہے۔ موسم نہایت فرحت بخش اور صحت مند ہے۔ گلاب، نیشکر، ترکاری اور غلّہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہ اجمیر شریف اپنے محل و وقوع کے لحاظ سے بلادِ ہند میں خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔

اجمیر شریف میں قیام

خواجہ غریب نوازؒ کے سرزمین ہند میں تشریف لانے سے قبل ہندوستان پر سلطان محمود غزنویؒ نے متعدد حملے کئے تھے اور شمالی ہندوستان قنوج اور کاٹھیاواڑ تک اس سے متاثر ہوا تھا لیکن محمود غزنوی نے صرف پنجاب کو اپنی قلمرو میں شامل کیا تھا اور باقی علاقے ان مقامی امراء کی نگرانی میں دیدیئے تھے جنھوں نے سلطان سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔ محمود غزنوی کی وفات کے بعد سلطنت غزنویہ کمزور ہوتی چلی گئی اور غوری زور پکڑتے پکڑتے ہر طرف قابض ور متصرف ہوگئے۔ غور کے اولوالعزم شاہزادے معزالدین سام المعروف بہ شہاب الدین

محمد غوری نے ہندوستان کو فتح کرنے کی غرض سے دہلی پر پہلی بار ۱۱۹۱ء میں حملہ کیا۔ دہلی و اجمیر شریف کے راجہ پرتھوی راج اور محمد غوری کے درمیان ترائین کے مقام پر جنگ ہوئی اس معرکہ میں محمد غوری کو ناکامی ہوئی اور وہ واپس افغانستان چلا گیا اس شکست سے محمد غوری بہت دل شکستہ تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اس شکست کا بدلہ نہیں لے لوں گا راحت و آرام مجھ پر حرام ہے۔ سامان عیش و طرب سے یک لخت کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور جذبۂ انتقام کے تحت برابر جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ ایک سال بعد دوبارہ حملہ آور ہوا، اس بار پرتھوی راج نے شکست فاش کھائی اور سلطان شہاب الدین کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مارا گیا۔

سلطان شہاب الدین غوری کی اس فاتحانہ یلغار سے پہلے اجمیر شریف مغرور ہندو راجہ پرتھوی راج کا دارالحکومت تھا۔ کفر و ظلمت کی اس سرزمین میں مسلمانوں کے خلاف شدید ترین نفرت و انتقام کے جذبات موجزن تھے۔ ہندو راجاؤں نے مسلمان حملہ آوروں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا لیا تھا۔ چنانچہ جب خواجہ غریب نوازؒ اجمیر شریف وارد ہوئے اس وقت اجمیر پرتھوی راج کی راجدھانی کی طرح کفر و بت پرستی کا بھی مرکز تھا۔ راجگان ہند اور افغانستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں سرزمین ہند کی فرمانروائی کے لئے شدید جنگیں ہو رہی تھیں۔ ایسے پر آشوب دور میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ صرف چالیس۴۰ معتقدین کی ایک قلیل جماعت کے ساتھ ورود فرمائے اجمیر ہوتے ہیں اور شہر سے باہر ایک پیپل کے سایہ دار درخت کو اپنی منزل اور مستقر بناتے ہیں سیر العارفین میں مولانا جمالی نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"بارفقائے خویش آمدند و بر حوض آنا ساگر زیر درختے سایہ دار قیام گزیدند"

ایک روایت ہے کہ احاطہ درگاہ شریف میں موجودہ اولیا مسجد کی زمین خواجہ غریب نوازؒ کی پہلی منزل اور مرحلہ تھا، یہ جگہ راجہ کے اونٹوں کے لئے مخصوص تھی۔ خواجہ غریب نوازؒ نے ابھی نزول ہی کیا تھا کہ رائے پتھورا کے (پرتھوی راج چوہان) کے کارندے آئے اور آپ سے کہا کہ یہاں "راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں"۔ آپ یہاں سے چلے جائیں" چنانچہ آپ وہاں سے اٹھ کر جھیل آناساگر کے کنارے آگئے جہاں پر ہر چار طرف بتخانے ہی بتخانے تھے۔ البتہ چلتے وقت آپ نے فرمایا "اچھا اونٹ بیٹھتے ہیں تو بیٹھیں"۔

آپ کے ارشاد کے مطابق اونٹ اپنی جگہ پر جو آکر بیٹھے تو پھر اٹھائے سے نہ اٹھے۔ مجبور

ہو کر ساربان حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت کچھ عذر خواہی کی۔ آپ نے ان لوگوں کو ازراہِ لطف و شفقت معاف فرمایا اور کہا کہ "جاؤ اونٹ اُٹھے ہوئے پاؤ گے۔ چنانچہ ان شتربانوں نے واپسی میں اونٹوں کو بالکل تندرست اور کھڑا ہوا پایا۔

آناساگر کے قریب مسلمانوں کی اس جماعت کی موجودگی نے بت پرستوں کو مشتعل کر دیا۔ پروہتوں نے عوام و خواص کو بہکایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک مشتعل ہجوم رام دیو مہنت کی سرکردگی میں سرکار غریب نوازؒ سے نبرد آزما ہونے کے لئے مقابلے پر آیا اور اپنی ساحرانہ طاقت سے سرکار غریب نوازؒ کو مغلوب کرنا چاہا لیکن جونہی اُس کی نظر حضرت کے رُخِ انور پر پڑی کانپنے لگا اور اُس کے خادموں کی زبانیں بند ہو گئیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے اس فقر ایمانی اور شکوہ دینداری سے یہ پروہت ایسا مبہوت ہوا، اور اسلام کی صداقت اس طرح اس کے دل پر منکشف ہوئی کہ اسی دم اپنے تمام معاونوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا یہی نو مسلم بعد کو شادی دیو یا سعدی دیو کے نام سے مشہور ہوا۔

آپ کی قیام گاہ (یعنی آناساگر) سے قریب ہی ایک بہت بڑا بتخانہ تھا۔ جس میں مہاراجہ اور اس کے امراء و اراکین حکومت پوجا کرتے تھے اُس کے پھول، تیل اور بھوگ کے لئے کئی گاؤں اور پرگنے مقرر تھے۔ اس بتخانے کے پوجا پاٹ کرنے والے راجہ کے دربار میں شکایت لے کر پہونچے کہ ایک مسلمان فقیر (سرکار غریب نوازؒ) ہمارے بتوں کی ہر وقت توہین کرتا رہتا ہے۔ راجہ نے حکم دیا کہ اِن تمام لوگوں کو شہر سے باہر نکال دیا جائے چنانچہ راجہ کے سپاہی اس غرض سے آپ کی قیام گاہ کے قریب پہنچے تو حضرت نے تھوڑی سی خاک لے کر آیۃ الکرسی دم فرما کر راجہ کی سپاہ کی جانب پھینک دی جس پر اُس خاک کے ذرّہ پڑا وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا اکثر اُن میں سے مخبوط الحواس ہو گئے باقی ماندہ دستِ حق پرست پر ایمان لے آئے۔ سدید بن شیخ عبدالرحیم ابن حکیم شیخ بینا چشتی نے اپنی کتاب سیرالاقطاب مصنفہ (۱۰۳۶ھ) میں کافروں کی یورش کے واقعہ کا یہ سبب بتایا ہے۔

"گویند دراں تبخانہا تبخانۂ بود کہ راجہ و ہمہ کافراں برائے پرستش

کہتے ہیں کہ ان بتخانوں میں ایک بتخانہ ایسا تھا کہ راجہ اور تمام کافر اس میں

ادمی آمدند و برائے مصارف او مواضعات تعین نمودہ بودند

پوجا پاٹ کیلئے جاتے تھے، اس بتخانے کے مصارف کیلئے چند مواضع مخصوص کر دیئے گئے

چوں آں حضرت مقیم شد ہر روز خادماں یک گاؤ خرید نمودہ

تھے جب حضرت خواجہ غریب نواز یہاں آکر ٹھہرے تو ہر روز آپ کے خادم ایک گائے خرید کر

می آوردند و ذبح میکردند و میخوردند تا کافراں ازیں واقعہ

لاتے اور اسکو ذبح کر کے کھاتے تھے جب کافروں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی

آگاہ شدہ برخود پیچیدند و بآتش غضب سوختند و گفتند

تو بہت ہی غیض وغضب میں آئے، انکے آگ لگ گئی اور انھوں نے کہا کہ اب

کہ حالا فرصت خوب نیست ہمہ متفق بریں مسلمانان در آئیم

زیادہ چھوٹ نہیں دینا چاہیئے، سب مل کر ان تھوڑے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں

و بہر گونہ کارکہ از دست ما آید تقصیر نکنیم و آنہا را ازیں شہر

اور جس طرح بھی بن آئے ان سے نپٹ لیں اور اب اس معاملہ میں کوتاہی نہ کریں اور ان

و ملک بر آئیم آخر الامر ہر کس سلاح و چوب و سنگ وفلاخن

مسلمانوں کو اس شہر سے نکال دیں، آخرکار یہ طے کر کے ہر ایک مسلح ہو کر لاٹھی، پتھر اور گوپھیں

برداشتہ روانہ شدند و بر گرد آنحضرت جمع گشتہ قصد آں

لیکر ان مسلمانوں کی طرف چل پڑا ، اور حضرت غریب نوازؒ پر یورش کر دی ان کا ارادہ تھا

نمودند کہ آسیبی برسانند حضرت خواجہؒ در نماز بود خادمان

کہ حضرت غریب نوازؒ کو گزند پہنچائیں جب یہ مسلح ہندو آئے تو اسوقت خواجہ صاحبؒ نماز

مضطرب شدند خبر بآنحضرت نمودند آں حضرت از نماز فارغ

میں تھے، خادم یہ رنگ دیکھکر بہت پریشان ہوئے اور آپ کو اس یورش سے آگاہ کیا حضرت

شدہ برخاست و مشتی خاک برداشت و آیتہ الکرسی برش

غریب نوازؒ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور ایک مٹھی خاک اٹھائی اور آیتہ الکرسی

خواندہ بسوی شان بیفگند آں خاک بر ہر کہ افتاد تنش

پڑھ کر ان کی جانب پھینک دی، وہ خاک جس کسی پر بھی پڑی اس کا جسم اسی وقت

خشک گردید چنانکہ از حس و حرکت باز ماند و باقی ہمہ ہا مقصور گشتند

سوکھ گیا اور حس و حرکت سے محروم ہو گیا، جو باقی رہ گئے وہ پھر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے (بھاگ گئے)

آپ کے چند مرید آنا ساگر پر نہانے کے لئے گئے مگر برہمنوں نے اُنھیں گھاٹ سے بُرا بھلا کہکر ہٹا دیا۔ مرید فریاد لے کر خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت اقدس میں آئے، آپ نے ماجرا سُن کر ایک چھاگل ایک خادم کے حوالے فرمائی اور حکم دیا کہ اس کو تالاب سے بھر کر لے آؤ۔ حسب الارشاد خادم آنا ساگر پر جا کر چھاگل کو بھر لایا روایت ہے کہ اس چھاگل (کوزہ) میں صرف آنا ساگر کا پانی ہی نہیں بلکہ اجمیر شریف کے ہر تالاب اور کوئیں کا پانی سمٹ آیا اور تمام کوئیں اور تالاب خشک ہو گئے۔ لوگ نایابیٔ آب سے تڑپ اُٹھے۔ شہر کے لوگ سمجھ گئے کہ یہ خواجہ بزرگ کی ناراضگی کا کرشمہ ہے۔ شہریوں کا ایک وفد آپ کی خدمتِ والا میں حاضر ہوا اور اپنی حرکتوں پر نادم ہوا۔ آپ نے چھاگل کا پانی واپس آنا ساگر میں ڈلوا دیا جس سے ہر تالاب اور کوئیں میں پہلے کے بہ نسبت زیادہ پانی ہو گیا جو بت پرست حاضر خدمت ہوئے تھے وہ یہ کرامت دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گئے۔ اجمیر شریف میں ان واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے اشاعت اسلام کو بہت فروغ نصیب ہوا۔

پرتھوی راج اسلام کی اس روز افزوں اشاعت سے بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنی کور باطنی سے ان واقعات کو بھی جادو کے کرشمے سمجھا لہٰذا اس نے بزعم باطل ان کرشموں کے رَد کے لئے اپنے دربار کے سب سے بڑے راج گرو اور ساحر جے پال کی طرف رجوع کیا۔ یہ شخص جادو میں یکتائے روزگار تھا۔ اُس نے خواجہ غریب نوازؒ کے متعلق تمام معلومات فراہم کیں، اس کے بعد وہ مرگ چھالا پر بیٹھ کر اپنے چیلوں کے ہمراہ خواجہ غریب نوازؒ کی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لشکر شیاطین جو تقریباً ۱½ ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل تھا اپنی ساحرانہ طاقت کے نشے میں چور ہاتھوں میں جادو کے اژدھوں کے کوڑے لئے ہوئے وحشیانہ انداز میں چیختے چلاتے ہوئے آنا ساگر کے کنارے جمع ہو گئے۔

خواجہ غریب نوازؒ کے نومسلم رفقاء باطل پرستوں کے اس طوفان کو دیکھ کر ہراساں ہوئے۔ حضرت نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے گرد حصار کھینچ دیا۔ اجے پال اور اُس کے ساتھیوں نے اپنے ہاتھوں سے اژدھے چھوڑ دیے جو حضرت کی طرف لپکے لیکن خطِ حصار تک آ کر خاکستر ہو گئے۔ اس کے بعد جادوگروں نے آگ برسانا شروع کی اُس کا

بھی کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ آگ خود ان پر لوٹ گئی اور اُلٹا جادوگروں کو جلا کر خاک کرنے لگی۔ پے در پے ناکامیوں کا مُنہ دیکھنے کے بعد جے پال نے اپنا آخری حربہ استعمال کیا۔ وہ ہوا میں بلند ہوا اور ارادہ کیا کہ فضا سے حملہ آور ہو۔ جب سرکار غریب نوازؒ کی نظر اس پر پڑی تو آپ نے اپنی نعلین مبارک (کھڑاؤں) کو اشارہ کیا۔ نعلین مبارک فضا میں بلند ہو کر اجے پال کے عین سر پر پہونچ گئی اور اس کو پیٹتے پیٹتے زمین پر آپ کے قدوم پاک پر لا ڈالا۔ اب جے پال کی آنکھوں سے حجاب کفر و ظلمت اُٹھ چکا تھا۔ اُس کا دل نور کی طرف مائل ہوا، اسلام قبول کیا اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت نے اُس کا اسلامی نام عبداللہ بیابانی تجویز کیا۔ اُس کے تمام ہمراہی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کی ایک ہی نظر کیمیا اثر سے عبداللہ بیابانی نے تمام منازل سلوک طے کر لیں اور آپ نے اُس کی خواہش کے مطابق اُس کے حق میں دعائے خیر فرما کر اُسے حیاتِ ابدی دربارِ خداوندی سے دلوادی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جے پال (یعنی عبداللہ بیابانی) اجمیر کی پہاڑیوں میں اب بھی موجود ہے اور بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتا ہے اور اُن کی مدد کرتا ہے، وہ ہر شب جمعہ روضۂ غریب نوازؒ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

(بحوالہ سیر الاقطاب)

کرامات

آجکل کا مغرب زدہ طبقہ نبیوں کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامتوں کو محیر العقول یا ما فوق العادات تصور کرتا ہے۔ یہ ان حضرات کی صریح ہٹ دھرمی ہی نہیں بلکہ اندھا دُھند مادیت پرستی کا نتیجہ ہے۔ معجزات اور کرامات میں کسی کی ذاتی کاوش کو دخل نہیں یہ صرف من جانب اللہ تعالےٰ ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ معجزات کا رونما ہونا، ظہور کرامات اور خوارق عادات نبوت یا ولایت کے لئے شرط نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے اوتاروں سے بھی ما فوق العادات واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں، بعض دیگر مذاہب کے معتقدین ان امور کو اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل سمجھتے ہیں لیکن یہ ان کی خامکاری ہے کہ اِن کے یہ ما فوق العادات واقعات اِستدراج کے ضمن میں آتے ہیں۔ معجزہ یا کرامت نہیں، آجکل کے دانا لوگ تو بھان متی، بازی گروں اور شعبدہ بازوں کے گورکھ دھندوں میں ہی اُلجھ کر رہ جاتے ہیں یہ جائے کے معجزات و کرامات کا احاطہ اُن کی عقل کر سکے۔ کیا وہ قادر مطلق جو انسان کو نیست سے ہست کرتا ہے انسانی عقل کے ممکن کو نا ممکن اور نا ممکن کو ممکن نہیں بنا سکتا؟۔ جس نے انسان کو خَلِیْفَةُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ کی عظمت سے سرفراز فرمایا اور زمین و آسمان کو اُس کے لئے مسخر کر دیا اور جو اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر اور جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط ہے جس نے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضؓ، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضؓ کو لات و عزیٰ کے بُت خانے سے نکال کر اولیاء اور اصفیا کا سردار بنا دیا جس کے نزدیک ماضی حال اور مستقبل ازل اور ابد یکساں ہے جو علت اور سبب کا پابند نہیں فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہ یعنی بے قید جو چاہے کر لینے والا ہے' وہ انبیاء کرام سے معجزے اور اولیاء اللہ سے کرامات و خوارق عادات کا اظہار نہیں کرا سکتا۔ معجزات و کرامت کا دار و مدار، بلکہ مخرج و منبع بھی باری تعالیٰ کی ذاتِ بزرگ و بالا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے مختلف زمانوں میں مخلوق کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہ السّلام

اور رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ اُن کی رسالت کے ثبوت کے لئے بطور دلائل ان کو معجزات عطا فرمائے۔ ہمارے نبی کریم ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ قرآن کی شکل میں عنایت فرمایا۔

لیکن ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں کہ مکالمۂ الٰہیہ وکشف والہام کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ:-

"اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"ط

ترجمہ:- سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے:-

(۱) اِصطلاح میں ولی اُس شخص کو کہتے ہیں جو ذات وصفات خدا کا عارف تابع شریعت نبوی کا بوجہ کمال متبع۔ طاعات وعبادت پر مواظب اور معاصی وکبائر سے مجتنب ہو

(۲) عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام قرب الٰہی کا ہے بندہ جب اس حال پر پہونچتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُس کا ناصر ومددگار ہو جاتا ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مکتوبات حضرت خواجہ بندہ نوازؒ میں ہے کہ مقام" ولایت سے قرب حق معرفت خدائے عزوجل واطلاع بر حقائق مقصود ہے یہ اطلاع ایسی ہونی چاہیئے کہ جو غایتوں کی غایت اور منتہیٰ پر پہنچتی ہے انبیاء علیہ السلام کو بارگاہِ خداوندی سے پہلے یہی مرتبہ ملا ہے یعنی اولیاء ہیں جن پر عنایت بے غایت ہوئی اور مقصود ہوا کہ ان سے دعوتِ خلق کا کام لیا جائے تو اُن کو نبوت کے مقام پر فائز فرمایا اور یہ کام اُن سے لیا۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مقامِ ولایت کی انتہا مقامِ نبوت کی ابتدا ہے"۔

رہے ساحرانہ کمالات تو فرعون سے بڑھ کر کوئی ساحر نہ تھا اور وہ خدائی کا مدعی بھی تھا۔ لیکن اس کے ساحرانہ شعبدے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے سامنے بیکار ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درختِ طور پر تجلّی الٰہی کا مشاہدہ ہوا اور اس کے بعد عصائے موسوی حَیَّۃٌ تَسعیٰ بن کر جب حضرت موسیٰ کی تخویف کا موجب ہوا تو خَذْ لا تخف سے تسکین دی گئی اور وعدہ کیا گیا سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الاُولیٰ اور جب

حضرت موسیٰ نے اس رینگتے اژدھے کو پوری طمانیت قلب کے ساتھ اٹھایا تو واقعی وہ سیرت اولیٰ کی شکل میں مجسم تھا یعنی عصا بن چکا تھا، حضرت موسیٰ کو ید بیضا اور عصا کے دو عظیم معجزات عطا ہوئے لیکن نادانوں نے ان کو بھی سحر سمجھا۔

اگرچہ بی بی مریم نبی نہیں تھیں مگر قرآن کریم میں اُن کی کرامت کا ذکر ہے۔ "جب زکریا علیہ السلام اس (مریم) کے پاس حجرہ میں آتا تو اس کے پاس کچھ کھانا پاتا"۔ زکریاؑ نے کہا "اے مریم! یہ کھانا تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟" وہ بولی۔ "یہ اللہ کی طرف سے ہے"۔ خداوند تعالےٰ نے ہم کو آصف برخیا کی کرامت کی خبر دی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی ضرورت ہوئی کہ بلقیس کا تخت اُس کے آنے سے پہلے وہاں حاضر آ جائے چونکہ خداوند کریم کو آصف کی کرامت کا اظہار مقصود تھا چشم زدن میں تخت بلقیس سبا سے بیت المقدس حاضر ہوگیا۔ یہ کسی حال میں معجزہ نہ تھا کیونکہ آصف پیغمبر نہ تھے اس ہی طرح اصحاب کہف کا قصہ اور اُن سے کتے کا متکلم ہونا اور اُن کا سوتے رہنا اور غار میں دائیں بائیں کروٹ بدلنا بھی کرامات ہے:۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ

ترجمہ:۔ اور ہم اُن کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور اُن کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے غار کی چوکھٹ پر ہے۔

جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے کہ جس طرح معجزہ دلیل نبوت نہیں لیکن کافروں کے تقاضے یا مطالبہ پر یا وقتی ضرورتوں اور مصلحتوں کے تحت انبیاء علیہم السلام سے ان کا ظہور رہا ہے، ہاں بے ضرورت اپنی برتری کے اظہار یا نمود خودی کے طور پر معجزات کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ ہر زمانہ اور افراد زمانہ کے اعتبار سے معجزات کی نوعیت، شدت اور طریقہ اظہار میں بھی فرق ہو جاتا ہے حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے معجزات قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ ان کی نوعیت و شدت میں فرق ہے اور تنوع موجود ہے، نبی آخر الزماں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات کی بھی یہی صورت ہے لیکن آپ نے اس عطائے الٰہی پر نہ کبھی فخر فرمایا اور نہ ان کو سرمایہ فخر قرار دیا۔ معجزات کے ظہور کی ضرورت بھی اسی وقت پیش آئی جبکہ رسول یا نبی کو (معاذ اللہ) مدعیٔ کاذب ٹھہرایا گیا اس وقت اللہ کے رسول کے پاس صرف یہی دو صورتیں ہوتی تھیں ایک

تقلیب قلب کی دعا یعنی قبول ہدایت کے لئے بارگاہِ ایزدی میں التجا دوسرے ان پنہانی اور مکنوں قوتوں کا اظہار جو ایک پیغمبر کو اللہ تعالےٰ ودیعت فرماتا ہے۔[1]

یہی حال ہے مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہونے والی ان ہستیوں کا جن کو اولیاء اللہ کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کے بارے میں خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنبیاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں سے محبت اور ان کے اسوۂ حسنہ کی کمال پیروی کے صلہ میں ان کو یہ بزرگیاں عطا فرما دیتا ہے کہ وہ عوام کے فہم اور قوت سے باہر امور کو سرانجام دیں یا اُن سے سرزد ہوں۔ بندگانِ ابرار و مقربین خالص کے باب میں ارشاد خداوندی ہے کہ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا (یعنی یہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اُس کی نہریں نکال لے جائیں گے جدھر چاہیں) اولیاء اللہ سے بھی کرامات کا صدور بلا وجہ نہیں ہوتا بلکہ کرامتوں کے اظہار کے لئے بھی وہی اسباب و بواعث ہیں جو قریب قریب معجزے کے اظہار کے لئے، یعنی اولیاء اللہ نے ہمیشہ تبلیغ دین و اشاعت اسلام کے پیشِ نظر کرامتوں سے کام لیا ہے یا منکرین کو راہ راست پر لانے کے لئے اس کے علاوہ اظہار کرامت پر بزرگانِ دین نے اور اکابر سلسلہ نے منع فرمایا ہے اور صدور کرامات اگر بے ضرورت ہوں تو ان کو منصبِ ولایت سے گری ہوئی بات قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح نبی سے معجزے کسی ضرورت عظیم کے تحت سرزد ہوئے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور بھی کسی خاص وجہ کے تحت ہوا ہے۔

جس طرح معجزات پر منطقی استدلال اور فلسفیانہ احکامات سے بحث نہیں کی جا سکتی کہ وہ محض قادر مطلق کی عطا کی ہوئی ایک خاص قوت ہے ورنہ منکرین معراج شریف باآسانی یہ کہہ دیتے کہ خرق والتیام فلک محال ہے پھر اس سے گذرنا اور اس کے بعد اس کی حدود سے واپس آنا کس طرح ممکن ہے، اسی طرح کرامات کو منطقی استدلال یا اشیاء کے خواص وافعال کے تحت پرکھنا اور سمجھنا محال ہے۔ یہ محض ایک مخصوص قوت ہے جو بارگاہِ الٰہی سے اس کے ایک مقبول اور پسندیدہ بندے کو عطا کی جاتی ہے۔ اور ان مقبول و پسندیدہ بندوں نے بھی اس عطیہ الٰہی سے ایسے وقت کام لیا ہے جب اس کے اظہار کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔ اولیائے کرام سے ہمیشہ کرامات کا صدور اعلاءِ کلمۃ الحق، احکام الٰہی کی سربلندی، اور اشاعت اسلام ہی کے سلسلہ میں ہوا ہے اپنی ذات کے لئے اپنی کرامت کے زور سے اعلیٰ ملبوسات، عالی شان محلات اور لذیذ مطعومات

---

[1] سیرۃ النبی جلد چہارم مصنفہ علامہ شبلی میں معجزہ پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

ان بزرگوں نے کبھی تیار نہیں کئے کہ وہ اس عطیہ الٰہی کو حرص وہوا کی تکمیل میں صرف کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے انھوں نے لذیذ کھانوں کے بجائے جنگل کے پھلوں اور پتوں پر گذارہ کیا، محلات وایوان کے بجائے جھونپڑیوں اور پیڑوں کے سائے میں زندگی گذاری، خلعت شاہی کے بجائے مرقع اور گدڑی سے ستر پوشی کی اس لئے کہ ان کا نصب العین صرف یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس ودیعت کو اس کی راہ میں نمایاں کیا جائے اور اس راہ میں اس سے کام لیا جائے۔ ان ہی مقربین بندوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (یعنی اُن کے دل خوفزدہ رہتے ہیں) بلکہ اُن کی شان تو یہ ہے کہ حَسَنَاتُ الاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ (یعنی نیکوں کی نیکیاں بھی مقرب بندوں کی برائیاں ہیں)۔

مروی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ جمعہ کے روز جب کہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے اور اسلامی فوجیں ایران میں لڑ رہی تھیں آپ نے لشکر اسلام کو نہاوند میں دیکھا جو وہاں سے تقریباً ایک مہینہ کی مسافت پر واقع تھا۔ دوران خطبہ میں آپنے حضرت ساریہؓ کو جو لشکر مذکور کے سپہ سالار تھے۔ تین دفعہ فرمایا یَاسَارِيَۃَ الْجَبَلَ الجبل یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی جانب سے آگاہ ہو۔ بظاہر لوگوں کو اس سے جنون کا گمان ہوا جب اسلامی لشکر کامیاب وکامراں واپس آیا تو سپہ سالار لشکر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گھمسان کی جنگ جاری تھی اور عقب سے آتش پرستوں کا حملہ ہونے ہی کو تھا کہ اس آواز نے جو مجھ کو اپنے بالکل قریب سے آئی مجھے ہوشیار کردیا اور جبل کی جانب سے حملہ نہ ہوسکا۔ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو وہ یک زبان ہوکر بول اُٹھے کہ حقیقت میں حضرت عمر فاروقؓ ایسے ہی کاموں کے لئے منتخب ہوئے ہیں جو ہماری فہم سے بالاتر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا نَادَی جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُحِبُّهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ ط

ترجمہ:۔ حضرات ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ جب کسی (اپنے) بندہ سے محبت کرتا ہے تو (حضرت) جبرئیل کو ندا کرتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پس (حضرت) جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں اُس کے بعد آسمان میں پکار کر

(حضرت) جبرئیل کہتے ہیں کہ فلاں شخص سے اللہ محبت کرتا ہے تم سب بھی اس سے محبت کرو (اس پر) تمام آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں ۔ اس کے بعد زمین میں اس کی مقبولیت عام ہو جاتی ہے"۔ (رواہ مسلم)

دوسری حدیث یہ ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَن عَادٰى لِىْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَىَّ عَبْدِىْ بِشَىْءٍ اَحَبَّ اِلَىَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا وَلَئِنْ سَاَلَنِىْ لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِىْ لَاُعِيْذَنَّهٗ ۔

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ، جو میرے دوست سے دشمنی رکھے گا اس سے لڑائی کا اعلان ہے اور میرے بندوں کا میرے فرائض سے نزدیکی حاصل کرنا جس قدر مجھ کو محبوب ہے اسی قدر اور کسی نیکی کی نزدیکی مجھ کو محبوب نہیں اور برابر میرا بندہ مجھ سے نوافل کے ساتھ قریب ہوتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہوں اور اُس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے گا تو میں اس کو پناہ دوں گا"۔ (رواہ بخاری عن ابی ہریرہؓ)

بطور اختصار لوگوں کے قلوب کو پاک و منزہ کر کے علم و حکمت سے قلوب کو مجلیٰ اور آراستہ کر دینے کی قوت کا نام ولایت ہے اس معنی میں ولی نبی کے تصرفات کا مظہر ہوتا ہے اور جو چیز بساطِ عقل سے باہر ہے اُس کا نام کرامت ہے ۔ اولیائے کرام بمصداق اس آیت کریمہ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ اللہ تعالےٰ کے سچے عاشق اور محبوب ہوتے ہیں۔

کیا حالیہ جنگ (جو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہندوستان و پاکستان کے درمیان لڑی گئی) کے مافوق العادت واقعات جو دورانِ جنگ اخبارات میں وضاحت سے نقل کئے گئے منکرین کے اندازِ فکر کی تبدیلی کا باعث نہیں ہو سکتے اور اس راہ میں سنگِ میل کی حیثیت نہیں رکھتے ؟

بہرحال انوار الٰہی سے محروم رہنا بڑی بدقسمتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى - جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا رہے گا اندھاپن مادی آنکھوں کا اندھاپن نہیں ہے (اس کا مطلب روحانی بصیرت سے ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے وارث الانبیاء والمرسلین ونائب النبی فی الہند سرکار غریب نوازؒ کو ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا کہ یہ وصف خاص بلکہ اخص الخواص اولیاء کرام میں پایا جاتا ہے۔ آپ کی چند کرامات تبرکاً درج ذیل ہیں۔ ان کرامات کے بیان سے پہلے پھر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ان کرامات کا صدور اگر خواجہ غریب نوازؒ سے نہ بھی ہوتا تو ان کے کمالات روحانی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ذات ستودہ صفات روحانی و اخلاقی کمالات سے آراستہ اور آئین طریقت و شریعت سے پیراستہ تھی یہ کمالات و خوارق عادات ہر موقع پر بدرجہ مجبوری اور ناگزیر حالات میں آپ سے صدور میں آئے اور آپ کی حیات طیبہ کے اوراق شاہد ہیں کہ آپ نے ان پر کبھی تفاخر نہیں فرمایا۔ سب سے پہلے صاحب سیر الاولیاء کا بیان پیش کیا جاتا ہے:۔

"کاتب حروف می گوید کہ کدام کرامات و علو درجات بالاتر ازیں
کاتب حروف عرض پرداز ہے کہ اس سے بلند تر کون سی کرامات اور اعلیٰ درجہ
تواند بود کہ از بزرگانے کہ بدیں بادشاہ دیں پیوستند
ہو سکتا ہے کہ اس بادشاہ دین کی خدمت سے جو حضرات والا وابستہ ہوئے
شاہانے خاستند کہ بندگان خدائے تعالےٰ و تقدس را دستگیری
ان میں سے ایسے شاہان طریقت پیدا ہوئے جنھوں نے خداوند تعالیٰ کے بندوں
کردند و از غرور دنیا بیرون آوردند و بسرائے سرور عقبیٰ
کی دستگیری فرمائی اور انکو غرور دنیا کی معصیت گاہ سے باہر نکالا اور عقبیٰ کے
منزل گاہ زدند تا روز قیامت کوس غلغلۂ عظمت ایں
دارالسرور میں پہنچایا، اس بادشاہ دیں پناہ کی عظمت کے نقارہ کی صدا فلک
بادشاہ دیں در گوش و ہوش فلک و ملک فرو خواہند
و ملک کے گوش و ہوش میں قیامت تک بجتی رہے گی،
کوفت و خلق بمجبت ایشاں در مقصد صدق جائے خواہند

اور مخلوق الٰہی ان کی محبت کے طفیل میں اپنے صدق کے مقصد میں

یافت، و کرامت دیگر آنکہ مملکت ہندوستان تا حد برآمدن

منزل پر پہنچ گئی، اور آپ کی دوسری کرامت یہ کہ مملکت ہندوستان افق مشرق

آفتاب ہمہ دیار کفر کاری و بت پرستی بود متمردان ہند

سے تمام و کمال دیار کفر و بت پرستی بنی ہوئی تھی اور ہندوستان

ہر یکے دعوائے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی میکردند و خدائے را

کے ان سرکشوں میں سے ہر ایک "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کا دعویٰ کرتا تھا

جل و علا شریک میگفتند و سنگ و کلوخ و دار و درخت

اور خدائے بزرگ و برتر کی ذات میں دوسروں کو شریک گردانتا، پتھروں، ڈھیلوں

و سنور و گاؤ و سرگین ایشانرا سجدہ میکردند و بظلمت کفر

درختوں، جانوروں، خصوصاً گائے اور اس کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی

قفل دل ایشاں مظلم ہمہ غافل از حکم دین و شریعت ہمہ

تاریکیوں سے ان کے دل تاریک ہوئے تھے، یہ سب کے سب دین و شریعت کے

بے خبر از خدا و پیمبر نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ، نہ ہرگز شنیدہ

احکام سے غافل تھے اور خدا و پیغمبر سے سب کے سب نابلد اور ناواقف، نہ کسی نے قبلہ

کسے اللہ اکبر، بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں

کا راستہ دیکھا تھا اور نہ کسی نے اللہ اکبر کی آواز سنی تھی، لیکن آفتاب یقین کہ جو

کز بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنورِ اسلام

حقیقت میں دین کا معین تھا، قدم مبارک کے پہنچتے ہی اس ملک کی ظلمت نور اسلام

روشن و منور گشت ہ

سے منور اور روشن ہو گئی۔ ہ

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسا ہا — در دار کفر مسجد و محراب و منبر است

صلیب و بتکدوں کا نام بھی باقی نہیں چھوڑا — دیار کفر میں ان کے عوض مسجد و محراب و منبر ہے

آنجا کہ بود نعرۂ فریادِ مشرکاں — اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

صدائے نعرۂ ناقوس دب کر رہ گئی — فضا میں شعلہ زن اب نعرۂ اللہ اکبر ہے

وہرکہ ازیں دیار مسلماں شد وتا دور قیامت مسلماں خواہد
اور جو کوئی اس ملک میں مسلمان ہوا اور لیکن اب قیامت تک مسلمان ہوگا
شد و فرزنداں ایشاں مسلماں خواہند بود۔ الیٰ یوم
اور ان کی اولاد جو مسلمان ہوگی قیامت تک، ان تمام امور کے
القیامۃ مثوبات آں بہ بارگاہ با جاہ شیخ الاسلام
ثواب اور اجر بلند اور عظیم مرتبت والی بارگاہ یعنی حضرت شیخ الاسلام
معین الدین حسنؒ سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز واصل و
معین الدین حسنؒ سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز کو پہونچے گا
متواصل خواہند بود انشاء اللہ العزیز"
اور آنجناب سے ملحق ہوگا۔ (انشاء اللہ العزیز)۔

صاحبِ سیر الاقطاب فرماتے ہیں:۔

حضرت اکثر در استغراق می بود وچشم پوشیدہ میداشت
حضرت اکثر استغراق میں رہتے تھے اور چشم ہائے مبارک بند رکھتے تھے
دبوقت نماز می کشاد وبر ہرکہ نظر افگندی ولی کامل گردیدی
صرف نماز کے وقت چشم وا فرماتے تھے اور اس وقت جس کسی پر آپ کی نظر
وہرکہ سہ روز بخدمت می ماند صاحبِ کرامت می شد"
پڑجاتی تھی ولی کامل ہوجاتا تھا۔ اور جو کوئی تین روز خدمت گرامی میں ٹھہرجاتا وہ
صاحب کرامت بن جاتا تھا"

(۳) نیز سرکار غریب نواز فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ میں سمرقند کی طرف مسافر تھا محلہ امام ابواللیث سمرقندی کے قریب ایک بزرگ مسجد تیار کرا رہے تھے ایک دانش مند کھڑا کہتا تھا۔ کہ محراب اس طرف رکھو، کیونکہ کعبہ اس طرف ہے، میں نے کہا کہ اِس طرف نہیں بلکہ اُس طرف ہے جدھر میں کہتا ہوں، بہتیرا میں نے کہا۔ لیکن اُس نے نہ مانا میں نے اس کی گردن پکڑ کر کہا۔ دیکھو جدھر میں کہتا ہوں۔ اس سمت قبلہ ہے کہ نہیں۔ جب انہوں نے خود کعبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو یقیناً جان لیا کہ اسی سمت قبلہ ہے۔ "دلیل العارفین"

(۴) حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب اجمیر شریف میں تشریف لائے، راجہ نے تنگ آکر ایک مست ہاتھی چھوڑ دیا تاکہ آپ کو کچل ڈالے۔ جب یہ ہاتھی آپ کے پاس پہونچا تو آپ مصلّے پر بیٹھے یادِ خدا میں مشغول تھے۔ مست ہاتھی نے آپ پر حملہ کیا، آپ نے زمین سے مٹی اُٹھا کر ہاتھی پر پھینکی، ہاتھی پتھر کا ہوگیا، اسی نسبت سے آج بھی اجمیر شریف میں ایک محلہ "ہاتھی بھاٹہ" کہلاتا ہے، امتدادِ زمانہ سے یہ کراماتی سنگین فیل ناپید ہو چکا ہے۔ موجودہ سنگین فیل سے اس کراماتی سنگین فیل کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے لیکن موجودہ سنگین فیل جہانگیر کے زمانہ کا ہے۔ اس کے پہلوے راست پر یہ شعر کندہ ہے ؎ تاریخ سنگِ فیل شد از حکمتِ الہ ٭٭٭ ایں کوہ پارہ فیل جہانگیر بادشاہ

(۵) ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اوشی بادشاہ کے ہمراہ تھے اور دیگر عمائدینِ مملکت بھی موجود تھے۔ ایک حاملہ عورت زار و قطار روتی ہوئی آئی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ہاتھ پکڑ کر بادشاہ سے فریاد کی کہ یہ شیخ پارسا مجھ سے نکاح کیوں نہیں کرتا جبکہ میں اس کے بچہ کی ماں بننے والی ہوں یہ بات سُن کر سب نے شرم سے گردنیں جھکا لیں۔ شیخ کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔ حضرت قطب صاحبؒ نے دل ہی دل میں اپنے پیر و مرشد کو مدد کے لئے یاد کیا۔ آپ نے جیسے ہی اپنے مرید باصفا کی قلب سے نکلی ہوئی خاموش چیخ سنی، لبیک لبیک کہتے ہوئے پہنچ گئے اور اُس روسیاہ عورت کو مخاطب ہو کر کے فرمایا کیوں جھوٹی تہمت لگاتی ہے سُن تیرے پیٹ کا بچہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس عورت کے پیٹ سے برملا آواز آئی جس کو حاضرین نے بھی سُنا۔ "حضور یہ بالکل جھوٹا اتہام ہے"۔ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے بدخواہوں نے یہ افترا پردازی کی ہے۔ تاکہ ان کی عزت مخلوق کی نظر میں کم ہو جائے"۔

یہ بات سُن کر سب متحیّر ہوئے اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔ عزت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور آپ واپس اپنے مقام پر پہونچ گئے اور حضرت قطب صاحبؒ و دیگر حاضرین سب ہی حضور غریب نوازؒ کے تشریف لانے اور غائب ہو جانے پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

(۶) اودے پور سے ایک دفعہ ایک شخص حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا فلاں جاگیردار نے آپ کا ایک کرتہ منگوایا ہے۔ "حضرت نے فرمایا " اُسے اب میرے کرتے کی ضرورت نہیں رہی" جب وہ شخص اودے پور پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس جاگیردار کا انتقال ہو چکا تھا۔

(۷) خواجہ قطب الاسلامؒ سے منقول ہے کہ "شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجریؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز شب کو معمولاً خانۂ کعبہ جایا کرتے تھے لیکن جب اُن کا کام کمالیت کو پہنچ گیا۔ تو جو حاجی حج کے لئے جایا کرتے وہ آپ کو وہاں پاتے۔ حالانکہ آپ گھر میں گوشہ نشین ہوا کرتے آخر معلوم ہوا کہ خواجہ معین الدینؒ ہر رات خانۂ کعبہ جاتے تھے اور رات وہاں بسر کر کے صبح کی نماز اپنے گھر میں باجماعت ادا کرتے تھے۔" (فوائدالسالکین)

(۸) وفات کے بعد بھی صدہا کرامتیں آپ سے ظہور پذیر ہوئی اور اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہیں تبرکاً چند درج ذیل ہیں :۔

"حضرت بابا گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کچھ عرصہ تک خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ کے روضہ میں معتکف رہا۔ عرفہ کی ایک رات روضۂ متبرکہ کے نزدیک نماز ادا کی اور وہیں کلام اللہ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی رات گذری تھی کہ میں نے پندرہ سیپارے ختم کر لئے سورۂ کہف یا سورۂ مریم میں ایک حرف مجھ سے ترک ہو گیا۔ حضرت مخدوم کے روضہ سے آواز آئی کہ یہ حرف چھوڑ گئے اسے پڑھو۔ دوبارہ آواز آئی عمدہ پڑھتا ہے۔ خلف الرشید ایسا ہی کرتے ہیں"۔

"جب میں قرآن پڑھ چکا تو حضرت خواجہ کے پائینتی پر سر رکھ دیا اور رد کے مناجات کی کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کس گروہ سے ہوں۔ یہی فکر تھی کہ روزۂ اطہر سے آواز آئی کہ مولانا! جو شخص یہ نماز ادا کرتا ہے وہ بخشے ہوؤں میں سے ہے"۔ پھر حضرت خواجہؒ کے قدموں کی طرف سر رکھ دیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک میں اس گروہ میں سے ہوں جیسا کہ فرمایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہاں سے بہت سی نعمت حاصل کر کے چلا آیا"۔ (راحت القلوب)

ایک دفعہ جہانگیر ایک نیل گائے کے شکار کے لئے تین کوس پیدل گیا مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس نے نذر مانی کہ اگر یہ نیل گائے شکار ہو جائے گی تو میں خواجہ غریب نوازؒ کے لئے بطور ایصال ثواب آپ کی روح مقدسہ کے لئے اس کے گوشت کو پکا کر فقراء کو کھانا کھلاؤں گا۔ منّت مانتے ہی وہ نیل گائے رُک گئی اور زندہ ہی ہاتھ آگئی، جہانگیر نے اپنے قول کے مطابق فقراء کو کھانا کھلایا۔ دو تین روز کے بعد جہانگیر کو ایک اور نیل گائے نظر آئی، باوجود انتہائی کوشش کے اس مرتبہ بھی اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بالآخر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی نذر مانی، نذر ماننے کی دیر تھی کہ نیل گائے بیٹھ گئی اور جہانگیر نے اُس کا شکار کیا اور فقراء کو کھانا کھلایا۔ (بحوالہ توزک جہانگیری)

شاہزادہ دارا شکوہ ابن شہاب الدین شاہجہاں اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیاءؒ میں رقم طراز ہے کہ:۔

"آپؒ ہندوستان میں چشتیہ کے سرگروہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ خواجہ غریب نوازؒ تقریباً چھ ماہ تک غوث پاک کی صحبت میں رہے"۔

اس فقیر کی ولادت بھی خطۂ اجمیر میں ساگرتال (آناساگر ارنوراجہ یا اناجی نے تقریباً ۱۱۳۵-۱۱۵۰ء میں تعمیر کرایا) کے قریب ہوئی اور اس فقیر کی تاریخ پیدائش دوشنبہ ماہ صفر ۱۰۲۴ھ ہے قبلہ والد ماجد کے یہاں تین لڑکیاں تھیں، کوئی لڑکا تولد نہیں ہوا تھا اور ان کی عمر ۲۴ سال ہو چکی تھی۔ والد ماجد نے اس اخلاص وعقیدت کی بنا پر جو انہیں خواجۂ خواجگان سے تھی، نذرونیاز کی پیش کش کے بعد لڑکے لئے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے صدقے میں اس فقیر کو پیدا کیا۔ سفینۃ الاولیاء (فارسی) (از دارا شکوہ)

آپ کی کرامات کے صرف مسلمان ہی معترف نہیں ہیں بلکہ غیر مُسلم بھی اس کے مقر ہیں۔

اس سے بڑا کارنامہ یا بالفاظ دیگر کرامت کیا ہو سکتی ہے کہ مستشرقین آپ کی تبلیغی مساعی پر داد دئے بغیر نہ رہ سکے۔ پریچینگ آف اسلام میں یہ شہادت تو یہاں تک ہے کہ براہِ راست خاص آپ کے ہاتھ پر جو ایمان لائے اُن کی تعداد نوے لاکھ تک پہونچ چکی تھی۔ آپ کی ان تمام کرامات کی علت غائی تبلیغ اسلام تھی، آپ سے جب ان امور فوق العادت کا ظہور ہوا اور منکروں اور کافروں کے دل پر اسلام کی روحانی قوت اور پیروان اسلام کی بالادستی کے نقوش ثبت ہو جاتے تھے۔ چونکہ اجمیر شریف کے قیام کے ابتدائی دور میں راجہ، امراء اور ہندی عوام نے سرکار غریب نوازؒ کو ستانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا اور ہر قسم کے حربے آپ کو اجمیر شریف چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ لیکن آپ ان سے قطعی مرعوب نہیں ہوئے بلکہ نہایت ہمت و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا آپ نے جس روحانی قوت کا مظاہرہ فرمایا اُس کا مخالفین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ ان کا اظہار ہم سوانح حیات میں کر چکے ہیں۔ اس دور میں مذکورہ بالا کارناموں کے علاوہ متعدد کرامتیں سرکار غریب نوازؒ سے ظہور میں آئیں۔ حق و باطل کی اس خاموش جنگ میں آخر کار حق کی فتح ہوئی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے عزم و استقلال اور قوت ایمانی کے مقابلے میں کفار کے جھوٹے جادو اور شعبدے بازیاں عضو معطل ہو کر رہ گیئں۔ جادو کے جھوٹے اور خیالی و توا ہمی

قلعے جو ہندوؤں نے اپنے عوام کو مرعوب کرنے اور بے وقوف بنانے کے لئے تیار کئے تھے اور جن پر اُن کے عقیدے کی بلند وبالا عمارت قائم تھی اور جس چیز پر ان کا اعتماد اور راسخ عقیدہ تھا اُن سب کو ایک مردِ حق پرست کی نظر فیض اثر نے مسمار کر دیا الحق یعلم و لا یُعلی یہ ایمان اور روحانیت کا کرشمہ ہی تھا جس کی بدولت حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے دشمنوں اور مخالفین کے تمام حربے ناکارہ کر دئے اور اپنی قوت باطنی و ایمانی کا لوہا منوا دیا۔ آخر کار خدا اور رسولؐ کے اس ایلچی اور مردِ مومن کے سامنے کفار کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ آپ کی اخلاقی اور روحانی تسخیر کے سامنے کفر کی تاریکیوں کے بادل چھٹنے لگے اور وعظ حسنہ کی وجہ سے آپ کی تبلیغی کوششیں بار آور ہونے لگیں۔ ہندو جوق در جوق سرکار غریب نوازؒ میں حاضر ہو کر دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے حضرت کی تشریف آوری کا مشن بھی یہی تھا کہ اللہ تعالٰے کے دین کو اس ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیں اسی وجہ سے آپ نے بحکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجمیر کو اپنا مستقر بنایا جو سیاسی و مذہبی نقطۂ نگاہ سے اس زمانے میں ہندوستان کے اندر کفر وشرک کا مرکز اور مشرک حکومت کا مستقر تھا۔ سیر العارفین نے آپ کے قیام اجمیر شریف کا اثر یوں بیان کیا ہے:۔

(۱) "بیشتر نامداراز اں دیار بہ برکت آں زبدۃ الابرار بہ تشریف ایمان مشرف شدند و بیشتر یکہ ایماں بنا ور دند۔ نذر و فتوح بے حد و عد بحضرت ایشاں مے فرستادند کہ ہنوز آں کفار بران معمول و نمط معتقد ند۔ ہر سالے مے آئند و سر بر خاک آں آستاں عظیم القدر و آں بدر سپہر مشیخت می نہند و مبلغ ہائے کلی بجا ور اں روضہ مطہرا ایشاں مے رسانند و خدمت بجائے مے آرند"

(۲) آپ کی تبلیغی کوششوں کا بیان ابو الفضل یوں کرتے ہیں[۱]:۔

"عزلت گزیں باجمیر شد و فروان چراغ برا فروخت و دانہ دم کبریائے او گرد ہا گروہ مردم بہرہ ور گشتند"

سیر الاقطاب میں اس طرح صراحت کی گئی ہے۔

[۱] آئین اکبری جلد دوم

"بہ ہندوستان بہ یمن قدوم میمنت لزومش طریقہ اسلام ظاہر گشت"

بقول علامہ اقبال :۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ہمارے خواجہ بزرگ نے اسلام کی اس تعلیم پر عمل پیرا ہو کر ہندوؤں کے تمام حملوں کو پسپا کر دیا۔ بالآخر باطل پرستوں کو مرد حق پرست کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ جب سے خواجہ غریب نوازؒ اجمیر تشریف لائے تھے۔ پرتھوی راج یا رائے پتھورا کے دربار میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا اور ہر وقت آپ کی بڑھتی ہوئی عظمت وسطوت کا ذکر ہوتا تھا۔

راجہ اور اُس کے مقربین کو خواجہ غریب نوازؒ کا اجمیر شریف میں قیام سخت ناگوار تھا۔ راجہ نے شیخ المشائخ غریب نوازؒ کو اجمیر شریف سے نکالنے کے لئے نت نئے ہتھکنڈے تراشے اس نے اور اسکے امراء نے اپنی پوری قوت استعمال کی مگر اس مقتدائے روزگار آہنی مرد مومن کے سامنے اُس کی ایک بھی پیش نہ چلی بلکہ ہر دفعہ اُس کو منہ کی کھانی پڑی، رفتہ رفتہ آپ کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی عام ہوگئی۔ سرکار غریب نوازؒ کی روحانی طاقت اور باطنی جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ ہر صبح و مسا مخلوق خدا جوق در جوق آپ کے روئے پُر نور کے دیدار کے لئے آتی اور جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ مشرف بہ اسلام ہو جاتا۔ بابا فرید گنج شکرؒ اپنی کتاب فوائد السالکین میں ایک مقام پر خواجہ غریب نوازؒ کے جمال روئے انور کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

"کافرے کہ چہرۂ مبارک بدیدے مسلماں گردیدے"

"جو کافر آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ لیتا وہ مسلمان ہو جاتا"

دیار ہند میں اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر رائے پتھورا ششدر رہ گیا بلکہ اُس کو اس پردے میں اپنی سلطنت کا زوال نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگا کہ "خواجہ غریب نوازؒ مجھ پر محض اپنی کرامت اور روحانی قوت سے غالب ہوتے ہیں میدانِ جنگ میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے" اور پھر وہ ان خدا رسیدہ بندوں

کی ایذا کے درپے ہونے لگا۔ نو مسلم اس کے جور و جفا کا زیادہ نشانہ بننے لگے۔ راجہ کے ظلم و ستم کی داستاں حضرت خواجہ غریب نوازؒ تک بھی پہونچی۔ آپ نے پرتھوی راج کو اس ظلم و ستم اور تعدّی و سرکشی سے باز رکھنے کی کوشش کی اور ساتھ اُس کو دعوت اسلام بھی دی مگر اُس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ — باب کوثر ہرگز سفید نتواں کرد

سیر الاولیاء میں خاص پتھورا کے درباریوں میں سے ایک درباری کا واقعہ اس طرح منقول ہے:۔

- "حضرت شیخ المشائخ فرمودند چوں حضرت شیخ معین الدین
حضرت سلطان المشائخ (سلطان نظام الدین اولیاؒ) فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ معین الدین
طاب اللہ مضجعہ در اجمیر آمد پتھورا رائے مملکت ہند در اجمیر
(اللہ تعالیٰ انکی آرامگاہ کو معطر فرمائے) اجمیر میں تشریف لائے تو ہندوستان کا حکمراں پتھورا اجمیر میں
بود چوں شیخ در اجمیر سکونت ساخت پتھورا و مقربان
تھا، جب حضرت شیخ نے اجمیر میں سکونت اختیار فرمائی تو پتھورا اور اسکے امراء کو ناگوار
اورا دشواری آمد۔ چوں عظمت و کرامت شیخ معائنہ
گذرا، لیکن چونکہ یہ سب حضرت شیخ کی عظمت و بزرگی کا مشاہدہ
می کردند مجال دم زدن نہ بود الغرض مسلمانے از پیوستگان
کر چکے تھے لہذا ان کو یارائے دم زدن نہ تھا۔ حضرت قدس اللہ سرہٗ کے متعلقین و مریدین
شیخ معین الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نزد پتھورا می بود
میں سے ایک مسلمان کا تعلق رائے پتھورا سے تھا (اسکے ملازمین کے زمرے میں شامل تھا)
پتھورا آں مسلماں را بسے مضرت رسانیدن گرفت آں مسلماں
اس مسلماں مرید کو کسی (کافر) نے ایذا و مضرت پہنچانا شروع کی وہ مسلمان
التجا بخدمت شیخ معین الدین کرد۔ شیخ درباب او بر پتھورا
حضرت شیخ معین الدینؒ کی خدمت میں ملتمس ہوا، حضرت شیخ نے اس شخص کے
بہ شفاعت سخنے گفت پتھورا فرمان شیخ قبول نہ کرد۔ وگفت
بارے میں حسن سلوک کی رائے پتھورا کو تاکید کی (سفارش کی) پتھورا نے اس پیر

ایں مرد اینجا آمدہ است و نشستہ سخناں غیب می گوید۔

کوئی توجہ نہ کی اور جواب میں کہا کہ یہ پیر مرد یہاں آگیا ہے اور یہاں سے بیٹھے بیٹھے غیب

چو ایں سخن سمع مبارک آں بادشاہ اسلام رسانیدند

کی باتیں کرتا ہے، جب پتھورا کا یہ (نامعقول) جواب بادشاہ اسلام (حضرت خواجہ غریب نوازؒ)

بہ لفظ مبارک او رفت کہ پتھور را زندہ گرفتیم

تک پہنچا تو اس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا، پتھورا کو زندہ گرفتار

وداديم بہ لشکر اسلام"۔

کرکے ہم نے لشکر اسلام کے حوالہ کردیا۔

فوائد السالکین میں یہ تجزیہ کرامت یوں تحریر ہے :۔

"پھر اسی موقعہ پر آپ (صاحب فوائد السالکین) نے فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ میں اجمیر میں شیخ معین الدینؒ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور ان دنوں پتھورا (پرتھوی راج) زندہ تھا اور کہا کرتا تھا کہ کیا ہی اچھا ہو جو یہ فقیر یہاں سے چلا جائے وہ ہر شخص کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ہوتے ہوتے یہ خبر شیخ معین الدینؒ کے گوش مبارک تک میں پہنچ گئی اور درویش بھی اُس وقت موجود تھے۔ آپ اُس وقت حالت سُکر میں تھے فوراً آپ نے مراقبہ کیا، اور مراقبہ ہی میں آپ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات نکلے کہ

"ہم نے رائے پتھورا کو زندہ ہی مسلمانوں کے حوالے کیا"

سلطان شہاب الدین محمود غوری (معز الدین سام) جو ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء ترائن یا تراوڑی کی جنگ میں ہند کی کثیر افواج سے شکست کھا کر واپس چلا گیا تھا اُس وقت سے برابر جنگی تیاریوں میں مصروف تھا اُس نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں کھڑا ہوا ہے اور آپ اُس کو تسلی دے رہے اور فرما رہے ہیں۔" خدائے تعالےٰ نے ہندوستان کی سلطنت تجھے بخشدی ہے جلد اس طرف توجہ کر اور راجہ پتھورا (پرتھوی راج) کو زندہ گرفتار کرکے سزا دے"۔

الغرض سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں دہلی پر دوبارہ حملہ کیا۔ دہلی کے قریب ترائن (موجودہ تراوڑی) کے میدان میں جو تھانیسر اور کرنال کے درمیان ہے، محمد غوری اور پرتھوی راج کا دوسری مرتبہ مقابلہ ہوا، اس جنگ میں تقریباً

ہندوستان کے تمام راجاؤں نے شرکت کی تھی۔ گویا ایک مرد غازی کے مقابل میں ہندوستان کی تمام کافرانہ قوتیں ایک مرکز پر جمع ہوگئی تھیں۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ رائے پتھورا کے لشکر میں صرف سرداروں کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس دفعہ ہاتھی تین ہزار سے زیادہ تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو راجا اس کے مرکزی ملی جھنڈے تلے جمع تھے اس جنگ نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کردیا۔ تاریخی اعتبار سے یہ جنگ بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس جنگ کے بعد مسلمانوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا اور سرزمین ہند پر مسلمانوں کی حکومت کا طویل دور شروع ہوا۔ دہلی پر مسلمانوں کی یہ حکومت ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔ بہر حال رائے پتھورا کو ترائن کی دوسری جنگ میں شکست فاش ہوئی۔ راجہ نے فرار کی ناکام کوشش کی مگر دریائے گنگا سے آگے نہیں بڑھنے پایا تھا کہ گرفتار کرلیا گیا اور مارا گیا۔ دہلی فتح کرنے کے بعد شہاب الدین محمد غوری اجمیر شریف پہونچا۔ جب وہ اجمیر شریف میں داخل ہوا تو شام ہوچکی تھی مغرب کا وقت تھا اُس نے اذان کی آواز سُنی اس کو بڑا تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ "ایک درویش کچھ عرصہ سے یہاں اقامت پذیر ہیں"۔ شہاب الدین اس طرف روانہ ہوا۔ جماعت کھڑی ہوچکی تھی خواجہ غریب نوازؒ امامت فرمارہے تھے۔ سلطان شہاب الدین جماعت میں شریک ہوگیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو اس کی نظر خواجہ غریب نوازؒ پر پڑی یہ دیکھ کر اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اُس کے سامنے وہی بزرگ جلوہ فرما تھے جنھوں نے اس کو خواب میں فتح کی بشارت دی تھی۔ شہاب الدین آگے بڑھا اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ سے درخواست کی کہ اُس کو حلقۂ مریدان میں شریک فرمائیں۔

سرکار غریب نوازؒ نے اُس کی خواہش پوری کی اور اُس کو سعادت بیعت سے مشرف فرمایا۔ سلطان شہاب الدین نے اپنے قیام کے دوران رائے پتھورا کے بیٹے گولا کو اپنا مطیع وباجگذار بناکر اس کے باپ کی گدّی پر بٹھادیا۔ سلطان نے اجمیر شریف میں کچھ روز قیام کیا پھر دلّی واپس آیا، یہاں اس نے اپنا نائب قطب الدین ایبک کو مقرر کیا اور اس انتظام سے فراغت پاکر افغانستان واپس چلا گیا۔ مگر رائے پتھورا کا بیٹا زیادہ عرصہ برسراقتدار نہ رہ سکا کیونکہ اس کے چچا نے اُس کو کچھ عرصہ بعد شکست دیکر

اجمیر شریف سے نکال دیا۔ ایبک نے اس شہر کو پھر فتح کیا اور سید حسین مشہدی خنگ سوار کو یہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔

اشاعتِ اسلام

اجمیر اور اس کے اطراف میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی مساعی جمیلہ سے اشاعتِ اسلام کی راہیں ہموار ہوئیں اور چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل ہندوستان میں پڑی۔ قطب الدین ایبک کے نائب سلطنت ہونے سے مستقلاً مسلم حکومت ہندوستان میں معرضِ وجود میں آئی۔ قطب الدین ایبک برائے نام نائب السلطنت تھا ورنہ اس کو ہندوستان کی حکومت کے تمام اختیارات حاصل تھے، چنانچہ عنانِ اختیار ہاتھ میں آتے ہی اس نے اپنی توجہ توسیع سلطنت کی طرف مرکوز کر دی۔ اور اس نے ۱۱۹۴ء (۵۸۹ھ) میں دہلی، قنوج اور بنارس کے راجاؤں کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ ۱۱۹۷ء میں انہلواڑہ کی ریاست کا الحاق بھی اپنی سلطنت سے کر لیا۔ ۱۲۰۳ء میں پھر قلعہ کالنجر کو فتح کیا۔ اس طرح چند سال میں تمام شمالی ہند مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔

تبلیغی مساعی

اب خواجہ غریب نوازؒ نے اپنی تمام تر توجہ اپنے مشن کی کامیابی کی طرف مبذول فرما دی اور تشریف آوری کا جو اصل مقصد تھا اسے پورا کرنے کی جانب قدم اُٹھایا۔ آپ نے اپنے خواجہ تاشوں اور مریدوں کو رشد و ہدایت کے لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا۔ تاکہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ اسلام کی ضیا سے روشن ہو جائے۔ افسوس کہ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے[لہ]۔ صرف قاضی قدوہ کا اودھ جانا اور امور شرعیہ کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونا نیز خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی تشریف لے جانا اور شیخ حمید الدین سوالی کا ناگور میں پہنچنے کا تذکرہ اکثر کتب میں مذکور ہے۔

صوفیائے کرام کا وجود اور اشاعت دین

صرف آج ہی نہیں بلکہ آج سے بہت پہلے مغرب زدہ مسلم شخصیتوں نے (غیر مسلموں کا تو ذکر ہی کیا) صوفیائے کرام

لہ اس ضمن میں تفصیلی حالات مذکور نہیں جسکے باعث اس زمانہ میں حمل و نقل کی دشواریاں، ملک کے سیاسی حالات و انتشار حکومتوں کا جلد جلد بدلنا، پریس کا نہ ہونا، اور اہم واقعات کے قلم بند کرنے سے ارباب علم کا گریز وغیرہ ہیں ؎

کی ریاضت، ان کے مجاہدے اور زہد و ورع کو صرف ایک شخصی فعل یا خصوصیت گردانا ہے اور بس! لیکن یہ ان کی کوتاہ نگاہی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے ارباب علم نے بھی اس موضوع سے بے اعتنائی برتی اور بزرگانِ دین کی خدمات کو وہ حقیقی خراجِ تحسین پیش نہ کرسکے۔ وہ دیارِ ہند ہو یا عراق و شام، مشرق بعید ہو یا مشرق وسطیٰ ان ممالک میں اسلام کے خورشید کی تابانیاں انہی نفوس قدسیہ کی مرہون منت ہیں۔ لنکا، انڈونیشیا، جزائر مالدیپ، چین، روس، ایران، عراق و شام جیسے ممالک میں اسلام کی اشاعت کا کام کس نے کیا، تاریخ کے ورق الٹیے یہی جواب ملے گا کہ اللہ کے چند نیک اور سراپا سوز و گداز بندے ہی تھے جنھوں نے اپنے کردار کے اعلیٰ نمونوں اور پاکیزہ اخلاق سے شعلِ دین روشن کی اور اسلام کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی یہ تبلیغی مساعی کسی اعلان کے تحت نہیں تھیں، انھوں نے جو کچھ کیا وہ نہایت خاموشی کے ساتھ کیا، انھوں نے ایک مرد رزم آگاہ کی طرح تلوار ہاتھ میں نہیں لی بلکہ اخلاق حسنہ کا نمونہ بنکر غیر مسلموں کو اسلام کی عظمت کا گرویدہ بنایا۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب و برگزیدہ نبی آخرالزماں سردار دو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم فرمایا، کہ آپ نے دنیا کے سامنے منزل من اللہ ایک جامع و مانع قانون معاشرہ، ایک عالمی منشور سعادت اور معاش و معاد کا ایک مکمل دستور العمل پیش فرمادیا یہی ایک نبی کا منصب ہوتا ہے! دنیا نے اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہوکر اس کا حلقہ اپنے کانوں میں ڈالا، اس کی اعلیٰ تعلیمات نے ان کو کفر و شرک کی ضلالت سے نکال کر جادۂ مستقیم پر ڈال دیا، نفسانی اور شیطانی خباثتوں نے نیکیوں سے اپنا چولا بدل لیا، لیکن دوسری صدی ہجری میں پھر ہوا و ہوس کو ایسے محرکات مل گئے جنھوں نے نبی الامی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات سے فرار کے راستے ڈھونڈھے، پہلو تہی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی اقتدار کا ماہ کامل گہنانے لگا، جوں جوں ان اقتدار پہ زوال آتا گیا، اسلامی شکوہ اور اسلامی سطوت کے نہیں بلکہ مسلمانوں کی عظمت اور ان کی امارت و شرافت کے علم سرنگوں ہوتے گئے انھوں نے شعائر اسلامی کو ترک کیا، فسق و فجور کو اپنایا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی زمین جو ان کے قدم چومتی تھی ان کے لئے تنگ ہوتی چلی گئی، خلافت فاروقی وعثمانی کے وسیع حدود سمٹنے لگے اور سمٹتے سمٹتے ایسے نقطہ اور مرکز پہ پہنچ گئے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول کے سچے پرستار اپنی مجاہدانہ

اور مرتاضانہ سرگرمیوں کے ساتھ میدانِ عمل میں نہ کود پڑتے تو
ہماری داستاں تک بھی نہ ہوتی داستانوں میں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خادم اور سچے پرستار غاشیہ شریعت بردوش اور عصائے طریقت در دست اکناف و اطراف عالم میں پھیل گئے، شمع اسلام کی سنبھالا لیتی ہوئی لَو کو پھر اُکسایا، بھولا ہوا سبق پھر دوہرایا اپنی زندگی کو اسلام کی اعلیٰ اقدار کے سانچے میں ڈھال کر گم کردہ راہوں کے سامنے آئے، ان کی دستگیری کی، سیدھے راستے پر لگایا اور اعلاءِ کلمۃ الحق کی ادائیگی میں جان تک کی بازی لگادی۔ ع

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

اور اس طرح اس عہد کو پورا کردیا جو بیعت کے وقت اپنے پیر طریقت کے توسط سے شارعِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اور اس دوستی اور محبت کا حق ادا فرمادیا جس کا اقرار پیر طریقت نے تلقین کے وقت لیا تھا اور ہادی برحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کی تفسیر اپنے عمل سے پیش کردی ورنہ ذرا غور فرمائیے کہ آخر کار ان کو دشت نوردی اور بادیہ پیمائی کی کیا ضرورت تھی! انانیت کو زندہ دفن کردینے کی ان کو کیا حاجت تھی، آرام تج کر نفس کو کشتہ کرنے کی ان کو کیا پڑی تھی، آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحراؤں کو آباد کرنے پر ان کو کس نے اُبھارا تھا جنگلی پھلوں اور پتوں کو اپنا آذوقہ بنانے پر ان کو کس نے مائل کیا تھا صرف یہی کہ

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

چنانچہ چھٹی صدی ہجری کے اس مجاہد اعظم، حق کے پرستار اور رسولِ حق کے غاشیہ بردار کے سپرد مدینہ طیبہ میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خدمت اور کام سپرد کیا تھا اس کام کو خواجہ غریب نوازؒ نے بوجہ حسن انجام دیا اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اخلاق کی بنیاد تھی۔ آپ نے اپنے عمل اور کردار اور اخلاق حسنہ سے بہت جلد ہندوؤں کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور قلیل مدت میں اجمیر شریف جو بت پرستوں کا اہم مرکز تھا اسلامی آبادی میں تبدیل ہوگیا۔ آپ کے حسن اخلاق سے آپ کی غریب نوازی کا ڈنکا ہر طرف بجنے لگا۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے

کہ جب حضرت خواجہ غریب نوازؒ دہلی سے عازم اجمیر شریف ہوئے تو اثناءِ راہ میں سات سو ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ تھا ایمان و عمل کا وہ کرشمہ یا کرامت جو ایک مردِ مومن نے سرزمین ہند پر دکھایا اور جس کی بدولت اس ملک میں جہاں ناقوس بجا کرتے تھے جگہ جگہ صدائے اللہ اکبر گونجنے لگی۔ یہ کرشمہ نتیجہ تھا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا۔ آپ نے حقوق اللہ بھی پورے کئے اور حقوق العباد بھی، مخلوقِ خدا سے محبت بھی کی اور ان کی خدمت بھی، اس خاکساری اور تواضع نے یہ جلوہ دکھایا کہ بے شمار افراد اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے عمل سے لوگوں کے دلوں کو جیتا۔ لیکن ہماری شومئ قسمت کہ ہم گفتار کے غازی تو بن گئے مگر کردار کے غازی نہ بن سکے۔ ہمیں ہمارے محبوب رہبر حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے عمل پیہم کی دعوت دی ہے اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل پیرا ہوکر اس مشن کو پایۂ تکمیل پر پہونچایا۔ جس کے لئے رسولِ اکرم نے آپ کو اس دور ودراز ملک میں بھیجا تھا۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے وصال کے بعد جو حالات ظہور پذیر ہوئے اُن کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ آپ کے جانشینوں نے عمل کو پسِ پشت ڈالدیا اور جاہ و دولت کے فریب میں آگئے۔ ایمان، اخوت، اور عمل کی حقیقی اور ابدی دولت جو خواجہ غریب نوازؒ ہم کو دے کر گئے تھے اُس کو اپنے دلوں سے محو کر دیا۔

سلطان قطب الدین ایبک ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں چوگان بازی میں گھوڑے سے گر کر واصل بحق ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ۵۹۶ھ میں ہندوؤں نے سلطان قطب الدین ایبک کی موت کی جھوٹی خبر اُڑادی تھی۔ سلطان کی وفات کی خبر اجمیر شریف کے اطراف واکناف میں پہونچی تو یہاں کے جاگیردار اور ٹھاکر جو بظاہر بادشاہ کے اطاعت گذار تھے مگر دل میں بغض وعناد رکھتے تھے، اُن سب نے متفقہ طور پر قلعہ تاراگڈھ پر شب خوں مارا۔ مسلمانوں کے لشکر نے جو مقابلتاً تعداد میں بہت کم تھا میراں سید حسین خنگ سوار (بعض نے سید وجیہہ الدین مشہدی المشہور بہ سید حسن عم سید حسین مشہدی قلعہ دار اجمیر شریف لکھا ہے) کی سرکردگی میں لشکرِ کفار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آخر کار میراں سید حسین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ اس حادثہ سے مسلمانوں کو گہرا صدمہ پہونچا۔

منقول ہے کہ ۱۷ رماہ رجب کو نصف شب کے بعد مذکورہ بالا حملہ ہوا تھا اور ۱۸ ر ماہ رجب کو صبح کی نماز باجماعت سے فراغت پاکر حضرت غریب نوازؒ مصلے پر تشریف فرما تھے کہ ایک ہوا کا جھونکا چلا اور حضور غریب نوازؒ مراقبہ سے چونک پڑے اور حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے :-

"از ایں ہوائے سحری ہیچ بوئے بمشام شمایاں رسید"

سب نے ایک آواز ہوکر جواب دیا نہیں آقا ہم نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا :-

"بلے بوئے خونِ شہدا آوردہ بود"

اس کے بعد آپ نے تمام حاضرین کو حکم دیا کہ ڈھائی سو شہداء کی تجہیز وتکفین کا سامان ساتھ لے کر تاراگڈھ چلو، تاراگڈھ پہنچنے پر جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اس کی تصدیق ہوگئی چنانچہ آپ نے شہدا کی نماز جنازہ ادا کی اور سب کو دفن کرکے ان کی روح کو ایصال ثواب پہونچاکر واپس تشریف لے آئے۔[1]

سلطان قطب الدین ایبک نے اپنے زرخرید غلام اور داماد شمس الدین التمشؒ کو اپنی زندگی ہی میں عنانِ حکومت سونپ دی تھی۔ اس طرح سلطان شمس الدین التمشؒ چھبیس[26] سال دہلی کے تخت پر فائز رہا اور ۶۳۳ھ میں اس دار فانی سے ملک جاودانی کی طرف کوچ کیا اور ملک میں اپنی رعیت پروری، عدل دوستی اور خدا ترسی کے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ سلطان شمس الدین التمشؒ دیار ہند میں اسلامی سلطنت کا مکمل طور پر پہلا بادشاہ گذرا ہے۔

سفر دہلی

اس اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد خواجہ غریب نوازؒ بہ عہد سلطان شمس الدین التمشؒ ایک مرتبہ (بعض نے دو مرتبہ لکھا ہے) دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے اس سفر کو مختلف سوانح نگاروں نے مختلف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت غریب نوازؒ اچانک دہلی تشریف لے گئے۔ اس تشریف آوری کی وجہ یہ تھی کہ ایک کاشتکار نے خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میرے کھیت کے پیداوار حاکم نے ضبط کرلی ہے اور وہ کہتا ہے کہ جبتک

---

[1] وقائع شاہ معین الدین چشتیؒ ۴

شہنشاہ دہلی سے فرمان نہ لاؤ گے اس میں سے کچھ نہ پا سکو گے۔ لہٰذا سرکار کی امداد کا طالب ہوں تاکہ اس سال کے خرچ سے نجات ملے کیونکہ میری روزی کا وسیلہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں"۔ خواجہ غریب نوازؒ نے دریافت فرمایا:۔" بعد ازاں حاکم کیا کرے گا" کسان نے عرض کیا" جو حکم سلطان کا ہوگا اس کے مطابق عمل کرے گا"۔ خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا، "اگر استمراری فرمان دستیاب ہو جائے تو ہمیشہ کے لئے یہ تکلیف دور ہو جائے" کسان نے عرض کیا:۔" اگر حضور قطب صاحب کو سفارشی خط لکھدیں تو استمراری یا میعادی فرمان مل جائے گا"۔ خواجہ غریب نوازؒ نے تامل کے بعد فرمایا:۔

" اگرچہ سفارش سے تیری مقصد بر آری آسان ہے مگر اللہ تعالےٰ نے مجھے تیرے کام کے لئے متعین کیا ہے لہٰذا میرے ساتھ چل"۔

پس خواجہ صاحبؒ نے کسان کی حاجت بر آری کے واسطے دہلی کا سفر اختیار کیا جب آپ کسان کو ساتھ لے کر دہلی جانے لگے تو آپ کے فرزند فخر الدینؒ نے اپنے موضع ماندن (مانڈل) کی معافی کے لئے سلطان شمس الدین التمش سے سفارش کرنے کو آپ سے (حضرت غریب نوازؒ) عرض کیا، بعضؒ نے اس طرح سے بیان کیا ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے صاحبزادے کی اس درخواست پر ارشاد فرمایا کہ:۔

" ہر چند سلاطین کے یہاں جانا یا کسی ذریعہ سے اپنی یا اپنی اولاد کے متعلق سفارش پہونچانا میرا شیوہ نہیں لیکن تمہاری رنجیدگی کی خاطر جاتا ہوں"۔

الغرض آپ دہلی پہنچے ایک شخص کے ذریعہ سے خواجہ غریب نوازؒ کی آمد کی اطلاع حضرت قطب صاحبؒ کو ہوگئی اور آپ نے سلطان شمس الدین التمش کو اطلاع کی، سلطان نے آپ کا شایان شان استقبال کیا۔

قطب صاحبؒ نے خلوت میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے تشریف آوری کی غرض و غایت معلوم کی۔

خواجہ غریب نوازؒ نے کسان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:۔

" اس کے کام کے لئے آیا ہوں"۔

لہ بحوالۂ نثار خواجہؒ

قطب صاحبؒ نے عرض کیا کہ خادموں میں سے کوئی بھی سلطان سے عرض کرتا تو اس شخص کا کام ہو جاتا۔ اس کام کے لئے حضور کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" خواجہ غریب نوازؒ نے ارشاد فرمایا:۔

"یہ ٹھیک ہے مگر اہل اسلام ذلت اور غربت کے وقت خدا کی رحمت سے قریب ہوتا ہے جب یہ شخص میرے پاس آیا تھا نہایت رنجیدہ تھا۔ میں نے مراقب ہو کر دربار ایزدی میں اس کے متعلق عرض کیا۔ ارشاد ہوا۔ "رنج و غم میں شریک ہونا عین بندگی ہے" پس میں بہ سبب بندگی حق تعالےٰ خود یہاں آیا ہوں"۔

قطب صاحبؒ نے خواجہ غریب نوازؒ سے عرض کیا کہ:۔

"آپ کے تشریف لے جانے کی ضرورت نہیں، حضور قیام فرمائیں میں جاتا ہوں"۔ چنانچہ قطب صاحبؒ سلطان شمس الدین التمش کے پاس بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور کسان کا معاملہ اس کے حق میں طے کرا دیا اور موضع ماندن (مانڈل) کا فرمان خواجہ فخر الدین کے حق میں حاصل کیا۔

حضرت سید محمد مبارک العلوی کرمانی المدعو با میر خورد رحمت اللہ علیہ نے دوسری روایت سیر الاولیاء میں نقل کی ہے یہی روایت بلحاظ تواتر قرین تحقیق ہے واللہ اعلم وہ روایت درج ذیل ہے:۔

"منقول ہے کہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجریؒ کے فرزندوں کو ایک گاؤں اجمیر کے قریب بطور جاگیر حاصل تھا۔ اس سے بے دخل کیے گئے۔ اب ضروری تھا کہ کوئی شخص بادشاہ سے اس کی بحالی کا حکم لائے۔ اس لئے ان کی اولاد میں سے ایک شخص اجمیر سے چل کر دہلی میں شیخ قطب الدینؒ کے پاس آیا۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ آپ کے وہاں جانے کی ضرورت نہیں میں خود جا کر حکم بحالی لاتا ہوں۔ چنانچہ شیخ صاحبؒ خود سلطان شمس الدین کے پاس گئے بادشاہ حیران رہ گیا کہ اس بزرگ سے باوجود ملتمس ہونے کے ملاقات کی اجازت حاصل نہ ہوتی تھی[1] اب یہ خود تشریف فرما ہیں۔ جب ملاقات ہوئی تو

---

[1] منقول ہے کہ اس سے قبل متواتر تین روز یا اس سے زائد حضرت قطب صاحبؒ کے در دولت پر سلطان شمس الدین التمش حاضر ہوتا رہا لیکن باریابی کی اجازت نہیں ملی۔

اسی مجلس میں فرمان بحالی مع اشرفیوں کے توڑے[1] کے آپ کے حوالے کیا گیا، اس مجلس میں علاقہ اودھ کا حاکم رکن الدین حلوائی شیخ صاحبؒ سے اونچا بیٹھا جو بادشاہ کو ناگوار گذرا، آپ نے نور باطنی سے یہ بات معلوم کرکے فرمایا کہ جب حلوہ اور کاک (روٹی) موجود ہوں تو حلوہ کاک کے اوپر موجود ہوتا ہے۔ اگر حلوائی کاکی سے اوپر بیٹھ گیا تو کیا مضائقہ ہے الغرض جب فرمان بحالی لے کر آپ اجمیر شریف میں شیخ معین الدینؒ کی خدمت میں آئے اور خلقت کا اعتقاد اور شہرت شیخ قطب الدین کے حق میں زیادہ دیکھا تو فرمایا۔ کہ یہ تو نے کیا کیا، خلوت میں پوشیدہ رہنا بہتر تھا۔ آپ نے عرض کی کہ بندہ کی طرف سے کچھ بھی وقوع میں نہیں آیا"۔

حضرت شیخ قطب الدین اور دہلی کا شیخ الاسلام

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ معین الدینؒ اجمیر سے دہلی آئے اس وقت شیخ نجم الدین صغریٰ دہلی کے شیخ الاسلام تھے ان دونوں میں محبت تھی۔ اول الذکر مؤخر الذکر کی ملاقات کے لئے آئے تو دیکھا شیخ نجم الدین مکان کے پاس چبوترا بنوا رہے ہیں۔ جب آگے بڑھے تو فرمایا کہ شاید شیخ الاسلام ہونیکے غرور نے آپ کو برہم کر دیا ہے۔ شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ میں وہی مخلص و معتقد ہوں۔ لیکن آپ نے شہر میں ایک مرید چھوڑ رکھا ہے۔ جو میری شیخ الاسلامی کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ گھبرائیں نہیں میں بابا قطب الدینؒ کو اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔ ان دنوں دہلی میں شیخ قطب الدین کا شہرہ بدرجۂ کمال تھا۔ آپ مرجع عوام و خواص تھے۔ جب حضرت شیخ معین الدینؒ گھر میں تشریف لائے تو فرمایا کہ بابا بختیار تم یکبارگی اس قدر مشہور ہوگئے ہو کہ لوگ تمہاری شکایت کرتے ہیں۔ یہاں سے چل کر اجمیر میں میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں اب تمہاری خدمت بجا لاؤں گا۔ شیخ قطب الدینؒ نے عرض کی۔ کہ مخدوم کے سامنے بیٹھنا تو در کنار کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ امتثالاً آپ حضرت شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہونے کے لئے تیار ہوگئے

---

[1] منقول ہے کہ حضرت قطب صاحب نے معافی کا فرمان معہ اشرفیوں کے توڑے کے حضرت غریب نوازؒ کے سامنے رکھدیا۔ سرکار غریب نوازؒ نے فرمان معافی رکھ لیا اور اشرفیاں درویشوں میں تقسیم کر دیں۔

دہلی میں شور برپا ہوا۔ اور اہل شہر معہ سلطان شمس الدین آپ کے پیچھے روانہ ہوئے جہاں سے شیخ قطب الدینؒ گذرتے تھے لوگ آپ کے پاؤں کی خاک تبرکاً اٹھاتے اور نالہ وشیون کرتے تھے۔ حضرت شیخ معین الدینؒ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا بابا بختیار! تم یہیں مقام کرو کیونکہ خلقت تمہارے یہاں سے جانے پر سخت مضطرب ہے سو میں نہیں چاہتا کہ اس قدر دل خراب اور کباب ہوں۔ جاؤ یہ شہر تمہاری پناہ میں چھوڑا پھر سلطان شمس الدین التمش حضرت شیخ صاحبؒ کی قدمبوسی کر کے شیخ قطب الدینؒ کو ہمراہ لے کر خوشی خوشی شہر کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت شیخ معین الدینؒ اجمیر واپس چلے آئے۔"

اس واقعہ سے خرقہ پوش صوفیوں اور سجادہ نشینوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ان اولیاء کبار کے مرید عظیم الشان ملک کے بادشاہ ہوتے تھے لیکن یہ حضرات حتی الوسع ان لوگوں سے بے تعلق اور بے غرض رہتے یہ ان حضرات کی شانِ بے نیازی تھی۔

متاہل زندگی کا آغاز

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اجمیر شریف کے قیام میں میں دو شادیاں کیں۔ آپ کا شادی کرنے کا خیال نہ تھا۔ ایک روز رسول اکرمؐ نے خواب میں ارشاد فرمایا :-

"اے معین الدینؒ تو ہمارے دین کا معین ہے۔ تجھے ہماری سنت ترک نہ کرنی چاہیئے۔"

عقد اوّل

حاکم قلعہ ٹیلیؒ ملک خطاب جہاد میں ایک راجہ کی لڑکی کو اسی رات اسیر کر کے لایا اور حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے حسب الحکم رسول اکرمؐ قبول فرمایا اور راجہ کی لڑکی کا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا امۃ اللہ نام رکھا۔ ان کے بطن سے حضرت کے ۲ دو صاحبزدگان حضرت خواجہ سید فخر الدینؒ اور حضرت خواجہ سید حسام الدینؒ اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظہ جمال پیدا ہوئیں۔

عقد ثانی

میر سید وجیہہ الدین مشہدی (جن کا سلسلہ نسب پدری امام زین العابدینؓ تک منتہی ہوتا ہے) کے ایک صاحبزادی بی بی عصمت اللہ تھی جو نہایت نیک سیرت و حسین و جمیل تھی۔ آپ کے والد ماجد نیک و صالح رشتہ کی تلاش میں تھے۔ ایک رات انھوں نے سیدنا حضرت امام جعفرؓ کو خواب

میں دیکھا کہ جناب امام فرماتے ہیں کہ :-

"اے فرزند رسول خدا کا حکم ہے کہ اس لڑکی کا نکاح شیخ معین الدینؒ کے ساتھ کردو"۔

جب سید وجیہ الدینؒ بیدار ہوئے تو خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا :-

" اگرچہ میں سن رسیدہ ہوگیا ہوں لیکن سرکار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل اور آپ کی سنت پر عمل کرنے میں مجھے عذر نہیں"۔

اس رضامندی کے ساتھ عقد ہوگیا۔ آپ کے بطن سے حضرت سید ضیاء الدین ابوسعید پیدا ہوئے[1]۔

فرزندگاں

حضرت سید بندہ نواز گیسو درازؒ مع ایک جماعت درویشوں کے قائل ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید اور حضرت فخر الدین و شیخ حسام الدین حضرت بی بی عصمت اللہ کے بطن سے ہیں اور مولانا سید شمس الدین طاہرؒ ایک جماعت سے اس قول کے ناقل ہیں کہ شیخ ابوسعیدؒ بی بی عصمت اللہ سے اور دونوں صاحبزادگان شیخ فخر الدینؒ و شیخ حسام الدینؒ اور مخدومہ مکرمہ صاحب حال و قال بی بی حافظ جمال بی بی امۃ اللہ کے بطن سے ہیں۔

خواجہ فخر الدینؒ

آپ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں آپ کا نام نامی احمد بھی ہے[2]۔ سلطان شمس الدین التمش نے ازراہ عقیدت موضع مانڈل کی جاگیر آپکی خدمت میں پیش کی تھی، اس لئے آپ نے موضع مانڈل میں (جو اجمیر سے تین منزل ہے) سکونت اختیار کی۔ آپ کشاورزی سے اپنی گذر اوقات فرماتے تھے آپ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ سرکار غریب نوازؒ کے بعد ۲۸ سال تک (بعض نے بیس[2] سال لکھا ہے) زیب دہ مسند رشد و ہدایت رہے آپ کا وصال نشتر سال کی عمر میں ماہِ شعبان ۶۶۱ھ (بعض نے ۶۵۳ھ لکھا ہے جس کے حساب سے ۶۳ سال کی عمر ہوتی ہے) میں قصبہ سرواڑ میں (جو اجمیر سے تقریباً ۳۴ میل کے فاصلہ

---

[1] بحوالہ معین الدین چشتیؒ بہ عبارت فارسی ؛

[2] بحوالہ فوائد الفواد جلد دوم ؛

پر ہے) ہوا۔ یہ قصبہ راجہ کشنگڑھ کی عملداری میں تھا (اب یہ صوبائی حکومت راجستان کے زیرِ نگیں ہے)۔ یہاں پر تانبڑہ کی کان ہے اس قصبہ کی جانب شمال ایک تالاب ہے یہاں آپ کا مزار ہے جہاں ۳ رسے ۶ رشعبان تک آپ کا عرس ہوتا ہے۔ اندرونِ روضہ یہ شعر کندہ ہے؎

ہست ایں آرامگاہِ دلبر خواجہ معینؒ آنکہ شد فخرِ زماں فخرِ زمین و فخرِ دیں

خواجہ حسام الدین ابو صالحؒ

آپ خواجہ غریب نوازؒ کے دوسرے فرزند ہیں آپ نے پینتالیس ۴۵ سال کی عمر پائی ہے۔ آپ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ اجمیر چھوڑ کر چلے گئے اور زمرۂ ابدال میں داخل ہو گئے اور مدت العمر تک لاپتہ رہے۔ لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آپ کا مزار بالائے چبوترہ جھالرہ دروازے کے چھتے سے قریب طرف بائیں روضۂ منورہ و مرقد مقدسہ حضرت خواجہ ممدوح کے بنا ہوا ہے۔ مزار کے گرد کٹہرہ ۱۲۹۹ھ میں تعمیر کیا گیا ہے۔ منقول ہے کہ آپ کے سات صاحبزادے تھے۔

بی بی حافظ جمالؒ

خواجہ غریب نوازؒ کی یہی ایک صاحبزادی تھیں آپ نہایت عالمہ و فاضلہ تھیں آپ کا عقد حضرت شیخ رضی الدینؒ عرف عبداللہ (ساکن موضع منڈل علاقہ ناگور) قاضی حمید الدین ناگوری کے صاحبزادے کے ساتھ ہوا تھا۔ آپ کے دو صاحبزادگان تولد ہوئے لیکن صغرسنی ہی میں واصل بحق ہوئے۔ حضرت شیخ رضیؒ کا مزار اقدس منڈھولا تالاب کے کنارے پر ہے جو ناگور میں واقع ہے۔

بی بی حافظ جمالؒ کی تربیت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمائی اور زمرۂ مریدان میں داخل کیا آپ نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے لائحہ عمل کے مطابق ہندو عورتوں میں تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیا اور آپ نے ہزاروں عورتوں کو چشمۂ ہدایت سے سیراب کیا۔ آپ کا مزار خواجہ غریب نوازؒ کے روضہ کی جنوبی دیوار سے ملحقہ بائیں جانب بارگاہ خلائق ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ۱۷ رجب کو درگاہِ معلیٰ میں ہوتا ہے۔ آپ کا چلہ لبِ نور چشمہ ہے جہاں پر بتاریخ ۱۹ ر رجب "نال کا میلہ" ہر سال ہوتا ہے۔

خواجہ ضیاء الدین ابو سعیدؒ

آپ کا اسم گرامی ضیاء الدین ہے اور کنیت

شیخ ابو سعید ہے۔ آپ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے پسر خورد ہیں۔ آپنے پچاس سال کی عمر پائی۔ آپ والا مرتبت بزرگ تھے۔ آپ نے بڑی عمر میں عقد فرمایا آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ آپ کا مزار اندرون درگاہ لب جھالرہ سایہ گھاٹ پر زیارتگاہ خاص و عام ہے آپ کا عرس ۱۳؍۱۴ ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

شیخ حسام الدین سوختہؒ

آپ حضرت خواجہ فخر الدینؒ صاحب کے صاحبزادہ ہیں۔ حضرت نے اپنے غائب شدہ برادر کے نام پر اپنے صاحبزادہ کا نام رکھا اور سوختہ کے لقب سے مشہور ہوئے بقول صاحب اخبار الاخیار "سوختۂ آتشِ محبت و دوختۂ ناوک مودت تھے"۔ آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت حسام الدین سوختہؒ کے دو صاحبزادے تھے، (۱) خواجہ معین الدین خوردؒ (۲) شیخ قیام الدین بابریال۔ آپ کا مزار شریف سانبھر میں (جہاں پر نمک کی جھیل ہے) واقع ہے یہاں آپ کا عرس ۱۲ رجب سے لے کر ۱۴ رجب تک ہوتا ہے۔ آپ نے ۷۴۱ھ میں رحلت فرمائی۔

خواجہ معین الدین خوردؒ

شیخ حسام الدین سوختہؒ کے بڑے صاحبزادہ ہیں صاحب اخبار الاخیار رقمطراز ہیں کہ "خورد بہ نسبت خواجہ بزرگؒ می گویند فی الحقیقت ایں منقبت اورا لبس است"۔

آپ درویش کامل تھے آپ خواجہ علیہ الرحمۃ سے بلا واسطہ کسب فیض کرتے تھے آخر کار حضرت غریب نوازؒ کے اشارہ وایما پر حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے ۷۶۱ھ میں رحلت فرمائی۔

شیخ قیام الدین بابریالؒ

آپ شیخ حسام الدین سوختہ کے پسر خورد ہیں۔ حسن صورت و سیرت اور شجاعت میں بے مثل تھے، چہرہ انور سے ہیبت و جلال نمایاں و آشکارا تھا۔ آپ دونوں حضرات صاحب اولاد تھے، صاحب مناقب الحبیب نے آپ کی اولاد و اصناف کا اپنی تصنیف کی فصل پنجم میں مفصل ذکر کیا ہے۔

وصال خواجہ غریب نوازؒ

حضرت غریب نوازؒ کے آخری زمانہ کے حالات بحوالہ احسن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنی کتاب دلیل العارفین میں قلم بند کئے ہیں وہ من و عن پیش کئے جاتے ہیں۔ مجلس دو از دہم

میں حضرت خواجہ قطب صاحب رقم طراز ہیں :-

" روز پنجشنبہ مجلس آخریں ہمیں بود ۔ در مسجد جامع اجمیر دولتِ
روز پنجشنبہ کی مجلس آخری مجلس تھی ۔ جامع مسجد اجمیر میں مجھے پائے
پائے بوس حاصل شد ۔ درویشاں و عزیزاں اہل و اضع
بوسی کی دولت حاصل ہوئی ، بہت سے دوسرے درویش ، ارباب طریقت اور مریدان
و مریداں حاضر بودند سخن در حکایتِ ملک الموت بود ، بر لفظ
خواجہؒ بھی موجود تھے ، ملک الموت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی ، حضور خواجہ غریب نواز
مبارک راند کہ دنیا بے ملک الموت چیزے نیرزد ۔ گفتند چرا؟
نے فرمایا کہ دنیا بغیر ملک الموت کے کسی لائق نہیں ، لوگوں نے عرض کیا
گفت ازاں کہ در حدیث مسطور است ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کہ ایسا کیوں ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ اس لئے کہ حدیث شریف میں موجود ہے ، فرمایا نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ۔

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

مرگ پلے ست کہ دوست را بدوست می رساند

موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتا ہے ۔

آنگہ فرمود کہ دوستی آنست کہ او را بدل یاد کنی کہ دلہا آفریدہ
اسکے بعد حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ دوستی یہ ہے کہ دل میں بڑھائے کہ دلوں کی تخلیق ہی
شد ۔ خصوصاً از برائے آنکہ تا گردش طواف کنند کہ در
اسی لئے کی گئی ہے خصوصاً اس لئے کہ اسکے گرد طواف کریں ۔ کتاب محبت میں
کتاب محبت آمدہ است کہ حق سبحانہ تعالیٰ می فرماید کہ اے
مسطور ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے جب
بندہ من چوں ذکر من بر تو غالب شود من عاشق تو شوم
میرا ذکر تجھ پر غالب ہوگا تو اس وقت میں تیرا عاشق بن جاؤں گا اور یہاں
و عشق بمعنی محبت است ۔ آنگاہ فرمود کہ عارفاں ، آفتاب
عشق کے معنی محبت کے ہیں ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خداشناس و عارفانِ الٰہی آفتاب

صفت اند - برجملگی عالم می تابند کہ از انوار ایشان ہمہ
کی مانند ہیں کہ وہ تمام عالم پر اس طرح چمکتے ہیں کہ ان کے انوار سے تمام
عدد باقی چوں خواجہؒ ایں فوائد تمام کرد، بگریست
موجودات باقی ہے، جب خواجہ غریب نوازؒ نے یہ فوائد ختم فرمائے تو آپ رونے
فرمود کہ اے درویش مارا کہ اینجا آوردہ اند۔ مدفن ما اینجا
لگے اور فرمایا کہ اے درویش ہم کو جو یہاں (اجمیر میں) بھیجا گیا ہے تو ہمارا مدفن بھی اسی
خواہد بود میانِ چند روز، ما سفر خواہیم کرد۔ شیخ علی سجزی
جگہ ہوگا ہم چند روز میں عازم سفر ہوں گے۔ اس وقت شیخ علی سنجری بھی
ہم حاضر بود۔ اورا فرمان شد کہ مثال بنویس۔ بردست
حاضر تھے ان کو حکم ہوا کہ وہ فرمان تحریر کریں اور شیخ قطب الدین بختیار
شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ باید، تا در دہلی رود
کاکی کو دے دو تاکہ وہ دہلی جائیں کہ ہم نے ان کو خلافت
کہ خلافت اورا دادیم کہ دہلی مقام اوست، بعد ازاں
عطا فرمادی ہے اور دہلی ان کا مقام ہے۔ اس کے بعد
مثال تمام شد، بردست دعاگو داد، روئے بر زمین
جب فرمان ختم ہوگیا تو اس دعاگو کے ہاتھ میں دیدیا، میں نے زمین پر
آوردیم فرمان شد کہ نزدیک بیا۔ نزدیک تر شدم۔
سر جھکا دیا، فرمان ہوا کہ قریب آؤ۔ میں آپ کے نزدیک ہوگیا
دستار با کلاہ، بر سرِ من، بدستِ خود نہاد، عصائے
آپ نے دستار کلاہ کے ساتھ خود دستِ مبارک سے میرے سر پر رکھی اور
شیخ عثمان ہارونیؒ و دراع ورد ا دریں دعاگو کرد، و مصحف
حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ کا عصا جبہ اور چادر دعاگو کو عطا فرمائی اور دعا فرمائی
و مصلیٰ نیز داد۔ فرمود ایں امانتے ست از رسول اللہ صلی اللہ
قرآن پاک اور مصلیٰ بھی عطا فرمایا، اور ارشاد کیا کہ یہ امانت ہے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم۔ از خواجگان چشت بما رسیدہ است، من

علیہ وسلم کی اور خواجگان چشتؒ کے توسط سے یہ مجھ تک پہنچی ہے، میں تم کو عطا
ترا دادم، رواں کردم، باید کہ چنانچہ ازایشاں ما بجا آوردیم،
کرتا ہوں اور تم کو بخشدی، تم کو لازم ہے کہ جس طرح ہم نے اس کا حق ادا کیا ہے
شما نیز حق ایں بجا آرید، تا فردائے قیامت، میانِ خواجگان،
تم بھی اس کا حق بجا لانا، تا کہ قیامت قیامت میں خواجگان چشت کے
مارا شرمندہ نہ گردانی، دعاگو سر بر زمین آورد دوگانہ
سامنے ہم کو شرمندگی نہ ہو اور پشیمانی نہ اٹھانا پڑے، دعاگو نے یہ سنکر زمین پر سر رکھدیا
نماز گذارید۔ فرمود۔ برو بخدا سپردم و ترا بمنزل گاہ
اور دوگانہ ادا کیا، فرمایا، اچھا اب جاؤ تم کو خدا کے سپرد کیا تمکو میں نے عزت کی منزل گاہ
عزت رسانیدم۔ بعد ازاں سخن فرمود کہ چہار چیز از گوہر
تک پہنچادیا، اس کے بعد آپ نے فرمایا چار چیزیں گوہر نفس سے تعلق رکھتی
نفس است، اول درویشی کہ تونگری نماید، دویم گرسنہ
ہیں۔ اول وہ درویش جو تونگری کا اظہار کرے، دویم بھوکے کو
را سیر گرداند، سویم اندوہگیں کہ شادی نماید، چہارم
پیٹ بھر کھلادے، تیسرے وہ اندوہگیں جو خود کو مسرور و شاداں دکھائے، چوتھے
دے کہ بلا با او دشمن بود، دوستی نماید۔ آنگاہ فرمود
وہ شخص جو اپنے دشمن سے بھی دوستی کرے، پھر آپ نے فرمایا کہ
کہ مرتبۂ اہل محبت چنانست کہ اگر پرسند۔ شب نماز
اہل نسبت کا مرتبہ یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ رات تم نے نماز
گذاردی۔ گوید کہ مارا فراغت نیست، اما گردِ ملک الموت
ادا کی تو جواب دے کہ ہم کو فراغت حاصل نہیں ہے لیکن ہم ملک الموت
می گردیم و ہر جا کہ درماندہ است او را دست می گیریم
کے گرد پھرتے ہیں اور جہاں کہیں کوئی درماندہ ہے اس کی ہم دستگیری کرتے
چوں خواجہ دریں فوائد بود، دعاگو می خواست، سر در قدم
ہیں۔ خواجہ غریب نوازؒ یہ ارشاد فرمارہے تھے اور دعاگو چاہتا تھا کہ میں آپکے قدموں پر

آرد در رواں شوم ضمیر روشن کہ در سخن بود، بر فور فرمان شد، بیا
سر رکھ دوں، آپ کے روشن دل پر انکشاف ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا، آ
برخاستم، سر در قدم آوردم۔ فاتحہ خواند بگفت روئے نہ خراشی
میں آگے بڑھا، اور آپ کے قدموں پر سر رکھدیا، آپ نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا دیکھو کسی کو دکھ
مرد شدہ بباش باز روئے بر زمیں آوردم۔ باز گشتم۔ در حضرت
نہ پہنچانا، جوانمرد بنکر رہنا، یہ سُن کر میں نے پھر سر زمین پر رکھ دیا۔ پھر میں اجازت پاکر یہاں سے
دہلی آمدم و سکونت کردم۔ جملگی عالم، از اہل صفا دائمہ، وجز ال
واپس ہوا اور شہر دہلی میں آیا۔ اور یہاں سکونت اختیار کرلی، تمام عالم، اعیان
بر دعاگو روئے نہادند۔ چہل روز میانِ دہلی گذشتہ بود کہ
امراء اور ائمہ سب کے سب اس دعاگو کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ابھی دلی آئے ہوئے
آئندہ بیامد۔ خبر آورد کہ شیخ بعد از رواں کردن بست روز در
چالیس روز ہی گذرے تھے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور یہ خبر لایا کہ حضرت شیخ آپ کو
حیات بود کہ برحمت حق پیوستند، ہماں شب خاطرِ خواب
روانہ کرنے کے بعد بیس روز تک زندہ رہے اور پھر ان کا وصال ہوگیا اسی
پوش مصلّا بودم در خواب شدم خواجہؒ را بدیدم، گوئی در زمین
رات جب میں سو گیا تو خواجہؒ کو میں نے خواب میں دیکھا، یہ معلوم ہوا کہ وہ
عرش استادہ کردہ اند۔ من سر نہادم و ازیں باز پرس کردم۔
عرش کی زمین پر تشریف فرما ہیں۔ میں نے سر جھکا کر اس سلسلہ میں دریافت
فرمود خدائے تعالیٰ مرا بیامرزید۔ نزدیک کرو بیانؑ ساکنان
کیا۔ فرمایا خدائے تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا اور کرّوبیان اور ساکنانِ
عرش مقام داد، آنجامی باشم۔
عرش کے قریب مجھے جگہ دی گئی ہے۔

مرقوم ہے کہ رجب ٦٣٣ھ کی پانچویں تاریخ بعد نماز عشا خواجہ غریب نوازؒ حسب
معمول اپنے حجرہ میں داخل ہوئے دروازہ بند کیا۔ کسی کو حجرہ میں داخل ہونیکی اجازت
نہ تھی۔ رات بھر خدام کے کانوں میں صدائے وجد آتی رہی رات کے آخری نصف حصے

ہیں وہ آواز بند ہوگئی۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا اور دروازہ نہیں کھلا جیسا کہ معمو
تو خدام کو تشویش لاحق ہوئی آخر کار دروازہ توڑا اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے حلقہ بگ
حجرے میں داخل ہوئے تو یہ منظر دیکھا کہ جسد اطہر سر بسجدہ ہے اور روحِ لذت وصال د
خاص کے عالم میں یکسر دنیا سے بے نیاز ہو چکی ہے اور رحمتِ خداوندی کے زیر سایہ آسودہ ا
اپنے جدِّ محترم محبوب رب العالمین کے دامن سے وابستہ ہے۔

راحت القلوب میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر مسعود اجودھنیؒ سے نقل ہے کہ جس را
حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے رحلت فرمائی۔ کئی مرتبہ میں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خو
میں دیکھا جو فرماتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا دوست معین الدین سنجریؒ آئے گا۔ اس کے استقبا
کے لئے آیا ہوں خواجہ صاحب کے وصال کے بعد آپ کی پیشانی پر سبز روشن حروف (خطِ نور)
لکھا تھا۔ هٰذا حَبِيْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰه

یعنی :۔ اللہ کے دوست نے اللہ کی محبت میں جان دیدی

سرکار غریب نوازؒ کی ذات اقدس روحانیت کا ابر کرم تھی۔ یہ ابرِ کرم کفر و الحاد کے
سنگلاخ پر اس طرح برسا کہ ویران بستیاں سر سبز و شاداب ہی نہیں بلکہ سدا بہار ہو گئیں
سرزمین ہند و پاک کے باشندے آپ کے ابدی پیغام سے بیدار ہو گئے۔ آج دیار ہند ا
پاک کے کروڑوں مسلمان اور دیگر باشندے آپ کے ممنونِ احسان ہیں۔

سیر الاقطاب میں آپ کی تاریخ وصال آفتاب ملک ہند تحریر کی ہے۔ مزار کے صدر
دروازہ پر تین شعر لکھے ہوئے ہیں اُن میں سے دوسرے شعر سے تاریخ نکلتی ہے ۱۵
گو "سراج جناں معین الدین" حضرت سرمد علیہ الرحمتہ نے آپ کی وفات کی جو تاریخ کہی وہ
معرکتہ الآرا ہے۔ ۶۳۳

شد ز دنیا چو در بہشت بریں	مرشدِ متقی معین الدیں
گفت تاریخِ رحلتش سرمد	محرم دل، ولی معین الدیں ۶۳۳

آپ کی وفات شریف کی خبر بجلی کی طرح اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ ہر طرف کہرام بر
ہو گیا۔ آپ کے حلقہ بگوشوں وارادت مندوں کا ایک انبوہ کثیر تھا۔ لوگ دور دور سے آپ کے
نماز جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے ہر شخص اشکبار تھا۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھائی

اور پھر طریقۂ نبوّیہ کے مطابق آپ کو اسی حجرہ مبارک میں دفن کیا گیا جہاں آپ نے وصال فرمایا تھا۔ آپ کا روضۂ مطہرہ صدیوں سے مرجع خاص و عام ہے اور دردمندوں کے دل کی دوا ہے۔ آستانۂ عالیہ پر ہر سال عرس کے موقع پر لاکھوں زائرین قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور آپ کے الطاف و کرم کے چشمہ سے سیراب ہوتے ہیں آپ کا عرس مبارک یکم رجب سے ۶ رجب تک بہت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے مسمع خانہ میں محفل سماع چاندرات سے شروع ہوتی ہے ۶ رجب کو دن میں رسم قل ادا ہوتی ہے اور ۹ رجب کو بڑے قل پر اس پُر کیف سلسلہ کا اختتام ہوتا ہے۔ عرس کے ایام میں ایک عجیب کیف آور سماں ہوتا ہے، یہ سلسلہ جشن وصال جس کو عرف عام میں عرس کہا جاتا ہے صدیوں سے جاری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گا، اور سلسلۂ چشتیہ کا یہ تابناک چراغ اسی طرح فروزاں رہے گا۔

ہندوستان کے مشہور مورّخ علاّمہ محمد قاسم معروف بہ ہندوشاہ استرآبادی مصنف "تاریخ فرشتہ" نے خواجہ غریب نوازؒ کے حضور میں اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے:۔

آں شہنشاہِ جہانِ معرفت ذاتِ او بیرون ز ادراک صفت
خسروِ ملک فنا، بے تخت و تاج از خود و از غیرِ خود بے احتیاج
غرقِ بحرِ عشق از صدق و صفا از خودی بیگانہ، با حق آشنا
کرد مرغ ہمتش زاوجِ کمال بیضۂ افلاک را در زیر بال
اخترِ برجِ سپہرِ لم یزل گوہرِ دُرجِ کمالِ بے بدل
آں معینِ دّین و ملت بے نظیر فارغ از دنیا، بملکِ دیں امیر

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر مسعودؒ نے فرمایا ہے کہ وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت معین الدین سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز کو خواب میں دیکھا اور موت۔ گور اور نکیرین کا حال پوچھا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ کے فضل سے سب کچھ آسان ہو گیا۔ لیکن جب مجھے عرش کے نیچے لے گئے۔ تو میں نے سر سجدے میں رکھا۔ آواز آئی۔ معین الدینؒ سر اُٹھالو۔ اُٹھایا حکم ہوا کہ تم اس طرح کیوں ڈرے۔ عرض کی تیری جبّاری اور قہّاری کے ڈر سے۔ حکم ہوا۔ جو شخص ہمارے کام میں مشغول ہے، ہم اُس کے کام میں مشغول ہیں اور جس نے ذی الحجہ کے عشرے میں سورۂ فجر پڑھی اُسے ڈر سے کیا واسطہ۔ جا تجھے ہم نے بخشدیا اور تجھے اپنا واصل بنایا۔

ریاضت و مجاہدات

خواجہ غریب نوازؒ کی ریاضت و مجاہدہ کا عالم کیا بیان ہو کہ آپ کی ذات گرامی سراپا مجاہدہ اور مجسمہ ریاضت تھی۔

اس سلسلہ میں خواجہ غریب نوازؒ کا شمار مجاہدین نفس اور عابدین کے طبقہ اعلیٰ میں ہے آپ تمام عمر عشق الٰہی اور محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار اور مستغرق رہے اکثر اوقات اسی تعلق قلبی کی بناپر احادیث سید المرسلین آپ کی زبان فیض ترجمان سے بیساختہ ادا ہوتی تھیں۔ رات کو آپ کم وقت سوتے تھے اور بالعموم عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ستر برس تک آپ نے خواب استراحت نہ فرمائی اور راتیں نفلوں میں گذاریں شب بیداری اور روزہ آپ کا معمول تھا۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ:-

"حافظ کلام ربانی و صاحب سماع بود و ہر روز یک ختم و ہر شب یک ختم قرآن کردی و ہر بار کہ ختم کردی آواز از غیب آمدے کہ ای معین الدینؒ ختمت قبول کردم۔ و سماع اکثر شنیدے و ہیچ کسی از علما و فقہای وقت انکار سماعش نہ کردے"۔

اسی طرح سے آپ عموماً ساٹھ دور قرآن کریم فرقان حمید کے کرتے تھے۔ مَنْ کَمَلَ عِرْفَانُہٗ کَمَلَ عِبَادَتُہٗ "جس شخص کا عرفان پورا ہوتا ہے۔ وہ عبادت میں بھی کامل ہوتا ہے" مدائن المعین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ سے نقل ہے کہ جس شہر میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا گذر ہوتا ہے تو وہاں آپ گورستان میں قیام کیا کرتے تھے اور جب شہر والوں کو آپ کی آمد کی خبر ہوتی اور آپ کے کمالات سے واقف ہوتے تو آپ اس جگہ کا قیام ترک فرمادیتے!!

آپ ہمیشہ باوضو رہتے تھے اکثر و بیشتر استغراق کے عالم میں رہتے تھے، صاحب اسرار السالکین لکھتے ہیں کہ "آپ پر کبھی جلالی حالت طاری ہوتی تھی اور کبھی جمالی، حالت جمالی میں استغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ دنیا و مافیہا کی مطلقاً خبر نہ ہوتی تھی۔ نماز کے وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور قاضی حمید الدینؒ آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر بآواز بلند الصّلوٰۃ! الصّلوٰۃ فرماتے۔ بعض مرتبہ آپ عالم استغراق سے باہر آجاتے اور اکثر مرتبہ یہ حالت ہوتی کہ بدستور اُسی طرح عالم استغراق میں محو رہتے۔ اس محویت کے عالم میں خواجہ قطب الدینؒ

آگے بڑھ کر آپ کا شانۂ مبارک پکڑ کر ہلاتے، اُس وقت آپ آنکھ کھولتے اور فرماتے شرع محمدیؐ سے مفر نہیں، سبحان اللہ ہم کہاں سے کہاں آگئے پھر وضو کر کے نماز ادا فرماتے"۔

"لیکن جب حالت جلالی ہوتی، تب آپ حجرہ کے اندر کواڑ بند کر کے مشغول ہوتے اور یہی دونوں حضرات آپ کے حجرے کے مقابل پتھروں کا ایک تودہ بنا کر اُس کے پیچھے چھپ کر حاضر رہتے۔ جب نماز کے لئے خواجہ علیہ الرحمۃ حجرہ سے باہر آتے، اور اُن پتھروں پر نظر پڑتی تو وہ پتھر فوراً راکھ ہو جاتے"۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حالت مراقبہ میں آپ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے اور مسلسل چالیس روز تک آپ کو کسی نے نہیں دیکھا[۱]

غذا و لباس

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنیؒ حضرت قطب الاقطاب اوشی بختیار کاکیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابتدائے جہاد نفس میں آپ سے وہ ریاضت و مجاہدہ ظہور میں آیا کہ جس نے بڑے رمز شناس مرتاضین صاحبان جہاد اکبر کو محو حیرت بنا دیا تھا متواتر سات سات روزوں کو ملا کر (حضرت نظام الدین محبوب الٰہی سے ساتویں روز نقل ہے) آٹھویں روز صرف پانچ مثقال (جس کا وزن پانچ درم یا ساڑھے سترہ ماشہ ہوتا ہے) کی قرص جو سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

لباس بھی نہایت سادہ ہوا کرتا تھا اس سے درویشانہ اور زاہدانہ روش جھلکتی تھی۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ "آپ معمولاً ایک دوتائی اوڑھا کرتے تھے جب وہ کسی جگہ سے پھٹ جاتی تو اسی کو سی لیا کرتے تھے"۔ اس سلسلہ میں بعض شبہات کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مکمل چھ یا سات روز تک افطار نہ کرنا، کم و بیش صوم وصال کی سی صورت ہو جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو صوم وصال رکھنے سے منع فرمایا۔ البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین روز بعد افطار فرمایا ہے اسی طرح قرآن کریم فرقان حمید کے ختم کرنے کی مدت کم سے کم سات روز اور بعض روایت کے موافق تین روز کی ہے اس سے کم وقت میں قرآن ختم کر لینا اور مزید برآں ایک شبانہ روز میں قرآن مجید کا ختم اعلیٰ درجہ کی ریاضت و مجاہدہ سہی، لیکن سنت نبویؐ

---

[۱] بحوالہ کتاب نثار خواجہؒ ۔

اس میں مفقود ہے اس کا عام طور پر (صوفیار کرام نے نہیں بلکہ) محدثین اور فقہار کرام نے یہ جواب دیا کہ "سات روز یا تین روز سے کم میں ممانعت کا یہ مطلب ہے کہ جب عجلت کی وجہ سے قرآن پڑھنے والا نہ معانی قرآن کو سمجھے۔ نہ اس کے مخارج کو اچھی طرح ادا کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ عام طور پر عجلت کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ دو امر (فہم معنی وادائے مخارج) پورے طور پر ادا ہو جائیں پھر کوئی ہرج نہیں[۱]۔ صوم وصال کے متعلق عام طور سے صوفیار کرام سے بتواتر منقول ہے کہ "وہ ایک گھونٹ پانی پیکر یا ایک لقمہ کھاکر حد کراہت سے نکل جاتے ہیں مجاہدہ بھی بدستور قائم رہتا ہے اور طریق سنت کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی۔

اخلاقِ حسنہ واوصافِ حمیدہ

خواجہ غریب نوازؒ منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے۔ آپ میں صوری ومعنوی کمالات بدرجہ اتم موجود تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ آپ جس مشن پر ہندوستان تشریف لائے تھے اس کی تکمیل کے لئے ان خصائص سے آراستہ ہونا ضروری تھا۔ آپ ظاہری آدابِ شریعت اور اتباعِ سنت نبوی کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک شخص آپ کے قتل کے ارادے سے آیا۔ خواجہ غریب نوازؒ کو اس کا علم ہوگیا۔ جب وہ شخص نزدیک آیا تو آپ بہت اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا جس ارادہ سے آئے ہو پورا کرو یہ سُنکر وہ شخص کانپنے لگا اور عاجزی سے بولا، مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ کہہ کر بغل سے چھُرا نکالا اور آپ کے سامنے ڈال دیا، پھر قدم مبارک پر گر پڑا اور کہنے لگا مجھے اس کی سزا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی کرے تو ہم اُس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ نے اس دشمن کے حق میں دعا کی وہ خواجہ صاحب سے اتنا متاثر ہوا کہ نہ صرف مسلمان ہوگیا بلکہ آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو اپنے مریدوں سے بے حد محبت تھی۔ آپ نے خانۂ کعبہ میں اُنکی مغفرت کی دعا مانگی تھی۔ فقر و درویشی کے باوجود آپ کی خانقاہ میں جود وکرم کا دریا رواں تھا

[۱] کما ذُکِرَ فی نورِ الانوارِ

مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غرباء و مساکین سیر ہو کر کھاتے تھے۔ آج تک آپ کا لنگر جاری ہے۔ آپ کو پڑوسیوں کا بے حد خیال رہتا تھا ہمہ وقت اُن کے دُکھ درد میں شریک رہتے اور اُن کی تکالیف کا ازالہ فرماتے تھے۔

حاصل کلام آپ اخلاق محمدیؐ کا مکمل نمونہ تھے۔ تحمل اور بردباری آپ کا شعار تھا، سخاوت کا یہ عالم تھا کہ حضرت قطبؒ صاحب فرماتے ہیں۔ "میں مدت تک خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں رہا مگر میں نے کبھی کسی سائل یا فقیر کو آپ کے در سے محروم جاتے نہیں دیکھا۔ آپ غریبوں اور محتاجوں کی ہر طرح امداد فرماتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، بیواؤں کی خبر گیری کرتے۔ بے سہاروں کو سہارا دیتے۔ مظلوموں کی مدد فرماتے۔ سلام میں سبقت آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ آپ کم گو تھے مگر اعلائے کلمۃ الحق میں بیباک تھے۔ آپ بزرگوں کا ادب و احترام کرتے تھے۔ ادب و احترام کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ[لہ] خواجہ معین الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور سلوک کی باتیں ہو رہی تھیں "جب آپ دائیں طرف دیکھتے آپ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ تمام لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ حضرت شیخؒ کس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح انھوں نے کئی مرتبہ قیام کیا۔ الغرض جب سب دوست اور لوگ وہاں سے چلے گئے۔ تو ایک خادم خاص نے جو حضرت شیخ کا محرم تھا موقع پا کر عرض کی کہ جس وقت آپ تعلیم دیتے تھے۔ تو ہر مرتبہ آپ قیام کیوں کرتے تھے اور کسی کی تعظیم کے لئے یہ قیام تھا۔ شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرف میرے پیر یعنی شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے پس جب میں اپنے پیر کی قبر کی طرف دیکھتا تھا تو تعظیم کے لئے اُٹھتا تھا اس طرح میں اپنے پیر کے روضہ کے لئے قیام کرتا تھا۔

پھر فرمایا کہ مرید کو اپنے پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی میں یکساں خدمت کرنی چاہیئے چنانچہ جس طرح اُس کی زندگی میں خدمت کرتا ہے۔ اُسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس پر خدمت لازم ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ اس سے بھی زیادہ کرے۔

قرب حق اے نثار گر خواہی
سازد رد زباں معین الدینؒ

لہ بحوالہ فوائد السالکین ؛

زیارت آستانہ خواجہ غریب نوازؒ

اس موقع پر ہم عرس کی تاریخی حیثیت پر بحث کرنا نہیں چاہتے کہ اس صورت میں طوالت کلام کا خوف ہے مختصراً یوں سمجھئے کہ عرس نام ہے تقریب وصال کا، بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والے کے لئے موت ایک نوید وصال ہے، قرب کے شوق میں روح کو جو اہتزاز حاصل ہوتا ہے جشن عرس اس کی ایک معمولی سی تعبیر ہے۔

چشتیوں کی اصطلاح میں عرس مجلس سماع کے انعقاد۔ ایصال ثواب اور شیرینی و تقسیم طعام کی دیرینہ رسم کا نام ہے۔ چنانچہ آپ کے عرس کے ایام میں زائرین حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ عالیہ سے اکتساب فیض کے لئے جوق درجوق چلے آتے ہیں اور بفضلہ تعالٰی اپنی خالی جھولیاں بھر کے لیجاتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض ساعات ایسی ہیں کہ اگر ان ساعات میں دعا مانگی جائے تو شرف قبولیت کو پہنچتی ہے۔ چنانچہ حرمین شریفین کے لئے تو خود لسان شریعت کے ارشادات موجود ہیں اور جن پر بحمداللہ ہر مسلمان کا ایمان ہے۔

دلیل العارفین میں خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی اوشی سے نقل ہے کہ "ایک مرتبہ میں (حضرت خواجہ غریب نوازؒ) شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ عثمان ہارونیؒ کے ہمراہ مدینے کی طرف سفر کر رہا تھا۔ جب ہم دمشق کے شہر میں پہنچے۔ تو وہاں پر مسجد کے سامنے بارہ ہزار انبیاء کے روضے دیکھے جہاں پر لوگوں کی حاجت پوری ہوتی ہے"۔ اسی طرح اولیاء کرام کے مزارات کی نسبت اکابر اسلام کے مکاشفات و تجربات گواہی دے رہے ہیں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قَبْرُ مُوسَى الْكَاظِمِ تِرْيَاقٌ مُجَرَّبٌ لِإِجَابَةِ الدُّعَاءِ (جذب القلوب)

یعنی سیدنا امام موسیٰ کاظم کی قبر شریف مقبولیت دعا کیلئے آزمایا ہوا تریاق ہے۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں سیدنا امام زین العابدینؓ کی پوتی سیدہ نفیسہؓ کے مزار شریف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"یہ درگاہ مقام اجابت دعا ہے"

امام ابو حنیفہؒ کے مناقب میں حضرت امام شافعیؒ سے مندرجہ ذیل عبارت نقل ہے:۔

(ترجمہ) میں امام ابو حنیفہؒ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور اُن کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی

حاجت در پیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور اُن کی قبر کے پاس جاکر دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہو جاتی ہے"۔ خود حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ :-

فَاَمَّا الْاَوْلِیَاءُ اِنَّھُمْ مُتَفَاوِتُوْنَ فِی الْقُرْبِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَنَفْعِ الزَّائِرِیْنَ بِحَسْبِ مَعَارِفِھِمْ وَاَسْرَارِھِمْ (ردالمختار الجزء الاول)

ترجمہ :- یعنی قرب الٰہی اور زائرین کو نفع بخشنے میں بزرگانِ دین کے مقامات اُن کی عرفانی قوت اور اُن کے روحانی کمالات کی بنا پر الگ الگ ہوتے ہیں۔

اسی طرح امام نور الدین ابوالحسنؒ نے اپنی کتاب بہجۃ الاسرار میں حضرت علی قرشیؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :-

رَأَیْتُ اَرْبَعَۃً مِنَ الْمَشَائِخِ یَتَصَرَّفُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ کَتَصَرُّفِ فِی الْاَحْیَاءِ الشَّیْخُ الْمَعْرُوْفُ الْکَرْخِیْ وَالشَّیْخُ مُحِی الدِّیْنِ عَبْدُالْقَادِرِ الْجِیْلِیْ وَالشَّیْخُ عَقِیْلُ الْمُنْبِجِیْ وَالشَّیْخُ حَیَاۃُ بْنِ قَیْسُ الْحَرَّانِیْ۔

یعنی" حضرت علی قرشی فرماتے ہیں کہ میں نے اولیاءِ امت میں حضرت شیخ معروف کرخیؒ حضرت غوث اعظمؒ اور دو بزرگ اور (حضرت شیخ عقیل اور حضرت شیخ حیوۃ بن قیس حرانی) چار بزرگوں کو دیکھا کہ اپنے زمانۂ حیات کی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ اپنی قبور میں تصرف کر رہے ہیں"۔

اسی کو شرح مشکوٰۃ شریف میں اس طرح درج کیا گیا ہے :-

"یکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ تصرف می کنند در قبور خود، مانند تصرف ہائے شاں در حیات خود یا بیشتر۔ شیخ معروفؒ و شیخ محی الدینؒ عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر را"۔

حاصل کلام سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کا چشمۂ فیض جاری اور ساری ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا اور آپ کے حسن کے پروانے اپنی باطنی صلاحیت کے مطابق صاحب مزار سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

سلسلہ چشتیہ کے مستند تذکروں میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اپنے دادا پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ کے مزار شریف پر حاضر ہوئے دل میں خیال آیا... خدا جانے مخدوم کو میری اس حاضری کا علم ہوا یا نہیں کہ

اُسی وقت مزار شریف سے آواز آئی :۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی زتن

شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی تفسیر عزیزی میں تصرفات اولیاء اللہ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں :۔

بعضے از اولیاء اللہ را کہ آلۂ جارحۂ تکمیل و رشاد بنی نوع خود
بعض اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی حاجتوں اور رشد و ہدایت کی تکمیل کا
گردانیدہ، اندریں حالت ہمہ تصرف در دنیا دادہ اند و استغراغ
آلہ بنایا ہے اور اس حالت (البعد فنا) میں بھی ان کو دنیا میں تصرف دیا گیا ہے اور انکی یہ حالت
آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت
اس کمال اور وسعت مدارک کے باعث اس طرح توجہ کرتے میں مانع نہیں ہوتی اور ارباب
نمی گردد و ایشاں تحصیل کمال باطنی از آنہا نمایند و ارباب
حاجات ان سے تحصیل کمال باطنی کرتے ہیں اور لوگ اپنی حاجتیں اور مشکلات کا حل ان
حاجات و مطالب حل مشکلات خود از آنہا می نمایند و طلبند
سے کرتے ہیں اور پاتے ہیں ۔ اور ان کی زبان حال اس حالت میں بھی
و می یابند و زبان حال آنہا دراں وقت ہمہ مترنم بایں مقال
اس مقال کی قائل ہوتی ہے ۔ میں جان سے حاضر ہوں
است " من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن "۔
اگر تو تن سے حاضر ہے ۔

اور یہی شاہ صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں :۔

" حضرت امیر و زوجۂ طاہرۂ او را تمام امت بر مثال مریداں
حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) اور ان کی پاک بیوی تمام اُمّت ان کے مریدوں اور
و مرشداں پرستند و امور تکونیہ را با یشاں وابستہ می
مرشدوں کی طرح ان سے اخلاص رکھتی ہے اور امور تکونیہ کو ان سے
دانند و فاتحہ و درود و صدقات را نذر بنام ایشاں رائج

وابستہ جانتی ہے۔ اور فاتحہ و درود و صدقات اور نذر ان کے نام

"و معمول گردید چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است"

کی کرتے ہیں۔ چنانچہ تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔

حضرت حسن عمارہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا:۔ یَاصَاحِبَ الْقَبْرِ اَنْزِلْ مِنْ عَلَی الْقَبْرِ وَلَا تُؤْذِیْ صَاحِبَ الْقَبْرِ وَلَا یُؤْذِیْكَ (حاکم و طبرانی) یعنی اے قبر کے ساتھی قبر سے اُتر آ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے اور نہ وہ تجھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں روح ضرور ہوتی ہے اور جس کی قبر ہے وہ تکلیف بھی پہونچا سکتا ہے جب اُس کو تکلیف پہونچانے کی قدرت ہے تو راحت پہونچانے کی قدرت کیوں نہ ہوگی۔

بہرحال سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کے آستانے پر آنے والے زائرین سکون قلب اور روحانی اطمینان حاصل کرتے ہیں جو اس دور مادیت میں نسخۂ کیمیا کی طرح نادر و کمیاب ہے۔

سماع

"در طریقت ہرچہ پیش آمد بسالک خیر اوست"

سماع اسم جامد بمعنی مسرت و خوشی کے ہے اور سماع مصدر بمعنی مسموع یعنی سُنا گیا ہے کہ اس کے لغوی معنی خوشگوار آواز کے ہیں۔ یہ موضوع علماء و صوفیاء کرام میں متنازع فیہ رہ چکا ہے اس لئے اس موضوع کو چھیڑنا ایک طویل بحث کا آغاز کرنا ہے لیکن اگر ذکر خواجہ غریب نوازؒ میں اس مسئلہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو سوانح حیات میں ایک بڑی کمی رہ جائے گی اس لئے اس مسئلہ پر بھی قلم اٹھانا ضروری تھا۔

بزرگانِ دین کو ہمیشہ سماع سے شغف رہا ہے چونکہ سماع باعث تقرب الی اللہ اور ازدیاد محبت الٰہی و یادِ حق ہے اور سماع کی غرض و غایت محبت الٰہی ہے لہٰذا حرام نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی الحسینیؒ اپنی کتاب البرہان المؤید میں حقیقت سماع کا یوں ذکر کرتے ہیں:۔

"ان حضرات نے حلقے مقرر کئے اور ذکر کی مجالس (جابجا) کھولیں (اور ذکر سے) ان کو وجد ہوا۔ ان کے نفوس پاکیزہ ہو گئے ان کی روحیں بلند ہو گئیں ان پر بحالت وجد و سماع اخلاص کی بجلیاں چمکنے لگیں اب تو ان کو دیکھئے کہ موجودات کی حالت سے بے خبر ہو گئے اور غائب کی حالت سے خبردار اور پھر وہ ان شاخوں کی طرح ہلنے لگے جو ہوا کی وجہ سے ہلتی ہیں خود نہیں ہلتیں (اسی طرح یہ حضرات وارد غیبی کی وجہ سے حرکت کرتے ہیں خود حرکت نہیں کرتے) یہ حضرات (وجد میں) لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔" مزید تشریح اس طرح سے فرماتے ہیں:۔

"نماز تو سب عبادتوں سے افضل اور بڑھ کر ہے اور اس میں کلام اللہ کی قرائت کی جاتی ہے حالانکہ کہیں وعدہ کہیں وعید ہے (یعنی کہیں حور و قصور کا تذکرہ، کہیں ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور کہیں فرعون و عاد و ثمود کا قصہ) اور تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ "

مذکورہ بالا عبارت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہے اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر۔ تو یہاں بھی صالحین کا ذکر موجود ہے۔ اس ذکر کے شمول سے نہ نمازی مشرک ہوتا ہے اور نہ نماز کے میدان سے باہر جاتا ہے نہ بندگی کی حد سے نکلتا ہے اسی طرح جب ذاکر گانے والے کی زبان سے وصال محبوب کا تذکرہ سنتا ہے تو اپنے پروردگار سے ملنے کی تمنا کر کے خوش ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے جب وہ گانے والے کو فراق کا تذکرہ کرتے ہوئے سنتا ہے موت کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور دنیا کی محبت سے دل کو خالی کر لیتا ہے۔ گانے والے کو بزرگوں کا ذکر کرتے سنا تو اللہ کے دوستوں کی محبت کو اللہ کے قرب کا وسیلہ بناتا ہے غرض اسی طرح یہ سماع بھی اللہ کی طرف پہنچنے کے راستوں میں سے جو تمام مخلوق کی سانس کے شمار کے برابر ہیں ایک راستہ ہے ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ
پس بچشم عاشقاں خود را تماشہ کردۂ

بہر حال اچھی بات سنتے ہیں تو اس کا اتباع کرتے ہیں اور بری بات سنتے ہیں تو اس سے بچتے ہیں۔ البتہ ناقص کو سماع کی اجازت نہیں اس کو ضرر ہوتا ہے۔"

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے سماع کا مسئلہ شرعی حیثیت سے ایک متنازعہ مسئلہ بنا رہا ہے لیکن ارباب تصوف اور صوفیائے کرام میں معدودے چند شخصیتوں کے علاوہ جس قدر اکابرین سلسلہ ہیں انھوں نے سماع سے شغف فرمایا ہے اور اکثر نے تو اسی عالم اہتزاز قلب میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات جنھوں نے اپنی عمریں احیاء دین اور فروغ اسلام کے لئے وقف کر دیں کس طرح ایک ایسے معاملہ میں شرعی قیود سے بغاوت کر سکتے ہیں جس کے بارے میں شارع علیہ السلام نے صریح احکام صادر فرما دئے ہوں اس کے

جواب میں ہم کچھ سپرد قلم کرنے سے قبل مشاہیر اسلام اور دنیائے اسلام کی مسلمہ ہستیوں کے خیالات سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

حجتہ الاسلام مقتدائے انام امام محمد الغزالیؒ نے فرمایا کہ "(سماع) آدمی کے دل میں ایک ایسا پوشیدہ راز ہے جیسے لوہے اور پتھر میں آگ ہے کیونکہ جس طرح لوہے پہ لوہا مارنے سے آگ جھڑتی ہے اور جنگل میں لگ جاتی ہے اسی طرح خوش اور موزوں آواز کا سُننا بھی گوہر دل کو ہلا دیتا ہے اور اُس سے ایسی چیز ظاہر ہوتی ہے کہ آدمی کا اُس میں اختیار نہیں رہتا ہے"۔ اس طرح سماع اس کے لئے ضروری ہے جس کے دل میں محبت کی آگ ہے۔ بہرحال سماع خوشگوار آواز (حسن صوت) اور کلام موزوں کا نام ہے جو خالی از غنا ہو کیونکہ غنا وہ ہے جو حسین بے پردہ پیشہ ور عورتیں گائیں غنا شرعاً حرام ہے مگر سماع جو حسن صوت اور کلام موزوں پر مشتمل ہے اور جو قلوب کو حرکت دیتی ہے اس کا سُننا جائز ہے۔

حُسن صوت

قرآن کریم فرقان حمید کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے اور سُننے سے انسان کا دل ملول نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں تاثر بہت ہے۔ خود قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ مومنین جب یہ کلام سنتے ہیں تو اہتزاز قلب کے باعث ان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کفار بھی چھپ چھپ کر کلام ربانی کو سُنا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب میں ایک سورت تلاوت فرما رہے تھے عتبہ اُس کو سُن کر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اسی طرح امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے جب یہ سُنا کہ ان کی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے تلوار سونت کر ان کے قتل کا قصد کیا جب امیر المومنین حضرت عمرؓ اپنی ہمشیرہ کے مکان کے دروازہ پر پہونچے تو ان کو.... طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۔ تلاوت کرتے ہوئے سُنا۔ (یعنی یہ قرآن ہم نے تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑے مگر یہ ڈرنے والوں کے واسطے نصیحت ہے)۔ اس آیت کو سن کر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آپ نے مخالفت کی راہ کو ترک کر کے صلح و آشتی کا طریقہ اختیار کیا، حضرت عمرؓ ۶ نبوت میں مشرف با سلام ہوئے۔

خود باری تعالیٰ نے کریہہ آواز کو ناپسند فرماتے ہوئے اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ

لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ط یعنی بدترین آواز گدھے کی آواز ہے، فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خوشگوار آواز بھی منجملۂ عطیاتِ ربّانی ہے۔ اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ما بعث نبی قط د لہ حسن الصوت۔ یعنی کوئی نبی ہرگز مبعوث نہیں کیا گیا مگر اُس کو اچھی آواز ملی ہوتی تھی۔

داؤد علیہ السلام کا یہی معجزہ تھا۔ جیسا کہ لحن داؤدی مشہور ہے اور ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ۷۰ ستر آوازوں سے تلاوت زبور فرماتے تھے اور آپ کی قرأت کو سُننے کے لئے چرند پرند اور بحری جانور جمع ہو جایا کرتے تھے کشف المحجوب تیں درج ہے کہ جب حق تعالےٰ نے ان کو (حضرت داؤد علیہ السلام کو) اپنا خلیفہ بنایا اور اُن کو خوش آوازی عطا کی اور اُن کے حلق کو مزامیر بنایا تو اُن کی آواز سے پہاڑ بھی نرم ہو کر بہہ جاتے تھے یہاں تک کہ پرندے اور وحشی، پہاڑوں اور جنگلوں سے اس آواز کی سماع سے جمع ہوتے تھے اور چلتے ہوئے پانی بھی ٹھہر جاتے تھے اور پرندے اُڑتے ہوئے گر پڑتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خوش گوار آواز نعمت الٰہی ہے چونکہ روح ایک لطیف چیز ہے اور آواز میں لطافت ہے اس لئے پسندیدہ اور اچھی آواز کی طرف روح کا مائل ہونا ایک فطری امر ہے۔

مزامیر بھی کم و بیش حسن صَوت کی تعریف میں آتا ہے لیکن چونکہ ایام جاہلیت میں کفارانِ عرب شراب کے ساتھ مزامیر استعمال کرتے تھے۔ اس لئے مزامیر بصورت ہائے خاص حرام کی گئی ہے یعنی جب اندیشہ فتنہ فساد، خواہشات نفسانی اور غلبہ شیطان سے انسان کا نفس پاک نہ ہو۔ جب ایسا احتمال نہ ہو اور نفوس، ان خدشات اور خطرات سے مبرّا ہوں اور طبیعت 'اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہو تو چشتیوں کے نزدیک وہ بھی جائز ہے۔ اگر سماع بطریق بازی سُننے تو یہ طریقہ اہل غفلت کا ہے لیکن دنیا کی خوشیاں کما حقہ حرام نہیں ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زنگی عید کے دن مسجد میں کچھ بازی کر رہے تھے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ کہ تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے کہا ہاں، تو آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ پھیلا دیئے اور میں آپ کے ہاتھ پر ٹھوڑی رکھ کر کھڑی ہو گئی اور اتنی دیر دیکھتی رہی کہ کئی بار آپ نے فرمایا کہ ابھی بس نہیں کرتیں؟ میں نے کہا ابھی نہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

اس طرح پر اس حدیث سے حضرت امام غزالیؒ نے پانچ رخصتیں مستنبط کی ہیں :۔
"(۱) کھیل کود اور نظارات جو کبھی کبھی ہوں حرام نہیں اور زنگیوں کی بازی میں تو رقص و سرود بھی تھا۔ (۲) وہ زنگی مسجد میں رقص و سرود کر رہے تھے۔ (۳) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اُس جگہ لے گئے اور فرمایا دُونَكُمْ يَا بَنِي اَرْفِدَةَ یعنی کھیل کود میں مشغول ہو اور یہ حکم ہے تو جو چیز حرام ہوتی اُس کا آپ کیوں حکم فرماتے ؟ آپ نے خود ابتدا کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ دیکھنا چاہتی ہو؟ تو یہ خود تقاضا ہوا۔ یہ ایسا نہیں ہے۔ کہ اگر خود وہ دیکھتیں اور آپ خاموشی اختیار فرماتے تو ممکن تھا کہ کوئی یہ کہتا کہ آپ نے ان کو رنجیدہ کرنا نہ چاہا۔ کیونکہ رنجیدہ کرنا بدخوئی ہے۔ (۵) آپ خود عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھڑے رہے۔ باوصف اس کے کہ نظارہ بازی آپ کا کام نہ تھا۔ اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی موافقت کے لئے کہ جس سے ان کا دل بہلے ایسا کام کرنا خوش خلقی میں داخل ہے۔"

اس ضمن میں دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ہے کہ دو لڑکیاں میرے پاس دف بجاتی تھیں۔ اور گاتی تھیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور کپڑا اوڑھ کر سو گئے۔ اور منہ دوسری طرف کر لیا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور اُن کو جھڑکا اور کہا کہ رسولِ خدا کے گھر میں شیطان کے مزار کا کیا کام ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اے ابوبکرؓ! ان کو چھوڑو۔ آج عید کا دن ہے۔ پس یہ معلوم ہوا کہ دف بجانا اور گانا مباح ہے۔ یقیناً سرورِ کائنات فخر موجودات تک کے گوشِ مبارک میں بھی یہ آواز پہونچی ہوگی۔ اس طرح سے آپ کا برابر سماعت فرمانا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کے روکنے کو منع فرمانا سماع کے مباح ہونے کی صریح دلیل ہے۔

کلام موزوں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر و بیشتر اشعار سُنے ہیں اور اصحاب کرام نے کلام موزوں کیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً اور نیز فرمایا وَالْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا یعنی شعر حکمت ہے اور حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے جس جگہ اس کو پالے اس کا زیادہ حق دار ہے۔ مزید برآں یہ بھی ارشاد فرمایا:۔
اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَنْزٌ تَحْتَ الْعَرْشِ لِلْاِنْسَانِ مَفَاتِيْحُهَا اَلْسِنَةُ الشُّعَرَاءِ ۔

"یعنی انسان کے لئے عرش کے نیچے خزانے ہیں جن کی کنجیاں زبان شعر ہے۔"

اسناد صحیح سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان ابن ثابت رض اور کعب ابن زہیر رض سے اُن کے موزوں کیئے ہوئے قصائد سنے چنانچہ ۹ھ میں جب کعب بن زہیر رض طالب معافی ہونے کے لئے حاضر ہوئے اور بارگاہِ رسالت سے معافی مل گئی تو انھوں نے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پڑھا اور جب وہ اس شعر پر پہنچے

أُنْبِئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ أَوْعَدَنِي

وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ مَأْمُولُ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ دیکھنا یہ کیا کہتا ہے۔ بلکہ آپ نے یہانتک فرمایا:-

أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَتْهَا الْعَرَبُ قَوْلُ لَبِيدٍ

یعنی سب کلموں سے سچا کلمہ وہی ہے جو کہ عرب کے شاعر لبید سے نقل کرتے ہیں

پس ایسے مواقع پر جو دل کی خوشی و مسرت کو دوبالا کرتے ہوں، سماع مباح ہے مثلاً خوشی، عروسی، ولیمہ، عقیقہ، تولد فرزند اور ختنہ یا سفر سے واپسی کی خوشی، جیساکہ سرکار دو عالم رحمت اللعالمین جب مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو بنی نجار کی لڑکیوں نے آپ کا استقبال کرتے وقت دف بجاکر اور یہ اشعار پڑھ کر خوشی کا اظہار کیا:-

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا - مِنْ ثَنِيَّاتِ[۱] الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا - مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

یعنی ہم پر چودھویں رات کے چاند نے وداع کی گھاٹیوں سے طلوع کیا۔ ہم پر شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا اللہ سے دعا مانگے۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن کے پاس دو کنیزیں تھیں جو گاتی تھیں، جب وقت فجر کا ہوتا تو آپ فرماتے تھے چپ رہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:-

---

[۱] ثنیات الوداع ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے باہر مکہ معظمہ کے راستے پر ہے اس جگہ اہل مدینہ آنیوالوں کا استقبال اور جانے والوں کو رخصت کیا کرتے ہیں۔

کَلَامٌ حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قُبْحُہٗ قَبِیْحٌ

یعنی وہ ایک کلام ہے اُس کا اچھا اچھا ہے اور بُرا بُرا ہے (یعنی جن باتوں کا نثر میں سُننا حلال ہے جیسے واعظ اور خداوندکریم کی آیات وغیرہ۔ ان کا منظوم سننا بھی حلال ہے)

اللہ تعالےٰ نے جو یہ فرمایا وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ یعنی شعرا کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ یہ ارشاد اس لئے ہوا کہ کفار ایام جاہلیت میں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مومنین اور دین اسلام کی ہجو اور طعن و تشنیع اشعار میں کیا کرتے تھے۔ خداوند قدوس کا مزید یہ ارشاد ہے۔ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ۔ یعنی حلال کی گئیں تمہارے لئے طیبات۔ طیّبات وہ ہیں جس سے روح کو خوشی و تازگی ہو۔ چونکہ سماع پاکیزہ ترین شے ہے اسلئے مشائخ عظام و صوفیائے کرام کے قلب کی خوشی اور دل کی فرحت ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اُن کے لئے کوئی راحت نہیں ہے۔

باری تعالےٰ کا ایک اور ارشاد اس طرح موجود ہے وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ط یعنی بنائی ہم نے تمہارے لئے آنکھ، کان اور دل تاکہ تم شکر کرو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مسموعات کا احسان جتایا۔

مذکورہ بالا روایات اور احادیث سے سماع جو خالی از ممنوعات شرعیہ ہو جائز ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے نزدیک ضرب الید علی الید یعنی تالی بجانا محمول کیا جاتا ہے۔ دف کے بجائے۔ رہا وجد کا معاملہ تو وجد ایک حرکت عشقیہ ہے جو بلا اختیار بروقت غلبہ سماع محبت الٰہی میں پیدا ہوتی ہے۔

قلائد الجواہر مناقب شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ملقب بہ حیات جاودانی میں محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد یہ ہے کہ روح ذکر کی حلاوت میں اور نفس لذت طرب میں مشغول ہو جائے اور نیز سب سے فارغ ہوکر صرف حق تعالےٰ ہی کی طرف متوجہ ہو۔ نیز وجد شراب، محبت الٰہی ہے کہ مولا اپنے بندہ کو پلاتا ہے جب بندہ یہ شراب پی لیتا ہے تو اُس کا وجود سُبک اور ہلکا ہو جاتا ہے اور اُس کا دل محبت کے بازوؤں سے اُڑ کر مقام حضرت القدس میں پہنچکر دریائے ہیبت میں جا گرتا ہے اور اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔

جب خداوندکریم نے روز میثاق ارواح سے خطاب کیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو اس کلام

کے سُننے سے ارواح خوشی سے جھوم اُٹھیں۔ بعض نے روایت کی ہے کہ جب کسی اعرابی نے شعر کے پڑھتے وقت ہاتھ بجایا تو آنحضرت صلعم کو معہ صحابۂ کرام کے جنبش ہوئی جیسا کہ زنگی مسجد میں رقص کر رہے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود دیکھ رہی تھیں۔

روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ یعنی تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں تو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنبش ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہدا حضرت امام حسینؓ سے فرمایا کہ تم خَلق اور خُلق میں ہمارے جیسے ہو گئے تو وہ بھی خوشی کے مارے رقص کرنے لگے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تو تو ہمارا برادر اور مولیٰ ہے وہ خوشی کے سبب سے رقص کرنے لگے۔ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے کہ "پسندیدہ ترین مقام اللہ تعالےٰ کے نزدیک مساجد ہیں اور بدترین مقام بازار ہے"۔ اس سے ہمارا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ بازار میں خرید و فروخت کے لئے یا تجارت کے لئے جانا بھی ناروا ہے کہاں تک حق بجانب ہوگا۔ چہ جائیکہ سرکار دو عالم رحمۃ اللعالمینؐ بہ نفس نفیس بازار میں خرید کے لئے تشریف لے جاتے تھے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ وہ مقام لہو لعب ہے وہاں پر بغرض لہو و لعب نہ جانا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اپنے کام کے لئے جائے تو منع نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سماع میں جو کوئی صواب کو صواب دیکھے خطا کو خطا اُس کے لئے سماع حلال ہے بمصداق خُذْ مَا صَفٰی وَدَعْ مَا کَدَرَ یعنی اچھی بات کو لو اور بُری بات کو چھوڑ دو۔ دراصل اہل تحقیق سماع میں محقق ہوتے ہیں اور اہل ہوا تاویل کنندہ۔ شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمیؒ نے ان سب حدیثوں کو اپنی کتاب السماع میں جمع کیا ہے اور اس کے مباح ہونے کا قطعی فیصلہ کیا ہے۔

اب ہم چند اقوال اس ضمن میں بزرگان دین، اکابرین صوفیائے متقدمین کے تبرکاً پیش کرتے ہیں۔

حضرت ذوالنُّون مصریؒ فرماتے ہیں کہ سماع خدا کی طرف سے وارد ہوتا ہے دلوں کی خواہش اس سے ابھرتی ہے اور اُس کی طلب پر حریص ہوتا ہے جو شخص اس کو حق پر سُنتا ہے حق کی راہ پالیتا ہے جو شخص نفس کے ساتھ سُنتا ہے زندقہ یعنی بے دینی میں پڑتا ہے۔

حضرت خواجہ علو دینوریؒ آپ سے دریافت کیا گیا کہ عرس کے روز سماع سُننے

کی گیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ وہ دن ہے کہ اس روز حبیب اپنے حبیب سے ملا ہے اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔ پس میں صرف پیروں کی خوشی کے دن سماع کرتا ہوں تاکہ اُن کی توجہ سے مجھے بھی مقام وصل حاصل ہو۔

حضرت ابو اسحٰق شامی چشتیؒ آپ سماع اور اہلِ سماع کو بغایت عزیز رکھتے تھے سیر الاقطاب میں ہے کہ جب آپ سماع میں ہوتے تھے تو آپ کی تاثیر وجد سے حاضرین مجلس وجد کرنے لگتے تھے۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ آپ فرماتے ہیں کہ سماع خدا کی طرف سے اس کا سفیر و قاصد ہے وہ لطائف الٰہی، موارد غیب۔ فتح کی ابتداء اور انجام معانی و بشارت کشف ہے وہ ارواح کی قوت جسموں کی غذا اور دلوں کی زندگی ہے۔ سماع پردہ کو توڑنے والا، اور بھید کو کھولنے والا ہے وہ برق لامعہ اور آفتاب درخشندہ ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ کا ذوق سماع سرکار غریب نواز کو سماع سے کمالِ ذوق و شوق تھا۔ آپ کی محفل سماع میں اکابر علماء و مشائخ شرکت فرماتے تھے۔ جو شخص آپ کی محفل میں ایک بار بھی سماع سُن لیتا صاحب ذوق و شوق ہو جاتا۔ سیر الاقطاب میں نقل ہے کہ:۔

"او (حضرت غریب نوازؒ) صاحب سماع بود و سماع اکثر شنیدے و ہیچ کس از علما و فقہائے وقت انکار سماعش نہ کردے"

آپ سے پہلے بھی خلفائے بنو امیّہ و بنو عباس کی عیش و نشاط کی محفلوں میں نغمۂ سماع رائج تھا۔ لیکن علماء نے کوئی قطعی فتویٰ اس سلسلہ میں عدم جواز کا نہیں دیا۔ جیساکہ پیر نقشبندؒ کا عقیدہ ہے۔ "نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم"، اسی طرح علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں "اس میں شک نہیں کہ سماع امورِ مشتبہ سے ہے اور مومن شبہات میں توقف کیا کرتے ہیں"۔ دلیل العارفین سے حکایت منقول ہے:۔

"ایک مرتبہ خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چند درویش صاحبِ جمال و نعمت دائرہ میں حاضر تھے اور میں (خواجہ غریب نوازؒ) بھی موجود تھا یہ بیت پڑھ رہے تھے۔

عاشق بہوائے دوست بیہوش بود ۔۔۔ وز یادِ محب خویش مدہوش بود

فردا کہ بحشر خلق حیران باشد نامِ تو درونِ سینہ و گوش بود

میں اور دیگر درویش اس بیت کے سُننے سے سات رات دن تک بیہوش رہے اور رقص کرتے رہے۔ جب قوال اور شعر پڑھنا چاہتے تھے تو ہم یہی کہلواتے تھے ان درویشوں میں دو تو ایسے بے خبر ہو گئے کہ زمین پر گر پڑے۔ اور درمیان سے غائب ہو گئے مگر اُن کا خرقہ برقرار رہا۔"

اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو سماع سے کتنا لگاؤ تھا۔ جب حضرت غریب نوازؒ نے دیارِ ہند میں قدم رنجہ فرمایا تو عقائد اور رسوم کے بندھنوں نے ہندو معاشرہ کا نظام درہم برہم کر رکھا تھا، افراد کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو سماج کی ریشہ دوانیوں نے اس قدر غیر متوازن بنا دیا تھا کہ انسان کی انفرادیت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف اوہام پرستی کا بازار گرم تھا۔ ہندو معاشرہ میں اصلاحی رجحان پیدا کرنے اور ان کو اسلام سے قریب تر لانے کے لئے حضرت غریب نوازؒ نے مجلس سماع کو بھی آلہ کار بنایا، اہتزازِ قلب اور کشادِ دل کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی مؤثر حربہ نہیں تھا صرف یہی نہیں بلکہ نومسلموں کے قلوب کی کشاد کار اور تالیف قلب آپ نے اس سے وابستہ کر دی، آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لانے والے جب ان مجالس میں بیٹھتے تو نفسیاتی اعتبار سے توارث کی تحریکات کے زیر اثر ذوق و شوق سے ان نغمات محبت پر کان لگاتے اور اہتزاز باطنی سے اسلام کی محبت ان میں استوار سے استوار تر ہوتی چلی جاتی تھی، سماع کی محفلوں میں وجدانی کیفیات کا نتیجہ یہ نکلتا کہ اِن نومسلموں کا قدم زبردست سے زبردست تحریکات یا تہدید سے جادۂ مستقیم سے نہیں ہٹتا تھا۔

چونکہ موسیقی ہندو دھرم کا جزو بن چکی تھی اس لئے آپؒ نے "آہن بہ آہن تواں کرد نرم" کے اصول پر عمل فرما کر سماع اور قوالی سے بھی اشاعتِ دین کا کام لیا۔ یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ سماع جب تک غلط ہاتھوں میں رہا نامسعود رہا اور جب اللہ والوں نے اسے اپنا لیا تو مبارک ہی مبارک، لیکن اس سلسلہ میں بھی ان بزرگوں نے کچھ آداب و اصول متعین کر رکھے تھے۔ مشائخ چشت سماع کو روحانی غذا سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ان قیود پر عمل پیرا تھے۔

شرائطِ سماع :۔ فوائد الفوائد میں درج ہے کہ :۔

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرمودند کہ چند شرائط موجود

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب یہ چند شرائط موجود

شود۔ سماع آنگاہ شنود و آں چیز مسمع است و مسموع

ہوں اس وقت سماع میں مشغول ہو اور یہ چیزیں سننے والا۔ جس چیز کو سنا

و مستمع و آلہ سماع است و فرمودند مسمع گوینده است

جائے اور جو سنانے والا ہے اور آلہ سماع ہے اور آپ نے فرمایا کہ مسمع تو کہنے والا (کلام کا)

باید کہ مرد تمام باشد کودک و عورت نہ باشد۔ امّا مسموع آنچہ

ہے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو۔ بچہ (امرد) یا عورت نہ ہو۔ اور مسموع وہ چیز ہے جس کو

می گویند۔ باید کہ فحش و ہزل نباشد۔ امّا مستمع آنکہ می شنود

سُنا جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ فحش و ہزل کلام نہ ہو، اور مستمع سننے والا ہے

باید کہ بحق شنود و مملو باشد از یاد حق۔ امّا آلہ سماع و آں مزامیر

چاہیئے کہ وہ جو کچھ سُنے حق کے لئے سنے اور اس کا وجود یاد حق سے بھرپور ہو۔ اب رہا آلہ سماع

است چوں چنگ و رباب و مثل آں باید کہ درمیان نباشد ایں

تو اس سے مراد مزامیر یعنی چنگ و رباب اور اس جیسے دوسرے آلات موسیقی ہیں، ان میں

چنیں سماع حلال باشد انتہی "

کسی کو درمیان میں نہیں ہونا چاہیئے، پس سماع اگر ان شرائط کے ساتھ ہے تو حلال ہے۔

مست عشقم دگر را نمیدانم

میں مستِ عشق ہوں اور کچھ نہیں جانتا

نہ انا الحق نہ فیہ ما فیہ

نہ انا الحق اور نہ فیہ ما فیہ

علمی ذوق حضرت خواجہ غریب نوازؒ نہ صرف ایک بہت بڑے خدا رسیدہ بزرگ، باکمال درویش مبلغ اور مصلح تھے بلکہ آپ ایک بڑے مفکر اور صاحب طرز مصنف اور بے مثل شاعر بھی تھے۔ آپ نے اپنے ملفوظات اور کلام سے علم تصوف میں بیش بہا اضافہ فرمایا۔ آپ کی تصانیف میں یہ کتب مشہور رہیں :۔

۱۔ انیس الارواح یہ کتاب فارسی میں ہے اس میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے

اپنے پیرو مرشد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب اٹھائیس ۲۸ مجالس پر مشتمل ہے۔

(۲) کشف الاسرار یہ کتاب فارسی میں ہے اس کو معراج الانوار بھی کہتے ہیں۔ علم تصوف اس کا موضوع ہے۔

(۳) کنز الاسرار یا گنج الاسرار یہ کتاب فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ فخر الانوار کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تعلیم معرفت پر ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ورود ہند کا تذکرہ کیا ہے۔ چونکہ کسی تاریخ کی کتاب سے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی دہلی میں تشریف آوری ثابت نہیں۔ لہٰذا اس کتاب کو آپ کی طرف منسوب کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ ایک اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں مولانا جلال الدین رومیؒ (المتوفی ۶۷۲ھ) کے اشعار درج ہیں۔

(۴) رسالۂ تصوف منظوم آپ کی یہ تصنیف بھی فارسی میں ہے یہ کتاب آپ کے بلند افکار اور اعلیٰ شاعری کی آئینہ دار ہے۔

(۵) رسالہ آفاق وانفس یہ کتاب فارسی میں ہے اس میں تصوف کے چند نکات پر بحث کی گئی ہے۔

(۶) حدیث المعارف
(۷) ورسالہ موجودیہ
یہ کتب نادر الوجود ونایاب ہے۔

(۸) دیوان معینؒ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیروی میں شاعری کو اپنے جذبات قلبی و وارداتِ محبت اور مشاہدات حقیقت کا ذریعہ بنایا۔ آپ صاحب دیوان تھے جس سے اعلیٰ مقامات معرفت کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کا دیوان فارسی میں ہے۔ آپ کے کلام کا یہ مجموعہ مع ترجمہ وتنقید قارئین کرام کی خدمت میں آئندہ اوراق میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس کو پڑھ کر اہل ذوق واہل عقیدت حضرات خواجہ غریب نوازؒ کی بلند پایہ شاعری کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ کی بلند پایہ رُباعی جو سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی شان میں ہے اس قدر مقبول ہے کہ عوام بھی جو فارسی زبان کی معمولی استعداد بھی نہیں رکھتے اس رباعی کا مفہوم ضرور جانتے ہیں درحقیقت اگر خواجہ بزرگ اس رباعی کے سوا ایک شعر نہ کہتے تب بھی یہ رباعی فارسی شاعری

میں ان کے بلند مقام کی دلیل ہوتی۔ اس رُباعی کا اعجاز وایجاز واقعات کربلا کے تمام لٹریچر پر بھاری ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دریا کو کوزے میں نہیں بلکہ دریاؤں سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

رُباعی

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ | دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید | حقّا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ

لیکن جس طرح بعض نادان اور تحقیق کے میدان کے نابلد آپ کے دیوان پر حرف گیری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دیوان آپ کا نہیں اسی طرح اس رباعی کے بارے میں بھی یہی شُشبہ ظاہر کرتے ہیں۔ آئندہ اوراق میں آپ کے دیوان معرفت نظام پر ایک مبسوط اور ناقدانہ تحقیق پیش کی جارہی ہے جس میں خارجی اور داخلی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ دیوان جو عوام وخواص میں مقبول ہے آپ ہی کا دیوان ہے اور کسی دوسرے شاعر کا نہیں اور رہے بھی یہ عجیب مضحکہ خیز بات، یہ تو سُنا تھا کہ لوگ دوسروں کا کلام اپنے نام سے پیش کرتے ہیں لیکن ان کم فہموں کو کیا کہیئے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ گمنام نے اپنی شہرت کے لئے اپنا کلام خواجہ صاحبؒ کے نام سے مشہور کر دیا ہے العجب ثم العجب!! بہر حال اس سلسلہ میں آئندہ اوراق یعنی دیوان کا تعارف قابل ملاحظہ ہے۔

گرامی ارشادات و تعلیمات

تیمناً و تبرکاً آپ کے ملفوظات سے چند گرامی ارشادات جو جان شریعت اور مخزن طریقت ہیں پیش کیے جاتے ہیں :- حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نوازؒ کے مرید خاص و خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ نے آپ کے ملفوظات و ارشادات "دلیل العارفین" کے نام سے مرتب کیے ہیں۔ چند ارشادات و تعلیمات درج ذیل ہیں :-

کلمات قدسی آیات بہ سلسلہ طریقت

حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نواز معدن عطائے رسول فرماتے ہیں :-

(۱) عارف اس شخص کو کہتے ہیں کہ تمام جہاں کو جانتا ہو اور عقل سے لاکھوں معنی پیدا کر سکتا ہو۔ اور بیان کر سکتا ہو، اور محبت کے تمام دقائق کا جواب لکھتا ہو، اور ہر وقت بحر میں تیرتا ہو تاکہ اسرار الٰہی اور انوار الٰہی کے موتی نکالتا ہے اور دیدہ ور جوہر جوہریوں کو پیش کرتا ہے اور جب وہ اسے دیکھیں پسند کریں۔ ایسا شخص بے شک عارف ہے۔

(۲) عارف ہر وقت ولولۂ عشق میں رہتا ہے اور قدرتِ خدا کی آفرینش میں متحیر رہتا ہے اگر کھڑا ہو تو بھی دوست کے وہم میں۔ اگر بیٹھا ہے تو بھی دوست کا ذکر کرتا ہے اگر سویا ہے تو دوست کے خیال میں متحیر ہے اور اگر جاگتا ہے۔ تو بھی دوست کے حجاب عظمت کے گرد طواف کرتا ہے۔

(۳) عرفان میں ایک حالت ہوتی ہے۔ جب وہ حالت اُن پر طاری ہوتی ہے تو ایک ہی قدم میں عرش سے حجاب عظمت تک کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور وہاں سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتے ہیں پھر دوسرے قدم میں اپنے مقام پر آ پہنچتے ہیں۔

(۴) جب عارف کا حال کامل ہو جاتا ہے۔ تو لاکھوں مقام سے باہر نکلتا ہے اور اپنا کام ترقی پر دیکھتا ہے۔ اگر اس مقام سے نہ نکلے۔ تو اسی مقام پر، حیران رہ جاتا ہے یعنی ابھی کنارے پر ہے۔ اسے راہ ہی معلوم نہیں۔ اس واسطے زیادہ تر ضائع ہی رہتا ہے۔

(۵) عارف وہ شخص ہے کہ خواہ کہیں ہو اور خواہ کچھ طلب کرے اُس کے پاس آئے۔

جس سے بات کہے، جواب اُسی سے سُنے۔ اس راہ میں وہ عارف نہیں جو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور چیز کے درپے ہو۔

(۶) عارفوں کا ایک درجہ اس قسم کا ہوتا ہے۔ کہ جب اس درجہ پر پہنچتے ہیں تو دنیا و مافیہا کو درمیان شگاف دو انگلیوں کے دیکھتے ہیں۔

(۷) عارف سے ادنیٰ سے ادنیٰ بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ملک و مال سے بیزار ہو جاتا ہے۔

(۸) عارف دنیا کا دشمن ہوتا ہے اور مولیٰ کا دوست۔ چونکہ وہ دنیا سے بیزار ہوتا ہے اور غل وغش اور حسد وغیرہ کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔

(۹) عارفوں میں صادق وہ ہے کہ جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی کی ملکیت ہو۔

(۱۰) جب تک عارف کا سِرّ خالص نہیں ہوتے اس کا کوئی فعل صاف نہیں ہوتا۔

(۱۱) محبت میں عارف وہ ہے۔ جو ذکر کے سوا کسی کو دوست نہ رکھے۔

(۱۲) نماز ایک امانت ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے۔ پس بندوں پر واجب ہے۔ کہ اس امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔

(۱۳) جب انسان نماز ادا کرے۔ تو رکوع و سجود کو کما حقہٗ بجالائے اور ارکانِ نماز اچھی طرح ملحوظ رکھے۔

(۱۴) عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہے جو اس میں جائے۔ اُسے جلا دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں۔

(۱۵) راہ محبت میں عاشق وہ شخص ہوتا ہے۔ جو دونوں جہاں سے دل اُٹھالے۔

(۱۶) محبت میں صادق وہ ہے کہ والد اور خویش و اقربا سے قطع تعلق کر کے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق پیدا کرے پس محب وہ شخص ہے۔ کہ کلام الٰہی کے حکم پر چلے اور دوستیٔ حق میں صادق ہو۔

(۱۷) عاشقوں کا ایثار عاشقی بے نیازی اور محبتوں کا ایثار آرزو کا نہ کرنا۔

(۱۸) سب سے پہلی چیز جو انسان پر فرض ہوئی۔ وہ معرفت تھی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ" یعنی جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے

(۱۹) تصوف نہ رسوم ہے نہ علوم۔ نفائس اہل محبت اور مشائخ طبقات کے نزدیک تصوف اخلاق خدا کے ساتھ متخلق ہونے کا نام ہے

جیسا کہ اصحاب طریقت کا فرمان ہے تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ

(۲۰) جس کے دل میں اللہ تعالےٰ کی دوستی قرار پکڑتی ہے اسے واجب ہے کہ دونوں جہان کو غیر دیکھے۔ اگر ایسا نہ کرے تو عاشق صادق نہیں۔

(۲۱) گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جتنا مسلمان بھائی کو خوار کرنا اور اس کی بے عزتی کرنا۔

(۲۲) ت کا ذکر ہے کہ میں خانہ کعبہ کے گرد پھرتا تھا۔ لیکن اب خانہ کعبہ میرے گرد پھرتا ہے۔

(۲۳) مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر کی زبان سے سُنے۔ اُس پر بڑی کوشش سے عمل کرے اور پیر کی خدمت بجالائے اور حاضر خدمت رہے اگر متواتر خدمت بجا لا نہ سکے تو کم از کم اس بات کی کوشش ضرور کرے۔

(۲۴) قبرستان میں عمداً کھانا کھانا پینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو عمداً کھائے وہ ملعون اور منافق ہے۔ کیونکہ گورستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص د ہوا کا۔

(۲۵) اہل عشق صبح کی نماز ادا کر کے جائے نماز پر سورج نکلنے تک قرار پکڑتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ دوست کی نظر میں مقبول ہوں، اور انوار کی تجلی ان پر دم بدم ہو۔

(۲۶) بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کر کے مقبول ہونے کی خواہش کرے۔

(۲۷) بہتر طاعت مظلوموں کی فریاد سننا۔ بیماروں کی حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا ہے۔

(۲۸) جس میں تین خصلتیں ہوں وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالےٰ کا دوست ہے۔ اول دریا کی سی سخاوت، دوسرے آفتاب کی سی شفقت تیسرے زمین کی سی تواضع۔

(۲۹) جس کو نعمت ملی سخاوت سے ملی جو متقدم بنا صفائی سے بنا۔

(۳۰) نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت بد کام سے بدتر ہے۔

مکتوباتِ خواجہؒ

ہفت مکتوبات حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح

آپ کے ہفت مکتوبات کا شمار بھی آپ کی تصانیف ہی میں کیا گیا ہے ہر چند کہ یہ سات خطوط کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے اور اصل خطوط فارسی زبان میں ہیں جو آپ کی مادری زبان تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف کے ضمن میں ہم نے یہ خطوط پیش نہیں کئے۔

یہاں ان خطوط کا اردو ترجمہ ارشادات و ملفوظات گرامی کے تحت پیش کیا جا رہا ہے یہ خطوط بھی آپ کی تعلیمات کے آئینہ دار ہیں۔ اس میں آپ نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیاری کاکیؒ کو خطاب فرماتے ہوئے رموز و اسرار و معرفت بیان فرمائے ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے وہ خطوط[۱] جو سرکار غریب نوازؒ نے اپنے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ اوشی کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے ان کا مستند اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

مکتوب اوّل:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے دلی محبّ میرے قلبی دوست میرے بھائی خواجہ قطب الدینؒ دہلوی اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں کی سعادت عطا فرمائے۔ بندۂ مسکین معین الدین کی طرف سے سلام مسنونہ کے بعد واضح اور لائح ہو کر جو اسرار الٰہی کے چند ایک نکات ہیں لکھتا ہوں یہ اپنے سچے مریدوں اور حق کے طالبوں کو سکھا دینا۔ تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑیں۔ عزیزمن! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے ابھی تک نہیں پہچانا۔ وہ ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرے یہ کہ حرص و ہوا کو ترک کردو۔ جس نے حرص و ہوا کو ترک کیا۔ اس نے مقصود کو حاصل کر لیا۔

---

[۱] اسرار الواصلین مصنفہ جناب احمد اختر صاحب خلف اکبر میراں شاہ داماد ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے :-
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى جس شخص نے اپنے نفس کو خواہشات سے روک رکھا اُس کا ٹھکانا بہشت ہے۔ پ۳۰ ع ۴

جس دل کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا ہے۔ اُسے ندامت نے کثرتِ شہوات کے کفن میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا ہے۔

ایک روز سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات اللہ تعالےٰ کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے دریافت فرمایا کہ "بایزید کیا چاہتے ہو"؟ میں نے عرض کیا "جو تو چاہتا ہے"۔ خطاب ہوا کہ اچھا "میں اسی طرح تیرا ہوں جس طرح تو میرا ہے"۔

ہر کہ گردن نہد رضاء اورا — مراورا حق نگہباں باشد

پس اگر تصوف کی ماہیّت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے پر آسایش کا دروازہ بند کر دو پھر زانوے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو سمجھو کہ تصوّف کے عالم ہو گئے۔ طالبِ حق کو یہ بات جان و دل سے بجالانی چاہیئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے وہ شرِ شیطان سے نجات پائے گا۔ اور دونوں جہاں کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز میرے مرشد علیہ الرحمۃ نے فرمایا معین الدینؒ کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحبِ حضور کسے کہتے ہیں؟ دیکھو صاحب حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقامِ عبودیت میں ہو اور ہر ایک واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے۔ اور جانے۔ اور اس پر راضی رہے۔ بلکہ اُسے رحمت ہی خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے جسے یہ حاصل ہے۔ وہ جہاں کا بادشاہ ہے بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

ایک روز میرے شیخ و مرشد نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ بعض درویش جو یہ کہتے ہیں کہ طالب جب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی۔ یہ غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس لئے ضروری نہیں ہوتا یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جناب سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عبادت و بندگی اور عبودیت میں سربسجود رہے باوجود کمالِ بندگی کے آخر یہ فرمایا کرتے تھے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (یعنی ہم نے تیری عبادت ایسی نہیں کی جیسا کہ حق تھا یعنی کما حقہٗ تیری عبادت نہیں کر سکے) نہایت عاجزی سے وِردِ زبان تھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

وَرَسُوْلُہٗ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور بھیجا ہوا رسولؐ ہے۔ پس یقین جانو کہ جب عارف کو کمالیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس سے مراد نماز ہے نہایت صدق دل سے ادا کرتا ہے اور اسی سے حضوری اور آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے بلکہ اخص الخاص معراج یہی نماز ہے۔ جب کوئی شخص یہ معلوم کرکے صدق دل سے کام لیتا ہے تو اسے ایسی پیاس محسوس ہوتی ہے۔ گویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہیں۔ جوں جوں ایسے پیالے پیئے گا پیاس غلبہ کرتی ہے۔ اس واسطے کہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں ہے اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آرامی سے بدل جاتا ہے تاوقتیکہ بقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسّلام

مکتوب دوم :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دردمند طالب شوق دیدار الٰہی کے اشتیاق کے آرزومند درویش جفاکیش میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلویؒ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں آپ کو سعادت نصیب کرے۔ سلام مسنونہ کے بعد مقصود یہ ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں خواجہ نجم الدین صاحب صغریؒ خواجہ محمد تارکؒ اور یہ خاکسار حاضر تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر خواجہؒ صاحب سے پوچھا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ کسی شخص کو قرب الٰہی حاصل ہوا ہے ؟ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا " نیک عملوں کی توفیق بڑی اچھی شناخت ہے یقین جانو جس شخص کو نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہے۔ اس کے لئے قرب کا دروازہ کھل گیا ہے پھر آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ایک شخص کے یہاں ایک صاحب وقت لونڈی تھی جو آدھی رات کے وقت اُٹھ کر وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھتی تھی اور شکرِ حق بجالاتی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی کہ پروردگار میں تیرا قرب حاصل کر چکی ہوں مجھے اب اپنے سے دور نہ رکھنا۔" اس لونڈی کے آقا نے یہ ماجرا سن کر اس سے پوچھا تمہیں کیونکر معلوم ہے کہ تمہیں قرب الٰہی حاصل ہے" اسنے جواب دیا صاحب مجھے یہ معلوم ہے کہ مجھے آدھی رات میں جاگ کر دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے۔ اس واسطے میں جانتی ہوں کہ مجھے قرب اللہ حاصل ہے۔ آقا نے کہا کہ اے لونڈی جا تو میں نے تمہیں خدا کی راہ میں آزاد کیا۔

پس انسان کو دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہنا چاہیئے۔ تاکہ اس کا نام نیک

لوگوں کے دفتر میں درج ہوجائے اور نفس اور شیطان کی قید سے بچ جائے۔ والسّلام

مکتوب سوم :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ الصمد کے اسرار سے واقف لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کے انوار کے ماہر میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلوی اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج زیادہ کرے فقیر پُرتقصیر معین الدین سنجریؒ کی طرف سے خوشی اور خرمی آمیز اور انس ومحبت سے بھرا ہوا سلام پہونچے مقصود یہ کہ تادمِ تحریر صحتِ ظاہری کے سبب مشکور ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دارین عطا فرمادے۔ بھائی جان! میرے شیخ خواجہ عثمان ہارونیؒ فرماتے ہیں کہ سوائے اہل معرفت کے کسی اور کو عشق کے رموزات سے واقف نہیں کرنا چاہیئے۔ جب شیخ سعدی میگویؒ نے آنجناب سے پوچھا کہ اہل معرفت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں تو خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اہلِ معرفت کی علامت ترک ہے۔ جس میں ترک ہوگئی۔ یقین جانو کہ وہ اہل معرفت ہے اور اُسے خداشناسی حاصل ہے اور جس میں ترک نہیں اس میں معرفت حق کی بو بھی نہیں۔ یہ اچھی طرح یقین کرلو کہ کلمۂ شہادت اور نفی اثبات حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔ مال ومرتبہ بڑے بھاری بُت ہیں۔ انھوں نے بہت لوگوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کیا اور کررہے ہیں۔ یہ معبود خلائق بن رہے ہیں۔ بہت لوگ جاہ ومال کی پرستش کرتے ہیں۔

پس جس نے جاہ ومال کو دل سے نکال دیا ہے۔ اس نے گویا پوری نفی کردی ہے۔ اور جسے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی۔ اس نے پورا پورا اثبات حاصل کرلیا اور یہ بات لَا اِلٰہَ اِلَّا کہنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے پس جس نے کلمۂ شہادت نہیں پڑھا۔ اُسے خداشناسی نہیں ہوئی۔ والسّلام

مکتوب چہارم :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حقائق معارف سے واقف رب العالمین کے عاشق میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلویؒ واضح رہے کہ انسانوں میں سب سے دانا وہ فقرا ہیں جنھوں نے درویشی اور نامرادی کو اختیار کررکھا ہے۔ کیونکہ ہر ایک مراد میں نامرادی ہے اور نامرادی میں مراد ہے۔ برخلاف اس کے اہل غفلت نے صحت کو رحمت اور زحمت کو صحت خیال کررکھا ہے۔ پس

دانا وہی ہے کہ جب کسی دنیاوی مراد کا اسے خیال آئے فوراً ترک کر کے نامرادی اور فقر کو اختیار کر لے اپنی مراد کو چھوڑ کر نامرادی سے موافقت کر لے۔

"نامرادی تا نہ گردی بامرادے کے رسی"

پس مرد کو حق تعالےٰ سے دل بستگی لازم ہے جو ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا اگر اللہ تعالےٰ آنکھ دے تو ہر راہ میں سوائے اس کے چہرہ کے اور کچھ نہ دیکھے اور دونوں جہان میں جس کی طرف نگاہ کرے اس میں اس کی حقیقت دیکھے دین داری اور آنکھ حاصل کرے کیونکہ اگر غور سے دیکھو تو خاک کا ہر ایک ذرہ جام جہاں نما ہے۔ سوائے ظاہری ملاپ کے شوق کے اور کیا لکھوں۔ والسّلام

مکتوب پنجم :-

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

واصلوں کے برگزیدہ۔ رب العالمین کے عاشق، میرے بھائی خواجہ قطب الدینؒ دہلوی (معبود حقیقی کی پناہ میں رہ کر شاد کام رہیں) ایک روز یہ دعا گو خواجہ عثمانی ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ شیخ صاحب میں نے مختلف علوم حاصل کئے بہت زیادہ زہد کیا۔ لیکن مقصد نہیں پایا۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ تمہیں صرف ایک بات پر عمل کرنا چاہیئے۔ عالم بھی ہو جاؤ گے اور زاہد بھی وہ یہ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَرْکُ الدُّنْیَا رَاسُ کُلِّ عِبَادَۃٍ وَحُبُّ الدُّنْیَا رَاسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (دنیا کا ترک کرنا تمام عبادتوں کا سر ہے۔ اور دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے) اگر تم اس حدیث پر عمل کرو۔ تو پھر تمہیں کسی اور علم کی ضرورت نہ رہے گی اَلْعِلْمُ نُکْتَۃٌ گویا علم ایک ہی نکتہ ہے۔ لیکن اس کا لینا آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ پس یقین جانو کہ ترک اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک محبت درجۂ کمال نہ ہو۔ اور محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ ہدایت کرے حق تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ من یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدُ جسے اللہ تعالےٰ ہدایت دے وہی ہدایت پا سکتا ہے پس انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا لحاظ کرے۔ اپنے وقت عزیز کو دنیاوی خواہشات کے پورا کرنے میں ضائع نہ کرے بلکہ وقت کو غنیمت سمجھ کر فقر و فاقہ میں عمر بسر کرے۔ عجز و انکساری سے پیش آئے گناہوں کی شرمندگی کے مارے سر نہ اٹھائے۔ ہر حالت میں عاجزی اور تضرع سے پیش آئے کیونکہ بندگی

اور عبادت میں سب سے اچھا کام یہی عجز و نیاز ہے۔

بعد ازاں اس موقع کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ حاتم اصمؒ خواجہ شیفق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے۔ ایک روز شیخ صاحب نے پوچھا کتنے عرصہ سے تم میری محبت و خدمت میں سرگرم ہو۔ میری باتیں سنتے آئے ہو۔ عرض کیا تیس سال سے پوچھا پھر اس عرصہ میں کیا کچھ حاصل کیا اور کیا کچھ فائدہ اٹھایا۔ عرض کیا آٹھ فائدے حاصل کئے۔ پوچھا کیا اس سے پہلے یہ فائدے حاصل نہ تھے۔ عرض کیا شیخ صاحبؒ اگر سچ پوچھتے ہیں تو ان سے زیادہ کی اب مجھے ضرورت بھی نہیں۔ فرمایا:۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حاتم میں نے ساری عمر تیرے کام میں صرف کر دی میں بھی نہیں چاہتا کہ تو اس سے زیادہ حاصل کرے۔ عرض کیا میرے لئے اتنا ہی علم کافی ہے۔ کیونکہ دونوں جہان کی نجات آٹھ فائدوں میں آ جاتی ہے فرمایا اچھا انہیں بیان کر و عرض کیا مرشدنا۔

پہلا فائدہ! یہ ہے کہ جب میں نے خلقت کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا ہر شخص نے کسی نہ کسی کو اپنا محبوب و معشوق قرار دے رکھا ہے۔ وہ محبوب و معشوق اس قسم کے ہیں کہ بعض مرض موت تک اس کے ساتھ رہتے ہیں اور بعض مرنے تک۔ بعض لب گور تک اس کے بعد کوئی بھی ساتھ نہیں جاتا۔ کوئی ایسا نہیں کہ انسان کے ساتھ قبر میں جا کر اس کا غم خوار اور اس کی قبر کا چراغ ہو سکے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ محبوب وہی اچھا ہے جو انسان کے ساتھ قبر میں جاوے اور وہاں اس کا غم خوار اور چراغ بنے۔ قیامت کی منزلیں طے کرائے مجھے معلوم ہوا کہ ان صفات سے متصف محبوب صرف اعمال صالح ہیں۔ سو میں نے انھیں اپنا محبوب بنایا اور انھیں اپنے لئے حجت اختیار کیا۔ تاکہ قبر میں بھی میری غم خواری کریں اور میرے لئے چراغ ہوں۔ اور ہر ایک منزل میں میرے ساتھ رہیں اور مجھے چھوڑ نہ جائیں خواجہ شیفق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حاتم تم نے بہت اچھا کیا۔ پھر حاتم نے عرض کیا حضرت

دوسرا فائدہ یہ کہ جب میں نے لوگوں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سب کے سب حرص و ہوا کے پیرو بنے ہوئے ہیں اور نفس کے کہنے پر چلتے ہیں۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ جس نے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نفس کو خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانا بہشت ہے تو یقین ہو گیا کہ قرآن شریف سچا ہے اس لئے میں نفس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا اور اسے اپنے مجاہدہ کی کٹھالی میں رکھ دیا

اور اس کی ایک آرزو بھی پوری نہ کی صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت سے مجھے آرام حاصل ہوتا رہا۔ خواجہ شفیقؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت دے۔ تو نے خوب کہا اور اچھا کیا۔

تیسرا فائدہ یہ کہ جب میں نے لوگوں کے حالات کا مشاہدہ غور سے کیا تو دیکھا کہ ہر شخص دنیا کے لئے کوشش کرتا ہے۔ رنج و مصیبت برداشت کرتا ہے۔ تب کہیں دنیاوی حکام سے کچھ حاصل کرتا ہے اور پھر اس پر بڑا خوش و خرم رہتا ہے۔ بعدازاں میں نے اس آیت پر غور کیا وَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۱۴ ع ۱۹ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے) تو جو کچھ میں نے جمع کیا تھا راہِ خدا میں صرف کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ بارگاہِ الٰہی میں باقی رہے اور آخرت میں میرا توشہ اور بدرقہ بنے۔ خواجہ شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے تو نے بہت اچھا کیا۔

چوتھا فائدہ یہ کہ جب میں نے خلقت کے حالات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا بعض لوگوں نے آدمی کا عزّ و شرف اور اس کی بزرگی کثرت اموال کو سمجھ رکھا ہے اور اس پر وہ فخر کرتے ہیں۔ بعض نے سمجھ رکھا ہے کہ مال و اولاد پر عزت کا انحصار ہے اور اس کو مایۂ فخر خیال کرتے ہیں۔ بعدازاں میں نے اس آیۃ کریمہ پر خیال کیا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر وہی معزز سمجھا جائے گا جو سب سے زیادہ متقی ہوگا) پس معلوم ہوا کہ یہی ٹھیک اور حق ہے۔ اور جو کچھ لوگوں نے خیال کر رکھا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے سو میں نے تقویٰ اختیار کیا تاکہ میں بارگاہِ الٰہی کا مکرم بن جاؤں خواجہ شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو نے بہت اچھا کیا۔

پانچواں فائدہ! کہ میں نے جب لوگوں کے حالات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کو محض حسد کی وجہ سے برائی سے یاد کرتے ہیں اور حسد بھی مال مرتبہ اور علم کا کرتے ہیں۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۲۵ ع ۹ (ہم نے ان میں دنیاوی زندگی کے لئے روزی وغیرہ تقسیم کی) کہ جب ازل میں ان کے حصے میں یہ چیز آچکی ہے اور کسی کا اس میں اختیار نہیں تو پھر حسد بے فائدہ ہے۔ تب سے میں نے حسد کرنا چھوڑ دیا۔ اور ہر ایک سے صلح اختیار کی۔ خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا تو نے بہت اچھا کیا۔

چھٹا فائدہ! کہ جب دنیا کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعض آپس میں دشمنی رکھتے ہیں اور کسی خاص کام کے لئے ایک دوسرے سے لاگ بازی کرتے ہیں۔ پھر میں نے اس آیت کو غور سے دیکھا۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ط پ ع ۹ (شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے) تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بالکل سچا ہے۔ واقعی ہمارا دشمن تو شیطان ہے۔ شیطان کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ تب سے میں صرف شیطان کو اپنا دشمن جانتا ہوں نہ اسکی پیروی کرتا ہوں نہ فرمانبرداری بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہوں اور اسکی بزرگی کرتا ہوں وہ ٹھیک بھی یہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطَانَ ج اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ط (اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا کہ تم شیطان کی پیروی و پرستش نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے اگر تم میری پرستش کرو تو یہ سیدھی راہ ہے) خواجہ شفیقؒ نے فرمایا بہت خوب کیا۔

ساتواں فائدہ! یہ کہ جب میں نے خلقت کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنی روزی و معاش کے لئے سر توڑ کر کوشش کرتا ہے اور اسی وجہ سے حرام و شبہ میں پڑتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے پھر میں نے اس آیت کو غور سے دیکھا۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا پ ۱۲ ع ۱ (یعنی روئے زمین پر کوئی ایسا حیوان نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو) تو سمجھ گیا کہ اس کا فرمان حق ہے۔ میں بھی ایک حیوان ہوں تب سے میں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مشغول ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری روزی مجھ بالضرور پہونچائے گا کیونکہ وہ خود اس بات کا ضامن ہے۔ خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا تو نے بہت اچھا کیا۔ اب آٹھواں فائدہ بیان کر۔ عرض کیا۔

آٹھواں فائدہ، یہ کہ جب میں نے خلق خدا کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز پر بھروسہ ہے۔ بعض کو سونے چاندی پر اور بعض کو ملک و مال پر پھر میں نے اس آیۃ کو غور سے دیکھا مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ پ ۲۸ ع، (جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوتا ہے) تب سے میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور وہ ہی مجھے کافی ہے اور میرا عمدہ وکیل ہے۔

خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا حاتم اللہ تعالیٰ تمہیں ان باتوں کی توفیق دے۔ میں نے توریت۔ انجیل۔ زبور و فرقان کا غور سے مطالعہ کیا تو ان چاروں کتابوں سے یہی آٹھ باتیں

حاصل ہوئیں جو ان پر عمل کرتا ہے گویا وہ ان چاروں کتابوں پر عمل کرتا ہے۔ اس حکایت سے مجھے معلوم ہو گیا کہ زیادہ علم کی ضرورت نہیں عمل کی ضرورت ہے۔ والسّلام۔

مکتوب ششم :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مخزنِ اسرارِ یزدانی۔ معدنِ فیوضاتِ سبحانی۔ میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلوی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

ایک روز میرے شیخ و مرشد نے نفی و اثبات کے کلمہ کی بابت کیا ہی اچھا فرمایا ہے کہ نفی اپنے آپ کو نہ دیکھنا اور اثبات اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کو دیکھنا ہے کیونکہ کوئی خود ہیں خدا ہیں نہیں ہو سکتا۔ پس نفی کی نفی کرنے والا ہونا چاہیئے ورنہ نفی کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر یہ خیال کریں کہ ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے تو مطلب حاصل ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ کلمۂ شہادت نماز روزہ وغیرہ کی صورت بھی یہی ہے اور حقیقت میں ان کے حقائق کو چھوڑ کر صرف ظاہری صورتوں پر قناعت کر لینا فضول ہے .... اور وہ شخص تو بڑا ہی احمق ہے جو ان کے حقائق تک نہیں پہنچتا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا سالک ابتدا میں نابینا ہوتا ہے جب حق کی طرف سے اسے بینائی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اُس سے دیکھتا اور سُنتا ہے۔ اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے۔ جب ایسی حالت ہو جائے تو واصل اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتا ہے۔ والسّلام

مکتوب ہفتم :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عارف معارف، حق آگاہی، عاشق اللہ میرے بھائی خواجہ قطب الدین اوشیؒ اللہ تعالیٰ آپ کے فقر کو زیادہ کرے دعاگو کی طرف سے اُنس آمیز سلام کے بعد مکشوف رائے معرفت پیرائے ہو :-

عزیز من ! اپنے مریدوں کو ضرور بتا دینا کہ فقیر و مرشد کامل سے کیا مُراد ہے۔ اور اُس کی علامت کیا ہے اور یہ کیونکر پہچانا جاتا ہے۔

مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے :- "اَلْفَقْرُ مَا لَا یَحْتَاجُ اِلٰی کُلِّ شَیْءٍ" :- فقیر اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو تمام ضروریات سے فارغ ہو۔ اور اس کے

باقی رہنے والے چہرے کے سوا اور کسی چیز کا طالب نہ ہو چونکہ تمام موجودات اُس کے باقی رہنے والے چہرے کا آئینہ اور مظہر ہے۔ اس واسطے وہ ان سب سے اپنا مقصود دیکھتا ہے۔

بعض بزرگوں نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ کامل فقیر اُسے کہتے کہ جس کے دل سے سوائے حق تعالیٰ کے سب کچھ دور ہو۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اسکا مقصود یا مطلوب نہ ہو جب ماسوائے اللہ دل سے دور ہو جاتا ہے۔ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ پس طالب کو ہمیشہ مطلوب و مقصود کے درپئے رہنا چاہیئے اب یہ معلوم کرلینا چاہیئے کہ مطلوب و مقصود کیا ہے۔

سو واضح رہے کہ مقصود یہی درد و سوز ہے خواہ حقیقی ہو۔ خواہ مجازی۔ یہاں سوز مجازی سے ابتدائے شریعت کے احکام مراد ہیں۔

والسلام

حضرت خواجہ غریب نوازؒ اور ہند کے چند مشہور سلاسل[1]

چشتیہ ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل رکھی گئی۔ یہ تاج الاولیاء حضرت ابو اسحاق شامی چشتیؒ سے منسوب ہے۔ آپ مقتدائے دودمانِ چشتیہ ہیں۔ خواجہ غریب نوازؒ نے اس سلسلہ کو پروان چڑھایا۔ ہندوستان میں غریب نوازؒ چشتیوں کے سرگروہ ہیں۔ اس سلسلہ کی دو مشہور شاخیں ہیں (۱) نظامیہ (۲) صابریہ

نظامیہ یہ سلسلہ حضرت سلطان المشائخ محمد نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا۔ آپ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر اجودھنیؒ کے سجادہ نشین تھے آپ ۱۸ ربیع الثانی سنہ ۷۲۵ھ میں بروز چہارشنبہ واصل بحق ہوئے۔ مرقد اقدس دہلی میں ہے۔

صابریہ یہ سلسلہ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر قدس اللہ سرہٗ سے جاری ہوا۔ آپ کو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنیؒ سے خلافت ملی۔ وفات شریف ۱۳ ربیع الاول سنہ ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ مرقد اقدس موضع رڑکی (ضلع سہارنپور) جسے پیران کلیر

[1] آئین اکبری میں علماء کے طبقات کے زیر تحت دوسرے طبقہ (یعنی اہل باطن) میں ۱۴ بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔

...گی کہتے ہیں، میں واقع ہے۔

سلسلہ قادریہ

حضرت غوث صمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ پیران پیر دستگیر سے اس سلسلہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ حضرت غوث الثقلین نے اپنی زندگی ہی میں تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے خلفا کو دور دراز ممالک میں بھیجدیا تھا۔ آپ نے ۵۶۱ھ میں رحلت فرمائی۔ روضۂ اقدس بغداد شریف میں ہے۔ ہندوستان میں اس کی دو اہم شاخیں ہیں (۱) سہروردیہ (۲) فردوسیہ۔

سہروردیہ

یہ سلسلہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے جاری ہوا۔ آپ نے اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت پر بڑی محنت کی تھی۔ آپ یکم محرم ۶۳۲ھ ...واصل بحق ہوئے آپ کا مزار مبارک بغداد شریف میں ہے۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کو پھیلانے کا سہرا شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانیؒ کے سر پر ہے۔ آپ نے ماہ صفر ۶۶۶ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار شریف ملتان میں ہے۔

فردوسیہ

یہ سلسلہ حضرت شیخ نجیب الدین باکبری (ولی تراش) سے جاری ہوا۔ آپ کی وفات شریف ۶۱۸ھ میں ہوئی یہ سلسلہ بہار تک محدود رہا۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کو لانے والے حضرت بدر الدین سمرقندیؒ تھے لیکن مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس کو پروان چڑھایا۔ آپ کی وفات شریف ۷۸۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مقدس بہار شریف میں ہے۔

نقشبندیہ

اس سلسلہ کا آغاز خواجہ بہاءالدین نقشبند بخاری سے جاری ہوا۔ ہندوستان میں اس کی دو شاخیں ہیں (۱) نقشبندیہ مجددیہ (۲) نقشبندیہ ابوالعلائیہ۔

نقشبندیہ مجددیہ

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے نقشبندیہ سلسلہ کو مقبول عام بنایا۔ آپ کی وفات شریف سلخ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار شریف سرہند ریاست پٹیالہ میں ہے آپ کے بعد یہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

نقشبندیہ ابوالعلائیہ

یہ سلسلہ حضرت امیر ابوالعلاء نقشبندی اکبرآبادی سے شروع ہوا۔ آپ مقتدائے وقت گزرے ہیں۔ آپ کی وفات شریف ۹ صفر ۱۰۶۱ھ بروز دوشنبہ ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک اکبرآباد (آگرہ) میں ہے۔

تعلیمات شریعت

نماز نماز کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے حاضرینِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا :-

" نماز ہی بیں منزل گاہ عزت سے لوگ نزدیک ہو سکتے ہیں اس لئے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی نماز مومن کی معراج ہے، پس نماز ہی سے تمام مقاموں میں نور حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات پہلے نماز ہی سے شروع ہوتی ہے

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ " نماز ایک راز ہے۔ جو بندہ اپنے پروردگار سے بیان کرتا ہے راز کہنے میں وہی قرب پا سکتا ہے جو اس راز کے لائق ہے یہ راز سوائے نماز کے کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ یعنی نماز ادا کرنے والا اپنے پروردگار سے راز بیان کرتا ہے"۔

اس ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا :" ایک مرتبہ بخارا میں دستار بندوں کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ تو اُن سے یہ حکایت سنی۔ کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ جو رکوع و سجود میں نماز کا حق اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا۔ تو دریافت فرمایا کہ کتنے عرصہ سے اس طرح سے نماز ادا کر رہے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیسؔ سال سے اسی طرح نماز ادا کرتا آیا ہوں"۔

" اس چالیس سال کے عرصہ میں تمہاری کوئی نماز ادا نہیں ہوئی۔ اگر تو مر جائے تو میری سنت پر نہیں مرے گا۔

بعد ازاں فرمایا کہ " میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب انبیاء و اولیاء اللہ اور ہر ایک مسلمان سے پوچھیں گے۔ جو اس حساب سے عہدہ برآ ہو گا خوشی پائے گا جو اس کے جواب سے قاصر رہے گا عذاب دوزخ میں مبتلا ہو گا۔

پھر خواجہ غریب نوازنے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ" اے درویش ! نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے۔ پس جب ستون قائم ہو گیا تو مکان بھی قائم ہوگا جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چونکہ اسلام اور دین کے لئے نماز بمنزلۂ ستون ہے۔ پس جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا۔ اسلام اور دین اور اس کے جزیات خراب ہو جائیں گے۔

پھر اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ" امام جعفر صادقؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا نصیحت کی ہے۔ بعض ان میں سے بہ لفظ مدح خطاب ہے اور بعض بطور ترغیب اور بعض بطور ترہیب (خوف دلانا) سات سو مقام پر ایسی نصیحتیں کی ہیں کہ نماز قائم کرو۔ کیونکہ یہ دین کا ستون ہے"۔

آداب مسجد کے بارے میں بات شروع ہوئی تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا:۔
"جب آدمی مسجد میں آئے تو سنت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور جب باہر نکلے تو بایاں پاؤں پہلے باہر رکھے"۔

بعدہٗ فرمایا" ایک مرتبہ خواجہ سفیان ثوریؒ مسجد میں آئے اور بھول کر پہلے بایاں پاؤں اندر رکھ دیا آواز آئی کہ بیل خانۂ خدا میں ایسے بے ادبانہ گھس آتے ہیں، اُسی روز سے آپ کو خواجہ سفیان ثوری کہنے لگے۔

چار راہیں

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ارشاد فرمایا:۔" راہِ شریعت پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے۔ جب لوگ شریعت میں ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجا لاتے ہیں ذرہ بھر تجاوز نہیں کرتے۔ تو اکثر وہ دوسرے مرتبہ پر پہونچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں اس کے بعد جب اس مرتبہ میں بھی خوب ثابت قدم رہتے ہیں اور تمام احکام شریعت اور جو شرطیں طریقت کی ہیں سالکانِ راہ کے موافق بے کم و کاست بجا لاتے ہیں تو معرفت کے مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ جب معرفت کو پہنچتے ہیں۔ تو شناخت و شناسائی کا مقام آجاتا ہے جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچتے ہیں اس مرتبے پر پہنچکر جو کچھ طلب کرتے ہیں پا لیتے ہیں۔

بعد ازاں فرمایا کہ" ایک مرتبہ میں نے ایک بزرگ سے عارف کی تعریف یوں سُنی کہ عارف وہ ہے جو دونوں جہان سے قطع تعلق کرے پھر مقام فردانیت پر پہنچے کیونکہ یہ

راہ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے۔ جو سب سے بیگانہ بن جائے۔

جھوٹی قسم حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔ "جس نے جھوٹی قسم کھائی گویا اس نے اپنے خاندان کو ویران کیا اُس کے گھر سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے"۔

اس ضمن میں یہ بھی حکایت فرمائی۔" ایک بزرگ خواجہ محمد اسلم طوسیؒ نامی نے ایک مرتبہ کسی کام کی خاطر سچی قسم کھائی اس وقت وہ حالت سکر میں تھے جب وہ حالت صحو میں آئے تو دریافت کیا کہ کیا میں نے آج قسم کھائی، کہا ہاں، چونکہ آج سچی قسم کھانے پر میرے نفس نے جرأت کی ہے کل جھوٹی قسم کی جرأت کرے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں بات ہی نہ کروں۔ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے لیکن کسی سے کلام نہ کیا۔ یہ اس سچی قسم کا کفارہ تھا۔ جو انھوں نے ایک مرتبہ کھائی۔

قہقہہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ" اصل میں کھِل کھِلا کر ہنسنا ایک گناہ ہے، اہل سلوک کے نزدیک مُسکرانا بھی کھِل کھِلا کر ہنسنے میں داخل ہے۔ پھر فرمایا کہ پہلا کھیل دنیا میں ہنسی دل لگی ہے لیکن قبرستان میں ہنسی دل لگی کرنا منع ہے کیونکہ وہ عبرت کا مقام ہے نہ کہ کھیل کود کا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص قبرستان سے گذرتا ہے تو مردے کہتے ہیں کہ اے غافل! اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ تجھے کیا پیش آنا ہے تو تیرے جسم کا گوشت و پوست گر پڑے۔

لہو و لعب حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ذکر خدا کرتے ہیں مگر ہنسی اور کھیل کود میں مصروف ہیں۔ اور ذکر سے اُن کے دل نرم نہیں ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ وَھُوَ طَائِفُ ثَالِثُ مُنَافِقُوْنَ یعنی یہ منافقوں کا تیسرا گروہ ہے جن کا دل کلام الٰہی سُننے وقت نرم نہیں ہوتا۔

محبتّ و عشق دوست حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا:" منصور حلاج سے دریافت کیا گیا کہ دوست کے عشق میں کمالیت کس بات کا نام ہے؟ فرمایا کمالیتِ عشق یہ ہے کہ معشوق ظلم و ستم کرتا رہے اور عاشق جھیلے جائے اور اپنے قدیم دستور پر قائم رہے اور رضائے معشوق میں کمر بستہ رہے اور اس کے مشاہدہ میں ایسا مستغرق رہے کہ اسے بند چھنے کھلنے کی ذرہ بھر خبر نہ ہو۔ پھر خواجہ معین الدین ادام اللہ تقواہٗ نے

آبدیدہ ہو کر یہ شعر پڑھا :۔

خوبرویاں چوں بندۂ گیرند   عاشقاں پیش شاں چنیں میرند

آپ نے فرمایا :۔

" اہل محبت وہ لوگ ہیں جو صرف دوست کی بات سُنتے ہیں"۔ الحدیث
عَنْ قَلْبِیْ رَبِّیْ یعنی عاشقوں کا دل صرف حق تعالےٰ کی بات سُنتا ہے"۔

جب صاحب محبت مرجاتا ہے تو اُسے جلدی بخشدیا جاتا ہے۔

محبت میں صادق

خواجہ صاحبؒ کی مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ اجلؒ شیرازی اور شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ گفتگو اس بارے میں ہو رہی تھی کہ محبت میں صادق کون ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ :۔

" محبت میں صادق وہ ہے جس پر دوست بلا نازل کرے اور وہ اس کو برغبت قبول کرے"۔

پھر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا :۔

" محبت میں صادق وہ ہے جس پر شوق واشتیاق اس قدر غالب ہو کہ اگر سو ہزار تلواریں بھی اس کے سر پر پڑیں تب بھی اس کو خبر نہ ہو"۔

پھر خواجہ اجل شیرازیؒ نے فرمایا کہ :۔

" مولا کی دوستی میں صادق وہ ہے جس کو ذرہ ذرہ کر کے آگ میں جلائیں تب بھی وہ دم نہ مارے"۔

بعد ازاں سیف الدین باخرزیؒ نے فرمایا کہ :۔

" دوستیٔ مولیٰ میں صادق وہ ہے کہ جس پر ہمیشہ ضربیں لگائی جائیں۔ مگر وہ مشاہدۂ جمالِ دوست کو فراموش نہ کرے اور ضربوں سے متأثر نہ ہو"۔

یہ سُن کر خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ :۔

" اس امر میں شیخ شہاب الدینؒ کا قول اقرب الصواب ہے کیونکہ میں نے "آثار اولیاء" میں پڑھا ہے کہ ایک دن رابعہ بصری، خواجہ حسن بصری، مالک دینار اور خواجہ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بصرہ میں ایک جگہ بیٹھے تھے اور صدق و محبت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:۔

"مولا کی محبت میں وہ صادق ہے جو مجانب دوست، درد اور مصیبت آنے پر صبر کرے۔"

رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ:۔

"اے خواجہ اس سے بوئے خودی آتی ہے۔"

مالک دینارؒ نے کہا:۔

"مولا کی دوستی میں وہ صادق ہے جو ہر بلا و جفا مجانب دوست وارد ہونے پر رضا طلبی میں رہے اور اس پر راضی رہے۔"

رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ:۔

"اس سے زیادہ ہونا چاہیئے۔"

خواجہ شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ:۔

"صادق وہ ہے جو ذرہ ذرہ ہو جائے پھر بھی دم نہ مارے۔"

رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ:۔

"الم و حزن وارد ہونے پر بھی جو مشاہدہ دوست کو فراموش نہ کرے وہ صادق ہے"

پانچ چیزیں

خواجہ غریب نوازؒ کی اس مجلس میں شیخ جلالؒ و شیخ علی سنجریؒ و حضرت محمد واحدؒ چشتی وغیرہ موجود تھے۔ آپ نے برسرِ مجلس فرمایا کہ:۔

"پانچ چیزوں کا دیکھنا اہلِ سلوک کے نزدیک عبادت ہے۔ اولاً صبح کے وقت اپنے ماں باپ کی زیارت کرنا اور ان کو ادب کے ساتھ سلام کرنا۔ اپنی اولاد کو محبت و برکت کی نظر سے دیکھنا بہتر عبادت ہے۔"

سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"جو اولاد اپنے ماں باپ کی زیارت خدا کی خوشنودی و قرب کے لئے کرتی ہے اس کو ایک حج مبرور کا ثواب ملتا ہے۔ اور جو اولاد اپنے والدین کے پاؤں چومے حق تعالےٰ اس کے نامۂ اعمال میں ہزار سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔"

پھر خواجہ غریب نوازؒ نے حسب ذیل حکایت بیان فرمائی:۔

"ایک مرتبہ ایک شخص نے خواب میں ایک جوان کو جو گنہ گار مر گیا تھا درمیان میں حاجیوں کے بہشت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوا۔ پوچھا یہ مرتبہ تو نے کہاں

سے پایا۔ تونے دنیا میں کوئی نیک کام نہیں کیا تھا"
اُس نے کہا یہ سچ ہے، مگر میری ایک ضعیفہ ماں تھی۔ جب میں مکان سے باہر جاتا تھا سراُس کے قدموں پر رکھ دیتا تھا اور بوسہ دیتا تھا۔ بعدازاں باہر جاتا تھا۔ میری ماں دعاء کرتی کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو بخش دے اور حج کا ثواب عنایت فرمائے۔ حق تعالیٰ نے میری ماں کی دعاء قبول فرمائی۔ مجھکو بخش دیا اور حاجیوں میں شامل فرما دیا۔
پھر ارشاد فرمایا کہ کسی نے حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا کہ یہ دولت آپ کو کیسے ملی۔ فرمایا:۔
"جب میں سات سال کا بچہ تھا۔ مسجد میں استاد سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔ جب میں اس آیت پر پہنچا وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا، تو اپنے استاد سے اس آیت شریفہ کے معنی دریافت کیئے۔ استاد نے فرمایا کہ" اللہ جل شانہٗ کا حکم ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کی خوب خدمت کرنی چاہیئے۔ جس طرح میں تمہارا پدر دگار ہوں اسی طرح انھوں نے تم کو پالا" جب استاد سے یہ سنا تو میں بے تابانہ ماں کے پاس آیا اور اپنا سر ماں کے قدموں پر رکھا اور عرض کیا کہ:۔
"اے ماں! میں نے آج اپنے استاد سے ایک آیت شریفہ کے معنی سمجھے تو فوراً حاضر ہوا اور سرِ نیاز آپ کے قدموں پر جھکا کر فرمانِ خدا کی تعمیل کی۔ اب بحکم خدا آپ کا غلام ہوں، مجھے قبول فرمائیے"
یہ سُن کر والدین پر وجد طاری ہوگیا اور ان دونوں نے دوگانہ نماز شکرانہ ادا کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ" ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا"۔
لہٰذا یہ جو کچھ تم دیکھتے ہو میرے ماں باپ کی دعا کا صدقہ ہے۔ (دلیل العارفین اُردو)
دوسری بات (حضرت خواجہ بایزید بسطامی نے) یہ فرمائی کہ:۔
"سرما میں آدھی رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا، میں نے کوزہ میں پانی بھر ہاتھ پر رکھ کر لے گیا۔ مگر والدہ سو گئی تھیں۔ جب آخر شب میں بیدار ہوئیں مجھے کوزہ کھڑا دیکھا۔ انھوں نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا پیالہ مجھ سے لینا چاہا مگر چونکہ سردی کا موسم اور بوجہ زیادہ سردی کے کوزہ میرے ہاتھ سے چپک گیا تھا، اس لئے جب انھوں پیالہ اُٹھایا تو میرے ہاتھ کی کھال اُکھڑ گئی، والدہ نے بڑی بے چینی کے ساتھ اپنی بغل

لے لیا۔ میرا منہ چوما اور کہا :۔

"اے جانِ مادر تو نے بڑی تکلیف اٹھائی"۔

پھر میرے واسطے دعا کرنے لگیں کہ :۔

"اے خدا تو اس کو بخش دے اور اس پر اپنا فضل فرما اور اپنی قربت عطا کر"۔

ان کی اس دعا کو جو انھوں نے بڑی بے چینی کے عالم میں کی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے قبول کیا اور مجھ کو بیکراں نعمتیں عطا فرمائیں"۔

پھر فرمایا کہ :۔

"دویم کلام مجید کا دیکھنا عبادت ہے کیونکہ "شرح اولیاء" میں لکھا دیکھا ہے جو کوئی کلام مجید کو دیکھے یا پڑھے اس کو خدا تعالیٰ دو ثواب عطا فرماتا ہے۔ ایک زیارت کلام کا۔ دوسرا پڑھنے کا اور ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور دس برائیوں سے پاک کیا جاتا ہے"۔

دعا گو نے عرض کیا کہ سفر اور لڑائی میں کلام مجید پاس رکھنا چاہیئے یا نہیں۔

خواجہ غریب نوازؒ نے جواب دیا :۔

"پہلے اسلام اس قدر ترقی پذیر نہیں تھا۔ اس لئے سرور عالم نے قرآن مجید ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں دی تھی کہ مبادا کفار کے قبضہ میں پہنچ جائے اور وہ بے حرمتی کریں مگر جب اسلام پھیلا اور آشکارا ہوا تو آپ مصحف شریف (قرآن شریف) اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔

پھر فرمایا کہ :۔

"سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا :۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟" کہنے لگے :۔

ایک رات میں ایک دوست کے یہاں مہمان تھا۔ طاق میں کلام پاک رکھا تھا دل میں خیال آیا کہ یہاں قرآن مجید رکھا ہے یہاں سونا بے ادبی ہے۔ اس لئے یہ قصد کیا کہ قرآن مجید اس مکان سے باہر بھیجدوں مگر فوراً دل میں یہ خیال گزرا کہ قرآن پاک کو اپنے آرام کے لئے علیحدہ کرنا بھی تو بے ادبی ہے۔ پس میں نے اپنے سونے کے واسطے دوسری جگہ تجویز کی۔ یہ بات اللہ تعالےٰ کو پسند آئی اور قرآن مجید کا ادب کرنے کے باعث مجھے بخش دیا"۔

بعدازاں خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ :-

"جامع الحکایات" میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک جوان فسق وفجور میں مبتلا تھا۔ تم مسلمان اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ ہر چند اس کو سمجھایا جاتا تھا مگر وہ کسی کی نصیحت نہیں مانتہ الغرض جب وہ مرگیا تو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سر پہ تاج ہے۔ کمر میں زرّ پیٹی لگی ہے اور لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس کو بہشت میں پہنچا دو۔ بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے اپنی زندگی فسق و فجور میں گذاری تھی۔ یہ تجھے یہ دولت کیسے نصیب ہوئی۔ کہنے لگا مجھ سے دنیا میں صرف ایک نیک کام ہوا ہے جب میں قرآن مجید کو دیکھتا تھا کھڑا ہو جاتا تھا، تعظیم کرتا تھا اور اس کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ صرف کلام پاک کی عظمت کرنے کے باعث خدائے تعالےٰ نے میرے سب گنا بخشد یئے اور یہ درجہ عطا فرمایا۔

پھر فرمایا کہ :-

"تیسرے یہ کہ کوئی شخص عالم بزرگ کا چہرہ عزت کے ساتھ دیکھے خدائے تعالیٰ ایسے وقت ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کے لئے قیامت تک بخشش کی دعا رمانگتا رہتا۔

بعدازاں فرمایا کہ :-

"جس کسی کے دل میں محبت اور دوستی علمائے کبار کی ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ ا کو ہزار سالہ عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ اگر اس درمیان میں اس کا انتقال ہو جائے حق تعالیٰ اس کو علمار کا درجہ عطا فرماتا ہے اور مقام اس کا علیّین ہوتا ہے۔

پھر فرمایا :-" فتادائے ظہیریہ میں سرورِ عالم کا ارشاد لکھا دیکھا ہے کہ علمائے کر اور اولیائے عظام کی زیارت کرنے کے لئے حتی المقدور بہت کوشش کرے اگر سا دن یہ عمل جاری رکھے تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اور سات ہز سال کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ شرط ہے دن کو روزہ رکھے اور رات کو یادِ حق کے ساتھ شب بیداری کرے"۔

پھر فرمایا :-" پہلے زمانہ میں ایک شخص ایسا گذرا ہے کہ جب وہ مشائخ کو دیکھتہ منہ پھیر لیا کرتا تھا اور آتش رشک وحسد سے جلنے لگتا تھا۔ الغرض اس کا انتقال جب اس کو قبر میں اتارا ہر چند چاہا کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف کریں، مگر کسی طرح اس کا م

کی جانب نہیں ہوتا تھا۔ دوسری جانب پھر جاتا تھا۔ خلقت کو حیرت ہوئی۔ غیب سے آواز آئی کہ تم لوگ اس شخص کے لئے کیوں رنج کرتے ہو۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں علماء و مشائخ کو دیکھتا تھا تو منہ پھیر لیتا تھا۔ پس جس شخص نے میرے دوستوں سے منہ پھیرا وہ میری رحمت سے محروم رہا اور گمراہ ہوا۔ قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اُٹھایا جائے گا۔"

پھر ارشاد فرمایا کہ:۔

"چوتھے خانۂ کعبہ کے دروازہ کی زیارت ہے اور کعبہ شریف دیکھنا ایک قسم کی عبادت ہے"۔ سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"خانۂ کعبہ دیکھنے کی نیت سے جانا ایک قسم کی عبادت ہے"۔

کعبہ دیکھنے والے کو ہزار سالہ عبادت اور حج کا ثواب ملتا ہے اور ایک مرتبہ کرامت کا اس کو عنایت کیا جاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:۔

"پانچویں اپنے پیر و مرشد کے چہرہ کی طرف دیکھنا اور خدمت میں مصروف رہنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارون قدس سرہٗ نے معرفت المریدین کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "جو شخص ایک دن بھی اپنے پیر کی ایسی خدمت کرے جیسا کہ حق ہے تو خدائے تعالےٰ اس کو جنت میں ہزار محل موتی کے عطا فرمائے گا۔ ہر محل میں اس کو حوریں خدمت کے واسطے ملیں گی اور قیامت کے دن جنت میں بے حساب جائے گا۔ اور ہزار سال کی عبادت کا ثواب اُس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا"۔ بعد ازاں فرمایا۔ کہ مرید کو چاہیئے کہ جو کچھ پیر و مرشد کی زبان سے سُنے اُس پر جان و دل سے متوجہ ہو اور جو نماز اور اوراد و وظائف پیر فرمائے وہ ادا کرے اور برابر پیر کی خدمت میں حاضر رہ کر خدمت کرے۔ اگر متواتر کا مقدور نہ تو حتی المقدور بجالائے۔

(دلیل العارفین، اردو)

وظائف

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے رسالہ "دلیل العارفین کی مجلس ہشتم میں خواجہ غریب نوازؒ کے وہ وظیفہ بیان فرمائے ہیں جن کا ورد آپ ہمیشہ فرماتے تھے۔ قطب صاحبؒ کے بیان کے مطابق خواجہ صاحب انھیں ہدایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جو ورد ہمارے خواجگان سے منقول ہیں، انھیں ہم پڑھا کرتے ہیں، تم بھی پڑھا کرو"۔ خواجہ اجمیریؒ نے فرمایا:۔

جب اُٹھو تو دائیں پہلو اُٹھو اور بسم اللہ پڑھ کر باشرائط وضو کرو اور دوگانہ پڑھ کر مصلیٰ پر بیٹھ جاؤ۔ سورۂ بقرہ کی چند آیتیں اور سورۂ انعام کی ستر آیتیں تلاوت کرنے کے بعد سو دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ پڑھو۔

پھر صبح کی نماز کی سنتیں یوں ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ، اور اَلَمْ نَشْرَحْ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اَلَمْ تَرَ کَیْفَ پھر سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھو۔

جب نماز فجر پڑھ چکو تو قبلہ رو بیٹھ کر دس مرتبہ یہ پڑھو:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر اس کے بعد تین مرتبہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھو۔ پھر تین دفعہ یہ پڑھو:۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَّا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَتَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَتَکَرَّرَ الْجَدِیْدَانِ وَاسْتَصْحَبَ الْفَرْقَدَانِ وَالْقَمَرَانِ بَلِّغْ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ مِّنِّیْ مِنَ التَّحِیَّۃِ وَالسَّلَامِ۔

پھر تین دفعہ یَا عَزِیْزُ یَا غَفُوْرُ پڑھو۔

پھر تین دفعہ یہ پڑھو:۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

پھر تین دفعہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھو۔

پھر یہ پڑھو:۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ غَفَّارُ الذُّنُوْبِ سَتَّارُ الْعُیُوْبِ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ کَشَّافُ الْکُرُوْبِ مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا دَیَّانُ یَا سُبْحَانُ یَا سُلْطَانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یَا قَدِیْمُ یَا دَائِمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا حَلِیْمُ یَا عَظِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا نُوْرُ یَا فَرْدُ یَا وِتْرُ یَا بَاقِیْ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا حَیُّ اقْضِ حَاجَتِیْ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

پھر اللہ تعالےٰ کے ننانوے نام لو۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام لو اور وہ یہ ہیں :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ، اَحْمَدُ، بَشِیْرٌ، مَحْمُوْدٌ، قَاسِمٌ، عَاقِبٌ، خَاتَمٌ، حَاشِرٌ، حَیٌّ، مَاحِیٌ، دَاعِیٌ، سِرَاجٌ، مُنِیْرٌ، بَشِیْرٌ، نَظِیْرٌ، هَادِیٌ، مَهْدِیٌّ، رَسُوْلٌ، رَحْمَةٌ، نَبِیٌّ، طٰهٰ، یٰسٓیْن، مُزَّمِّلٌ، مُدَّثِّرٌ، صَفِیٌّ، خَلِیْلٌ، کَرِیْمٌ، حَبِیْبٌ، مَجِیْدٌ، اَحَدٌ، وَحِیْدٌ، قَیِّمٌ، جَامِعٌ، مُقْضِیٌّ، مُقْتَضِیٌّ، رَسُوْلٌ، اَلْمَلَاحِمِ، رَسُوْلُ الرَّاحَةِ، کَامِلٌ، اَلْمَلُّ، مُصْطَفٰی، مُرْتَضٰی، مُخْتَارٌ، نَاصِرٌ، قَائِمٌ، حَافِظٌ، شَهِیْدٌ، عَادِلٌ، حَکِیْمٌ، نُوْرٌ، حُجَّةٌ، بَیَانٌ، بُرْهَانٌ، مُؤْمِنٌ، مُطِیْعٌ، مُذَکِّرٌ، وَاعِظٌ، وَاحِدٌ، اَمِیْنٌ، صَادِقٌ، نَاطِقٌ، صَاحِبٌ، مَکِّیٌّ، مَدَنِیٌّ اَبْطَحِیٌّ، عَرَبِیٌّ، هَاشِمِیٌّ، مُضَرِیٌّ، اُمِّیٌّ، عَزِیْزٌ، حَرِیْصٌ، رَءُوْفٌ، یَتِیْمٌ، طَیِّبٌ، طَاهِرٌ، مُطَهَّرٌ، نَصِیْحٌ، سَیِّدٌ، مُتَّقِیٌّ، اِمَامٌ، حَقٌّ، مُبِیْنٌ، اَوَّلٌ، آخِرٌ، ظَاهِرٌ، بَاطِنٌ، شَفِیْعٌ، مُحَرِّمٌ، اٰمِرٌ، نَاهِیٌّ، حَلِیْمٌ، شَهِیْدٌ، قَرِیْبٌ، مُنِیْبٌ، وَلِیٌّ، عَبْدُ اللّٰهِ، مُحَمَّدٌ کَرَامَتُ اللّٰهِ رَحْمَةُ اٰیَتُ اللّٰهِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

پھر تین مرتبہ یہ درود پڑھو:۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنَ الصَّلٰوةِ شَیْءٌ وَّارْحَمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنَ الرَّحْمَةِ شَیْءٌ وَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنَ الْبَرَکَاتِ شَیْءٌ

پھر ایک دفعہ آیت الکرسی پڑھو:۔

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا

يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

پھر تین مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھو پھر سات دفعہ یہ پڑھو:۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ سُبْحَانَ الْاَوَّلِ الْمُبْدِئِ سُبْحَانَ الْبَاقِي الْمُعِيدِ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ أَتُوبُ تَوْبَةَ عَبْدٍ ظَالِمٍ ذَلِيلٍ لَا يَمْلِكُ لِنَفْسِهٖ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ يَا اللّٰهُ يَا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْأَلُكَ أَنْ تُحْيِيَ قَلْبِي بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ أَبَدًا أَبَدًا يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:۔ يَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ يَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ وَالْاَبْصَارِ يَا دَلِيلَ الْمُتَحَيِّرِينَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ أَغِثْنِي تَوَكَّلْتُ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ يَا رَبِّ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ بِحَقِّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۔

پھر ایک مرتبہ یہ پڑھو، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ يَا مَنْ عَلَيْكَ حَوَائِجُ السَّائِلِينَ وَيَعْلَمُ ضَمِيرَ الصَّامِتِينَ فَإِنَّ لَكَ مِنْ كُلِّ مَسْئَلَةٍ مِنْكَ سَمْعًا حَاضِرًا وَجَوَابًا عَتِيدًا وَإِنَّ لَكَ مِنْ كُلِّ صَامِتٍ عِلْمًا نَاطِقًا فَأَعْطِنَا بِمَوَاعِيدِكَ الصَّادِقَةِ وَأَيَادِيكَ الشَّامِلَةِ وَرَحْمَتِكَ الْوَاسِعَةِ وَنِعْمَتِكَ السَّابِقَةِ أُنْظُرْ إِلَى نَظْرَةً بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۔

پھر ایک مرتبہ یہ پڑھو:- یَاحَنَّانُ، یَامَنَّانُ یَادَیَّانُ یَا بُرْهَانُ یَا سُبْحَانُ یَا غُفْرَانُ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:- اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَسْمَائِكَ وَاِسْمِكَ الْاَعْظَمِ اَنْ تُعْطِیَنِیْ مَا سَئَالْتُكَ بِفَضْلِكَ وَكَرَمِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فِی السَّمٰوٰتِ عَرْشُهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فِی الْقُبُوْرِ قَضَاؤُهٗ وَاَمْرُهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَامَلْجَأَ وَلَا مَنْجَاءَ اِلَّا اِلَیْهِ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْاءَ الْمِیْزَانِ وَمُنْتَهَی الْعِلْمِ وَزِیْنَتِهِ الْعَرْشِ وَمَبْلَغَ الرِّضَاءِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِلْاءَ الْمِیْزَانِ وَمُنْتَهَی الْعِلْمِ وَزِیْنَتِهِ الْعَرْشِ وَمَبْلَغَ الرِّضَاءِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

پھر ایک مرتبہ یہ پڑھو:- رَضِیْتُ بِاللّٰهِ یَا کَرِیْمًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَّبِالْمُؤْمِنِیْنَ اِخْوَانًا۔

پھر تین مرتبہ یہ پڑھو:- بِسْمِ اللّٰهِ خَیْرِ الْاَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

پھر چند مرتبہ یہ پڑھو:- اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ یَا مُجِیْرُ۔

پھر دس مرتبہ یہ پڑھو:- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (دسویں مرتبہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہو)

پھر ایک مرتبہ یہ پڑھو:- وَاَشْهَدُ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ، وَالنَّارَ حَقٌّ وَالْمِیْزَانَ حَقٌّ وَالْمَوْتَ حَقٌّ وَالسُّوَالَ حَقٌّ وَالصِّرَاطَ حَقٌّ وَالشَّفَاعَةَ حَقٌّ وَكَرَامَةُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ وَمُعْجِزَةُ الْاَنْبِیَاءِ حَقٌّ فِی الدَّارِ الدُّنْیَا وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ

پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگو:- اَللّٰهُمَّ زِدْ نُوْرَنَا وَزِدْ حُضُوْرَنَا وَزِدْ مَغْفِرَتَنَا وَزِدْ طَاعَتَنَا وَزِدْ نِعْمَتَنَا وَزِدْ مُحَبَّتَنَا وَزِدْ عِشْقَنَا وَزِدْ قُبُوْلَنَا بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اس کے بعد مسبعات عشرہ اور سورہ یٰسین پڑھو پھر سورہ ملک پھر سورہ جمعہ ازاں بعد جب سورج بلند ہو تو نمازِ اشراق دس رکعت پانچ سلام کے ساتھ اس طرح پڑھو کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ ایک مرتبہ، اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ایک مرتبہ، دوسری رکعت

میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ، اور ایک مرتبہ اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ پڑھو:۔

نماز کے بعد دس دفعہ درود شریف پڑھو پھر قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو جاؤ۔ پھر بارہ رکعت نماز چاشت چھ سلام کے ساتھ اس طرح پڑھو کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ والضحیٰ ایک بار پڑھو۔ سلام کے بعد کلمہ سبحان اللہ آخر تک سو بار پڑھو۔ پھر سو مرتبہ درود شریف پڑھو اور دیر تک قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہو۔

پچھلی دس سورتیں پڑھو یعنی "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ" سے "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" تک پڑھو۔

سلام کے بعد دس مرتبہ درود شریف پڑھو۔ پھر سورۂ نوح اور عصر کی نماز تک خدا کی یاد میں مصروف رہو۔ پھر سو مرتبہ یہ پڑھو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ پھر پانچ پانچ مرتبہ سورہ فتح اور سورۂ ملک پڑھو۔

پھر سورۂ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ اور سورۂ وَالنّٰزِعٰتِ پڑھو اور یاد الٰہی میں مصروف ہو جاؤ۔

بعد ازاں شام کی نماز پڑھو۔ سنتوں کے بعد دو رکعت نماز حفظ ایمان پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ایک مرتبہ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ سورۂ اخلاص تین مرتبہ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ایک مرتبہ پڑھو۔

نماز سے فارغ ہوتے پر سر سجدہ میں رکھ دو اور یہ کہو، يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ ثَبِّتْنِيْ عَلَى الْاِيْمَانِ۔

پھر نماز اوابین ادا کرو لیکن ہمارے نزدیک چھ رکعت ادا کرے۔ تین سلام کے ساتھ۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ۔ دوسری میں فاتحہ کے بعد اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ اور تیسری میں فاتحہ کے بعد سورۂ واقعہ پڑھو۔ پھر عشاء کی نماز تک خدا کی یاد کرتے رہو۔

جب عشاء کا وقت ہو جائے تو نماز سے قبل یہ دعا پڑھو:۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

پھر چار رکعت نماز عشاء ادا کرو۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد تین دفعہ آیت الکرسی پڑھو۔ باقی تین رکعتوں میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھو۔ پھر چار رکعت صلوٰۃ السعادۃ ادا کرو۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد تین دفعہ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ اور پندرہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھو۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ میں سر رکھ دو اور تین مرتبہ یہ کہو، يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ ثَبِّتْنَا عَلَى الْاِيْمَانِ۔ بیٹھنے پر یہ دعا پڑھو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بَرَكَةً فِي الْعُمُرِ وَصِحَّةً فِي الْمَعِيْشَةِ وَسَعَةً فِي الرِّزْقِ وَزِيَادَةً فِي الْعِلْمِ وَثَبِّتْنَا عَلَى الْاِيْمَانِ۔

پھر رات کو تین حصوں میں تقسیم کرو۔ پہلے حصہ میں نماز پڑھو۔ دوسرے میں تہجد جس کے متعلق آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ یہ نماز تمہارے لئے فرض ہے۔ یہ نماز چار سلام سے ادا کی جائے اور جتنا قرآن یاد ہو پڑھو۔ پھر تھوڑی سی نیند کرلو۔ پھر اٹھ کر تازہ وضو کرو اور صبح کاذب تک خدا کی یاد کرو۔

اسی طرح روزانہ کرو اور کمی بیشی نہ کی جائے۔

بیعت وخلافت

صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی سوانح حیات، ان کی اصلاحی کوششوں، مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذکر کے ساتھ خلق اللہ کا رجوع اور ان کے مرجع خواص وعوام ہونے کا ذکر بھی آجاتا ہے اور اس سلسلہ میں بیعت وخلافت کا تذکرہ بھی ضروری ہو جاتا ہے قبل اس کے کہ یہاں خواجہ گرامیؒ غریب نوازؒ کے خلفاء کا ذکر کیا جائے لفظ بیعت کی تشریح ہر ایک پہلو سے کردی جائے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ مذہبی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بیعت کی کیا اہمیت ہے۔

سرور کونین سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ایامِ حج میں مکہ کے گرد و نواح میں جو قبائل عرب جمع ہوتے اُن کو دعوتِ اسلام فرمایا کرتے تھے۔ بعثت کے گیارہویں سال ماہ رجب میں حسب معمول منیٰ میں عقبہ کے قریب (جہاں اب مسجد عقبہ ہے) قبیلہ خزرج کے چند اشخاص کے سامنے نظریہ اسلام پیش کیا تو انھوں نے جن کی تعداد چھ تھی اسلام قبول کر لیا۔ ان نومسلموں نے مدینہ منورہ (جس کا اصلی نام یثرب تھا) میں پہونچکر اپنے اقربا و لواحقین کو اسلام کی دعوت دی۔ دوسرے سال ایامِ حج میں بارہ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور انھوں نے عقبہ کے متصل سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ اُولیٰ یعنی عقبہ کی پہلی بیعت کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط یعنی بیشک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔ یہ ایک تمثیل ہے جس سے غایت لطف و کرم کا اظہار مقصود ہے۔

یہ جان ہے تو اُس کی پیدا کی ہوئی اور یہ مال و متاع اس کا ہی عطا کردہ ہے یہ محض اُس کا جود و کرم بلکہ عزت افزائی ہے کہ وہ ہمارا خریدار بنے۔ اس نص قرآن کی شان نزول یہ ہے کہ جب انصار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام عقبہ میں شب کے وقت بیعت لیلۃ العقبہ کی تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے کچھ شرط فرما لیجئے جو آپ چاہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اپنے رب کے لئے تو یہ شرط کرتا ہوں کہ تم اُس کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لئے یہ کہ جن چیزوں سے تم اپنے جان و مال کو بچاتے ہو اور محفوظ رکھتے ہو اس کو میرے لئے بھی گوارا نہ کرو" اس پر انھوں نے عرض کیا کہ ہم ایسا کریں تو ہمیں کیا ملے گا آنحضرت نے فرمایا "جنت" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ[1] اس نص قرآنی سے صرف نبی کی شان و رفعت کا اظہار ہی نہیں بلکہ یہ اشارہ بھی ہے کہ تم جس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو اس کی شان کیا ہے اور اس کی مقدس ہستی کا تمہاری ذات سے کیا تعلق ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ ان شرائط پر لی گئی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے چوری نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، بہتان نہ لگائیں گے، کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے چونکہ عورتوں سے انہیں باتوں پر بیعت لی گئی تھی۔ اس لئے اس بیعت کو بیعت النساء سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

عورتوں سے بیعت لینے کے متعلق ارشاد خداوند قدوس یوں ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

یعنی اے نبی جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کرینگی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو اُن سے بیعت لو

---

[1] پیغمبر مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔

اور اللہ سے اُن کی مغفرت چاہو بیشک اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

مرقوم ہے کہ عورتوں نے ان باتوں کا عہد و پیماں کیا اور اس طرح سے چار سو ستاون ۴۵۷ عورتوں نے بیعت کی[۱]۔ اس بیعت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان سے مصافحہ فرمایا نہ عورتوں کو دست مبارک چھونے کی اجازت دی۔ بیعت کی کیفیت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ" ایک قدح پانی میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ڈالا پھر اس میں عورتوں نے اپنے ہاتھ ڈالے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیعت کپڑے کے واسطے سے لی گئی اور بعید نہیں کہ دونوں صورتیں عمل میں آئی ہوں"۔ علاوہ ازیں ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن اُمیہؓ کو مصالحت کی گفتگو کے لئے بھیجا۔ اہلِ قریش نے اُن کو قتل کرنے کی کوشش کی نگران کے قبیلے کے لوگوں نے آپ کی گلو خلاصی کرادی۔ حضرت خراشؓ کی واپسی کے بعد قریش نے ایک دستہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا مگر بروقت گرفتار کر لیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قریش کی ان حرکات کو نظر انداز کر کے دوبارہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بغرض صلح قریش کے پاس بھیجا۔ اس اثنا میں یہ افواہ پھیل گئی کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے سرکار دو عالم رحمۃ اللعالمین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، اور آپ نے قصاص کے لئے صحابۂ کرام سے جانبازی کی بیعت لی۔ یہ بیعت بیعت رضواں کے نام سے مشہور ہوئی اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

یہ بیعت حدیبیہ کے میدان میں ببول کے درخت کے نیچے لی گئی۔ اسی نسبت سے اس کو بیعت الشجرہ بھی کہتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ چونکہ مکہ معظمہ میں تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقدس دستِ راست دستِ چپ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں شامل کیا۔ اس باب میں ارشاد الٰہی اس طرح ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ

---

[۱] تفسیر مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین صاحبؒ مراد آبادی۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

یعنی جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس ہی پر عہد شکنی کرتا ہے اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے خدا کے ساتھ کیا ہے تو اُسے عنقریب اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر دے گا۔

مذکورہ بالا سطور میں بیعت کے متعلق صریح اور براہین واضح موجود ہیں گویا بیعت ان چند باتوں کا عہد ہے جن کی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دعوت دی تھی، بیعت تحت الشجر میں جان نثاری کا عہد بیعت کی صورت میں لیا گیا۔ فتح مکہ کے دن ہزاروں اُناث و ذکور سے اسی طرح بیعت لی گئی، آپ کے جانشین حضرات یعنی خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے بھی اپنی اپنی خلافت پر متمکن ہونے کے وقت مسلمانوں سے اسی طرح بیعت لی یعنی اتباع کا اقرار اور پیروی کا عہد!

رب العزت جل وعلا کے اس ارشاد پر غور کیجئے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو اُس اُمید پر کہ فلاح پاؤ۔

"اس میں پہلی آیت میں اللہ سے ڈرنے اور وسیلہ تلاش کرنے کے لئے مومنین سے خطاب کیا گیا ہے وسیلہ ذریعہ قرب خداوندی کا ہے۔ اس آیت سے مراد بیعت مرشد ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلہ سے ایمان مراد لیا جائے اس وجہ سے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تقویٰ میں داخل ہے" اس لئے تقویٰ عبارت ہے امتثال اوامر اور اجتناب نواہی سے اس لئے قاعدہ عطف کا مغایرت بین المعطوف علیہ کا مقتضی ہے اور اسی طرح جہاد میں بھی مراد نہیں ہو سکتا کہ بدلیل مذکورہ وہ بھی تقویٰ میں داخل ہے پس متعین ہو گیا کہ وسیلہ سے مراد ارادت اور بیعت مرشد ہے۔"

اولیائے کرام اور بزرگان دین جو اس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی تجدید کرانے والے اور اشاعت دین کے مبلغ اعظم ہوتے ہیں، اپنے مقتدا و پیشوا سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہر اس شخص

سے جوان کے گروہ میں شامل ہوتا ہے یا بہ الفاظ دگران کا ارادت مند ہوتا ہے اس سے بھی اسی طرح عہد لیا جاتا ہے جس طرح آپ نے مشرکوں اور کافروں سے حلقہ بگوش اسلام ہوتے وقت عہد لیا تھا وہ عہد نو تھا اور یہ اس عہد کی تجدید ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف کی اطاعت اور منکر سے گریز اخلاق حسنہ کی تکمیل اور اخلاق سیۂ سے اپنے نفس کو مامون و محفوظ رکھنا ہے بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ دینا زیادہ پختگی کا اظہار ہے یہ فعل گویا بائع و مشتری کے فعل کے مشابہ ہوا۔ اس کا نام بیعت رکھا گیا جو بائع کا مصدر ہے۔

فقر و خرقہ فقرا

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ یعنی فقر میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کو غنا پر ترجیح دی۔

مزید آپ نے مسکنیت کی زندگی موت اور زمرۂ مساکین میں محشور ہونے کی پُرزور الفاظ میں تمنا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یعنی بارالٰہا! "مجھ کو مسکین ہی زندہ رکھ اور اسی حالت میں مجھ کو موت سے ہمکنار فرما۔ اور حشر میں مساکین کے گروہ میں اٹھائیو۔"

مختصراً فقر انبیاءؑ کی آرائش، اولیاؒ کی زینت ان کا تاج و لباس اور خلعت فاخرہ ہے جس کسی کو اس خلعت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے اس کو مقام قاب قوسین کو پہنچا دیتا ہے۔ لیکن اس فقر کو غربت و ناداری اور محتاجی کا مترادف نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین ہے بلکہ یہ فقر نفس کا غنا، اس کی آسودگی حرص و آز سے محفوظ و مامون رکھنا ہے تو تنگدستی اور مفلسی، صلحائے امت اور صوفیائے کرام جو قناعت کے میدان کے شہسوار اور آسودگی نفس کی دستگاہ رکھنے والے تھے انھوں نے ہمیشہ اسی فقر کو جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سرمایۂ افتخار تھا اپنے لئے بھی آپ کی اتباع میں ہر طرح وجہ نازش و افتخار سمجھا

خرقۂ خواجگان و کلاہ چار ترکی

خرقۂ فقر کے لئے مختلف روایات ہیں۔ لیکن جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو خرقۂ فقر یا خرقۂ معراجیہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب میں عطا ہوا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مرحمت فرمایا۔ اس طرح یہ خرقہ منتقل ہوتا ہوا حضرت خواجہ

نصیر الدین چراغ دہلیؒ تک پہنچا اور آپ کی وصیت کے بموجب یہ خرقہ آپ کے ساتھ آپ کے مرقد مبارک میں مدفون و مکنون ہوا۔

حضرت امیر خسروؒ کتاب افضل الفوائد میں نقل فرماتے ہیں کہ امام ابواللیث سمرقندی نے اپنی کتاب "تنبیہ" میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ جبرئیل علیہ السلام بہشت سے چار ٹوپیاں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان ٹوپیوں کو پہلے آپ خود زیب تن فرمائیں اور پھر اپنے اصحاب کو عنایت کردیں۔ ان ٹوپیوں میں ایک ٹوپی ایک ترکی، دوسری دو ترکی، تیسری تین ترکی اور چوتھی چار ترکی تھی حضور انور نے اُن کو اپنے سر اقدس پر زیب فرما کر متبرک بنایا اور پھر ایک ترکی اپنے دست مقدس سے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اور دو ترکی امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو اور سہ ترکی امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کو اور چار ترکی امیر المومنین حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو پہنائیں اور فرمایا کہ تم چاروں یاروں کو خلافت الٰہی [illegible] اوراق میں آچکی ہے۔

حضرت خواجہ سید بندہ نواز گیسو دراز اپنی کتاب جوامع الکلم میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت دو طرح پہ جاری ہوئی ہے ایک ظاہری دوسری باطنی، ظاہری خلافت کو صغریٰ اور باطنی کو کبریٰ کہتے ہیں۔ خلافت ظاہری جو امور دنیوی، انتظام ملکی اور اجرائے احکام شریعت تک محصور و محدود اور اس سے متعلق ہے خلفائے راشدین یعنی امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو علی الترتیب خلافت ظاہری شرعی کی انجام دہی پر متمکن کیا گیا۔ کہ اس وقت اسلام کے استقلال، اس کی اشاعت کے لئے اس کی شدید ضرورت تھی اور یہ خلافت باطنی پر مقدم تھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم حضرت حق کا تھا کہ راز باطنی بلا طلب کسی کے روبرو ظاہر نہ کریں۔ بایں وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس ضمن میں متردد ہوئے کیونکہ مدت مدید تک یہ راز باطنی کسی نے دریافت نہیں کیا اُسی روز امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں القا ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت والا تبار میں حاضر ہوئے اور اسرار حقیقت یعنی راز ولایت کے معلوم کرنے کے لئے

معروضہ پیش کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شگفتہ خاطر ہوئے کہ "الحمد للہ ان اسرار کا اہل اور لائق پیدا ہوا پھر فرمایا اے علی مجھ کو حکم تھا کہ بغیر دریافت یہ اسرار کسی کے سامنے ظاہر نہ کروں سو خدا کا شکر ہے کہ تمہارے دل میں ان کی طلب پیدا ہوئی اور یہ نعمت و دولت تمہارے ہی نصیب میں تھی۔ اے علیؑ یہ علم سینہ بسینہ اور گوش بگوش ہے اور یہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا پھر یہ علم یعنی علم اسرار جناب مولا سے تمام صوفیاء کرام کو پہونچا کیونکہ وہی وارث تھے اور ہیں اور ہوں گے الی یوم القیامۃ[1]" اور اسی کا نام تصوف ہے۔

تصوف کی تعریف

سرکار غوث الاعظم قطب ربانی محبوب سبحانیؒ فرماتے ہیں کہ دل کو تمام کدورتوں سے صاف کرنا، خدائے عزوجل کے ساتھ صدق اختیار کرنا اور خلق اللہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا تصوف ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ جو حقیقت شریعت کے مخالف ہو وہ کفر و الحاد ہے۔

دراصل شریعت و طریقت میں کوئی فرق و تضاد نہیں احکام شریعت کا خلوص دل سے عہدہ برآ ہونے کے بعد ہی عارف و سالک طریقت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوتا ہے اور یہی طریقت ہے سرکار دو عالم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں مردِ حق کمال عرفان کو پہنچتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی بے شک تمہارے لئے اُن میں اچھی پیروی تھی۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دھلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صوفیا کرام کی متابعت عین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے۔ شیخ ابو یحییٰ ذکریا انصاری فرماتے ہیں کہ جب کسی فقیہ کو اس طریقت کے احوال کی خبر نہ ہو تو اسے برہنہ پا سمجھو۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ طالب خدا کو چاہیئے کہ کسی شیخ عارف کامل کو اپنا رہبر بنائے اور اہل تعصب کی باتوں سے پرہیز کرے۔

امام شعرانیؒ نے "انوار قدسیہ" میں شیخ کامل کی پیروی کو واجب ثابت کیا ہے۔ یعنی باطنی نجاستوں کو دور کرنا واجب ہے اس لئے اس کے ازالہ کے طریق کا حصول بھی واجب ہے اور وہ بغیر اتباع شیخ کامل حاصل نہیں ہو سکتا، خود بخود اپنی اصلاح ہزاروں کتابیں حفظ کر لینے سے بھی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] سیرت نظامی۔

منقول[۵] ہے کہ خواجہ ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کو فرمایا کہ تو جیسا کہ مستعد ہے۔ تجھ کو ضروری ہے کہ تو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں رہے وہ جوان بگڑ گیا اور کہا جو یہاں بیٹھا ہوا بایزید کے خدا کو دیکھا کرتا ہے وہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں دیکھنا چاہے گا۔ خواجہؒ نے فرمایا ستر بار خدا کو دیکھنے سے ایک بار بایزیدؒ کو دیکھ لینا کافی ہے تو اس نوجوان نے کہا یہ کیسے؟ خواجہؒ نے فرمایا جو کچھ تو دیکھتا ہے وہ اپنے اندازہ سے اپنے آپ میں دیکھتا ہے وہ تیرے اندازے کے موافق ہے اور جو کچھ بایزید (رحمۃ اللہ علیہ) دیکھے گا وہ بایزید (رحمۃ اللہ علیہ) کے اندازے کے موافق ہوگا۔

خواجہ غریب نواز کے خلفاء

اپنے پیران طریقت اور اسلاف حقیقت آگاہ کی طرح سرکار غریب نوازؒ نے بہت سے خلفاء چھوڑے جن میں سے چودہ (۱۴)[۶] مشاہیر خلفاء کے اسم گرامی اکثر تذکرہ نویسوں نے نقل کئے ہیں لیکن بوجہ طوالت خواجہ علیہ الرحمۃ کے صرف ان خلفاء کا ذکر کیا جاتا ہے جو سر فہرست اور گل سر سبد ہیں اور سلسلہ چشتیہ اس برصغیر میں جن کے باعث پھلا پھولا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ

آپ خواجہ غریب نواز کے خلیفۂ اعظم اور جانشین تھے۔ آپ کا وطن مالوف اوش تھا جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے (اور بعض کہتے ہیں کہ دیار فرغانہ کے متعلقات سے ہے) جہاں آپ کی ولادت باسعادت ۵۶۹ھ میں ہوئی۔ زمانہ شیر خوارگی میں آپ کے والد ماجد کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اس طرح آپ نے آغوش مادری میں تربیت حاصل کی۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے آپ کو قصبۂ اوش کے ایک زبردست عالم مولانا حفصؒ کے سپرد کر دیا گیا۔

آپ نے تحصیل علوم سے فارغ ہو کر سفر اختیار کیا۔ اثناء سفر میں مختلف بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ آپ نے اپنے بیعت ہونے کا واقع دلیل العارفین میں یوں نقل کیا ہے:۔

---

[۵] جواہر العشاق شرح رسالہ غوث الاعظم مصنفہ خواجہ بندہ نوازؒ [۶] سیر الاقطاب

"بتاریخ پنجم ماہ رجب دَوام قدرہ درویش نحیف ضعیف کہ
یکے از سلک بندگان ملک المشائخ سلطان السالکین المقلب
بہ قطب الدین بختیار اوشی است چوں دولت پابوسی آن شاہ
فلک دستگاہ در بغداد مسجد امام ابواللیث سمرقندی حاصل شد
ہماں زماں بشرفِ بیعت مشرف شدم و کلاہ چار ترکی از ناصیہ
اصفیا بر سر ایں ضعیف زینت یافت"

تقریباً سترہ سال تک آپ نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت کی۔ آپ شغل لی مع اللہ سے مخصوص اور ترک و تجرید سے موصوف تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء میں ہے۔

آپ کے قیام دھلی کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء و مشائخ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی آپ ہی کا مرید تھا۔ حضرت کو سماع کی جانب بہت میلان تھا۔ ایک مرتبہ شیخ علی سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ وہاں سماع ہو رہا تھا۔ حضرت قطب صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے احمد جام قدس سرہٗ کا یہ شعر پڑھا:-

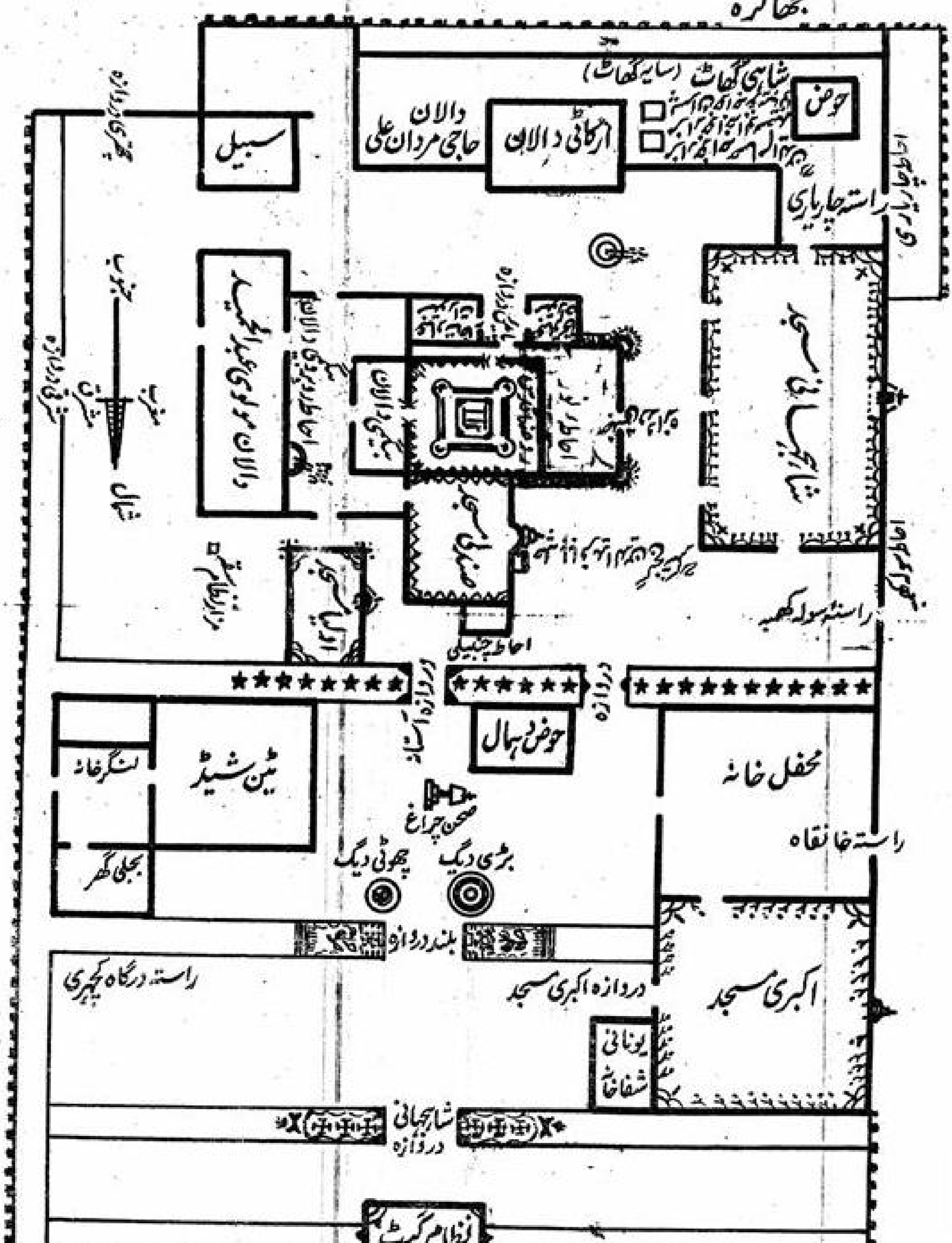
کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

آپ کو کیفیت شروع ہوئی اور کیفیت اس درجہ تک ہوئی کہ ہوش و حواس بجا نہ رہے قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو آپ کے مکان پر لے آئے قوال بھی آپ کے ہمراہ آئے تین شبانہ روز استغراق کا غلبہ رہا آخر ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو واصل بحق ہوئے۔

سلطان التارکین حضرت حمید الدین سوالی ناگوریؒ

آپ کی کنیت ابو احمد ہے اور آپ سرکار غریب نوازؒ کے خلفائے اعظم میں سے ہیں، آپ حضرت سعد بن زیدؓ کی اولاد سے ہیں جن کا شمار عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں ہے۔ نقل ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے ازرہ الطفات آپ سے دریافت فرمایا کہ "کیا تو دنیا و عقبیٰ میں عزت و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے"۔ آپ نے جواباً عرض کیا کہ "بندہ راخواستی نباشد خواست خواستِ مولیٰ ست" بعد ازاں خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔
"التارک الدنیا و الفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین حمید الدین الصوفی" اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو سلطان التارکین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ میں رحلت فرمائی، مزار شریف ناگور میں ہے۔

درگاہ شریف کی عمارات کے حدود



درگاہِ معلّٰی

خواجہ ترے حریم مقدس پہ میں نثار
ہر ذرّہ جس کا جلوہ گہ حُسنِ یار ہے

ہم نے بقدرِ امکاں حضرت غریب نوازؒ کی سوانح مبارکہ میں اختصار کے ساتھ تمام پہلوؤں کو پیش کر دیا ہے۔ اس موقع پر آپ کے مزار پر انوار اور اس سے متعلقہ عمارات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بھی تاریخ کے بہت سے پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

اجمیر شریف کی تاریخ ابتدائی دور میں بہت زیادہ تغیر پذیر رہی اور اس سوانح میں مختصراً ان تغیرات کو ہم پیش کر آئے ہیں۔ قطب الدین ایبک، آرام شاہ، سلطان شمس الدین اَلتمش وغیرہ ابتداءً اجمیر شریف پر قابض رہے (۱۱۹۳ء تا ۱۳۶۵ء) بعدازاں یہ ضلع مہارانا میواڑ کے زیرِ نگیں آگیا۔ ۱۴۳۶ء (۸۴۰ھ) میں محمود خلجی نے سلطان ہوشنگ کا تاج زیب سر کیا اور ۱۴۵۴ء (۸۵۹ھ) میں مندسور کی قلمرو اور اجمیر شریف کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس طرح سلاطین مالوہ کا اقتدار اجمیر شریف پر ۱۵۳۱ء تک رہا۔ تقریباً ۱۵۶۰ء میں شہنشاہ اکبر نے سلاطین مالوہ کو شکست دی اور اس طرح اجمیر شریف مغلوں کے زیر اثر آگیا۔ سلطنت مغلیہ کا تسلّط عہد عالمگیری (۱۷۰۷ء) تک قائم رہا۔ بعدازاں راٹھور راجپوتوں نے ۱۷۱۹ء میں اجمیر شریف پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۲۱ء میں دوبارہ مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۷۴۳ء میں حکومت مغلیہ کا تسلّط اجمیر شریف سے منقطع ہوگیا۔ تقریباً ۱۳ سال تک راٹھور راجپوت اس سرزمین پر قابض رہے۔ ۱۷۵۶ء میں سندھیا کا قبضہ ہوگیا اور ان کا دور دورہ ۱۷۸۷ء تک رہا۔ اسی سال راٹھور راجپوتوں کا دوبارہ قبضہ ہوگیا جو ۱۷۹۱ء تک قائم رہا۔ بعدازاں سندھیا کا دور شروع ہوا جو ۱۸۱۸ء تک قائم رہا۔ پنڈاریوں کی لڑائی کے بعد اجمیر شریف ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ تحت آگیا۔ ۱۸۵۸ء میں جب اس برّصغیر پر دولت برطانیہ کا پرچم لہرایا تو یہ شہر بھی برطانوی حکومت کے زیرِ نگیں آگیا۔ ۱۹۴۷ء سے کانگریس حکومت کے زیر اثر ہے۔

روضۂ پرانوار ابتداً خواجہ غریب نوازؒ کا مزار شریف خام تھا اور تقریباً تین سو سال تک اسی حالت میں رہا۔

منقول[1] ہے کہ خواجہ حسین ناگوریؒ نے (جو شیخ حمید الدینؒ کی اولاد میں تھے مدتوں خواجہ

---

[1] اخبار الاخیار

غریب نوازؒ کے مزار اقدس کی مجاورت کی اور یہیں عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔

شہر اجمیر رانا سانگا کی عملداری میں اس قدر ویران اور خراب ہو گیا تھا کہ اس کے گرد جنگل میں شیر رہا کرتے تھے اور خواجہ بزرگوارؒ کے مزار شریف پر کوئی عمارت نہیں تھی۔ ابتدا میں خواجہ حسین ناگوری نے روضۂ منورہ کی عمارت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین خلجی بادشاہ مانڈو حضرت خواجہ حسین ناگوری کا بہت معتقد تھا اور آپ کو بصد اشتیاق مدعو کیا کرتا تھا۔ لیکن خواجہ موصوف نے اُس کی دعوت کبھی قبول نہیں کی۔ بعدازاں سلطان نے کسی طرح لوگوں کے ذریعہ آپ تک یہ خبر پہنچائی کہ موئے مبارک سرکار دو عالم فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس ہے۔ خواجہ حسین ناگوری نے جیسے ہی یہ خبر سُنی فوراً سفر اختیار کر کے سلطان کے پاس پہونچے چونکہ جذبۂ شوق درست تھا فوراً موئے مبارک خواجہ حسین ناگوری کے ہاتھ پر آ گیا۔

المختصر سلطان نے آپ کی خدمت میں نذر و تحائف پیش کئے مگر آپ نے قبول نہیں فرمائے لیکن آپ کے صاحبزادے کے دل میں اس ہدیہ کے لینے کی خواہش ہوئی تو آپ نے اس شرط پر اجازت دی کہ اس مال سے خواجہ غریبؒ اور اپنے جد شیخ حمید الدین ناگوریؒ کا روضہ تعمیر کرایا جائے گا۔ چنانچہ مذکورہ مال سے حضرت کے روضۂ اقدس کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔

شیر شاہ سوری کے زمانہ میں نقاشی کا کام مکمل ہوا (بعض نے لکھا ہے کہ گنبد کی نقاشی و منبت کاری سلطان محمود بن ناصر الدین کے زمانہ میں ہوئی) گنبد کی غربی دیوار کی جالی پر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

از پئے تاریخ نقش گنبدِ خواجہ معینؒ
گفت ہاتف گو معظم "قبۂ عرش بریں"
۹۳۹ھ

آپ کا مزار مبارک سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اس میں فیروزہ، یشب، سنگ موسیٰ وغیرہ کی پچی کاری ہے۔ گنبد شریف سفید ہے۔ گنبد پر سونے کا تاجدار کلس آویزاں ہے اور اس کے کنگروں پر کلسیاں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ روضہ کے اندرونی حصہ میں سنہری اور لاجوردی رنگ میں منبت کاری ہے اور سقف منقش میں کاشانی مخمل کی زریں چھت گیری کے نیچے چار طلائی قمقمے سونے کی زنجیروں میں لٹکے ہوئے ہیں ایسے ہی چاروں گوشوں میں چاندی کے قمقمے لٹکے ہوئے ہیں۔ مزار شریف کے تعویذ میں یاقوت رمانی جڑا ہوا ہے۔ مزار شریف ہمیشہ کمخواب

تمامی مشجّر کے قبر پوش سے ڈھکا رہتا ہے اور اس پر پھولوں کی چادر پڑی رہتی ہے۔ مزارِ اقدس کے گرد چاندی کا دوہرا کٹہرہ لگا ہوا ہے دونوں کا فاصلہ دو فٹ کے قریب ہوگا۔ اندرون روضہ یہ اشعار آب زر سے لکھے ہوئے ہیں:۔

خواجۂ خواجگان معین الدینؒ — اشرفِ اولیاء روئے زمیں
آفتابِ سپہر کون و مکاں — بادشاہِ سریر ملکِ یقیں
در جمال و کمالِ اُو چہ سخن — ایں مبیّن بود بحصنِ حصیں
مطلعے در صفاتِ او گفتم — در عبارت بود چو دُرِّ ثمیں
اے درت قبلہ گاہ اہلِ یقیں — بر درت مہر و ماہ سودہ جبیں
روئے بر درگہت ہمیں سانید — صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں
خادمان درت ہمہ رضواں — در صفا روضہ ات چو خلد بریں
ذرّۂ خاک او عبیر سرشت — قطرۂ آب اُو چو ماءِ معینؒ
جانشین معین خواجہ حسین — بہر نقاشیش بگفت چنیں
کہ شود رنگ تازہ کہنہ ز نو — قبۂ خواجہ معین الدینؒ

نوٹ:۔ مذکورہ بالا اشعار میں سے اول آٹھ اشعار ہر روز روشنی کے وقت پڑھے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں:۔

قبلہ دو جہاں معین الدینؒ — کعبۂ انس و جاں معین الدینؒ
تہدیہ بر درت منثار کنم — دین و ایمان و جاں معین الدینؒ
ہست محزون فتادہ بر درِ تو — عاشقِ نیم جاں معین الدینؒ

روضۂ اقدس کے شرقی دروازہ پر جو کواڑوں کی جوڑی ہے وہ اکبر بادشاہ نے چتوڑ سے لاکر نذر کی۔ اس پر یہ شعر کندہ ہے ؎

رکھے ہمیشہ تری تیغ کارِ کفر تباہ
بحقّ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

اس دروازہ کے آگے جو دروازہ ہے۔ اُس کی دیوار پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

بیا کہ کعبۂ اہل دل است خواجہ معینؒ — ز راہ صدق در آ در مقام خواجہ معینؒ
طوافِ مرقد او می کنند شاہ و گدا — کہ ہست روضۂ پاکش چو جنۃ الماوےٰ

بہشتی دروازہ

یہ دروازہ جامع مسجد کے شرقی دروازہ کے مقابل ہے جو عرس شریف کے زمانہ میں چھ روز اور عیدین کے دن اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی پیر ومرشد خواجہ علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع پر کھلتا ہے۔

بیگمی دالان

یہ دالان سنہ ۱۰۵۳ھ میں شاہجہاں کی صاحبزادی جہاں آرا بیگم نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چھت کا ستون، کنگرے وغیرہ سنگ مرمر کے ہیں اس کا فرش ابری کا ہے۔

مسجد صندل خانہ

اس مسجد کو سلطان محمود خلجی نے تعمیر کرایا تھا یہ مسجد روضہ شریف کی شمالی دیوار سے ملحق ہے۔ ایام عرس میں اس مسجد کے ایک گوشہ میں مزار مبارک کے لئے صندل صائی ہوتی ہے اس لئے یہ مسجد "مسجد صندل خانہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ سال تعمیر سنہ ۸۵۹ھ ہے۔

جامع مسجد شاہجہانی

یہ مسجد شاہجہاں کی تعمیر کردہ ہے یہ مسجد سنہ ۱۰۴۷ھ میں روضہ کے غربی جانب سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی۔

کرناٹکی دالان

یہ دالان نواب کرناٹک نے سنہ ۱۲۰۷ھ میں تعمیر کرایا۔ یہ سنگ مرمر کا ہے اس کو ارکاٹی دالان بھی کہتے ہیں۔

اکبری مسجد

اس مسجد کو شہنشاہ اکبر نے سنہ ۹۷۷ھ میں تعمیر کرایا۔ تمام مسجد میں بیشتر سنگ سرخ لگا ہوا ہے آجکل اس مسجد میں بچے تعلیم دینی حاصل کرتے ہیں۔

محفل خانہ

یہ عمارت نواب بشیر الدولہ مدار المہام دولت آصفیہ نے اپنے فرزند معین الدولہ کی تقریب ولادت کے موقع پر سنہ ۱۳۰۶ھ میں تعمیر کرائی۔ یہ ایک عظیم الشان عمارت ہے اس میں بڑے بڑے بلوری جھاڑ آویزاں ہیں جو روشن ہونے پر اس کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ یہاں ایام عرس میں محفل سماع منعقد ہوتی ہے چونکہ اب تک سرکار عالی کے دار العلوم معینیہ عثمانیہ کے لئے علیحدہ کوئی عمارت نہیں ہے اس لئے دار العلوم کے طلباء بھی اس محفل خانہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

دیگہائے خورد و کلاں

بلند دروازے سے آگے سوہن چراغ کے صحن میں بلند چولھوں پر یہ دیگیں دونوں جانب رکھی ہیں شہنشاہ اکبر نے، رمضان المبارک سنہ ۹۷۵ھ میں چتوڑ گڑھ کی فتح کی خوشی میں بڑی دیگ نذر کی تھی۔ اس دیگ کا محیط ۱۳½ گز ہے اور پیٹا بھی اتنا ہی ہے اس میں سو من چاول علاوہ گھی و میوہ جات کے پکتا ہے۔ سنہ ۱۰۲۲ھ میں سلطان جہانگیر نے چھوٹی دیگ کو لا کر درگاہ شریف میں نصب کیا۔ اس دیگ میں ۶۰ سے ۸۰ من کھانا علاوہ دیگر لوازمات کے تیار ہوتا ہے۔

بلند دروازہ اس دروازہ کی بلندی ۸۵ فٹ ہے یہ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دروازہ کب تعمیر ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر سلطان محمود خلجی (۱۴۳۵-۶۹ء) یا سلطان غیاث الدین (۱۴۶۹-۱۵۰۰ء) کے عہد میں ہوئی (اجمیر ہسٹوریکل اینڈ ڈسکرپٹیو)

نقارخانہ شاہجہانی (کلمہ دروازہ) اس دروازہ کو ۱۰۴۵ھ میں شاہجہاں بادشاہ نے نذر عقیدت کے طور پر تعمیر کرایا تھا۔ اس میں نقارخانہ ہے۔

نقارخانہ عثمانی (نظام گیٹ) اعلیٰ حضرت شہریار دکن نواب آصف جاہ میر عثمان علیخاں سابق والی دکن نے ۱۳۳۰ھ میں تعمیر کرایا۔ یہاں پر گھڑیال اور نوبت بجانے کا انتظام ہے۔

حوض شاہی محفل خانہ کے سامنے مشرق کی جانب ایک حوض ہے یہ ایام عرس کے سوا خشک رہتا ہے۔ ملکہ میری ملکۂ جارج پنجم نے ۱۹۱۱ء میں تاجپوشی کے بعد درگاہ خواجہ علیہ الرحمۃ پر حاضری دی اور اس حوض پر ایک چھتری تعمیر کرانے کے لئے زر نقد پیش کیا۔

صحن چراغ بلند دروازے میں داخل ہونے کے بعد صحن میں ایک ہشت پہلو چھتری ہے اس میں پیتل کا ایک بڑا چراغ دان ہے جس کے لئے مشہور ہے کہ اکبر بادشاہ نے چتوڑ سے واپس آکر نذر کیا تھا اس میں سو من تیل جلا کرتا تھا۔

لنگر خانہ اس میں کوئی تعمیر ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو۔ احاطہ صحن کے جانب شمال ایک وسیع دالان ہے جس میں دو آہنی کڑھائیں ہیں جس میں روزمرّہ جَو کا لنگر پکتا ہے اور روزانہ صبح بعد فجر اور شام بعد عصر غربا کو تقسیم ہوتا ہے علاوہ ازیں عقیدت مند حضرات اس کو ذوق و شوق سے پیتے ہیں۔

مزار نظام سقہ احاطۂ نور سے قریب نظام سقّہ کا مزار ہے جس نے ۱۵۹۰ء میں شہنشاہ ہمایوں کی جان بچائی تھی۔ جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر اپنے دارالخلافہ کی طرف بھاگ رہا تھا تو قنوج کے قریب نظام سقہ نے اس کو اپنی مشک پر بٹھا کر دریائے گنگا کو عبور کرایا اس کے صلہ میں اس نے ہندوستان پر حکومت کی اور شہنشاہ نیمروز کے نام سے مشہور ہوا۔ مشہور ہے کہ جب عالمگیر درگاہ شریف میں حاضر ہوا تو نظام سقہ کے مزار کو آراستہ و پیراستہ دیکھ کر اُس کو خیال ہوا کہ یہی خواجہ غریب نوازؒ کا مزار مبارک ہے اُس کے ہمراہیوں نے اس کا یہ مغالطہ رفع کیا۔ عالمگیر نے کہا ؎ چراغ پیش آفتاب پرتو ندارد

احاطۂ نور روضہ کے جانب غرب جنوب اور کسی قدر حصہ شمالی تک یہ سنگ مرمر کا حظیرہ نہایت نادر بشکل بارہ دری موجود ہے سنگ مرمر کی سفیدی اور صفائی کا عجیب عالم ہے۔

ارکاٹی دالان روضۂ اقدس کے پایئں جو دالان ہے اس کو ارکاٹی یا کرناٹکی دالان کہتے ہیں۔ یہ سنگ مرمر کا ہے اس کو ۱۲۰۸ھ میں نواب والاجاہ رئیس کرناٹک نے تعمیر کرایا تھا۔

اولیاء مسجد سرکار غریب نوازؒ اپنی حیات طیبہ میں یہاں پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

مزار بی بی حافظ جمالؒ گنبد شریف سے ملحقہ جنوب کی سمت ایک حسین چار دیواری کے اندر خواجہ غریب نوازؒ کی صاحبزادی کا مزار شریف ہے۔ اس کے سامنے چھوٹی قبریں ہیں وہ آپ کے صاحبزادگان کی ہیں جو چھوٹی عمر میں رحلت فرما گئے تھے۔ آپ کے شوہر حضرت رضی الدینؒ کا مزار اقدس ناگور میں تالاب مندلا پر ہے۔

مزار حور النساء بیگم بنت شاہجہاں روضۂ انور کے غربی جانب حور النساء بیگم بنت شاہجہاں کا مزار ہے آپ نے ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ مدت مدید سے مقبرہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

چلہ حضرت بابا فریدؒ مسجد سلطان محمود خلجی کے عقب میں یہ مقام واقع ہے۔ یہاں شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنیؒ نے چلہ کشی فرمائی تھی۔ آپ کا مزار شریف پاک پٹن میں ہے۔

مقبرہ شاہ قلی خاں یہ مقبرہ عہد اکبر میں محمد تقی بخشی نے جس کا خطاب شاہ قلی خاں اور منصب تین ہزار پانچ صدی پر فائز تھا اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرایا تھا لیکن اس کو اس مقبرہ میں دفن ہونے کا موقع نہیں ملا منتخب التواریخ میں درج ہے کہ شاہ قلی خاں نے آگرہ میں وفات پائی۔ عہد اکبری میں یہ شخص اجمیر کا صوبیدار تھا۔

مقبرہ خواجہ حسینؒ اس میں خواجہ حسینؒ اجمیری آسودہ ہیں۔ یہ مقبرہ شاہجہانی مسجد کے غربی جانب ہے اور ۱۰۴۷ھ میں تعمیر ہوا۔ آپ کی نسبت ملا عبد القادر بدایونی رقمطراز ہیں کہ "بعد از سفر حجاز آمد چناں نمی نماید کہ آسودہ نور"

جھالرہ درگاہ معلیٰ کے جنوب میں پانی کا ایک گہرا چشمہ ہے جو پورے طور پر خشک نہیں ہوتا ہے درگاہ شریف میں پانی اسی جھالرہ سے آتا ہے اس کے چاروں طرف چار دیواری ہے جو شاہجہاں نے بنوائی ہے۔ اس میں زینے ہیں جس سے قرب وجوار کے باشندے سیراب ہوتے ہیں۔

شاہی گھاٹ لب جھالرہ، ارکاٹی دالان اور حوض (وضوخانہ) کے درمیان میں ہے۔ یہاں پر دو مزار شریف ہیں ایک حضرت ابو سعیدؒ صاحبزادہ خواجہ غریب نوازؒ کا اور دوسرا ایک روایت کے مطابق[1] خواجہ غریب نوازؒ کے برادر نسبتی کا اور دوسری روایت کے مطابق خواجہ حسام الدینؒ ابو صالح خلف خرد خواجہ غریب نواز کا ہے۔[2]

---

[1] معین الاولیا [2] احسن السیر

احاطۂ چاریار | یہ احاطہ جامع مسجد شاہجہانی کے عقب میں واقع ہے اس احاطہ کے اندر متعدد فقراء وصلحا کے مزارات ہیں اس چار دیواری کے اندر اُن بزرگوں کے چار مقبرے بنے ہوئے ہیں جو خواجہ علیہ الرحمتہ کے ہمراہ آئے تھے یہ خطہ بھی بڑے بڑے مردان خدا کا مسکن ہے یہاں پر حضرت مولانا شمس الدینؒ صاحب کا مزار ہے۔ مزار کے گرد سنگ مرمر کا خوشنما چبوترہ ہے، انھیں میں ایک مقبرہ خواجہ علی رنگریز کا بھی ہے۔ اندرون مقبرہ بندۂ غلام خواجہ بزرگوارؒ یعنی قاضی معین احمد کے پیرومرشد حافظ سید نیاز احمد صاحب مدفیوضہ سالہاسال سے معتکف ہیں۔ آپ نے اپنی عمر شریف کا طویل ترین حصہ خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں گزار دیا۔ آپ صائم الدہر وقائم اللیل ہیں۔ آپ مامور من اللہ ہیں۔

سولہ کھنبہ | شیخ علاؤ الدین برادر عمزادہ خواجہ حسین اجمیری نے اس مقبرہ کو ۱۰۲۰ھ میں تعمیر کرایا اور بعد وفات اسی میں دفن ہوئے۔

نوٹ :۔ درگاہ شریف کے اندرونی و بیرونی حصہ میں تقریباً ۱۲۵ حجرے ہیں۔ مزید برآں اجمیر شریف میں کثیر تعداد میں تاریخی عمارتیں مزارات و چلّے (جیسے حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کا چلّہ و مدار صاحب کا چلّہ) وغیرہ ہیں جن کا احاطہ کرنا بوجہ طوالت ان اوراق میں محال ہے۔

بارگاہ عالی میں باریابی

ہر زمانہ میں فقراء امراء اور سلاطین سرکار غریب نوازؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے ہیں ؎

کتنی رفیع ہے میرے خواجہ کی بارگاہ سر کو جھکا کے آتے ہیں شاہان کج کلاہ (شمسؔ)

سلسلۂ چشتیہ کے اکابرین و دیگر سلاسل کے کاملین بھی قدمبوسی کے لئے وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہے ہیں۔ اُن میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ ۷۵۲ھ میں مولانا فخر الدین زرّادی مرید حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور آپ کے مجاز شیخ برہان الدینؒ کے خلیفہ مجاز شیخ زین الدینؒ حاضر آستانۂ خواجہ غریب نواز ہوئے۔

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں بابا اسحٰق مغربی بغرض زیارت آئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ آستانہ پر حاضر ہوئے اور فیضیاب ہوئے۔ کتاب مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی میں (خواجہ غریب نوازؒ کے مزار مبارک کا جو غلاف مجاوروں نے پیش کیا تھا اس کے لئے) حضرت مجدد صاحب رقمطراز ہیں :۔

"لباس ازیں نزدیک تر۔ بحضرت خواجہؒ بنود ناچار آں را بما لطف نمود و برائے تکفین مانگہ داریدہ"

سلطان شہاب الدین غوری کی آمد کا ذکر تو گذشتہ اوراق میں آچکا ہے، سلطان شمس الدین التمش

سنہ ۶۱۵ھ میں قدم بوسی کے لئے آیا۔ محمود خلجی فرماں روائے مانڈو سنہ ۸۵۹ھ میں اجمیر آیا۔ روضۂ اقدس کا طواف کیا اور مسجد صندل خانہ تیار کرائی۔ سنہ ۹۳۱ھ شہزادہ بہادر شاہ گجراتی سنہ ۹۵۰ھ میں شیر شاہ سوری حاضر آستانۂ خواجہ ہوئے۔ شہنشاہ اکبر نے بارہا آستانہ عالیہ پر حاضری دی، سنہ ۹۷۵ھ میں وہ پاپیادہ حاضر آستانہ خواجہؒ ہوا۔ اکبر آپؒ کا اس قدر عقیدت مند تھا کہ میدان کارزار میں اپنے ہندو مسلمان سرداروں سے پکار پکار کہتا تھا "سمرن جپو" اور سب ملکر "یا معینؒ" "یا خواجہؒ یا چشتیؒ" کے نعرے لگاتے تھے اور اس "سمرن" کی برکت سے ہر جنگ میں اس کو کامیابی ہوئی۔ جہانگیر بادشاہ تین سال ۱۶۱۴-۱۶۱۶ء تک اجمیر شریف میں قیام پذیر رہا۔ چھٹی رجب سنہ ۱۰۲۴ھ میں شہنشاہ جہانگیر نے بذات خود محفل سماع میں شرکت کی اور نصف شب تک شریک محفل رہا۔ جہانگیر نے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا[1]:۔

"در بیماری بخاطر گذرانیدہ بود کہ چوں صحت کامل روزی گردد چنانچہ در
بیماری کے زمانہ میں دل میں یہ خیال گذرا کہ جس روز مجھے صحت کامل حاصل ہوگی چونکہ میں
باطن از حلقہ بگوشاں و معتقداں خواجہ بزرگوارم و توجہ ایشاں را بسبب وجود
باطنی طور پر خواجہ بزرگوار کا حلقہ بگوش اور آپ کا معتقد ہوں اور آپ ہی کی توجہ گرامی کو اپنے
میدانم ظاہرا نیز گوش خود را سوراخ نمودہ در جرگہ حلقہ بگوشاں ایشاں داخل شوم"
وجود کا باعث جانتا ہوں تو ظاہری طور پر بھی اپنے کان چھدوا کر آپکے حلقہ بگوشوں کے حلقے میں داخل ہو جاؤنگا

سلطان شہاب الدین شاہجہاں اپنے عہد حکومت میں پانچ بار آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا، اور جامع مسجد شاہجہانی تعمیر کرائی۔

جہاں آرا بیگم کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے والہانہ عقیدت تھی۔ اپنی کتاب مونس الارواح میں اپنی عقیدت کا اس طرح اظہار کرتی ہے:۔

"بعد از حمد خدائے احد و صمد جلّ جلالہ و پس از درود بر رسول او محمد مصطفیٰ
خداوند جل و علا کی حمد و ثنا اور رسول خدا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میگوید فقیرہ حقیرہ جہاں آرا کہ چوں از یاوری بخت
وآلہ وسلم اور آپ کی پاک و برتر اولاد پر سلام کے بعد یہ فقیرہ حقیرہ یعنی جہاں آرا دبنت
و فیروزی طالع از دارالخلافتہ اکبر آباد در خدمت والد بزرگوار خود متوجہ
شاہجہاں) عرض پرداز ہے کہ بخت کی یاوری اور طالع کی کامرانی سے میں اکبر آباد (دارالخلافہ) میں والد بزرگوار کی خدمت

---

[1] تزک جہانگیری

خطہ پاک حضرت اجمیر بینظیر شدم از تاریخ ہیژدہم ماہ شعبان المعظم
میں موجود تھی کہ یہاں سے خطۂ پاک اجمیر بینظیر کی جانب ۱۸ رماہ شعبان معظم سن ایک ہزار ترپن ہجری
سن یکہزار پنجاہ و سہ ہجری تا تاریخ ہفتم ماہ رمضان المبارک کہ
کو روانہ ہوکر ۷ رماہ رمضان المبارک .... کو
داخل عمارت کنار تال آنا ساگر گشتم۔ موفق شدم بر ایں معنی کہ ہر روز
انا ساگر تالاب کے کنارے پہنچی ۔ میں نے اس سفر میں اپنے اوپر یہ لازم کرلیا تھا کہ ہر روز
و ہر منزل دو رکعت نماز نافلہ ادا میکردم و یکبار سورۂ یٰسین با فاتحہ
اس سفر میں ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی تھی اور ایک مرتبہ سورۂ یٰسین مع سورۂ فاتحہ
از روے کمال اخلاص و عقیدتمندی خواندہ ثواب آنرا بروح پُر
کمال اخلاص و عقیدت کے ساتھ پڑھ کر ثواب روح پُر
فتوح مطہر منوّر حضرت دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ نیاز
فتوح مطہر منوّر حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کے
مینمودم چند روز کہ در عمارت مذکورہ توقف واقع مقیم اجمیر شد از نہایت
حضور میں پیش کرتی تھی میں جتنے دن اجمیر شریف میں رہی نہایت
ادب شبہا بر پلنگ نخوابیدم و بطرف روضہ متبرکہ حضرت پیر دستگیر پا دراز
ادب کے باعث میں پلنگ پر نہیں سوتی تھی اور نہ حضرت پیر دستگیر کے روضہ متبرکہ کی جانب پاؤں
نساختم بلکہ پشت بہ آنجانب نکردم و روزہا در زیر درختاں میگزرانیدم
کرتی تھی بلکہ اپنی پیٹھ بھی اس طرف نہیں کرتی تھی، دن رات روضہ کے قریب کے درختوں کے نیچے بسر کرتی تھی
و بہ برکت آنحضرت و اثر فیض ایں سرزمیں جنت آئیں جمعیت و ذوقہا روے
اور آنحضرت کی برکت اور اس زمین جنت آئیں کے فیض سے عجیب اطمینانِ قلب اور
میداد و یک شب مولود و چراغانے خوبی کردم در زینت و خدمت روضہ
ذوق و شوق مجھے حاصل ہوا، ایک رات مولود اور چراغاں بڑی شان و شوکت سے کیا، روضہ کی خدمت
انچہ از دست آمدہ و خواہد آمد تقصیر نکردہ ام نخواہم کرد الحمد اللہ والمنۃ
اور زینت میں جو کچھ مجھ سے ہوسکا ہے میں نے اس میں تقصیر نہیں کی ہے اور نہ انشاء اللہ ہوگی۔
و صد ہزاراں ہزار شکر کہ روز پنجشنبہ چہاردہم رمضان المبارک سعادت زیارت

خدا کا شکر و احسان اور لاکھوں فضل و کرم کہ پنجشنبہ کے دن ۴ ارمضان المبارک کو حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے

مرقد منور معطر حضرت پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاصل شد یک پہر روز

مرقد منورہ و معطر کی زیارت کی سعادت مجھے حاصل ہوئی ابھی ایک پہر دن باقی

ماندہ بروضہ مقدسہ رفتم و داخل گنبد شریف شدہ ہفت مرتبہ گرد قبر پرنور

تھا کہ میں روضہ شریف پر گئی اور گنبد شریف میں داخل ہوئی اپنی پیر کی پُرنور قبر کے

پیر خود گشتم و بمژگاں خود جاروب کردم و خاک خوشبوے آنجارا توتیاے چشم

چاروں طرف سات مرتبہ میں نے طواف کیا اور اپنے پلکوں سے جاروب کشی کی اور وہاں کی معطر خاک کو اپنی آنکھوں

خود ساختم درآں وقت عجب حالتے و ذوقے بایں فانیہ رودادکہ بتحریر راست

کا سرمہ بنایا، جاروب کشی کے وقت ایک عجیب حالت اور عجیب و غریب ذوق اس فانیہ کو حاصل ہوا، اور ایسا

نمی آید از نہایت شوق سراسیمہ شدہ بودم نمیدانستم کہ چہ گویم و چکنم القصہ

کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتا، انتہائی شوق نے مجھے سراسیمہ کر دیا تھا اور میری عقل کام نہیں کرتی تھی میں کیا کہوں

عطر چودہ، بر قبر معطر معنبر آنحضرت بدست خود مالیدم و چادر گل کہ بر سر خود برداشتہ

اور کیا کروں، قصہ مختصر پہلے میں نے آپکی قبر معطر و منبر پر اپنے ہاتھوں عطر سائی کی اور پھولوں کی چادر جو میں اپنے سر پر

آوردہ بودم بر بالائے قبر مبارک انداختم و در مسجدے سنگ مرمر کہ بصرف دو لاکھ

رکھ کر لائی تھی آنحضرت کی قبر مبارک پر چڑھائی اور پھر سنگ مرمر کی اس مسجد میں جس کو دو لاکھ

و چہل ہزار روپیہ پدر بزرگوار حق شناس ایں فقیرہ راست کردہ اندر رفتہ نماز ادا

چالیس ہزار کے صرفہ سے والد بزرگوار حق شناس نے تعمیر کرایا تھا جا کر نماز ادا کر کے میں پھر واپس

کردہ باد در گنبد مبارک نشستہ سورۂ یٰسین و فاتحہ بروح پرفتوح خواندم

آئی اور گنبد مبارک میں بیٹھ کر یٰسین شریف اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر روح پرفتوح کو ثواب

وتا وقت نماز مغرب درآنجا بودم و شمع بارواح آنحضرت روشن کردہ روزہ

بخشا اور مغرب کی نماز تک میں وہاں رہی پھر میں نے وہاں شمع روشن کی جھالرہ کے پانی سے روزہ افطار

را باآب جھالرہ افطار کردم عجب شامے دیدم آنجا کہ بہتر از صبح بود اگرچہ

کیا، غرضکہ وہ عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی۔ اگرچہ اس نا چیزہ از

اخلاص و محبت و ہمت فانیہ تقاضائے ایں نمیکرد بایں قسم جائے متبرک

اخلاص و محبت و ہمت کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ ایسی .... متبرک

پر فیض گوشہ عافیت رفتہ باز بخانہ بیاید اما چہ چارہ۔ رشتۂ در گردنم افگندہ
پُر فیض اور گوشۂ عافیت سے دور ہٹ کر پھر میں گھر واپس جاؤں اس کا کیا علاج کہ

دوست سپرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست' اگر اختیار میداشتم ہمیشہ در روضۂ
اس دوست نے میری گردن میں ایک رسّی ڈال رکھی ہے وہ جہاں چاہتا ہے مجھے لیجاتا ہے۔ اگر مجھے اختیار حاصل ہوتا تو

آنحضرت کہ عجب گوشہ عافیت است و من عاشق گوشہ عافیت ہستم بسر میبردم
میں ہمیشہ کے لئے آپ کے روضۂ پر جو ایک عجیب گوشۂ عافیت ہے اور میں کہ گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں پڑی رہتی . . .

و بسعادت طواف نیز مشرف میشدم ناچار بچشم گریاں و دل بریاں بصد ہزار
اور سعادت طواف سے ہمیشہ مشرف ہوا کرتی ناچار مجبور ہو کر بچشم گریاں اور دل بریاں بصد ہزار

افسوس ازاں درگاہ رخصت شدہ بخانہ آمدم و تمام شب طرفہ بیقراری
افسوس اس درگاہ پاک سے رخصت ہو کر اپنی منزل پر آئی۔ تمام رات عجیب بے قراری .

درمن بود صباح آں روز جمعہ والد بزرگوار کوچ کردہ متوجہ اکبر آباد
رہی۔ صبح کو جمعہ کا دن تھا والد بزرگوار اجمیر شریف سے کوچ کر کے اکبر آباد

شدند۔
روانہ ہو گئے۔

گرونانک نے بھی آستانۂ عالیہ پر حاضری دی ہے اور کئی روز تک مقیم آستانہ رہے ہیں، مراقبہ و مکاشفہ بھی کیا ہے۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب سنہ ۱۰۶۸ء میں حاضر آستانہ ہوئے تھے۔ شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں سنہ ۱۹۰۶ء میں اور میر عثمان علی خاں نظام حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۱۲ء میں حاضر دربار ہوئے۔

علاوہ ازیں ہزاروں اکابرین بلا تفریق مذہب و ملت اس آستانہ پہ حاضری کو اپنے لئے دنیاوی و اخروی اعزاز کا سرمایہ سمجھتے رہے ہیں۔

غلام نرگسِ مستِ تو شہریارانند

دیوانِ معینؒ
تنقیدکی جائزہ

عقیدت کی نگاہ کو اپنے ممدوح کا ذرّہ آفتاب اور قطرہ دریا نظر آتا ہے، محبت کے متوالے محبوب ومطلوب کے خار کو گلستاں ، اور پرِ کاہ کو نعمت دو جہاں سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے، اس اعتبار سے ہم اگر اپنے مرشد روحانی قطب ربّانی خواجہ خواجگان چشت حضرت معین الدین سنجری چشتی (قدس اللہ سرہٗ) کے کلام طریقت نظام ومحبت التزام کو سراہیں اور اس کے غوامض روحانی اور اسرار معانی کو معرفت کے شیؤن سے آراستہ کرکے بزم کثرت کا گلدستہ بنائیں تو حق محبت یا انعامات بے غایت کا شکر ادا نہیں ہو سکے گا اور ارباب محبت یہی کہیں گے ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ لیکن ارباب تحقیق چیں بہ جبیں ہوں گے کہ داد تحقیق نہ دی اور کلام معرفت نظام و طریقت التزام کی گراں مائیگی کو نقد و تبصرہ کی کسوٹی پر نہیں کسا اور اس الزام کو رفع نہیں کیا جو بعض خواجہ غریب نوازؒ کے کلام پر لگاتے ہیں اور اس کو کسی غیر کا کلام سمجھتے ہیں۔ ہر چند کہ محبت کا اقتضا دل کی وارفتگی اور والہانہ شیفتگی کا ادّعا اور تقاضہ تو صرف یہی ہے کہ شکوہ ولایت کی ان تجلیوں کو بزم محبت میں جلوہ ریز رہنے دیا جائے۔ کوتاہ بینوں کی نگاہیں اگر حریم تجلی سے ناکام و نامراد رہتی ہیں تو رہیں ان کا مقدر، مشعل معرفت سے ان کی عقل کے ظلمت کدے اگر مستنیر نہیں ہوتے۔ تو ان کا نصیبہ۔ دل تو نہیں چاہتا کہ اندھوں کی بستی میں آئینوں کی دکان سجائیں۔ ربنا ہدا ان معانی کو ان کی رونمائی کے لئے آراستہ کریں

یوں تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے فیوض واکرام کے چشمے اللہ تعالیٰ نے دیار ہند میں اس طرح جاری فرمائے کہ آج تک دنیا ان سے سیراب ہے، ظلمت کدوں میں ایمان کی جو روشنی انھوں نے پھیلائی آج وہ آفتاب نصف النہار بن کر تمام عالم کو منور کر رہی ہے، آج ایسی کون سی اسلامی بستی ہے جہاں خواجۂ مکرم حضرت غراجہ غریب نوازؒ کے غلام موجود نہیں اور ان کے ذکر خیر سے محفلیں معمور نہوں جس طرح آپ کے روحانی کمالات، کے اذکار دلوں کے لئے تسکین کا موجب بنتے ہیں اسی طرح آپ کے ملفوظات وارشادات دل فگاروں کے لئے مرہم ہیں۔ آپ کے کلام کا مجموعہ (دیوان) شوق کے ہاتھوں سے لے کر عقیدت کی آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

اس برصغیر پاک وہند میں آپ کے دیوان کو جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، دیوان

کا ہر ایک شعر معانی کا گنجینہ اور معرفت کا خزینہ ہے لیکن فارسی زبان اور ادب آج جس ناسازگار دَور سے گذر رہی ہے اور ارباب علم وادب کے لئے وہ جس طرح ٹکسال باہر کی چیز بن کر رہ گئی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، عصر حاضر کی معاشی ضرورتوں نے علوم مشرقیہ سے ہم کو بہ مراحل دور کر دیا ہے عربی اور فارسی زبانوں سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ اب تو صرف یہی یاد رہ گیا ہے کہ یہ بھی زبانیں ہیں اور کسی دَور میں ان کو بڑا اعتبار حاصل تھا، اس دور میں علوم مشرقی کا زوال اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے، عربی اور فارسی شعراء کا کلام کتب خانوں میں الماریوں کی زینت ہے، فارسی شعراء میں رومیؔ، عطارؔ، حافظؔ اور سعدیؔ کے کلام سے کس کو دلچسپی ہے، علامہ اقبالؔ کا فارسی کلام بغیر شرحوں کے نہیں پڑھا جاتا، ارمغانِ حجاز، پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق، اسرار خودی، رموز بیخودی کتنے حضرات ہیں جن کے لئے پیام بخش ہے۔

اس لئے مدت مدید سے یہ خواہش تھی کہ خواجہ ہند غریب نوازؒ کے فارسی کلام کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے نہ صرف یہ کہ آپ کے نایاب دیوان کو شائع کیا جائے بلکہ اس کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ پیش کیا جائے تاکہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس سے بہرہ اندوز ہوسکیں اور ان رموز معرفت، مقامات عشق و محبت اور کیفیات باطنی سے لطف اندوز ہوسکیں، دیوان کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کے لئے متعدد نسخوں کو سامنے رکھا گیا لیکن اس مرحلہ پر ایک عجیب و غریب بات سامنے آئی، عقل سر گشتہ و حیران رہ گئی، وہ قلم جو آپ کے کلام کے ترجمہ پر رواں تھا یکایک ٹھہر گیا۔

وہ عجیب و غریب بات یہ تھی کہ حضرت غریب نوازؒ کے بعض سوانح نگاروں نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں جب آپ کے دیوان کا ذکر کیا تو یہ شبہ ظاہر کر دیا کہ یہ دیوان حقیقت میں خواجہ صاحب کا دیوان نہیں ہے بلکہ کسی نے اپنے کلام کی شہرت کے لئے اس کو آپ کے نام سے موسوم کر دیا[1] ہے اس سلسلہ میں حافظ محمود شیرانی صاحب نے سب سے پہلے قلم اٹھایا ڈاکٹر شیخ اکرام صاحب نے بھی "آب کوثر" میں حافظ محمود شیرانی صاحب کے قول کی تائید فرمائی ہے اور اسی کو تسلیم کر لیا ہے۔ غلام علی اینڈ سنز کے ادارے نے جو کتاب "خواجہ غریب نوازؒ" شائع کی ہے اس میں محمود شیرانی صاحب کے قول کو دوہرانے ہی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ وہ پورا مقالہ نقل کر دیا ہے اور فیصلہ ارباب بصیرت پر چھوڑ دیا ہے۔ گویا حافظ محمود شیرانی صاحب کے اعتراض کو تمام سوانح نگار حضرات نے ایک گونہ تسلیم ہی کر لیا اس کے اسباب

---

[1] ذرا غور فرمائیے کہ اس طرح اس شخص کو شہرت سے کیا حاصل ہوا اور کیا ملا، کلام تو دوسرے کے نام سے مشہور ہو گیا اس صورت میں صاحب کلام کو کیا حاصل ہوا، سرقہ میں تو یہ فائدہ ہے کہ دوسرے کا اچھا شعر اپنے نام سے مشہور کیا جاتا ہے اور شہرت کا بڑا فائدہ پہنچتا ہے، کلام دوسرے کے نام سے منسوب کر دینے میں یہ فائدہ مفقود ہے پس عقل اس صورت کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں بظاہر تو یہی ہے کہ سوانح نگاری کے تکملہ کی فکر چھوڑ کر اس تحقیقی بحث میں انھوں نے پڑنا نہیں چاہا اور دیوان کا ذکر سرسری طور پر کرتے ہوئے گذر گئے۔ ہم یہاں دیوان مع ترجمہ پیش کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کر لینا ہی چاہتے ہیں کہ یہ دیوان کس کا ہے، اس لئے سب سے پہلے حافظ شیرازی صاحب کا پورا مقالہ یہاں نقل کیا جاتا ہے اس کے بعد بحث کو چھیڑا جائے گا۔

حافظ صاحبؒ اپنے مقالہ[۱] میں رقم طراز ہیں

"یہ دیوان مطبع نولکشور میں سب سے پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق سنہ ۱۸۷۱ء میں طبع ہوا۔ جب سے اب تک کئی بار چھپ چکا ہے۔ اور کتب فروشوں کے ہاں عام طور پر ملتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا جلال الدین الٰہی بخش تاجران کتب لاہور نے نیا اڈیشن نکالا ہے۔ اس کے قلمی نسخے بھی وقتاً فوقتاً نظر سے گذرتے ہیں لیکن اکثر گزشتہ صدی یا قرن ماسبق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور لوگ خواجہ صاحبؒ کا کلام سمجھ کر نہایت عزیز رکھتے ہیں۔"

کارپردازان مطبع نول کشور نے اس دیوان کے متعلق اشاعت بار اوّل میں خاتمہ پر یہ بیان دیا ہے :۔

"آج تک کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز با دیگر کمالات صوری و معنوی مذاقِ شعر و شاعری بھی رکھتے تھے۔ حسن اتفاق سے ہم کو ایک مختصر دیوان حضرت صاحب کا بمنزلہ کلیات کتب خانہ مستجمع کمالات جناب منشی مردان علی خاں صاحب رعنا نائب دیوان سرکار مارواڑ سے نصیب ہوا اور اس پر مواہیر فیضی و ابوالفضل ثبت تھیں۔ معلوم ہوا کہ یہ کتب خانہ اکبر بادشاہ کا تھا اور شہنشاہ ممدوح از بس معتقد حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کا تھا۔ اس نے اپنے عہدِ دولت میں بہم پہنچایا۔ اور شکر خدا کہ ہم کو گھر بیٹھے بے محنت ہاتھ آیا۔ چونکہ یہ نعمت غیر مترقبہ تھی اس لئے ہم نے واسطے یادگار حضرت کے طبع کیا تاکہ لبطور تبرک کے لوگ اسے حرزِ جاں بنائیں اور ہم بھی اس سعادت سے ثمرہ خیر پائیں۔"

اس میں پہلا بیان تو صریحاً غلط ہے۔ دیوان ممکن ہے کہ اسی قدر قدیم ہو جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بیان کہ اکبر نے کوشش کر کے بہم پہنچایا ثبوت کا محتاج ہے۔ اگر اس قسم کا کوئی ذکر اس نسخہ میں تھا تو کارپردازان مطبع کا فرض تھا کہ اسے بھی دیوان کے ساتھ شائع کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ بوجہ حضرت سلیم چشتیؒ شہنشاہ اکبر ایک زمانۂ خاص

---

[۱] ملاحظہ ہو ان کی کتاب "مقالات شیرانی"، مطبوعہ کتاب منزل لاہور۔

تک خواجہ اجمیریؒ کا بہت معتقد رہا ہے۔ چنانچہ فتح پور سے اجمیر تک پاپیادہ سفر بھی کیا ہے۔ اس کے بعد کارپردازانِ مطبع کا بیان ہے۔

"جناب خان صاحب موصوف سے ہم نے دریافت کیا کہ آپ کو کس جگہ سے یہ نسخۂ اکسیر ہاتھ آیا۔ خاں صاحب ممدوح نے یہ روایت بیان کی کہ ایک شب میں نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بمقامِ لکھنؤ ۱۸۶۵ھ رویائے صادقہ میں دیکھا کہ حضرت صاحب میرے مکان پر تشریف لائے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ایک نقش تبرکاً مجھ کو عنایت ہو۔ چنانچہ حضرت صاحب نے عنایت فرمایا اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ صبح کے قریب ایک دست فروش میرے پاس یہ دیوان ایک پرانی ردی کتاب جان کر گھر بیٹھے فروخت کر گیا۔"

خواب کے متعلق رائے زنی کرنا ایک ادبی نقاد کے منصب میں داخل نہیں کیونکہ اس کے موضوع ظنیات ہیں نہ واقعات۔ اس لئے راقم اس کی معما کشائی سے اعراض کر کے اس گذارش پر اکتفا کرتا ہے۔ کہ میں یہ قصہ قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ اس لئے کہ مردان علی خاں رعنا اور منشی نول کشور پہلے حضرات نہیں ہیں جنھوں نے سب سے پیشتر اس دیوان کا سراغ نکالا ہے بلکہ ان کے عہد سے ایک صدی پیشتر تک کے اہلِ علم کو کم از کم اس کا ضرور علم تھا اور جیسا کہ سابق میں گذارش کر چکا ہوں یہ دیوان اس قدر نایاب بھی نہیں تھا۔ چنانچہ اس دیوان کے متعلق تذکرہ روشن ص۴۳۷ پر حضرت خواجہ معین الدینؒ کے حالات میں مصنف نے یہ دیوان حضرت خواجہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"دیوانے مختصر از ملفوظات آں قدوۂ اولیائے کرام و اسوۂ اولیاءِ عظام پیش نظر است و ایں چند اشعار منتخب از اں مختصر کہ در دے جا ے معین و جائے معینی تخلص مے فرماید"

انتخاب میں صاحب تذکرہ نے چھیالیس بیت اور ایک رباعی دی ہے۔ ان میں سے موجودہ دیوان نول کشور میں قریباً سترہ اشعار جو دس مختلف غزلوں سے تعلق رکھتے ہیں موجود نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ صاحبِ "تذکرہ روزِ روشن" کے زیر نظر اس مطبوعہ دیوان کا اصل نہیں ہے بلکہ کوئی اور قلمی نسخہ ہے جس میں اس نسخہ سے زیادہ غزلیات ہیں۔

تذکرہ مخزن الغرائب (۱۲۱۸ھ) میں حضرت خواجہؒ کے نام صرف دو رباعیاں درج ہیں۔ یہ مصنف دیوان کے وجود سے بے خبر معلوم ہوتا ہے۔ وہ رباعیاں یہ ہیں:۔

(۱)

عاشق ہمہ دم فکر رخ دوست کند ۔۔۔ معشوق کرشمۂ کہ نیکو ست کند
ما جرم وگنہ کنیم داو لطف وعطا ۔۔۔ ہر کس ہر چیز لایق او ست کند

(۲)

اے بعد نبی بر سر تو تاج نبی | وے دادہ شہاں زصولتت باج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالاتر شد | یک قامت احمدی ز معراج نبی

پہلی رباعی روزِ روشن میں بھی درج ہے۔

مردان علی خاں مبتلانے اپنے تذکرہ منتخب الاشعار میں جو ۱۱۴۱ھ میں تصنیف ہوا ہے۔ صرف پچھلی رباعی حضرت خواجہ کے نام پر لکھی ہے اور مصرعہ دوم کو مصرعہ اوّل کے بجائے لکھا ہے یعنی ترتیب بدل دی ہے۔ میر حسین دوست تذکرہ حسینی میں جو ۱۱۶۳ھ کا مرقوم ہے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات بالتفصیل دیتا ہے اور آخر میں ان کے دیوان سے ایک رباعی، اور تین غزلوں سے اپنی پسند کے اشعار نقل کرتا ہے۔ آتشکدہ آذر میں صرف گذشتہ دو رباعیاں ملتی ہیں۔

اور مجمع الفصحا میں رباعیوں کے علاوہ یہ دوبیت بھی خواجہ کے نام پر دیے ہیں۔

سیل رانعرہ از آنست کہ از بحر جداست | وآنکہ با بحر در آمیختہ خاموش آمد
نکتہا دوش دلم گفت وشنید از لب یار | کہ نہ ہرگز بزباں رفت نہ در گوش آمد

کتب خانہ بانکی پور کی فہرست میں اس دیوان کے متعلق یہ الفاظ ہیں:-

"اس اعتقاد کے تسلیم کرنے کا کہ یہ دیوان مشہور و معروف خواجہ معین الدین چشتیؒ سے علاقہ رکھتا ہے ہمارے پاس صرف یہ ذریعہ ہے کہ تقی اوحدی عرفات میں اور والہ ریاض الشعرا میں اس دیوان کے بعض اشعار نقل کرکے ان کو حضرت خواجہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن نہ یہ دونوں مؤلف اور نہ کوئی اور مصنف صاف طور پر ذکر کرتا ہے کہ خواجہ صاحب کی یادگار کوئی دیوان بھی ہے۔"

اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے بھی یہ دیوان خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے اور اب وہ عام طور پر انھیں کے نام سے مانا جاتا ہے۔ لیکن ایک محقق اور ناقد کی نظر میں یہ شہادت اور بیانات اس دیوان کا تعلق خواجہ اجمیریؒ سے متعلق کرنے کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتے کیونکہ سب سے مقدم یہ سوال پیش آتا ہے کہ حضرت خواجہ کے عہد سے ان بزرگوں کے عہد تک جس کے درمیان پانچ صدیوں سے زیادہ کی مدت حائل ہے یہ دیوان گنج مخفی کی طرح کہاں غائب رہا اور خواجہ کے سوانح نگاروں کی نظروں سے کیونکر بچا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات اور کمالات ان کے زمانہ سے لے کر اب تک ہر عہد میں دنیا کی نظر میں رہے ہیں۔ تمام شائقین کے علاوہ اصحابِ تصوف کو ان کے واقعات و

حالات سے ہمیشہ خاص دلچسپی رہی ہے۔ پھر ایسی مشہور تراز آفتاب ہستی کا کلام اس عرصۂ دراز تک دُنیا کی نگاہ سے کیونکر پوشیدہ رہا۔ آپ کے دیوان سے گذشتہ قرون کے مصنفین کا بے خبر رہنا ایک دشوار امر معلوم ہوتا ہے۔ ہر عہد اور ہر دَور میں خواجہ کے واقعات لکھے اور پڑھے گئے ہیں لیکن ان تصنیفات میں خواجہ کے دیوان یا شاعری کا مطلق ذکر نہیں آتا۔ آپ کی تصنیف انیس الارواح موجود ہے جس میں آپ نے پیرومرشد حضرت عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

خود آپ کے ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس سرہٗ نے دلیل العارفین کے نام سے شائع کیے ہیں۔ سیر العارفین میں جو نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے آپ کے کافی حالات ملتے ہیں۔ ابو قاسم فرشتہ نے مشائخ ہند کے حالات میں سب سے مقدم آپ کا ذکر کیا ہے۔ اور آپ کے متعلق تمام واقعات جمع کر دیئے ہیں۔ علاوہ بریں اہلِ تصوف کے تذکروں میں آپ کے حالات اکثر موجود ہیں لیکن اِن تمام کتابوں میں صرف آپ کے دیوان بلکہ آپ کے ذوقِ شعر تک کا ذکر نہیں ملتا۔ بابو لال صاحب نے ہدایت المومنین کے ایک حصّہ کا ترجمہ ۱۸۰۹ء میں شائع کیا۔ جس میں خواجہ صاحب کے مبسوط حالات ملتے ہیں لیکن آپ کے دیوان سے یہ مصنّف بھی اجنبی ہے۔

دیوان فی نفسہٖ اس سوال پر کچھ روشنی نہیں ڈالتا۔ اس میں کوئی ایسی شہادت یا تلمیح موجود نہیں جو اس کو خواجہ صاحب کی ذات سے انتساب دے۔ اگرچہ بعض شہادتیں اس انتساب کی تردید کے حق میں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا موجود ہیں۔

دیوان اکانوے صفحات پر ختم ہو جاتا ہے جس میں غزلیات کے سوا کوئی اور صنفِ نظم موجود نہیں۔ غزلوں کی تعداد ۱۲۱ ہے۔ اور ابیات کا شمار گیارہ سو بارہ سو کے درمیان ہے۔ شاعر اپنا تخلّص دو طرح سے لاتا ہے یعنی معیّن اور معیّنی۔ متعدد غزلیں حمد و نعت میں ہیں۔ کلام سرتاپا عشق و عرفان کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور عشق کا جذبہ بہت غالب ہے۔ رندی اور سرمستی کے مضامین خال خال موقع پر نظر آتے ہیں خمریات کا جوش جو عراقی اور حافظ کے ہاں بہت غالب ہے، یہاں بالکل دبا ہوا ہے۔ شوخی مطلق نظر نہیں آتی بلکہ متین اور سنجیدہ خیالات قدم قدم پر دامن گیر نظر آتے ہیں۔ مذہب سے عداوت نہیں ہے اور نہ شیخ و زاہد کا استحقاق منظور ہے۔ تجرید اور ترک تعلق شاعر کا اصل موضوع ہے۔ یہاں تک کہ بہشت و خلد جو زہاد کی غایت مقصود ہے وا نگہ علائق بنا دی گئی ہے۔ کلام میں متانت اور شیرینی نظر افروز ہے۔ خیالات میں نزاکت اور خوش اسلوبی جو متاخرین کا دستِ مایہ ناز ہے غلبہ پائے ہوئے ہے۔

زبان میں کچھ اس قسم کی گھلاوٹ اور لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدینؒ کے ایام میں قطعی نامعلوم تھی۔ تمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے طرز کی پائی جاتی ہیں۔ ادائیگی خیالات کے لئے الفاظ کے بوقلموں پیرائے شاعر کے قبضہ میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی زبان اس عہد تک ترقی اور وسعت بہ درجہ کمال پا چکی تھی۔ مثلاً ہستی انسانی یا وجود انسان کا مقصد ادا کرنے کے لئے شاعر نے یہ ترکیبیں اختیار کی ہیں۔

زنگ تن، نقاب حدوث، پردۂ تن، دلق ہستی، زندانِ تن، لباس حدوث، پردۂ آب وگل، شبستانِ بدن، پردۂ خاک وغیرہ وغیرہ۔

کلام کا عام رنگ، سادگی، سادہ بیانی اور سادہ خیالی ہے۔ تکلفات سے عام طور پر احتراز ہے۔ خیالات کی بوقلمونی اور تنوع غزل کا تقاضائے امتیاز ہے۔ لیکن اس دیوان میں بیرونی اور اجنبی خیالات بہت کم چھیڑے گئے ہیں۔ نفسِ مضمون پر توجہ مائل ہے۔ اس لئے اشعار میں ایک قسم کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ حقائق ودقائق، تصوف وارادت، سلوک، تجرید وتوحید، فنا وبقا، نفی واثبات، اشتیاقِ دیدار، بیان عشق وغیرہ کے اظہار پر شاعر کی تمام تر توجہ مبذول ہے۔ مضمون کی اس تنگی سے کلام میں ایک خفیف سی اداسی کی جھلک نمودار ہے۔ جدت اور آمد اچھے خاصے پیمانے پر ہے۔ بعض ابیات ایسے صاف اور ہموار نکل آئے ہیں کہ دل میں چٹکیاں لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے جو جذبات عشق الٰہی سے سرشار اور رسول عربی کا عاشق زار ہے۔ مسافر منازل طریقت ہے لیکن شریعت کی روشنی میں عشق ہے لیکن متانت کے ساتھ دیوانگی میں بھی دانائی کی ادا موجود ہے۔ مسائل معرفت کے ساتھ فلسفہ تصوف کی اصطلاحات کو نہایت بے تکلفی اور خوش اسلوبی کے ساتھ برتا گیا ہے جو عراقی اور حافظ کو بھی نصیب نہیں۔ ان دقائق نے کلام کو بعض وقت دقیق اور پیچیدہ کر دیا ہے۔

حکیم سنائی غزنوی کے ہاں زاہدی اور تصوف میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ان کا بیان تصوف، پند وموعظت، اخلاق وحکم، زہد وتقویٰ پر مختصر ہے۔ عطار نے مثنوی کے علاوہ غزل کو خصوصیت کے ساتھ دقائق ونکاتِ معرفت وسلوک کی اشاعت کا میدان بنایا۔ عطار کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جذبۂ عشق کی کیفیات روحانی وحقیقت کی ترجمانی کے لئے اپنے ہمعصر شیخ محی الدین ابن عربی کی طرح مجاز کی زبان اختیار کی اور اس غرض سے مے وجام، پیمانہ ومے خانہ، بت ومغ، ترسا بچہ وگبر، دیر ومینا، ناقوس، جلیپا، شاہد وشمع زنار وخرابات وغیرہ وغیرہ کو خاص معنی دے کر غزل سے آشنا کر دیا حقیقت ومجاز کے

اتحاد نے غزل میں ایک خاص حلاوت و ملاحت پیدا کر کے اس کے خد و خال کو قصیدہ سے بالکل ممیز کر دیا۔ حقیقت کا اظہار مجاز کے پیرایہ میں فرید الدین عطارؒ سے شروع ہوتا ہے۔ عطار کے تتبع میں مولانا روم نے اسی زمین کو زیادہ وسعت دی۔ عراقی نے غزل کی شراب کو زیادہ تیز اور پر جوش کر دیا۔ حافظ نے اس کے رنگ کو شوخ اور کیف کو زیادہ لطیف بنا دیا۔ اگرچہ غزل نے اس طرح خرابات کی آب و ہوا اور تصوف و عرفان کے آغوش میں پرورش پائی اور حقیقت و مجاز کی دو عملی میں ہوش سنبھالا لیکن فلسفہ تصوف کا خلعت اس کو جامی اور مغربی عطا کرتے ہیں۔ یہی آخری رنگ اس دیوان میں عام ہے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ دیوان میں مسئلہ ہمہ اوست پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ذیل میں بعض مثالیں درج ہیں:-

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریف خلوت و ساقی خویشتن ہمہ اوست
اگر تو خرقہ ہستی خویش پارا کنی!
نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست
مگو کہ کثرت اشیا نقیض وحدت گشت
تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست
چونایے کہ نہد بر زبان نے لب خویش
نہادہ بر دہن عاشقاں دہن ہمہ اوست
چہ جائے بادہ و جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینی و دم مزن ہمہ اوست

جمال یار بخواہی بذرات جہاں بنگر کہ ہر ذرہ است مرآتے کز و دیدار می ماند

صفات و ذات چو از ہم جدائی بینم بہر چہ می نگرم جز خدائی بینم

متعدد موقعوں پر شاعر نے اپنے آپ کو "مسکین معین" لکھا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر مسکین کا لفظ اپنے تخلص یا نام کے ساتھ استعمال کرنے کا عادی تھا اسی قسم کی بعض امثال حوالہ قلم ہیں:-

در آبہ مجلس مسکین معین شوریدہ کہ نقل و بادہ ز گفت و شنید خود بینی

مسکین معین دریک سخن آنمودہ اسرار ازل | بشنو کلام لم یزل درکسوت گفتار او

چوں دل مسکین معین آئینہ تست اے کریم | آئینہ خود را صفائی دہ ز نور خویشتن

گنگ شو مسکین معین ہم چو ثنائے خود مگو | بہتر آں باشد کہ من گویم بدیں ساں حمد تو

در مجلس مسکین معین یکدم نشیں صدر مجلس | بنگر چہ درہائے ثمین دادہ است دیے دم

دیوان کے تتبع سے اس قدر اور پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنی زندگی میں واعظ ضرور رہا ہے کیونکہ بعض مقطعوں میں اس نے منبر، مجلس اور وعظ کی طرف کئی مقام پر تلمیح کی ہے چنانچہ ذیل کی امثال شاہد ہیں :۔

بزم خاص است معین بادہ وحدت پیش آر | ہاں کہ مستی تو بر مجلسیاں تافتہ است

معین برآئے بہ منبر بگوئے نکتۂ عشق | کہ بلبل چمن عشق در زمانہ توئی !

گرچہ شاہاں را بہ تخت و تاج زینت می دہد | جلوۂ مسکیں معین بر تاج و منبر کردہ اند

معینی گر ہمی خواہی کہ سرش بہ زباں رانی | مقام آں سرداراست بر منبر نمی گنجد

بیا بہ وعظ معینی رموز عشق بشنو | کہ از حکایت او بوئے دوست می آید

معیں را در صغر آنکس بہ منبر در سخن آورد | کہ در گہوارہ طفلی قرین ایں مریم شد

خلق گویندم معین ایں رمز بر منبر بگوئے | آہ کیں آتش ہزاراں واعظ و منبر بسوخت

ان اشعار سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ شاعر کا پیشہ وعظ گوئی تھا۔

گذشتہ مشاہدات کی روشنی میں اس دیوان کو خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف منسوب کرنا مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنے گذشتہ دلائل کو مختصراً یہاں پھر دہراتا ہوں۔

۱۔ تاریخ خواجہ صاحبؒ کی شاعری اور ان کے دیوان سے ناواقف محض ہے۔

۲- اس دیوان کی زبان خواجہ صاحبؒ کے عہد کی زبان ہرگز نہیں۔ بلکہ متاخرین کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

۳- دیوان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی رُو سے اس کا تعلق خواجہ صاحبؒ سے قائم کیا جائے۔

۴- دیوان سے اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا قائل کوئی واعظ ہے۔

چونکہ داخلی شہادت سے اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کسی واعظ کا کلام ہے اس لئے ہمیں واعظین کے سلسلہ میں اس کے مصنّف کی تلاش کرنی چاہیئے۔ اس غرض سے میں مولانا معین ابن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی صاحب معارج النبوت اور مشہور واعظ کا نام پیش کرتا ہوں۔ مولانا اپنی تصنیفات میں اپنے آپ کو "مسکین معین" لکھنے کے عادی ہیں۔ آپ سلطان ابوالغازی حسین کے عہد کے زبردست فاضل ہیں اور مولانا جامی کے ہم عصر۔ آپ اپنے عہد کے مشہور واعظ اور صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ دنیاوی تعلقات سے اس قدر بیزار تھے کہ جب ۹۰۰ھ میں آپ کے بھائی مولانا نظام الدین قاضی ہرات نے اس عالمِ فانی سے رحلت کی تو آپ نے سلطان حسین کی استدعا اور اصرار پر بدقت تمام اپنے بھائی کا منصب قبول کیا اور ایک سال کے بعد ہی اس سے دست کش ہو گئے۔ آپ کا درجہ علم و فضل اور زہد و ورع میں نہایت ممتاز تھا۔ طبیعت میں بلندی اور دنیا کی طرف سے بے پروائی بسی ہوئی تھی۔ جامع مسجد ہرات میں ہر جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے وعظ میں اثر، تقریر میں تاثیر اور بیان میں دلکشی تھی۔ ہزاروں مستمعین آپ کے وعظ سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ ان مجالس تذکیر میں بڑے بڑے جلیل القدر امراء بھی شریک ہوتے تھے۔ اور مولانا ان کی وجاہت دنیاوی کی ذرا پرواہ نہ کر کے برسر منبران کے افعال قبیحہ پر سرزنش کرتے تھے۔ وہ سُنتے تھے اور اُف نہیں کر سکتے تھے۔ سچ کہا ہے" حق کا مرتبہ دولت اور حکومت سے بالا ہے"۔

تاریخ حبیب السیر میں مولانا معین الدین کے حالات میں (صفحہ ۳۳۸) جلد سوم جزو سوم) یہ عبارت ملتی ہے:۔

"مولانا معین الدین الفراہی برادر ارشد قاضی نظام الدین بود و بسیارے از فضائل و کمالات اظہار و قوف می نمود۔ در زہد و تقویٰ درجۂ علیا داشت و اکثر خطوط را در غایت جودت بر صحیفۂ تحریری نگاشت در ایام جمعہ بعد از نماز در مقصورۂ مسجد جامع ہرات وعظ در کمال تاثیر میگفت و در عزر معانی آیات و احادیث را بہ الماس طبع لطیف فی سفت با عاظم امراء و نوئینان کہ در مجلس مے نشستند ملتفت نمے گشت

و در وقت نصیحت آں طائفہ سخنانِ درشت بر زبانش مے گزشت۔ و آں جناب بعد از فوت برادر بموجب تکلیف خاقان والا گہر مدت یک سال صاحب قضا بود آنگاہ ترک آں امر دادہ ہر چند۔ دیگر مبالغ نمودند قبول نفرمود از آثار قلم لطافت نگار مولانا معین الدین، معارج النبوت، درمیانِ مردم مشہور است و اکثر وقائع حالات سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اکمل التحیات بروایات مختلفہ دراں مسطور و مولانا معین الدین در شہور سبع و تسعمائۃ مریض شدہ درگزشت و در مزار مقرب حضرت باری خواجہ عبداللہ انصاری پہلوئے برادر خود قاضی نظام الدین مدفون گشت "۔

مولانا معین الدین نے چالیس سال کامل وعظ و تذکیر میں صرف کئے۔ وعظ سے جو وقت بچتا تھا تصنیف و تالیف میں بسر ہوتا تھا۔ آپ نے فن تذکیر کو برخلاف ہمارے علماءِ عہد کے رویہ کے حتی الوسع دلچسپ اور شگفتہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے مواعظ اور تصنیفات مذاقِ شعر سے پُر ہیں۔ ان میں عشق و تصوف کا رنگ نہایت شوخ ہے۔ شعر میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ طبیعت میں زود گوئی بہت معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا رتبہ شعرائے متصوفین میں عراقی اور مغربی کے مساوی مانا جائے تو مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔ شعر کا مذاق فن تذکیر کی طرح خاندانی ہے۔ آپ کے والد مولانا شرف الدین حاجی محمد جو مرزا ابو القاسم بابر کے عہد کے مشاہیر فقہا میں شمار ہوتے تھے خود بھی شاعر تھے۔ میں تبرکاً ان کے چند اشعار یہاں درج کرتا ہوں:۔

نقاش قصرِ فطرت بے صورت و ہیولیٰ — بر لوحِ حکمت خود نقشے کشید زیبا

شہباز جاں نشستہ بر قبہ معانی — عنقائے عقل جستہ بر قابِ آبِ مادی

بر داشت قبہ کل بر گماشت پیکرِ دل — از نورِ اوست حاصل خورشید اوجِ اعلیٰ

مجموعۂ عجائب، واعجوبہ غرائب
پاک از ہمہ شوائب از جسم و جاں معرّیٰ

مولانا معین الدین تصانیف کثیرہ کے مالک ہیں۔ ان کی کتابیں اور رسالے بے شمار ہیں لیکن جو مجھے معلوم ہو سکیں ذیل میں درج ہیں:۔

۱۔ تفسیر بحر اسرار
۲۔ تفسیر حدائق الحقائق فی کشف اسرار الدقائق
۳۔ واضحہ فی اسرار الفاتحہ۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔
۴۔ معارج النبوت فی مدارج الفتوت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل سوانح عمری

ہے۔ جس میں آپ کے اجداد امجاد یعنی ساتوں انبیا ر اعظم کے بھی حالات درج ہیں۔ ۸۹۱ھ میں اس کتاب کی ابتداء ہوئی اور کئی جلدوں میں لکھی گئی۔ اس میں ایک مقدمہ چار رکن اور ایک خاتمہ ہے کتاب کو جا بجا قرآنی آیات، نکات اور اشعار سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شعراء میں سنائی، عطار، مولانا روم، اوحدی، عراقی اور مولانا جامی کے ابیات موقع بہ موقع استعمال کئے ہیں اس کے سوا شاعر نے اپنے اشعار بھی کثرت کے ساتھ نقل کئے ہیں

۵۔ روضۃ الواعظین فی احادیث سید المرسلین چار جلدوں میں ہے۔

۶۔ تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام۔

۷۔ اعجاز موسوی۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو مخزن الغرائب میں معجزات موسوی لکھا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں ایک مبسوط تصنیف ہے جو مطبع عمدۃ المطابع میں ۱۲۷۲ھ میں چھپ بھی چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور رسالے اور کتابیں کثرت سے ہیں جو مولانا معین الدین کے قلم سے نکلی ہیں جن کی میں سراغرسانی نہیں کر سکا۔ نظم میں آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ کا کلام از قسم رباعی وغزل ومثنوی کثرت سے ملتا ہے۔ ایک رسالہ مثنوی میں بھی آپ نے لکھا ہے۔

میرا ایسا خیال ہے کہ اکبری عہد کے مؤرخین کو مولانا کے متعلق صحیح معلومات تھیں۔ لیکن بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات سے بہت کم اعتنا کی ہے۔ مجھے صرف ایک مختصر بیان مولانا کے متعلق تذکرہ مخزن الغرائب میں ملا ہے جس نے میرے تمام شکوک کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

مجھے نہایت رنج وافسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب اور ضخیم تذکرہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ مولانا معین الدین کے حالات صاحب تذکرہ کو تین مختلف ذرائع سے ملے ہیں۔ چونکہ وہ نہایت ہی ناکافی اور غیر معین تھے اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ مخزن الغرائب میں مولانا کی ذات واحد اقانیم ثلاثہ میں تبدیل کرلی گئی۔ اور ایک معین کے تین معین بن گئے اس تذکرہ میں سب سے مقدم

۱۔ مولانا معین الدین ہروی ہیں جن کے واسطے مصنف تذکرہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"مولانا معین الدین ہروی فاضل تحریر ودانش مند کامل بودہ۔ کتاب معارج النبوۃ ومعجزات موسوی (اعجاز موسوی) وتفسیر قرآن از و در عالم مشہور است و در تفسیر آں قدر نکات وعجائب بیان کردہ کہ در ہیچ تفسیر دیدہ نشدہ در نظم ونثر کمال مہارت داشتہ علم الخصوصی در انشائے محمدؐ (کذا) ایں چند بیت از ذہن مستقیم اوست ۔"

چو من ز بادۂ شوق تو مست و بے خبرم
ہمہ جمال تو بینم بہر چہ مے نگرم
تو ہر حجاب کہ خواہی فرو گزار کہ من
بنعرۂ کہ زنم صد حجاب را بدرم

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ غزل جس کا مطلع اور ایک شعر مخزن الغرائب میں درج ہے۔ موجودہ دیوان (طبع نول کشور ۱۲۸۸ھ) میں صفحہ ۵۶ پر پائی جاتی ہے۔ جس کے کل سات اشعار ہیں۔ یہی غزل مولانا کی تصنیف معارج النبوۃ (مقدمہ فصل اوّل تحمید اول میں پوری کی پوری درج ہے۔ اس طرح موجودہ دیوان کو مولانا معین الدین کی طرف منسوب کرنے کے لئے ہمیں یہ پہلا مگر یقینی سراغ ملتا ہے۔ دوسرے

۲۔ معین فراہی ہیں۔ جن کے لئے منقول ہے :۔

"معین فراہی راست ؎

نگر فصل بہار آمد کہ عالم سبز و خرم شد
نگر وصل نگار آمد کہ دل با عیش ہمدم شد

دیوان میں رجوع کرنے سے علم ہوتا ہے کہ یہ پندرہ شعر کی غزل ہے اور صفحات ۲۲، ۲۳ پر ملتی ہے۔ اس غزل کے آٹھ شعر معہ مطلع بالا کتاب معارج النبوۃ (رکن اول باب ہفتم، فصل چہارم) میں ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ معین فراہی اور مولانا معین الدین ہروی ایک ہی شخص ہیں۔ نیز یہ کہ موجودہ دیوان کے بھی یہی مالک ہیں۔ تیسرے

۳۔ ملا معینی ہیں۔ ان کے متعلق مخزن الغرائب میں تحریر ہے :۔

"ملا معینی در زمان اکبر بادشاہ بودہ است ؎

اگر از خواب غفلت سر برآری آں زماں
کہ خورشید تجلی بر دل بیدار می تابد

دیوان میں یہ غزل صفحہ ۳۵ پر ملتی ہے جس کے چودہ بیت ہیں۔ اس غزل میں شعر بالا بھی موجود ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ قافیہ میں "در و دیوار، دل بیدار" ہے اس غزل کا مطلع ہے ؎

چناں از روزن دل نور آں دلدار مے تابد
کہ خورشید جمالش از در و دیوار مے تابد

یہ مطلع کتاب معارج النبوۃ (رکن دوم، باب سوم، فصل سوم صفحہ ۶، طبع نول کشور) میں بھی ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملا معینی اور مولانا معین الدین ایک ہی ہستی ہیں۔ مولانا

جیسا کہ دیوان اور ان کی دیگر تصانیف سے معلوم ہوتا ہے اپنا تخلص دونوں طرح لاتے ہیں۔ اس غلط خیال کی کہ وہ اکبر کے عہد میں تھے تردید کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کے متعلق صحیح اطلاع گذشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

ذیل میں تذکرہ حسینی اور تذکرہ روز روشن کے انتخاب یہ اشعار جو خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں پیش کرتا ہوں ؎

زبیش خویش بر افگن نقاب دعویٰ را
بہ بیں بدیدۂ صورت جمال معنیٰ را
بحق او کہ بہ کونین دیدہ نکشائیم
کہ تا نخست نہ بینم جمالِ مولا را
اگر در آتش عشقت بسوختیم چہ عجب
کہ کوہ تاب نیا ورد یک تجلی را
معین بچشم خرد حسن دوست ننماید
بہ بیں بدیدۂ مجنوں جمالِ لیلیٰ را

دیوان میں اس غزل کے سات شعر ہیں اور صفحہ ۵ پر ملتی ہے۔ لیکن اس غزل کا دوسرا شعر یعنی "بحق او کہ بکونین" الخ کتاب معارج النبوۃ رکن اوّل باب سوم فصل دوم لطیفہ رابع عشرہ کے تحت میں مندرج ہے اور دوسرا شعر کتاب اعجاز موسوی (صفحہ ۲۲۹ عمدۃ المطابع ۱۲۷۲ھ) میں ملتا ہے اور ظن غالب یہی ہے کہ یہ غزل مولانا معین الدین کی ہے۔

تذکرہ روز روشن از مظفر حسین صبا صفحہ ۶۳۸۔ ۶۴۰ طبع ۱۳۱۶ھ

اس تذکرہ میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دیوان سے جو اشعار انتخاب ہوئے ان میں ایک شعر یہ ہے ؎

ایں چہ نور است کہ برکون ومکاں تافتہ است
نور عشق است کہ از مطلع جاں تافتہ است

دیوان میں یہ نو اشعار کی غزل ہے اور صفحہ ۹ پر ملتی ہے۔ کتاب معارج النبوۃ (مقدمہ۔ فصل اوّل، تحمید عاشر) میں اس غزل کے سات اشعار مع مطلع درج ہیں اور سب سے اہم یہ امر ہے کہ مصنف نے غزل کی ابتدا میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ میری غزل ہے چنانچہ اس کے الفاظ ہیں :-

"العبد الضعیف نور اللہ"

یہ غزل ہمیں مصنف کی اپنی شہادت پر معارج النبوۃ کے مصنف مولانا معین کی طرف منسوب کرنا چاہیئے نہ کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف ۔

درونِ قصرِ دل دارم یکے شاہے کہ گہ گاہے
ز دل چیزوں ... خیمہ بہ بحر و بر نمے گنجد

دیوان میں اس غزل کے گیارہ شعر ہیں۔ اور صفحہ ۲۵ پر ملتی ہے اور مطلع یہ ہے ؎

مرا در دِل بغیر از دوست چیزے در نمے گنجد
بخلوت خانۂ سلطاں کسے دیگر نمے گنجد

معارج النبوۃ (رکن اوّل، باب ہفتم، فصل سیزدہم، لطیفہ الثانیہ) میں اس غزل کے چار شعر مصنف نے لکھے ہیں جن میں شعر بالا بھی موجود ہے

راہ بکشائے کہ دل میل بہ بالا دارد
پردہ برگیر کہ جاں عزم تماشا دارد

دیوان میں صفحہ ۲۹ پر یہ غزل ملتی ہے جس کے نو شعر ہیں۔ معارج النبوت (مقدمہ فصل سوم (لطیفۂ التاسع) کے خاتمہ پر کامل غزل مرقوم ہے۔

اندر آئینہ جاں عکس جمالے دیدم
ہمچو خورشید کہ در آب زلالے دیدم

دیوان میں صفحہ ۴۸ پر یہ غزل ہے جس میں کلھم نو شعر ہیں۔ اس غزل کے نو شعر مع مطلع معارج النبوۃ رکن اوّل، باب ہفتم۔ فصل یازدہم۔ لطیفہ خامسہ کے اختتام پر موجود ہیں۔

صفات و ذات چو از ہم جدا نمے بینم
بہر چہ می نگرم جز خدا نمے بینم

یہ آٹھ ابیات کی غزل ہے اور دیوان میں صفحہ ۵۲ پر ملتی ہے۔ معارج النبوۃ میں رکن سوم، باب چہارم فصل بست و چہارم صفحہ ۲۱۹ (نول کشور) پر اس غزل کے چھ شعر مع مطلع و مقطع مرقوم ہیں۔

میں بخوف طوالت مضمون روزِ روشن کا مطالعہ ختم کرتے ہوئے گذارش کرتا ہوں کہ اس

تذکرہ کے اشعار کا مولانا معین الدین کی تصانیف میں پایا جانا دلیل ہے اس دعویٰ کی کہ یہ اشعار مولانا معین الدین کے ہیں نہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے۔

اب میں صرف ان اشعار کا ذکر کروں گا جو دیوان اور معارج النبوۃ میں عام ہیں۔ اور ان میں سے بھی وہی اشعار لوں گا جن کے مصنف ہونے کا مولانا معین الدین کو دعویٰ ہے

چشم بکشائے کہ آفاق پر از نور خداست
خالی از نورِ خدا در ہمہ آفاق کجاست

دیوان میں صفحہ، پر یہ غزل ہے اور سات شعر کی ہے۔ اس غزل کے تین شعر معارج النبوت میں مقدمہ فصل اوّل (تحمید السابع) میں پائے جاتے ہیں۔ مصنف ان کی ابتدا میں لکھتا ہے "لعبد الضعیف"

افروخت عشق و جسم و جانِ من بسوخت
گفتم آہے برکشم کام و زبان من بسوخت

اس غزل کے گیارہ ابیات ہیں اور دیوان میں صفحہ ۱۱-۱۲ پر ملتی ہے۔ اس غزل کے نو شعر معہ مطلع کے معارج النبوت میں مقدمہ فصل اول تحمید العاشر کے خاتمہ پر موجود ہیں۔ ان کے واسطے مصنف لکھتا ہے "لمؤلفہ غفر اللہ لہ"

یہی غزل اس تصنیف کے رکن اوّل، باب ہفتم، فصل ہشتم کے اختتام پر پھر پائی جاتی ہے جس میں آٹھ شعر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل مصنف کو بہت مرغوب تھی۔ کیونکہ وہ اس کی دوسری تصنیف اعجاز موسوی میں پھر دہرائی گئی ہے۔ جہاں صفحہ ۹۸-۹۹ پر ملتی ہے اور مصنف ابتدا میں لکھتا ہے "چنانچہ فقیر گوید" اسی غزل کے چھ بیت اسی اعجاز موسوی میں صفحہ ۴۶ پر پھر پائے جاتے ہیں۔ جس میں دعویٰ کیا ہے۔ "ابیات لمؤلفہ"

آتشے آمد پدید و جسم و جاں یکسر بسوخت
دل درونِ سینہ ام چوں عود در مجمر بسوخت

اس غزل کے سات شعر ہیں اور دیوان میں صفحہ ۱۲-۱۳ پر ملتی ہے۔ اعجاز موسوی میں پوری غزل صفحہ ۹۲ پر موجود ہے اور مصنف کا اس کے لئے دعویٰ ہے۔ "لمؤلفہ فی ہذا المعنیٰ"

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریفِ خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست

یہ گیارہ شعر کی غزل ہے اور دیوان میں صفحہ ۱۳ پر نظر آتی ہے۔ معارج النبوت میں مقدمہ فصل اول، تحمید الثامن کے آخر میں تمام غزل مرقوم ہے۔ اور "مؤلف" مصنف کا دعویٰ ہے۔

یارب ایں صورت کہ در مرأت جاں پیداست کیست
آنچناں مخفی دریں پردہ نہاں پیداست کیست

دیوان میں صفحہ ۱۴ پر سات شعر کی یہ غزل ہے۔ اعجاز موسوی میں یہی غزل صفحہ ۲۵۹ پر موجود ہے۔ اس کے ابتدا میں صاحب کتاب "لمؤلفہ" کہہ کر اپنی غزل مانتا ہے۔

حمد یکہ ہچو بحر کرم بیکراں بود
حمد یکہ شکر نعمت ہر دو جہاں بود

دیوان میں صفحہ ۱۶ - ۱۹ پر یہ حمدیہ قصیدہ ملتا ہے جس میں ایک کم پچاس اشعار ہیں۔ یہ تمام قصیدہ معارج النبوت، مقدمہ، فصل اوّل، تحمید الثانی عشرہ میں پورا موجود ہے اس کی ابتدا میں صاحب معارج کے الفاظ ہیں "قال مؤلف الکتاب ختم اللہ امالہ بالرشد والصواب"۔

اسی قصیدہ کے چند اشعار اعجاز موسوی کے صفحہ ۵۸ پر نظر آتے ہیں۔ اور ان کی ابتدا میں مصنّف کا دعویٰ ہے "چنانچہ فقیر بگوید"۔

چشم بکشائے کہ دیدار خدا جلوہ نمود
دیدہ شو یکسر و بہ بند در گفت و شنود

یہ چودہ شعروں کی غزل صفحہ ۲۳ پر دیوان میں ملتی ہے۔ فصل پنجم، باب دوم، رکن اوّل معارج النبوۃ میں اس غزل کے چار اشعار ہیں جن کے واسطے مصنّف کہتا ہے۔ "چنانچہ معین دیوانہ تو گوید"۔ اس غزل کے بارہ شعر مع مطلع و مقطع اس کتاب کی تحمید الخامس فصل اول مقدمہ میں مرقوم ہے۔

وقت آنست کہ دل واقفِ اسرار شود
جائے آنست کہ جان طالب دیدار شود

دیوان میں صفحہ ۲۷ پر یہ غزل ہے۔ اس میں ۳۱ ابیات ہیں اس غزل کے سات شعر

معارج النبوۃ، رکن اوّل، باب دوم، فصل پنجم میں آتے ہیں۔ ابتدا میں مؤلف گویا ہے۔ "چنانچہ معین دیوانہ تو گوید"۔ اسی غزل کے پانچ شعر مع مطلع معارج النبوۃ (مطبوعہ) میں رکن سوم، باب چہارم فصل بست و چہارم اور لطائف واشارات صفحہ ۲۱۹ پر پائے جاتے ہیں اور حسب معمول شاعر ابتدا میں کہتا ہے۔ "چنانچہ فقیر تو گوید"

نغمۂ عشق کز آں سوئے جہاں مے آید
بمشام دلم از عالم جاں مے آید

یہ صفحہ ۳۴-۳۵ پر دیوان میں سترہ ابیات کی غزل ہے۔ اسی غزل کے چھ بیت مع مطلع فصل پنجم، باب دوم، رکن اول معارج النبوۃ میں نظر آتے ہیں ان کے لئے مصنف گویا ہے۔ "چنانچہ فقیر گوید مولوی معین"۔

اگر بے پردہ نتوانی کہ بینی پرتوِ ذاتش
بذرات جہاں بنگر کہ ہر ذرّہ است مرآتش

یہ دیوان میں صفحہ ۴۳ پر سات بیتوں کی غزل ہے۔ معارج النبوۃ۔ رکن اول۔ باب دوم، فصل پنجم میں اس کے دو شعر ملتے ہیں اور یہی اشعار مقدمہ فصل دوم۔ مناجات الثالثہ معارج النبوۃ میں بھی نظر آتے ہیں۔ یہاں شاعر کہتا ہے۔ "لمؤلّفہ غفرلہ"

بیا در بزم او ادنیٰ یکے حرفے زمن بشنو
وزاں اسرار ما اوحیٰ یکے طرزے سخن بشنو

یہ سات شعروں کی غزل دیوان میں صفحہ ۸، پر آتی ہے۔ معارج النبوۃ (مطبوعہ) میں (رکن سوم، باب چہارم، فصل دوم) صفحہ ۱۰۷، پر اس کے چھ شعر پائے جاتے ہیں اور مصنف ان کے لئے "لمؤلّفہ" کا لفظ استعمال کر رہا ہے۔

از مطلع دل زد علم یک لمع از رخسار او
شد ذرّہ ذرّہ ہستیم در پردۂ انوار او

صفحہ ۶، پر دیوان میں یہ پندرہ ابیات کی غزل ملتی ہے۔ مقدمہ معارج النبوۃ فصل اوّل، تحمید ثانی کے خاتمہ میں اس کے دس شعر موجود ہیں جن کو مصنف نے "لمؤلّفہ" کے ذیل میں درج کیا ہے۔ اس غزل کے تین شعر اس کتاب کے رکن اوّل، باب سوم، فصل دوم

کے اختتام پر پائے جاتے ہیں جن کے شروع میں مولانا معین فرماتے ہیں" و فقیر ترا دریں باب معنے بخاطر گذشتہ چنانچہ فقیر تو گوید"۔

ہستی طلیعہ ایست ز نور وجود او
کونین شبنمے است ز دریائے جود او

دیوان میں صفحہ ۸۰ - ۸۱ پر یہ غزل درج ہے جس کے گیارہ بیت ہیں۔ معارج النبوۃ میں ابتداء مقدمہ فصل اول، تحمید السادس کے خاتمہ میں، یہ پوری غزل درج ہے اور ابتدا میں "لمؤلفہ" آتا ہے۔

پیش ازاں کاستاد فطرت فرش ایواں ساختہ
پایۂ قدرت فراز کون امکاں ساختہ

یہ غزل دیوان میں صفحہ ۸۱ اور ۸۲ پر ملتی ہے جس میں پندرہ اشعار ہیں۔ معارج النبوۃ کے مقدمہ فصل دوم، نعت دوازدہم میں اس غزل کے نو شعر نظر سے گزرتے ہیں۔ مصنف ان کے متعلق کہتا ہے۔ "قال مؤلف الکتاب ھدی اللہ طریق الصواب فی نعت"

اس سے زیادہ مثالیں بہم پہنچانا قارئینِ کرام کی زحمت کا موجب ہوگا ورنہ بیسیوں اور ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں مولانا معین الدین کے ہاں اور موجودہ دیوان میں وہی اشعار موجود ہیں بلکہ بعض وقت پوری پوری غزلیں عام ہیں۔ جب اس دیوان کی اس قدر غزلیں مولانا معین الدین کی ثابت ہوئی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم باقی غزلوں کو مولانا کی زادۂ طبع نہ مانیں اور کل دیوان کو انھیں کی طرف منسوب نہ کریں جس کے حقیقت میں وہ جائز مستحق ہیں"۔

حافظ محمود شیرانی صاحب کا مقالہ ختم ہوا

قارئین کرام کے سامنے اس پورے مقالہ کو پیش کرنے کی غایت و غرض یہ تھی کہ آپ حافظ محمود شیرانی صاحب کے تمام دلائل سے روشناس ہو جائیں اور آپ کی نظر سے وہ اشعار بھی گذر سکیں جو محمود شیرانی صاحب کو خواجہ صاحبؒ کے موجودہ دیوان اور بقول ان کے ملا معین ہروی کے سلسلہ میں ایک غیر مطبوعہ تذکرہ "مخزن الغرائب" میں نظر آئے ہیں۔

اس پورے مقالہ کی نگارش کے بعد جو حافظ محمود شیرانی صاحب نے خواجہ غریب نوازؒ کے کلام کی تردید میں لکھا ہے خود ہی فاضل نقاد نے اس مقالہ کا ماحصل یا اس کی تلخیص پیش کر دی ہے

اور وہ خود اس تلخیص کو دلائل کا نام دیتے ہیں۔ بقول شیرانی صاحب یہ دلائل مندرجہ ذیل ہیں :۔

ا۔ تاریخ خواجہ صاحب کی شاعری اور ان کے دیوان سے ناواقف محض ہے۔

۲۔ اس دیوان کی زبان خواجہ صاحب کے عہد کی زبان ہرگز نہیں بلکہ متاخرین کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ دیوان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی رو سے اس کا تعلق خواجہ صاحبؒ سے قائم کیا جائے۔

۴۔ دیوان سے اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا قائل کوئی واعظ ہے۔

۵۔ چونکہ داخلی شہادت سے اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کسی واعظ کا کلام ہے اس لئے ہمیں واعظین کے سلسلہ میں اس کے مصنف کی تلاش کرنا چاہیئے۔

ان دلائل پر نقد و تبصرہ سے پہلے یہ اعتراف ضروری ہے کہ حافظ محمود شیرانی صاحب اس برصغیر ہند و پاک میں پہلے ادیب ہیں جنھوں نے کلام معینؒ پر اس قدر تصریح کے ساتھ لکھا ہے ورنہ عموماً خواجہ غریب نوازؒ کے سوانح نگار حضرات نے شیرانی صاحب کے اس مقالہ کا حاصل یہ ایک جملہ لکھنے ہی پر اکتفا کی ہے کہ :۔

"یہ دیوان خواجہ معین الدین سنجری چشتیؒ کا نہیں ہے بلکہ ملا معین ہرویؒ صاحب معارج النبوۃ کا ہے۔"

ان سوانح نگاروں نے اس امر کی ذرا بھی زحمت گوارہ نہیں فرمائی کہ وہ اس قول کی صحت کو نقد و تبصرہ کی روشنی میں دیکھتے اور غور کرتے کہ اس قول میں کہاں تک صداقت ہے اور یہ معیار درایت پر پورا اترتا ہے یا نہیں، انھوں نے اپنی جگہ یہ سمجھ لیا کہ چونکہ حافظ محمود شیرانی صاحب نے یہ لکھ دیا ہے اور فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ کلام، خواجہ غریب نوازؒ کا کلام نہیں اس لئے یہی درست ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہم کو صاحب آب کوثر جناب ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب اور یوسف سلیم چشتی پر تعجب ہے کہ اِن دونوں حضرات نے بایں دیدہ وری تحقیق کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

"دیوان معین" کے ترجمہ کا کام اختتام پر پہنچتے ہی یہ کوشش شروع کی گئی کہ حافظ شیرانی صاحب کے اس قول کو درایت اور حقیقت کی کسوٹی پر کسا جائے اور مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔

حافظ شیرانی صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں پہلی اور تیسری دلیل کا تعلق خارجی دلائل سے ہے اور دوسری، چوتھی اور پانچویں دلیل کا تعلق داخلی دلائل سے ہے، اس لئے کلام معینؒ پر نقد و تبصرہ کو ہم نے بھی دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ یعنی خارجی دلائل اور داخلی دلائل سب سے پہلے ہم خارجی دلائل پر قلم اٹھاتے ہیں۔

شیرانی صاحب کی پہلی دلیل یہ ہے کہ "تاریخ خواجہ صاحبؒ کی شاعری اور ان کے

دیوان سے واقف نہیں"! حافظ صاحب کے لفظ تاریخ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے لفظ تاریخ سے مراد سیاسی یا ملکی تاریخ ہے یا ادبی تاریخ؟ ظاہر ہے کہ شاعری کے ثبوت کے لئے سے مراد تاریخ ادب ہی ہوسکتی ہے، سیاسی یا ملکی تاریخ اس سے مراد نہیں ہوسکتی، اور یہی حافظ شیرانی صاحب کی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ تاریخ ادبیات فارسی خواجہ صاحب کی شا اور ان کے دیوان سے واقف نہیں!

اس لئے ہم اس سلسلہ میں سب سے پہلے تاریخ ادبیات فارسی کی ورق گردانی کر ہیں۔ ہمارے ملک میں باقاعدہ تاریخ ادبیات کا آغاز مولانا شبلی کی شعر العجم، سخندانِ فا (آزاد) اور غیر ملکی مصنفین میں مشہور زمانہ مستشرق ایڈورڈ براؤن کی تاریخ ادبیات ایران ہوتا ہے، اس سے قبل تاریخ ادب کا بدل "تذکرے" ہوتے تھے، یہاں تک کہ اس برصغیر میں ا شعرا کے تذکرے، فارسی زبان میں لکھے گئے (نکات الشعرار، گلشن بیخار وغیرہ) اور اس برص پر کیا موقوف ہے خود ایران میں فارسی شعرا کی تاریخ یا تاریخ ادبیات، "تذکرۃ الشعرا" ہی جاتا تھا چنانچہ چہار مقالہ، آتش کدہ، مجمع الفصحاء وغیرہ فارسی شعرا کے ایسے تذکرے ہیں جو تاریخ میں آج بھی ایک مقام رکھتے ہیں۔

ایران ہو یا برصغیر ہند و پاکستان تاریخ ادب کا آغاز دونوں جگہ تیرھویں صدی میں ہوا اس سے قبل تذکرے ہی اس کا بدل سمجھے جاتے تھے، خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی شاعری چونکہ چھٹی صدی ہجری سے ہے اس لئے کسی تاریخ ادب سے اس کا ثبوت دریافت کرنا تو ایک بے حاصل ہے صرف تذکروں ہی پر نظر دوڑائی جاسکتی ہے۔

تذکرۃ الشعراء اور

دیوانِ معینؒ

اس برصغیر ہند و پاک میں فارسی شعرا کے جس قدر تذکرے تالیف ہوئے وہ سب سب بارھویں یا تیرھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں، دسویں یا گیارھویں ہجری میں مستند تذکرہ فارسی شعرا کا مرتب نہیں ہوا، ایسے مستند تذکروں میں، خزانہ عامرہ، مرتبہ آزاد بلگرامی اور "شمع سخن" مرتبہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم ہیں ان کے بعد قابل ذکر تذکرہ "رو مرتبہ مظفر علی ہے اور آخرالذکر تذکرہ تو اتنا مستند مانا گیا ہے کہ ایران میں مکتبہ رازی طہرا اس کو خاص اہتمام سے شائع کیا ہے ورنہ قارئین اچھی طرح جانتے ہیں کہ فارسی ادب میں ای

کسی غیر اہل زبان کو خطرے میں نہیں لاتے، تاریخ ادبیات کے سلسلہ میں جہاں انھوں نے شعرالعجم اور ایڈورڈ براؤن کی تاریخ ادبیات فارسی کو مستند سمجھا ہے اسی طرح اس تذکرے سے بھی انھوں نے پورا پورا اعتنا برتا ہے۔

اس برصغیر کے ان تین تذکروں میں جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے سب سے مقدم "خزانہ عامرہ" ہے، آزاد بلگرامی نے دیباچہ میں اس تذکرے کے تمام ماخذ تحریر کیے ہیں اور اس کے بعد انھوں نے ردیف وار شعراء کا دو دو چار چار سطروں میں ذکر کر دیا ہے اور چند اشعار بطور نمونہ پیش کر دیے ہیں۔

ردیف "م" کے تحت انھوں نے صرف معزی نیشاپوری، محتشم کاشی، مجدالدین ہمگر، میر حاج (؟ انسی)، محبیؔ لاہوری، مائلی تبریزی، مروی، ملک قمی، مسیح کاشی، ماہر اکبر آبادی میرزا مقیمائے، مخلص، متین اصفہانی، اور میرزا معزالدین اصفہانی کا ذکر کیا ہے یعنی ذکر معین سے یہ تذکرہ خاموش ہے، خواہ وہ ملا معین ہروی ہوں یا معین، خواجہ معین الدین اجمیری سنجریؒ۔

"خزانہ عامرہ" کے بعد تذکرہ "شمع انجمن" مرتبہ نواب صدیق حسن صاحب قابل ذکر ہے، یہ تیرہویں صدی ہجری کی تالیف ہے۔ سال تالیف ۱۲۹۲ھ ہے، یادگار شاعران روزگار اور داستان شائستہ اس کے تاریخی نام ہیں، شمع انجمن ۸، شعراء کے ذکرا، نمونۂ کلام پر مشتمل ہے۔ شمع انجمن میں ردیف "میم" کے تحت، معین شاعر کا ذکر اس طرح موجود ہے:۔

معین الدین سنجری چشتیؒ زبدۃ الاولیاء، قدوۃ الاصفیا است، از غایت شہرت محتاج ترجمہ نیست دیوانش بملاحظہ در آمد، چند بیت از آنجا است ؎

زپیش خویش برافگن نقاب دعویٰ را ببیں، بدیدۂ صورت جمال معنیٰ را

اے ترا بر طور دل ہر دم تجلاّے دگر طالب دیدار تو ہر لحظہ موسائے دگر

من چگویم کہ مرا ناطقہ مدہوش آمد بردلم ضابطۂ عشق فراموش آمد
نکتہ ہا دوش دلم گفت وشنید از لب یار نہ ہرگز بزباں رفت ونہ در گوش آمد

یہ منتخب اشعار وہی ہیں جو خواجہ چشتؒ کے موجودہ دیوان مطبوعہ نول کشور اور مجیدی میں موجود ہیں۔ شمع انجمن کے بعد اس برصغیر کے تذکروں میں قابل اعتبار تذکرہ "روز روشن ہے"۔

"روز روشن" کو اس برصغیر ہی میں قبول عام اور اعتبار کی سند حاصل نہیں رہی ہے

بئہ اس اہم تذکرہ کی قبولیت اور اس کے مستند ہونے کا یہ عالم ہے کہ کتاب خانہ رازی طہران نے رکن زادہ (ایرانی) کی نظرثانی کے بعد اس کو ۱۳۴۳ شمسی میں طہران سے شائع کیا ہے، گویا ایک اعتبار سے ہم اس کو انتشارات ایران ہی میں شمار کر سکتے ہیں یا بالفاظ دگر اس کو ایک ایرانی تذکرہ کہہ سکتے ہیں۔

شمع انجمن مرتبہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے خواجہ صاحب کے صاحب دیوان ہونے کا جو اقرار کیا ہے اور نمونہ کلام پیش کیا ہے اس کو میں پیش کر چکا ہوں۔ تذکرہ روزِ روشن میں تفصیل کے ساتھ معین کے تحت یہ صراحت موجود ہے گویا مختصراً سوانح بھی بیان کی گئی ہے۔

"حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری خلف الصدق خواجہ غیاث الدین بلخی سنجری است۔ تولد آنحضرت در شہر بلخ ونشو ونما در خراسان بودہ۔ بعد وفات والد ماجد خود خانہ واثاثہ را فروختہ بشوق تحصیل علم وفضل سوئے سمرقند وبخارا رخت کشید۔

در زمانِ دارائی رائے پتھورا بہ ہند شرف ورود ارزانی فرمود از برکت قدوم خواجہ بیخ کفر مستاصل گشت واصول اسلام در زمین ہند ریشہ دوانید وسادس رجب سنہ ثلث وثلثین وستمایہ (۶۳۳) بعمر نود وہفت سال بجوار رحمت ایزدی رسید۔

مزار فایض الانوارش در شہر اجمیر بجہت یزد ادو یتبرک بہ۔ دیوانے مختصر از ملفوظات آں قدوہ عرفا ر اکرام واسوہ اولیا ر عظام پیش نظر است وایں چند اشعار منتخب ازاں مختصر کہ در دوے جائے معین وجائے معینے تخلص می فرماید"۔

اس صراحت کے بعد مؤلف نے تقریباً ۸۰ اشعار بطور نمونہ کلام پیش کئے ہیں۔
در رہِ عشق - نگہ فصل بہار آید - دل بے غم - مژدگانے کہ مرا - راہ بکشاے این چہ نور است - تا ز خود بیگانہ گشتم آشنائی یافتم - آہ سوزاں کہ از جانِ غم آلود گذشت - اے کہ اندر معیں - یا معینے گفت ہر سو کے الفاظ سے غزل شروع ہوتی ہے۔
اشعار کے بعد موئلف نے متعدد رباعیاں بھی نقل کی ہیں ان میں ایک رباعی یہ ہے:-

عاشق ہمہ دم فکر رخ دوست کند   معشوق کرشمہ ای کہ نیکو ست کند
ما جرم وگنہ کنیم واو لطف وعطا   ہر کس چیزیکہ لایق اوست کند

خالص ایرانی تذکروں میں دولت شاہ کے بارے میں ابھی کچھ عرض کیا جا چکا ہے اگرچہ دولت شاہ سے پہلے بھی چہار مقالہ ایک تذکرہ ہی شمار کیا گیا ہے لیکن اس میں صرف ایک مقالہ

شاعری اور شعرا پر ہے اس اعتبار سے یہ قدیم ترین ایرانی تذکرہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ پانچویں صدی ہجری کی تالیف ہے اس لئے خواجہ صاحب کا بحیثیت ایک صوفی یا شاعر اس میں مذکور ہونے کا سوال ہی نہیں اس لئے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں چہار مقالہ اور دولتشاہ کے تذکرۃ الشعراء کے بعد مشہور اور مستند تذکرہ ابراہیم علی آذر کا آتش کدہ ہے [illegible] سال تالیف ۱۱۹۳ھ گویا یہ بارہویں صدی عیسوی کا ایک بہت ہی جامع تذکرہ ہے ہم اس کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

آتش کدۂ دورۂ صفویہ اور قاجاریہ کی نثری تالیفات میں ایک بلند پایہ حیثیت رکھتا ہے، اس کا مصنف ابراہیم علی المتخلص بہ آذر خود ایک لائق اور قابل احترام شاعر تھا، اس نے یہ تذکرہ چالیس سال کی عمر میں تصنیف کیا، یہ تذکرہ ہندوپاکستان اور ایران کے شعرائے نامی گرامی کے ذکر پر مشتمل ہے اور اس میں مصنف نے ۸۴۸ شعراء کا تذکرہ کیا ہے ہر شاعر کی مختصر سوانح حیات اور نمونہ کلام اس میں موجود ہے۔

تذکرۃ الشعراء میں صرف ایرانی شعراء کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں غیر ایرانی شعراء کا ذکر نہیں کیا ہے برخلاف "آتش کدہ" کے کہ یہ برصغیر ہندوپاک اور ایران کے شاعروں کے ذکر پر مشتمل ہے چنانچہ ہندوستان کے عظیم شاعروں میں وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کا ذکر زمرۂ شعراء میں کرتا ہے۔

مختصر سوانح حیات کے بعد صاحب آتش کدہ نے آپ کی یہ دو رباعیاں نقل کی ہیں :-

عاشق ہر دم فکر رخ دوست کند　　　معشوق کرشمہ کہ نکوست کند
با جرم و گنہ کنیم او لطف و عطا　　　ہر کس چیزیکہ لائق اوست کند

یہی رباعی بغیر تغیر الفاظ تذکرہ "روز روشن" میں بھی موجود ہے، میں بیشتر اس رباعی کو پیش کر چکا ہوں۔ صاحب آتش کدہ نے دوسری رباعی یہ پیش کی ہے :-

اے بعد نبی بر سر تو تاج نبی　　　اے دادہ شہاں زتیغ تو باج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالاتر شد　　　یک قامت احمدی زمعراج نبی　(منقبت حضرت علیؓ)

تذکرہ آتش کدہ کی مکمل عبارت یہ ہے :-

: ——— آتشکدہ صفحہ ۳۴۴ :- ہندوستان ——— دہلی

"خواجہ معین الدین چشتیؒ از اکابر صوفیہ و از سلسلہ علیہ چشتیہ و مرید او سلطان شمس الدین غوریؒ و سلطان شہاب الدین، و مرقدش در دیار اجمیر است و از وست"۔

لہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی مشہور تصنیف آب کوثر میں بھی یہی حوالہ نقل کیا ہے صفحہ ۲۰۹

اس صورت میں یہ کہنا کہ تاریخ (تذکرہ الشعرا اور تاریخ ادبیات) اس سلسلہ میں خام
ہے حرف غلط کی طرح باطل ہوجاتا ہے آپ کے سامنے تاریخ کے حوالے پیش کر دیئے گئے تذکرہ
انجمن، روز روشن، یہ دونوں تذکرے ہندی ہیں) ایران تذکروں میں آتش کدہ کی عبارت آ
نے ملاحظ فرمائی۔

اب ایک اور ایرانی تذکرہ کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے مشہور زمانہ تذکرہ مجمع الفصحا، مص
رضا قلی ہدایت یہ تذکرہ اتنا وقیع اور قابل اعتماد ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے جو ہندوستا
میں فارسی ادبیات کے واحد نقاد اور مبصر ہیں ، اور مستشرقین میں پروفیسر براؤن دونوں حض
نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے بیان کو مستند گردانا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے سلسلہ
صاحب مجمع الفصحا یوں رقمطراز ہے :۔

معین الدین چشتی از خواجگان سلسلۂ چشتیہ واز اصحاب سلطان شمس الدین
وشہاب الدین غوری، از آنجناب است۔ رباعی

سیل را نعرہ از آں ست کہ از بحر جدا ست ۔ وانکہ با بحر در آمیختہ خاموش
نکتہ ہا دوش بہم گفت و شنید از لب یار ۔ کہ نہ ہرگز بزباں رفت و نہ در گوش

ولہ

عاشق ہمہ روز فکر رخ دوست کند ۔ معشوق کرشمہ ای کہ نیکوست کند
ماجرم وخطا کنیم او لطف و عطا ۔ ہر کس چیز یکہ لائق اوست کند

درمدح شاہ اولیا علی صلواۃ اللہ

اے بعد نبی بر سر تو تاج نبی ۔ اے دادہ شہاں زتیغ تو باج نبی
آئی تو کہ معراج تو بالا تر شد ۔ یک قامت احمد ز معراج نبی

(رضا قلی ہدایت صفحہ ۱۲۴)

یہاں ہم نے سیر صوفیہ یا تذکرۃ الاولیا کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ نقد و
تقاضہ یہ ہے کہ جب ہم کسی شاعر کی شخصیت کو پیش کرنا چاہتے ہیں تو تاریخ ادبیات یا تاریخ
یا کسی تذکرہ ہی سے اس شخصیت کے بارے میں کچھ ثبوت پیش کر سکتے ہیں ورنہ اس کے خلاف اگر
کیا جائے تو وہ معیار نقد و نظر سے گری ہوئی بات سمجھی جائے گی۔ ہم نے جن تذکروں کا ابھی حوا
کیا اور جن پر ناقدین فن شاعری یا مورخین ادبیات فارسی کا اتفاق ہے وہ خزانہ عامرہ، شمع
روز روشن، ہندوستانی مصنفین کے مرتبہ تذکرۃ الشعرا ہیں اور فارسی مصنفین کے قا
تذکرے جن سے علامہ محمد حسین آزاد، علامہ شبلی، پروفیسر براؤن نے اپنی تحقیقاتی کتب میں

اس صورت میں یہ کہنا کہ تاریخ (تذکرہ الشعراء اور تاریخ ادبیات) اس سلسلہ میں خاموش ہے حرف غلط کی طرح باطل ہو جاتا ہے آپ کے سامنے تاریخ کے حوالے پیش کر دیئے گئے تذکرہ شمع انجمن، روز روشن، یہ دونوں تذکرے ہندی ہیں) ایران تذکروں میں آتش کدہ کی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

اب ایک اور ایرانی تذکرہ کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے مشہور زمانہ تذکرہ مجمع الفصحا، مصنفہ رضا قلی ہدایت یہ تذکرہ اتنا وقیع اور قابل اعتماد ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے جو ہندوستان میں فارسی ادبیات کے واحد نقاد اور مبصر ہیں، اور مستشرقین میں پروفیسر براؤن دونوں حضرات نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے بیان کو مستند گردانا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے سلسلہ میں صاحب مجمع الفصحا یوں رقمطراز ہے:۔

معین الدین چشتی از خواجگان سلسلہ چشتیہ واز اصحاب سلطان شمس الدین وشہاب الدین غوری، از آنجناب است۔ رباعی

سیل را نعرہ از آں ست کہ از بحر جداست — وانکہ با بحر در آمیختہ خاموش آمد
نکتہ ہا دوش بہم گفت و شنید از لب یار — کہ نہ ہرگز بزباں رفت و نہ در گوش آمد

ولہ

عاشق ہمہ روز فکر رخ دوست کند — معشوق کرشمہ ای کہ نیکوست کند
ما جرم و خطا کنیم او لطف و عطا — ہر کس چیزیکہ لائق اوست کند

در مدح شاہ اولیا علی صلواۃ اللہ

اے بعد نبی بر سر تو تاج نبی — اے دادہ شہاں ز تیغ تو باج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالاتر شد — یک قامت احمد ز معراج نبی

(رضا قلی ہدایت ص۱۲۴)

یہاں ہم نے سیر صوفیہ یا تذکرۃ الاولیا کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ نقد و تبصرہ کا تقاضہ یہ ہے کہ جب ہم کسی شاعر کی شخصیت کو پیش کرنا چاہتے ہیں تو تاریخ ادبیات یا تاریخ شاعری یا کسی تذکرہ ہی سے اس شخصیت کے بارے میں کچھ ثبوت پیش کر سکتے ہیں ورنہ اس کے خلاف اگر عمل کیا جائے تو وہ معیار نقد و نظر سے گری ہوئی بات سمجھی جائے گی۔ ہم نے جن تذکروں کا ابھی حوالہ پیش کیا اور جن پر ناقدین فن شاعری یا مورخین ادبیات فارسی کا اتفاق ہے وہ خزانہ عامرہ، شمع انجمن روز روشن، ہندوستانی مصنفین کے مرتبہ تذکرۃ الشعراء ہیں اور فارسی مصنفین کے قابل قدر تذکرے جن سے علامہ محمد حسین آزاد، علامہ شبلی، پروفیسر براؤن نے اپنی تحقیقاتی کتب میں استناد

کیا ہے اوران کو مستند تسلیم کیا ہے وہ چہار مقالہ، دولت شاہ سمرقندی کا تذکرۃ الشعراء ، آذر کا آتش کدہ ... اور مجمع الفصحاء ہے ان چھ تذکروں میں سے تین مستند تذکروں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رضی اللہ عنہ کے مکمل نام تخلص اور مختصر سوانح کے ساتھ نمونہ کلام درج ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ ان چھ تذکروں میں سے کتنے تذکرے ایسے ہیں جن میں مُلا معین ہروی صاحب معارج النبوت کا بحیثیت شاعر ذکر موجود ہے۔

تفحص اور جستجو کے بعد بھی جبکہ بحیثیت مجموعی ان تذکروں میں کم وبیش تین ہزار شعرا کا ذکر موجود ہے جن میں بہت سے ایسے ہیں کہ محض ان تذکرہ نگاروں کی بدولت سلک شعراء میں گمنامی کے پردے سے نکل کر شامل ہوگئے، کسی ایک جگہ بھی مُلّا معین ہروی کا نام موجود نہیں ہے کیا یہ اس امر کا ایک ناقابل تردید ثبوت نہیں کہ ملا معین ہروی شاعر نہیں۔ اور جب وہ شاعر ہی نہیں تو ان کا دیوان کیسا!!

آیئے اب یہ دیکھیں کہ زیر بحث شاعر یا صاحب معارج النبوۃ نے اپنے شاعر ہونے کے بارے میں کیا کہا ہے اور انھوں نے شاعری کا ادّعا کس حد تک کیا ہے۔ مُلّا معین ہروی کی تصانیف میں بعض ہندوستانی مصنفین نے "معارج النبوۃ" کا بار بار ذکر کیا ہے اور ان کی یہی ایک وہ کتاب ہے جو طبع اور شائع ہوئی ہے۔

حافظ محمود شیرانی صاحب جنھوں نے اس برصغیر میں خواجہ غریب نوازؒ کے دیوان کو متنازعہ فیہ مسئلہ بنادیا ہے، رقمطراز ہیں کہ ان کے پاس "معارج النبوۃ" کا نامکمل نسخہ موجود ہے وہ اگر زحمت فرماکر اپنے اس نامکمل نسخہ کے دیباچہ کو بہ امعان نظر مطالعہ فرماتے تو ان پر ظاہر ہوجاتا کہ خود ان کا مصنف یعنی ملا معین ہروی کو نہ ادّعائے شاعری ہے اور نہ صاحب دیوان ہونے کا زعم، پھر حافظ صاحب کس طرح ایک غیر شاعر کو شاعر بنا رہے ہیں اور خواجہ غریب نوازؒ کے دیوان کو اصل میں ملا معین کا دیوان بتاتے ہیں جبکہ وہ اپنے کسی دیوان کا ذکر نہیں کرتا۔ اگر ملا معین ہروی شاعر یا صاحب دیوان ہوتے تو جہاں "معارج النبوۃ" کے دیباچے میں انھوں نے اپنے تمام تصانیف کا ذکر کیا ہے، اور اپنے مسودات کے بیان سے بھی گریز نہیں کیا۔ یقیناً وہ اپنے دیوان یا اپنی شاعری کا ذکر کرتے کہ اس کے اظہار کے لئے اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں تھا۔ ہم ذیل میں معارج النبوۃ کے مقدمہ کے وہ مقامات پیش کرتے ہیں جہاں انھوں نے اپنی تصانیف کا ذکر کیا ہے ملاحظہ کیجئے!!

> فقیر بے بضاعت وحقیر بے استطاعت المعتصم بحبل اللہ المتین العبد الضعیف المتکین معین المسکین بلغ اللہ سناہ جعل جزاہ خیراً من اللہ بعد از اں کہ بمطالعہ کتب احادیث وسیر وتتبع روایات واسانید معتبر پرداختہ وبساط انبساط از برائے موعظت انام در قبتہ الاسلام ہرات (حمیت اللہ عن الآفات)
> انداخت ہر جمعہ بعلاز ادائے صلوٰۃ در مقصورہ جامع ہرات در مسند آباو اجداد

باوجود عدم استعداد سبیل افادہ و ارشاد سلوک می داشت و بر صفحات ضمایر ارباب بصائر بہ بیان تقریر نقوش و تفسیر قرآن و رقوم حقایق کشف عیاں می نگاشت۔[1]

مقدمہ معارج النبوت ص۶ مطبوعہ بمبئی)

لفظی ترجمہ

"یہ بے مایہ اور بے استطاعت فقیر جو اللہ کی مضبوط رسی کو اپنا چنگل میں پکڑے ہوئے ہے یعنی بھروسہ کرنے والا کمزور بندہ، جو مسکین معین کے نام سے موسوم ہے (اللہ تعالیٰ اس کو آرزوں سے ہمکنار کرے اور اس کا انجام بہتر کرے اور اس کو جزا ے خیر دے) جب کتب احادیث وسیر وروایات اور اسانید معتبر کے مطالعہ سے فارغ ہوا اور اس نے خوشی کی بساط عوام کی موعظت ونصیحت کے لئے شہر ہرات ہیں (اللہ تعالیٰ اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے) بچھائی تو ہر نماز جمعہ کے بعد ہرات کی جامع مسجد میں عدم استطاعت کے باوجود اپنے آباد اجداد کی مسند پر بیٹھ کر افادہ وارشاد کا طریقہ جاری رکھا اور ہوشمند لوگوں کے دلوں پر تفسیر قرآن اور حقایق کی رقوم کو عیاں کرنا شروع کیا۔"

اس کے بعد وہ اپنی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"وچوں از مجلس عام بخلوت خاص می پرداخت بقیۃ الایام را بارقام نفائس الکلام وعرائس الاقلام مصروف می ساخت تا چند نسخہ از درر لطایف عبارات وغرر شرائف اشارات درسلک انتظام منتظم گردید از جملہ یکے تفسیر الدرر مشتمل بہ چند دفتر دیگر اربعین مسمی بہ روضۃ الواعظین فی احادیث سید المرسلین چہار مجلد ست ودیگر بعضے بیض و بعضے ازاں ہنوز مسودہ باچند رسالہ دیگر از شرائف الاوقات وقصص التنزیل ومجالس مرتبہ درتذکیر وغیرہ آں مرقوم گشت۔" مقدمہ معارج النبوت ص۶ مطبوعہ بمبئی

اس سلسلہ میں وہ معارج النبوت کی تصنیف وتالیف اور اس کا سن تصنیف بھی بیان کرتے ہیں۔

"بنا بر اشارات شریفہ ایں فقیر حقیر بر اں امر خطیر اقدام نمودہ در غرہ شہر ربیع الاول ۸۹۱ھ (احدی وتسعین وثمانمایۃ) بنیاد ایں بنیان عالی ارکان بر اساس تقریر و بیان مبتنی گردانید۔"

ترجمہ:۔ جب مجلس عام سے فارغ ہو کر میں خلوت خاص میں پہنچتا تو اپنے باقی دنوں کو (وقت سے مراد ہے) نفیس کلام اور قلم کی عروسوں کو سنوارنے میں مصروف رکھتا۔ آخر کار چند نسخے عمدہ عبارتوں کے موتیوں کے اور اعلیٰ و روشن اشارات کے انتظام کی لڑی میں پرو دئیے گئے، منجملہ ان تصانیف:۔

[1] اقتباس از دیباچہ معارج النبوۃ۔

کے ایک تفسیر الدُّرر ہے جو چند دفتر وں پر مشتمل ہے دوسرے اربعین نامی کتاب ہے جو روضۃ الواعظین فی احادیث سید المرسلین کے نام سے چار جلدوں میں ہے اور بعض تصانیف مبیّض (صاف کیا ہوا مسودہ) ہو چکی ہیں اور بعض ابھی تک مسودوں کی صورت میں ہیں، ان مذکورہ کتب کے علاوہ چند رسالے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات شریف، قصص قرآن اور مجالس پاک کے سلسلہ میں مرتب کئے۔

ان حضرات کے ارشادات کے بموجب اس حقیر فقیر نے اس امر خطیر پر قدم بڑھایا اور غرہ ماہ ربیع الاول ۸۹۱ھ (احدی وتسعین وثمانمایۃ) میں اس بلند ارکان والی عمارت کی بنیاد رکھی۔

ص۶ مقدمہ معارج النبوۃ مطبوعہ بمبئی۔

مُلّا معین ہروی نے ایک بار پھر مقدمہ کے آخر میں بہ تقریب عنوان و انتساب اپنی تصانیف کا ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں :-

"از جملہ تالیفات مجدّدہ و تصنیفات مشیّدہ فقیر کہ در نسخہ مرقوم کلک بنان و منظوم سلک بیان گشتہ بغایت خجستہ پیکر یکے در تذکیر دیگرے در سیر ......

یکے اربعین مسمیٰ بہ روضۃ الواعظین در شرح احادیث سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) و دیگرے معارج النبوت" ص۸ مقدمہ معارج النبوت مطبوعہ بمبئی۔

ترجمہ:- میری عظیم اور اعلیٰ مرتبت تصانیف میں یہ دو کتابیں جو بیان کی سلک میں پروئی گئی ہیں اور قلم نے جن کو تحریر کیا ہے، ہیں یہ دونوں کتابیں بہت ہی خجستہ پیکر ہیں ایک اربعین مسمی بہ روضۃ الواعظین جو احادیث سید المرسلین کی شرح میں ہے اور دوسری معارج النبوۃ۔ مقدمہ معارج النبوت ص۸

انصاف شرط ہے کہ خود مصنف اپنی تصانیف کی فہرست پیش کر رہا ہے اور جس قدر تصانیف اس کے قلم سے نکل چکی ہیں ان کا ذکر کر رہا ہے اور ان کے بیان میں کسی قسم کی تواضع یا شرم سے کام نہیں لیتا اور صرف شرم کرتا ہے تو اپنے دیوان (مجموعہ کلام) کے ذکر سے جس کے صدہا اشعار معارج النبوۃ کے مقدمہ میں موقع بہ موقع پیش کئے ہیں۔

غور فرمائیے اس محل اور موقع پر ایسا کون سا مصنف یا مؤلف ہے جو از راہ انکسار اپنی متاع گراں بہائے شاعری کا ذکر نہ کرے اور یونہی اس منزل سے گذر جائے۔ قارئین کرام پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی ہو گی کہ صاحب معارج النبوت شاعر ہی نہیں ورنہ وہ اپنے دیوان کا ضرور ذکر کرتا۔ بلکہ اس کے برعکس حضرت خواجہ غریب نوازؒ شاعر اور صاحب دیوان ہیں۔

جنبہ داری پر کمربستہ حضرات شاید یہ کہیں کہ بطور تواضع اور انکسار صاحب معارج نے اپنے شاعر ہونے کا ادّعا نہیں کیا تو عقل سلیم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں، انھوں نے تو اپنے مسودات تک کا ذکر

کر دیا ہے۔ اس صورت میں وہ ہزاروں اشعار پر مشتمل دیوان کا جو باعتبار شاعری بھی بہت گرانمایہ ہے کس طرح ذکر نہ کرتے جبکہ ان سے بلند ترین مقام رکھنے والی ہستیوں نے اپنی تصانیف کے سلسلہ میں کبھی عجز و انکسار سے کام نہیں لیا۔ حضرت مرشدی و مولائی علی ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جو چوتھی صدی ہجری کے اکابرین صوفیا میں سے ہیں اور ہند و بیرون ہند ان کی زندگی ہی میں ان کی شہرت ہو چکی تھی اپنی مایۂ ناز تصنیف "کشف المحجوب" میں جہاں کمال شعری کے اظہار کا موقع نہیں تھا اس کا اظہار فرما ہی دیا اور اپنے دیوان کے چوری ہو جانے پر تاسف فرمایا اور کشف المحجوب میں اسم گرامی کو مع ابوّت بار بار لانے کی توجیہ اس طرح فرمائی کہ اس صورت میں دیوان کی طرح "کشف المحجوب" کا کوئی سرقہ نہیں کر سکے گا تو مُلا معین صاحب کو کونسا امر مانع تھا کہ انھوں نے اپنی ان شعری کاوشوں کا جو سراپا رموز طریقت و معرفت اور عشق و محبت کا ایک شعلۂ ملتہب ہیں ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ ان حقایق کی روشنی میں مُلا معین الدین ہروی صاحب معارج النبوۃ کو کس طرح شاعر اور صاحب دیوان کہا جا سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نام اور خواجہ صاحب کے نام اور تخلص کی یکرنگی نے جامع معارج النبوت کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ دوسرے شعرا کے اشعار درج کر کے کہیں مؤلفہ، کہیں مؤلفؒ کہیں لمؤلف غفرلہٗ لکھ دیا اور بعض حضرات نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دیوان میں ان اشعار کو موجود پا کر جو معارج النبوۃ میں بطور حسن انشاء ایراد و مندرج تھے یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ خواجہ اجمیری کا موجودہ دیوان ان کا دیوان نہیں بلکہ مُلا معین ہروی کا دیوان ہے حالانکہ سرقہ یا توارد میں تقدم اور تاخر زمانی کو بڑا دخل ہے سرقہ کا الزام ہمیشہ مؤخر ہی کے سر آتا ہے۔

اس مقام پر پہنچکر میں معترضین کے اس نکتہ کو دیانت کے ساتھ ضرور پیش کروں گا کہ ایسے معترضین کہتے ہیں کہ اگر موجودہ دیوان خواجہ صاحب کا دیوان ہے تو اس کا ثبوت ساتویں صدی ہجری کے حوالوں سے دیا جائے ایسے حضرات یہ کہتے وقت شاید بھول جاتے ہیں کہ بارہویں ہجری تک طباعت کا رواج اس برصغیر میں نہیں ہوا تھا۔ اور اس برصغیر ہند و پاک ہی پر کیا منحصر ہے ایران میں بھی مخطوطات کا یہی عالم ہے، شاہنامہ جیسی عظیم کتاب جو ایران کی سب سے اول قومی منظوم تاریخ ہے مدتوں گمنامی کے گوشے میں پڑی رہی، دکتر رضا زادہ شفق شاہنامہ کے قلمی نسخہ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"ازاں جملہ بود الغ بیگ کہ دانش منداں را تشویق نمود و میل و استعداد بے نسبت بعلم نجوم نشاں داد و خود زیچے ساخت، بایسنقر برادر الغ بیگ نیز ذوق مخصوص ادبی داشت و اشعار و آثار فارسی را بدقت و ہوس مطالعہ می نمود و مجلس او ہموارہ مجمع شعرا و

و مورخین و خوشنویساں و نقاشان ایران بود، همو بود کہ امر کرد نسخہ ای از شاہنامہ را برگرد
او آساخ کردند و مقدمہ مفید برآں نوشتند و امروز قدیم ترین نسخہ معروف شاہنامہ
کہ در دست است ہماں نسخہ بایسنقری است کہ سال ہشتصد و بیست و نہ (۸۲۹ھ) تحریر یافتہ"

ترجمہ:- ان حضرات میں سے ایک الغ بیگ بھی تھے جو دانش مندوں میں شوق علمی پیدا کرتے۔ الغ بیگ کو علم نجوم سے بہت شوق تھا انھوں نے خود جنتری بھی مرتب کی۔ بایسنقر جو الغ بیگ کے بھائی تھے خاص ادبی ذوق کے مالک تھے، فارسی ادبیات پران کی گہری نظر تھی۔ ان کی مجلس ہمیشہ شاعروں، مؤرخوں خوشنویسوں اور نقاشوں سے آراستہ رہتی، یہی ذات تھی جس کے حکم سے شاہنامہ کے نسخے کی نقل کی گئی اور مفید مقدمہ اس پر لکھا گیا، آج یہی نسخہ شاہنامہ کا قدیم ترین نسخہ ہے (جو نسخہ بایسنقری سے مشہور ہے) جس کی نقل ۸۲۹ھ میں لکھی گئی۔

غور کیجئے کہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ کے لگ بھگ مکمل ہوا

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار — کہ گفتم من این نامۂ شاہوار (فردوسی)

اور آج اس کا قدیم ترین نسخہ جو دستیاب ہے ۸۲۹ھ کا ہے۔

اس برصغیر کی سینکڑوں نامور ہستیوں کے ادبی اور علمی شاہپارے اس عدم طباعت کے باعث دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئے صرف مخطوطات ہی تک ان کی زندگی محدود رہی، چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلے "معارج النبوۃ" کا وجود ہی مشکوک ہو جاتا ہے کہ اس کی پہلی اشاعت، تیرہویں صدی ہجری میں ہوئی اور بمبئی کے مشہور مطبع سے ۱۸۹۱ء میں اس کتاب کا پہلا اڈیشن شائع ہوا تب کہیں یہ عوام کے ہاتھوں تک پہنچ سکی انیسویں صدی عیسوی تک معارج النبوت کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا اس لئے کہ وہ صرف ایک مخطوطہ کی شکل میں رہی ہو گی۔ مصنف کا تعلق عہد مغول سے ہے، تاریخ ادبیات ایران دیکھئے ایسے تمام مخطوطات جن کو قبول عام حاصل تھا، نقل ہو ہو کر دیار و امصار میں پھیل گئے تھے۔ ذیل کی تشریح سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ صاحب معارج النبوت کی یہ پاکیزہ اور گرانمایہ تصنیف گوشہ خمول میں تھی اور کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا جبکہ اس عہد کی موضوع وار کتب کا ذکر ادبیات فارسی یا ادبیات ایران کی تاریخوں میں موجود ہے! ڈاکٹر رضا زادہ شفق نے اپنی بیش قیمت تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" میں موضوع وار اس دور کی [illegible] کا تعلق ملا معین ہروی سے ہے) تصانیف کو اس طرح پیش کیا ہے۔

ادبیات منثورۂ دورۂ مغول

کتب تاریخی:- تاریخ طبری، تاریخ بیہقی، زین الاخبار، راحت الصدور، جہاں کشا،

طبقات ناصری، تاریخ یمینی، جامع التواریخ، تاریخ وصاف، تاریخ گزیدہ، زبدۃ التواریخ، مجمل فصیحی، (تالیف فصیحی خوافی)۔ مطلع السعدین (تاریخ) تاریخ ہرات (تالیف معین الدین اسفزاری) ظفرنامہ اور روضۃ الصفا ہے (جس کے بارے میں مجملاً ہم پہلے عرض کر چکے ہیں)۔

۲۔ تاریخ شعراء، عروض ۔

لباب الالباب (تالیف محمد عوفی) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، المعجم (تالیف محمد بن قیس رازی)

۳۔ ترجمہ و شرح حال (سیرۃ)

نفحات الانس (جامیؒ)، مجالس العشاق۔ روضۃ الشہداء (مُلا حسین واعظ) رشحات۔

۴۔ اخلاقی :۔

اخلاق ناصری، اخلاق جلالی، اخلاق محسنی (تالیف حسین واعظ کاشفی جو ابوالغازی سلطان حسین کے نام پر معنون کی گئی)۔ انوار سہیلی (تالیف واعظ کاشفی)۔

علم تصوف پر عربی زبان میں عوارف المعارف اور فن تفسیر میں قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل اس دور کے ادبی کارنامے ہیں۔

یہ ہے موضوع وار فہرست اُن تالیفات کی جو دورۂ تیموریہ و صفویہ میں مرتب ہوئیں۔

ہم نے اس دور کی تمام تصانیف کی موضوع وار فہرست پیش کر دی ہے، ان تمام تصنیفات و تالیفات میں معارج النبوت یا صاحب معارج النبوت کا ذکر نہیں۔ صاحب آتش کدہ بھی مولانا معین کے ہم عصر ہیں وہ بجائے مولانا معین ہروی کے حضرت خواجہ خواجگان چشت کو شاعر تسلیم کرتے ہیں ان کا مختصراً ذکر کر کے ان کا نمونہ کلام بھی پیش کرتے ہیں یہی حال مجمع الفصحا کا ہے کہ معین ہروی کا ذکر اس میں موجود نہیں ہے لیکن خواجہ غریب نواز کو بحیثیت شاعر اس میں بھی پیش کیا گیا ہے اور نمونہ کلام میں وہ اشعار بھی آئے ہیں جو صاحب آتش کدہ نے بطور نمونہ نہیں دئے تاکہ اس کو کورانہ تقلید نہ کہا جا سکے۔

صاحب آتش کدہ لطف علی آذر اور مجمع الفصحا کا مصنف خواجہ خواجگان چشتؒ کا کوئی ہندی عقیدت مند نہیں ہے یہ دونوں حضرات فارسی ادب و تاریخ کے ایرانی نژاد نقاد ہیں مولانا شبلی مرحوم نے قدم قدم پر ان ہی دونوں کا سہارا شعر العجم میں لیا ہے، آج بھی تاریخ ادب میں یہ دونوں تذکرے بلند مقام رکھتے ہیں اور آج بھی ان کی روایت اور سند مشکوک نہیں ہے۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ان کے بیان کو قابل تسلیم نہیں گردانا جاتا اور ایک غلط راستہ اختیار کر کے معارج النبوت میں خواجہ چشتؒ کے اشعار کا موجود نہ ہونا، اس امر کی دلیل بنا لیا جائے کہ خواجہ صاحب کے نام سے موسوم دیوان در اصل مُلا معین کا دیوان ہے اور ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ ان دو ہستیوں میں ایک ہستی وہ ہے جس کو بحیثیت شاعر تاریخ ادب (تذکرے) تسلیم

کرتے ہیں (یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ) اور دوسری ہستی وہ ہے جس کو نہ خود ادعائے شاعری نہ وہ اپنے دیوان کا مدعی (جیساکہ مولانا معین ہروی کی تصانیف خود ان کے بیان کے مطابق پیش کی جاچکی ہے) اپنی تصانیف میں دیوان کا کہیں ذکر نہیں کرتا اور نہ تاریخ ادب (ادبیات فارسی) اس کو شاعر تسلیم کرتی ہے۔

خارجی شواہد میں اس سے زبردست شہادتیں اور کیا پیش کی جاسکتی ہیں کہ مولانا معین ہروی یا انفراہی کا ایک عظیم ہم عصر یعنی صاحب آتش کدہ ان کو شاعر تسلیم نہیں کرتا اور خواجہ غریب نواز کو شاعر تسلیم کرتا ہے ان کے دیوان سے وہ نمونہ کلام پیش کرتا ہے جو پیش نظر دیوان میں موجود ہے اب یہ کہنا کہ چار سو سال تک خواجہ صاحب کے دیوان سے دنیا سے واقف نہیں ہوئی ایک مغالطہ ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ صاحب آتش کدہ اپنے ایک ہم عصر سے ناواقف ہے اور ہزاروں کوس کے فاصلہ پر ایک غیر ملک میں بود و باش رکھنے والے ولی اللہ (حضرت خواجہ غریب نوازؒ) سے واقف اور ان کے کلام کا ناقل ہے ظاہر ہے کہ دیوان خواجہ یا کلام خواجہ اس کے پیش نظر تھا، اسی طرح صاحب مجمع الفصحا نے بھی آپ کا کلام دیکھا جس کے باعث وہ صاحب آتش کدہ کے دئے ہوئے نمونے کے علاوہ بھی نمونہ کلام پیش کرتا ہے جیساکہ اس سے قبل ان دونوں تذکروں کی عبارات کے ساتھ پیش کیا جاچکا ہے۔

ان شواہد کی موجودگی میں اب کونسا امر مانع ہے کہ ہم معین ہروی کو شعراء کے زمرے سے خارج کرکے یہ یقین نہ کریں کہ موجودہ دیوان معینؒ نہ کبھی معین ہروی کے نام سے موسوم ہوا اور نہ آج ہے بلکہ یہ حضرت غریب نوازؒ کا جس طرح پہلے کلام معرفت نظام تھا اسی طرح آج بھی ہے۔

تاریخ ادبیات کے سلسلہ میں ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی "تاریخ ادبیات ایران" سے جابجا حوالے سپرد قلم کئے گئے ہیں شاید کورانہ تقلید کی راہ پر چلنے والے یہ کہیں کہ ایک ایرانی مصنف کے شواہد پیش کئے گئے لیکن ہندوستان کے مشہور محقق ادبیات فارسی یعنی مولانا شبلی کو نظرانداز کردیا گیا!!

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ علامہ شبلی کے پیش نظر شعر العجم کی ترتیب کے وقت یہی قدیم تذکرے اور فارسی ماخذ تھے انھوں نے جابجا شعر العجم میں لباب الالباب، آتش کدہ اور مجمع الفصحاؒ کے حوالے دئے ہیں اور ان کو مستند گردانا ہے۔

آئیے شعر العجم کی بھی ورق گردانی کرلیں شاید مولانا معین کا ذکر ان کے معاصر نہ کرسکے ہوں اور ہندوستان کے نقاد کو کہیں سے ان کا سراغ مل گیا ہو۔

شعر العجم کی پہلی جلد عباس مرزوی سے شروع ہوکر حضرت نظامی گنجوی پر ختم ہوتی ہے اس جلد

لہ مقالہ محمود شیرانی۔

یں مولانا شبلیؒ نے ان شعراء کا ذکر کیا ہے :۔ رودکی، عنصری، فرخی، فردوسی، اسدی طوسی منوچہری، دامغانی، حکیم سنائی، عمر خیام، انوری اور نظامی گنجوی۔

دوسری جلد خواجہ فریدالدین عطارؒ سے شروع ہوتی ہے اور حافظ و ابن یمین پر ختم ہوتی ہے ان میں جن شعراء کا ذکر کیا ہے ان میں سے بہت سے شعراء مولانا معین ہروی کے معاصرین ہیں اگر بحیثیت شاعر مولانا ہروی کا ذکر کا امکان تھا تو اسی جلد میں ہو سکتا تھا۔ اس جلد دوم میں مندرجہ ذیل شعراء پر علامہ نے نقد و تبصرہ کیا ہے۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ۔ کمال اسمٰعیل، شیخ سعدیؒ، امیر خسرو دہلوی، سلمان ساوجی، خواجہ حافظ اور ابن یمین :۔ یہ جلد ساتویں صدی ہجری سے نویں ہجری کے اختتام تک کے شعراء پر مبنی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ اس فہرست میں کہیں مولانا معین ہروی کا بحیثیت شاعر ذکر نہیں ہے۔

شعر العجم سے مایوس ہو جانے کے بعد ہمارے پاس آخری دستاویز صرف براؤن کی تاریخ ادبیات ایران ہے۔ پروفیسر براؤن اپنی مشہور زمانہ تاریخ ادبیات ایران جلد سوم میں باب سوم کا آغاز اس عنوان سے کرتے ہیں :۔

تیمور کی وفات کے بعد سے صفوی خاندان کے آغاز تک[1]

۸۰۷ھ تا ۹۰۷ھ

مطابق

۱۴۰۵ء تا ۱۵۰۲ء

یہی دور اور زمانہ ہے جس میں ہم مولینا (مُلّاؒ) معین ہروی یا فراہی صاحب معارج النبوۃ کو تلاش کر سکتے ہیں اس لئے کہ ملا معین ہروی ۸۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور بقول صاحب حبیب السیر ۹۰۷ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان کا تعلق جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے ابو الغازی سلطان حسین (۸۷۸ھ تا ۹۱۱ھ مطابق ۱۴۷۳ء تا ۱۵۰۶ء) کا زمانہ علم و فن کی ترقی کے لئے ایک یادگار زمانہ ہے اور صاحب حبیب السیر کے قول کے مطابق ملا معین اس کی حکومت میں بعہدہ قضا ہرات[2] میں مامور تھے۔

پروفیسر براؤن آخر میں عہد تیموریہ کے نثر نگاروں کے تحت عنوان سب سے پہلے حبیب السیر کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"بایں طور تاریخ حبیب السیر ہر دور حکومت (سابقہ) اور تاریخی ادوار کے مہتم بالشان شعراء اور نثر نگاروں کی سوانح حیات کی ایک کتابیات ہے"۔

---

[1] طباعت کی دشواری کے باعث انگریزی عبارت کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے ورنہ اصل کتاب انگریزی زبان میں ہے۔

[2] ہرات ابو الغازی سلطان حسین کا دار السلطنت تھا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ پروفیسر براؤن نے حبیب السیر کا وصف خاص یہ قرار دیا ہے کہ اس میں تمام قابل ذکر شعراء اور نثر نگاروں کا طبقہ وار یا ادوار ادبی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ مولینا معین ہروی کے سلسلہ میں پچھلے اوراق میں حبیب السیر کا تفصیلی حوالہ اصل عبارت میں پیش کیا جا چکا ہے اگر ملا معین ہروی شاعر ہوتے تو نا ممکن تھا کہ ایک قابل اعتماد تاریخ ادب اور سیرت کی کتاب (یعنی حبیب السیر) ان کو فراموش کر دیتی جبکہ صاحب حبیب السیر مصنف کا ہم عصر بھی ہے نیز صاحب حبیب السیر نے ان کو ایک قابل ذکر نثر نگار گردانتے ہوئے ان کا تذکرہ بحیثیت نثر نگار اپنی تصنیف میں کیا بھی ہے ہر چند کہ وہ ان کی واحد تصنیف "معارج النبوۃ" کے سلسلہ میں مشکوک ہے۔ حبیب السیر کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ "جلد چہارم صفحہ ۳۴۰"

"از آثار قلم لطائف نگار مولانا معین الدین معارج النبوۃ درمیان مردم مشہور است"

کیا ان الفاظ سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ صاحب حبیب السیر نے لوگوں سے ان کی اس تصنیف کے بارے میں سُنا ہے خود اس کو معارج النبوۃ کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا، اس صورت میں مولینا ہروی کی حیثیت بطور نثر نگار بھی مشکوک ہے، چلئے ہم اس کو تسلیم کئے لیتے ہیں کہ "درمیان مردم مشہور است" سے خوندمیر کی مراد یہ ہے کہ ان کی یہ تصنیف لوگوں میں بہت زیادہ مقبول و مشہور ہے لیکن یہ تو قارئین کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ تاریخ ادبیات میں ان کو بحیثیت نثر نگار ذکر کرنے والا صرف خوندمیر صاحب حبیب السیر ہے، لیکن وہ بھی ان کا شاعر ہونا تسلیم نہیں کرتا ورنہ جہاں ان کا وصف نثر نگاری بیان کیا گیا تھا وہاں بطور شاعر ان کا ذکر کرنے میں کونسا امر مانع تھا، حقیقت یہ ہے کہ ملا معین ہروی کی شاعری کی تردید میں یہی سب سے بڑا ثبوت ہے اور اس ثبوت کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ معارج النبوۃ کے مقدمہ کے تمام ایسے اشعار جو معین کے تخلص کے ساتھ ابرا دہیں الحاقی ہیں اور ان کا تعلق معین ہروی سے نہیں لیکن ہم اس بحث کو ابھی ختم کرنا نہیں چاہتے اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔

پروفیسر براؤن نے حبیب السیر کو قابل اعتنا سمجھا ہے لیکن وہ جب اس دَور کے نثر نگاروں کو بیان کرتے ہیں تو ان میں مولینا ہروی کا ذکر نہیں کرتے۔ براؤن نے ابوالغازی سلطان حسین کے معاصرین نثر نگار اور ان کی جو تصانیف پیش کی ہیں وہ یہ ہیں :-

مصنف	تصنیف
۱- میر علی شیر نوائی (وزیر دربار سلطان حسین)	مجالس النفائس (ترکی زبان میں)
۲- جلال الدین دوّانی	اخلاق جلالی
۳- سعد الدین مسعود تفتازانی	مطول و المختصر

تصنیف	مصنف
زبدۃ التواریخ سلطانی	۴۔ خواجہ نورالدین لطف اللہ
مجمل فصیحی	۵۔ فصیحی الخوافی
نفحات الانس۔ شرح کافیہ (شرح ملاجامی)	۶۔ جامی (عبدالرحمٰن)
مطلع السعدین	۷۔ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی
روضۃ الجنات فی تاریخ مدینۃ الہرات	۸۔ معین الدین محمد اسفرازی
روضۃ الصفا	۹۔ محمد خوندشاہ بن محمود المعروف بہ میرخوند
خلاصۃ الاخبار۔ حبیب السیر	۱۰۔ خوند میر (نبیرۂ میرخوند)

سوانح نگار حضرات

مجالس النفائس (ترکی زبان سے فارسی میں ترجمہ)	۱۔ میر علی شیر نوائی
بہارستان۔ نفحات الانس	۲۔ حضرت جامی
مجالس العشاق	۔ ابوالغازی سلطان حسین (بادشاہ ہرات)
روضۃ الشہدا	۴۔ حسین واعظ کاشفی
رشحاتِ عین الحیات	۵۔ علی بن حسین واعظ کاشفی
تذکرۃ الشعرا (تذکرہ دولت شاہی)	۶۔ دولت شاہ سمرقندی
تحفہ سامی	۷۔ شاہزادہ سام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی

مندرجہ بالا مصنفین کے مختصر تعارف اور ان کی تصانیف پر سرسری بحث کے بعد ہم اگلا یہ عنوان قایم کرتے ہیں

"مذہب، تصوف اور فلسفہ پر لکھنے والے حضرات"

اس عنوان کے تحت پروفیسر براؤن نے مندرجہ ذیل حضرات کا ذکر کیا ہے:۔

۱۔ مواہب عالیہ (تفسیر قرآن) جو میر علی شیر نوائی کے نام پر معنون ہے۔	۱۔ مولینا حسین واعظ کاشفی
۲۔ اخلاق محسنی۔	
۳۔ جواہر التفسیر	

تصنیف	مصنف
اخلاق ناصری	۲۔ نصیر الدین طوسی
اخلاق جلالی	۳۔ جلال الدین دوانی
جواہر الاسرار۔ لوامع۔ اشعۃ اللمعات	۴۔ مولینا جامی (عبدالرحمٰن)

اسی باب سوم کی فصل ہشتم کے تحت براؤن نے یہ عنوان قایم کیا ہے۔

"آخریں عہد تیموریہ کے شعرا"

اس عنوان کے تحت انھوں نے مندرجہ ذیل شعرا کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ سید نعمت اللہ کرمانی المعروف بہ شاہ نعمت اللہ (المتوفی ۸۳۴ھ مطابق ۱۴۳۱ء)

۲۔ قاسم الانوار تبریزی (المتولد ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۳۶ء)

۳۔ کاتبی نیشاپوری (المتوفی ۸۳۸ھ مطابق ۱۴۳۸ء)

میر علی شیر نوائی نے مجالس النفائس میں ان کو اپنا معاصر لکھا ہے لیکن مصنف کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ کاتبی کا دیوان تین ہزار غزلوں قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔

۴۔ عارفی ہراتی — مصنف حال نامہ یا مثنوی گوئے وچوگان (المتولد ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۹ء)

۵۔ حضرت جامیؔ — دیوان غزلیات، مجموعہ مثنویات یعنی سلسلۃ الذہب سلامان والبسال تحفۃ الاحرار۔ سبحۃ الابرار۔ یوسف زلیخا۔ لیلیٰ مجنوں اور خرد نامۂ سکندری۔

۶۔ نظامی گنجوی — خمسہ نظامی (پانچ مثنویاں)

اس عظیم شہادت کے بعد ایک اور صراحت ضروری ہے۔ پروفیسر براؤن نے ابوالغازی سلطان حسین کے دربار کے وزیر فاضل میر علی شیر نوائی کی گرانمایہ کتاب "مجالس النفائس" کو اپنی تاریخ میں اس عہد کا ایک ادبی کارنامہ شمار کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے میر علی شیر نوائی کی مجالس النفائس پر تفصیلی بحث کی ہے اور وضاحت سے اس کے ہر ایک باب پر روشنی ڈالی ہے۔ براؤن لکھتا ہے۔

" مجالس النفائس مشرقی ترکی کی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب جس کا ایک اعلیٰ قلمی نسخہ میرے پاس ہے ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء میں سمرقند میں ترکی کے اصل نسخہ سے نقل کی گئی، مجالس النفائس ۸۹۶ھ (۱۴۹۰ء) میں تالیف ہوئی یہ ایک دیباچہ اور آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول :۔ اس باب میں ان شعرار کا ذکر ہے جن سے مصنف کی ملاقات نہ ہو سکی یا اس تالیف سے قبل وہ وفات پا چکے ان میں سب سے اہم شاعر قاسم الانوار ہے جس نے ۸۳۵ھ میں انتقال کیا یعنی علی شیر نوائی کی ولادت سے نو سال قبل[1] دوسرے شعرا جن کا اس باب میں ذکر ہے اظہری، اسفرازی کاتبی، خیالی، لبساطی، (سمرقندی) سیبک، قدسی، طوسی، بابا سادائی، بدخشی، طالب، جاجارمی۔ عارف، مسیحی اور شاہی سبزواری ہیں۔

باب دوم :۔ اس باب میں ان شعرا کا ذکر ہے جن سے مصنف بذات خود واقف ہے لیکن مجالس النفائس کی تالیف کے وقت ان میں سے ہر ایک کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان میں سب سے اول شرف الدین علی یزدی ہے (جس کا حال نامہ مشہور ہے)۔

باب سوم :۔ باب سوم میں ان شعرار کا ذکر ہے جو اس تالیف کے وقت زندہ تھے اور جن سے مصنف کے دوستانہ مراسم یا واقفیت تھی۔ ان حضرات میں امیر سہیلی، سیفی، آصفی، بنائی اور اہلی ترشیزی ہیں۔

باب چہارم :۔ میں ان دانشمندوں کا ذکر ہے جو مستقلاً شاعر تو نہ تھے لیکن کبھی کبھی شعر کہہ لیتے تھے جیسے حسین واعظ کاشفی، مورخ اعظم میر خوند وغیرہ۔

اس کے بعد کے ابواب میں سلاطین، سلاطین زادوں، خصوصاً بادشاہ ابوالغازی سلطان حسین وغیرہ کے حالات، اس زمانہ کے سیاسی واقعات پر بحث کی ہے[2]۔

ہم نے آپ کے سامنے دارالخلافہ ہرات کے مشہور شاعر، ادیب اور دانش مند وزیر کی کتاب مجالس النفائس کو ابواب کی تقسیم کے ساتھ پیش کر دیا، یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ میر علی شیر نوائی ملا معین کا ہم عصر ہے، وہ ایک ہی شہر کے رہنے والے ہیں، ایک ہی دربار سے وابستہ ہیں اپنی مایۂ ناز تصنیف میں انھوں نے دیکھے ان دیکھے تمام شعرار کا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان حضرات کا ذکر بھی ہے جو کبھی کبھار بطور تفریح طبع شعر کہہ لیتے تھے جیسے حسین واعظ کاشفی اور میر خوند، لیکن یہ گرانما یہ تصنیف بھی ملا معین ہروی کے ذکر سے خاموش ہے۔ غالباً اب ہم کو مزید تفحص اور تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم نے اس دور کے تمام تذکرے، سیاسی اور ملکی تاریخیں، تاریخ ادبیات اور اس عصر کی تمام اہم اور غیر اہم تالیفات و تصنیفات آپ کے سامنے پیش کر دیں لیکن یہ تمام ذرائع اور حوالے ملا معین ہروی کے ذکر سے خاموش ہیں۔ صرف حبیب السیر نے جو ملا معین ہروی کے سو سال بعد لکھی گئی۔ ان کا ذکر کیا ہے وہ بھی بہت ہی مختصر اور اس میں بھی معارج النبوت کے سلسلہ میں صاحب

---

[1] علی شیر نوائی کی ولادت ۸۴۴ھ ہے۔

[2] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد سوم ص ۴۳۷ و ص ۴۳۸۔

حبیب السیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر دیا، شاعری کے بارے میں تو ان کے قدرداں مصنف صاحب السیر کے لب بھی خاموش ہیں۔

پروفیسر براؤن کی تصریحات سے ایک مختصر سا جائزہ ملا معین ہروی کے معاصرین کا ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ معین ہروی جس بادشاہ کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے یعنی ابوالغازی سلطان حسین بایقرا، اس عہد کے مؤرخین، علماء، فضلاء، نثر نگاروں اور شاعروں کی فہرست ادبیات فارسی کا مشہور زمانہ محقق (براؤن) آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے تمام نثری اور شعری تصانیف بقید عنوان آپ کے سامنے ہیں تعجب ہے کہ جامع ہرات کے مشہور واعظ، شاعر اور نثر نگار یعنی ملا معین ہروی سے اس محقق نے بھی بے اعتنائی برتی ہے اور ان کو کسی زمرے میں شمار نہیں کیا!!

اس صورت میں تو ان کا "صاحب معارج النبوت" ہونا بھی کچھ غیر مستند سا ہوا جاتا ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں حبیب السیر کے مصنف کو اشتباہ تو نہیں ہوا اور ملا معین ہروی اور معین الدین اسفزاری صاحب تاریخ ہرات میں امتیاز نہ ہونے کے باعث "معارج النبوت" کو معین ہروی سے منسوب کر دیا گیا اس لئے کہ معین ہروی اس دور کا اگر کوئی نثر نگار یا شاعر ہوتا تو کس طرح ممکن تھا کہ خود علی شیر نوائی اس کو فراموش کر دیتا اور براؤن جیسا محقق بھی ان کے ذکر سے خاموش رہتا اور اتنی جامع اور مبسوط سیرت محمدی (معارج النبوۃ) کے مصنف کو بھول جاتا پھر یہی نہیں بلکہ ان کا ایک دوسرا اہم عصر یعنی شاہزادہ سام میرزا صاحب "تحفہ سامی" سے بھی ایسی غفلت یا بے پروائی کا اعادہ ہوتا ہے تحفہ سامی کی تاریخی حیثیت اس قدر مستند اور مسلّم ہے کہ پروفیسر براؤن نے اس دور کے ارباب علم و ادب کے تذکرے کے لئے اس کو اپنا ماخذ بنایا اور اس کا اعتراف کیا ہے[1]۔ لیکن تحفہ سامی بھی ملا معین ہروی کے ذکر سے خاموش ہے، حیرت تو اس بات پر ہے کہ ملا معین نے دعویٰ کیا ہے (اور اس دعویٰ کی تائید صاحب حبیب السیر نے بھی کی ہے) کہ میں جامع ہرات میں واعظ کی خدمت پر مامور تھا اور ہر جمعہ کو وعظ و تذکیر میں مصروف رہتا تھا لیکن اس دور کی تاریخیں بالکل خاموش ہیں اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا صرف حبیب السیر میں معین ہروی کی اس نثری تصنیف کا ذکر ہے، حبیب السیر کی تاریخی حیثیت مستند ہے۔ خوندمیر کی یہ تصنیف بعد کی تاریخوں کے لئے ماخذ کا کام انجام دیتی ہے، اگرچہ "حبیب السیر" میں ملا معین ہروی یا فراہی کا ذکر موجود ہے لیکن ان کی مایہ ناز تصنیف "معارج النبوۃ"، خوندمیر کی نظر میں مشتبہ ہے وہ صرف اس کے لئے ایک جملہ استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ

"از آثار قلم او معارج النبوۃ در مردماں مشہور است"

---

[1] دیکھئے لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن جلد سوم صفحہ ۴۳۹، صفحہ ۴۵۹، صفحہ ۵۰۶ اور صفحہ ۵۱۴

مصنف خوندمیر نے خود اس تصنیف کو نہیں دیکھا صرف لوگوں کا خیال ظاہر کر دیا ہے، بہرحال اگر ان کی یہ نثری تصنیف تسلیم بھی کر لی جائے (ہرچند کہ مشتبہ ہے) تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ یہ شاعر بھی تھے۔ صرف صاحب حبیب السیر کے قول کی بنا پر جس طرح ان کو ایک نثرنگار تسلیم کیا گیا ہے اسی طرح حبیب السیر ہی کے بیان کی اساس پر ان کو ذوق شاعری سے محروم بھی تسلیم کرنا پڑے گا ورنہ اگر ان کو ذوق شاعری ہوتا تو صاحب "حبیب السیر" کم از کم ان کی شاعری کے بارے میں لوگوں سے سنی سنائی رائے ہی بیان کر دیتا اور کہہ دیتا "در مردمان مشہور است کہ او ذوق شاعری ہم می داشت" چنانچہ اب عقل و فہم کا فیصلہ یہی ہے کہ جس طرح محض حبیب السیر کی شہادت کی بنا پر ان کی نثری تصنیف "معارج النبوۃ" کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس کا اقرار ہمارے لئے بھی ضروری ہو گیا تو اسی طرح حبیب السیر میں ان کا بحیثیت شاعر ذکر نہ ہونے پر ان کی شاعری سے انکار بھی اسی طرح ضروری ہو گیا جس طرح ان کی نثرنگاری یا صاحب "معارج النبوت" ہونے کا اقرار۔

قارئین پر واضح رہے کہ حبیب السیر ملا معین ہروی کی وفات کے بائیس سال بعد ۹۲۹ھ ۱۵۲۳ء میں لکھی گئی[۱] اور تحفہ سامی[۲] اس سے چند سال پہلے تو اگر حبیب السیر میں معین ہروی بحیثیت شاعر مذکور نہیں تو تحفہ سامی میں ان کا ضرور ذکر ہوتا چاہیئے تھا جبکہ اس تذکرہ میں شاہزادہ سام میرزا نے ابوالغازی سلطان حسین کے دربار سے وابستگان کی تفصیلی فہرست پیش کی ہے، ظاہر ہے کہ دربار سے وابستہ ایک عظیم نثرنگار اور شاعر کو شاہزادہ سام میرزا جو محض اپنے مذاق ادبی کی خاطر تحفہ سامی مرتب کر رہا تھا (انعام و اکرام کی حرص میں نہیں) کس طرح نظر انداز کر دیتا، اگرچہ ملا معین نے خود سلطان حسین کے دربار سے وابستگی کا اظہار نہیں کیا لیکن صاحب حبیب السیر ان الفاظ میں اس وابستگی کو ظاہر کرتا ہے:۔

"بموجب تکلیف خاقان والا گہر مدت یک سال صاحب قضا بود"

اس حوالہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ملا معین دربار سلطان حسین سے وابستہ تھے وابستگان دربار کا ذکر کرنے والوں میں میر علی شیر نوائی، شاہزادہ سام میرزا اور خوندمیر ہیں۔ اول الذکر دو ہستیاں اپنے تقدم زمانی کے اعتبار سے زیادہ قابل اعتبار ہیں، چلئے ہم ان تینوں ہستیوں کو قابل اعتبار گردانتے ہیں لیکن کس قدر حیرت کا مقام ہے ایک معاصر اپنے ایک معاصر سے اور ایک ہی دربار سے وابستہ ایک علم دوست، عالم و فاضل یگانہ اپنے خواجہ تاش سے

---

[۱] ملا معین ہروی کا انتقال ۹۰۷ھ میں ہوا۔ [۲] تصنیف شاہزادہ سام میرزا۔

بے خبر رہے اور اپنی تصنیف میں اس کے علمی کارناموں کو بھول جائے۔

پروفیسر براؤن جس نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" کی تالیف میں برٹش میوزیم کی لائبریری تحقیقاتی تگ و دَو میں چھان ڈالی اور ہر دَور کی فارسی، عربی مطبوعہ اور مخطوطہ کتب کا بغایر مطالعہ کیا مخطوطات کی فہرستیں ملاحظہ کیں، چنانچہ آخر عہد مغول کی ادبیات کی تحقیق و تجسس میں اس نے جو کچھ کاوش کی ہے اس کا مختصراً ذکر ہم آپ کے سامنے اس لئے کر رہے ہیں کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس نے دورۂ تیموریہ اور صفویہ کے ادیبوں اور شاعروں کے حالات معلوم کرنے کے لئے کیا کچھ کیا، پروفیسر براؤن نے برٹش میوزیم لائبریری کی چھان بین کی، فارسی مخطوطات کی فہرستیں خود مرتب کیں، ریوز پرشین کیٹلاگ کا خود مطالعہ کیا، اوسلے کے مرتب کردہ "اشارات شعرائے فارسی" (۱۸۴۶ء) کا بغایر مطالعہ کیا اور کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات میں ان جواہر پاروں کی تلاش کی۔ اس تجسّس و تلاش میں براؤن نے ہزاروں مخطوطات اور لاکھوں مطبوعات کے ناموں سے شناسائی حاصل کی اور بقدر طاقت انسانی ان کا مطالعہ بھی کیا[1] اور اپنی اس کاوش و جستجو کا نتیجہ تاریخ ادبیات (چہار جلد) کی صورت میں ادب دوستوں کے حضور میں پیش کیا لیکن اس تحقیق و تفحص کے دوران براؤن کو نہ معارج النبوت کا کہیں پتہ چل سکا اور نہ اس کے مصنف ملا معین ہروی کا، پس اس صورت میں ملا معین ہروی کا وجود بحیثیت نثر نگار ہی مشتبہ سا ہوا جاتا ہے شاعرانہ حیثیت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

آپ کے سامنے آخر میں دورہ تیموریہ اور ابو الغازی سلطان حسین کے دربار سے وابستہ تمام شعرا اور نثر نگاروں کو ہم نے پیش کر دیا، نیز اس دور کے تذکرۃ الشعراء کے حوالے نقل کئے گئے سوانح حیات پر مشتمل تصنیفات پیش کی گئیں، اخلاقی اور حکیمانہ کتب کا ذکر کیا گیا، صوفیائے کرام کی سوانح اور ان کی تصانیف موضوع وار پیش کر دیں، درباری شعراء کا بھی ذکر کر دیا گیا، سلاطین، شاہزادوں اور امراء کی تصانیف بھی مذکور ہوئیں، اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ عظیم المرتبت مصنف (ملا معین ہروی) کس گوشۂ گمنامی کا مکیں ہے کہ ادب کے کسی روزن سے بھی اس کو نہیں جھانکا اور دیکھا جا سکتا۔

ایک عجیب انکشاف اس سے قبل یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس بحث کا تمام تر مدار معارج پر ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس کا نامکمل نسخہ حافظ شیرانی صاحب کے پاس تھا لیکن حسن اتفاق سے

---

[1] ملاحظہ کیجئے دیباچہ تاریخ ادبیات ایران (از براؤن)۔

اس کا مکمل نسخہ ہم کو دستیاب ہو گیا۔ یہ کتاب ہندوستان میں صرف دو مطابع نے شائع کی ہے ایک مطبع کریمی بمبئی اور دوسرا مطبع نول کشور ہے۔ برٹش انڈیا لائبریری کے کیٹلاگ کی جلد دوم کے باب دوم میں معارج النبوۃ کا ذکر اس طرح موجود ہے:۔

"معارج النبوۃ تصنیف مسکین معین جو ۱۲۹۲ھ میں نولکشور پریس میں چھپی"

اسی نسخہ کی نقل مطبع کریمی بمبئی سے ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوئی ہے اس کا سائز ۲۰×۲۶/۴ ہے یہ ایک مقدمہ اور چار رکنوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ ص ۱۱۶ پر مشتمل ہے اور باقی کتاب یعنی چار رکن چھ سو صفحات کی ضخامت رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم آپ کی توجہ کتاب کی لوح (ٹائیٹل پیج) کی جانب منعطف کرانا چاہتے ہیں ملاحظہ کیجئے، لوح پر یہ عبارت مرقوم ہے:۔

مقدمہ معارج النبوۃ

فی

مدارج النبوۃ

مصنف قدوۃ المحققین، زبدۃ المدققین، محدث کامل، مفسر واصل صاحب حالات معنوی

مولانا ملا معین کاشفی قدس سرہٗ بالحسن الاخریٰ

باہتمام

قاضی عبدالکریم ابن المرحوم قاضی نور محمد صاحب در مطبع نامی گرامی کریمی واقع بمبئی مطبوعہ گردید

آپ نے معارج النبوۃ (فی مدارج النبوۃ) کے مصنف کا نام ملاحظہ فرمایا۔ مولانا ملا معین کاشفی!! ایک عظیم مغالطہ اور صریحی غلطی ہے خود مصنف دیباچہ اور آغاز کتاب میں اپنا نام معین فراہی بتاتا ہے لیکن کتاب کی لوح پر معین کاشفی تحریر ہے، مقدمہ کے بعد سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے یعنی رکن اول اس کی لوح کی عبارت بھی قابل مطالعہ ہے، تحریر ہے:۔

معارج النبوۃ

رکن اول فی

مدارج النبوت

مصنف علامہ جلیل نبیل قدوۃ المحققین، زبدۃ المدققین محدث کامل، مفسر واصل صاحبِ حالات معنوی مولانا ملا معین کاشفی قدس سرہٗ۔

دیکھئے یہاں بھی اسی غلطی کا اعادہ ہوا ہے جو دیباچہ میں موجود ہے، رکن چہارم یعنی کتاب کے خاتمہ پر یہ عبارت موجود ہے۔

"بہ ازمنہ سعیدہ باوان حمیدہ رکن چہارم از ارکان کتاب مستطاب "معارج النبوت فی مدارج الفتوت" کہ حامل سیر رضیّہ نبویہ و شامل سجایائے مرضیہ محمدیہؐ است تصنیف لطیف فاضل اجل کامل اکمل افصح الفصحاء ابلغ البلغاء عاشق صادق سیدالانبیا سندالاصفیاء صلوات اللہ علیہ وآلہٖ لا تقیا مُلّا معین ہروی رحمۃ اللہ علیہ است.....

کاتب کتاب ہذا محمد حکمت یار خاں ابن حافظ احمد یار خاں کہ یکے از تلمیذ جناب منشی نثار احمد صاحب بریلوی ست ؁

اس رکن چہارم کے بعد ایک تتمہ بھی موجود ہے جس کا عنوان ہے۔

تتمہ معارج النبوۃ فی مدارج النبوۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تتمہ در بیان خوارق عادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس تتمہ کے خاتمہ پر یہ عبارت مرقوم ہے:۔

قد تمّ الکتاب و مختتم الخطاب

"چنیں گوید ناظم ایں دُرَر و جامع ایں سیر عالی فخر سید البشر و الشفیع المشفع یوم المحشر صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ کہ موسوم است ....

بمعارج النبوۃ فی مدارج الفتوت العبد الضعیف المحتاج الی عفو الالہ معین بن الحاج محمد الفراہی ....

ملاحظہ کیجئے یہاں مصنف اپنا نام معین بن محمد فراہی بتاتا ہے، اس کے بعد تمت خاتمۃ الطبع کے تحت مصنف کا نام مُلّا محمد معین ہروی لکھا گیا ہے اور تاریخ طبع ۱۳۲۴ھ ہے۔

اس اختلاف بیان کو کیا کہا جائے ہو سکتا ہے کہ کاتب کی غلطی سے لوح پر معین کاشفی نام تحریر ہو گیا بہر حال مصنف خود اپنا نام معین فراہی بتاتا ہے اور ہم نے اسی کو تسلیم کر لیا ہے لیکن جو امر غریب و عجیب اس سلسلہ میں منکشف ہوا اور جس نے حافظ محمود شیرانی صاحب کے مدلل اور محققانہ مقالہ کی عمارت کو بالکل ڈھا دیا وہ ہے اس کا دیباچہ یا مقدمہ۔ معارج النبوۃ کا مقدمہ جہاں ختم ہوتا ہے اس کے تحت یہ عبارت مطبوعہ موجود ہے:۔

" تَمَّت مقدمۃ الکتاب معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ بحمد اللّٰہ وحسن توفیقہٖ ویتلوہ الرکن الاوّل من ھٰذا الکتاب

حامِدًا ومصلّیًا ومسلمًا، اللّٰھم اغفر لکاتبہ ولقاریتہ ولمن
نظر فیہ بحق محمد وآلہ وصحبہ وسلم فی شھر رمضان ۱۱۲۳ھ
بید احقر العباد فقیر محمد عبداللہ عفی عنہ والدیہ واحسن الیہما والیہ
دارین

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ معارج النبوۃ کا یہ مقدمہ خود مصنف معارج النبوۃ یعنی ملا معین فراہی (ہروی) کی تصنیف نہیں بلکہ فقیر محمد عبداللہ کی تصنیف ہے اگر وہ کاتب مقدمہ ہوتے تو جس طرح کتاب معارج النبوۃ کے رکن چہارم کے آخر میں کاتب نے اپنے نام کی صراحت کی ہے اسی طرح یہاں بھی صراحت کی جاتی اس لئے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ معارج النبوت کا مقدمہ الحاقی ہے اور کثیر التعداد اشعار جو اس میں ایراد ہیں وہ بھی الحاقی ہیں اور مرتب مقدمہ نے وہاں محض اپنے قیاس کی بنیاد پر کما قال مولف (رحمۃ اللہ علیہ) اور اسی قبیل کے دوسرے دوسرے الفاظ لکھدیئے ہیں جس کے باعث اکثر حضرات غلط فہمی کا شکار ہوگئے اور کلام خواجہ اجمیری کے سلسلہ میں شبہات کا ایک طومار مرتب کر دیا۔ کاش محمود شیرانی صاحب نے اس دیباچہ کا بغائر اور بامعان نظر مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو "مخزن الغرائب" جیسے غیر معروف تذکرے کی بے مائیگی کا پتہ چل جاتا اور وہ اس مقالہ کے تحریر کرنے کی زحمت نہ فرماتے۔

سابقہ صفحات میں ہم حضرت خواجہ غریب نوازؒ اور ملا معین ہروی کی شاعری کے سلسلہ میں تاریخی شواہد پیش کر چکے ہیں اب یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ تاریخ خواجہ صاحب کے دیوان اور کلام سے ناواقف ہے اصل حقیقت جیسا کہ اظہار کیا جا چکا ہے تاریخ خواجہ صاحب (حضرت غریب نوازؒ) کے کلام و دیوان سے تو واقف ہے البتہ ملا معین ہروی کی شاعری سے واقعتاً قطعی ناواقف ہے۔

ہم نے ہر رخ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پیش نظر دیوان حضرت خواجہ غریب نوازؒ ہی کا ہے ملا معین ہروی کا نہیں اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خود ملا معین کو ادعائے شاعری نہیں تھا نہ انھوں نے اپنا صاحب دیوان ہونے کا اشارۃً یا کنایۃً اظہار کیا نہ کسی تاریخ ادب میں ان کا شاعر ہونا مذکور ہے نہ کسی تذکرے میں ان کا بحیثیت شاعر ذکر ہے۔ یہ بھی ثابت کیا جا چکا کہ معارج النبوۃ میں وہ اشعار جو کما قال مولف، قال مولفؒ۔ کما قال مولفؒ۔ مولف قدس سرہٗ وغیرہ کے ذیل میں درج کئے گئے ہیں وہ مرتب مقدمہ کی خطاکاری ہے یا دراز دستی۔

بہرحال اب یہ بحث تشنہ ثبوت نہیں رہی۔ آیئے اب محمود شیرانی صاحب کی دوسری

دلیلوں پر نظر ڈالیں۔

خواجہ صاحبؒ کے کلام اور دیوان کے بارے میں شبہ اور غلط فہمی یوں پیدا ہوئی کہ ناقدین حضرات نے معارج النبوت کا مقدمہ یا دیباچہ (جو محض لفاظی ہی لفاظی ہے) بغائر نظر مطالعہ نہیں فرمایا مقدمہ کا متن ایک سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اس میں قال المؤلف، لمؤلفہ، کما قال عبدالضعیف کمال قال قدس سرہٗ وغیرہ کے عنوان کے تحت مندرج اشعار کو پڑھا اور پھر خواجگان چشت قدس سرہٗ العزیز کے موجودہ مطبوعہ دیوان کو دیکھا تو وہی اشعار اس دیوان میں موجود پائے جیسا کہ حافظ صاحب نے اپنے مقالہ میں صراحت کی ہے اور کلام کو پیش کیا ہے تو یہی خیال کیا کہ خواجہ غریب نوازؒ تو شاعر تھے نہیں اس لئے یہ دیوان آپ کے نام نامی سے غلط منسوب ہو گیا اور کہہ دیا کہ یہ ملا معین ہراتی کا دیوان ہے۔ حالانکہ یہ غلط اور یقیناً غلط ہے کہ ملا معین ہراتی خطیب جامع ہرات نہ تو کسی ایرانی تذکرۃ الشعراء میں مذکور ہے اور نہ کسی ہندوستانی تذکرۂ الشعراء (فارسی گویان ہند) میں، یعنی ایران و ہند و پاک کے مورخین ادب نے ان کا شاعر ہونا تسلیم نہیں کیا بالفاظ دگر شاعری ان پر ایک تہمت محض ہے۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل تذکروں کی ایک مبسوط فہرست پیش کر چکے ہیں اور ہم نے بتایا ہے کہ اولین چھ تذکروں میں سے تین میں خواجہ قدس سرہٗ کا بحیثیت شاعر ہونا مذکور ہے اور تین میں نہیں اس کے مقابل ان چھ تذکروں میں سے کسی ایک میں بھی معین یا مسکین معینؔ (معین ہروی) کا ذکر موجود نہیں۔ اس سے پہلے اس بحث کو بہت تفصیل سے پیش کیا جا چکا ہے خارجی شہادت کے بارے میں یہ عرض کرنا تھا کہ اس سلسلہ میں بعض ناقدین (جو حقیقت میں تو در خور اعتنا نہیں ہیں لیکن ان کے اعتراض کا جواب دینا کچھ ضروری سا ہو گیا ہے) یہ فرماتے ہیں کہ صاحب نویں دسویں صدی ہجری سے قبل اگر کوئی ثبوت اس سلسلہ میں پیش کیا جائے تب یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ دیوان خواجہ غریب نوازؒ کا ہے! ہم یہاں اس پہلو کو بھی تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔

اس برصغیر میں صوفیائے کرام کا تیسرا دور حضرت امام ابو حنیفہ ثانی نصیر الدین چراغ دہلوی (خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ العزیز) سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کا عہد خلافت مبارک ۷۲۶ھ سے شروع ہو کر ۷۴۶ھ پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کے ملفوظات خیر المجالس کے نام سے مشہور ہیں۔

له آپ بینتالیس سال کی عمر میں حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد تینتیس سال تک مزید آپ کے انفاس قدسی سے مخلوق نے فیض حاصل کیا جس میں بیس سال آپ کی خلافت کے ہیں۔

حضرت چراغ دہلویؒ کے حلقہ ارادت میں بعض جیّد علماء بھی شامل تھے۔ ان میں سید محمد بن جعفر حسینی صاحب بحر المعانی۔ مولانا خواجگی۔ مولانا احمد تھانیسری۔ شیخ صدر الدین، یہ سب حضرات اعلیٰ پایہ کے مصنف اور علمائے متبحرین تھے۔ ان حضرات میں شاہ سید محمد گیسو دراز حسینی گل سر سبد ہیں، آپ کی تصانیف عربی اور فارسی زبان میں متعدد ہیں، آپ کی بعض تصانیف آج بھی ترجمہ کی صورت میں دستیاب ہیں۔

حضرت شاہ محب اللہ قدس سرہٗ آپ کے محبوب خلفاء میں سے ہیں انھوں نے آپ کی چند مجالس مقدسہ کے افکار قدسیہ کو "مفتاح العاشقین" کے نام سے جمع کیا ہے اور اس عہد کی دفتری اور عوامی زبان کے اعتبار سے یہ مجموعہ ملفوظات فارسی زبان ہی میں ہے۔

حضرت شاہ محب اللہ قدس سرہٗ اس برصغیر کے مشہور صوفیائے کرام میں سے ہیں۔ آپ حضرت مخدوم شاہ نصیر الدین چراغؒ دہلوی قدس سرہٗ کو بہت عزیز تھے آپ کی مجلس مبارک میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے، انہی چند مجالس کو آپ نے مفتاح العاشقین کے نام سے جمع کیا ہے جس کا سنہ تالیف ۷۵۸ھ ہجری کے لگ بھگ ہے۔ مفتاح العاشقین کی ساتویں مجلس میں حضرت شاہ محب اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

"پھر نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ کا حسب ذیل شعر زبان مبارک سے فرمایا ؎

نظامی ایں چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی ۔۔۔ کسے را ترس جنباند زباں در کش، زباں در کش

جب خواجہ صاحب نے شعر پڑھا تو میں نے آداب بجا کر لا کر التماس کی کہ مجھے شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ العزیز کا قول (غزل) یاد آیا ہے، اگر حکم ہو تو پڑھوں فرمایا پڑھو میں نے یہ غزل پڑھی:۔

از مطلع دل زد علم یک لمعہ از رخسار او	شد ذرہ ذرہ ہستیم در پردۂ انوار او
با انکہ ذرّات تنم ہر یک ہزاراں دیدہ شد	یک ذرہ ہم دیدہ نشد از پرتو رخسار او
حسنش چو آید جلوہ گر طاقت ندارد چشم سر	از دیدۂ دل کن نظر تا بنگری دیدار او
بگذار کوے آب و گل در رو بقصر جان و دل	باشد خود بیں متصل سرے ہم از اسرار او
اظہار حسن دلبری می بین ز ہر مہ پیکرے	پیدا است ز ہر مظہرے آں حسن آں اظہار او
خواجہ کند در خور نظر اندیشہ سازد از بشر	بازش کند زیر و زبر حیرانم اندر کار او
پُر شد جہاں یکسر از و شد نیک و بد مظہر از و	مو بد از و کافر از و در قید نور نار او
ترسا سویش بشتافتہ بو از چلیپا یافتہ	زلف تو برہم تافتہ آں حلقہ از زنار او

مسکیں معین در یک غزل برخواند اسرار ازل

بشنو کلام لم یزل در کسوت گفتار او

جب میں نے (مصنف کتاب) یہ غزل پڑھی تو خواجہ صاحب زار زار روئے اور فرمایا کہ اے درویش تجھے اچھی طرح یاد ہے پھر بہت تعریف کی اور بارانی جُبّہ اور چار ترکی کلاہ عنایت فرمائی الحمد للّٰہ علیٰ ذالک"۔

حضرت شاہ محب اللہ قدس سرہٗ العزیز نے یہ غزل ۷۲۶ھ اور ۷۵۶ھ کے عرصہ میں کسی روز خدمت والا میں پیش کی کہ یہ بیس[1] سال کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں حضرت چراغ دہلویؒ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ العزیز کے وصال[1] کے بعد آپ کے سجادہ خلافت پر رونق افروز رہے ہیں چونکہ حضرت محب اللہ صاحبؒ اپنے ملفوظات میں حاضری کی تاریخ کا تعین نہیں کیا ہے اس لئے ہم نے یہ طویل مدت جو بیس سال یا کچھ کم وبیش ہے تسلیم کرلی ہے۔ کہ اسی مدت میں آپ نے حضرت چراغ دہلوی کی خدمت میں کسی روز یہ غزل پیش کی ہوگی۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ اگر ہم حضرت چراغ دہلویؒ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری سال یعنی ۷۵۶ھ بھی اس غزل کی سماعت کے لئے تسلیم کرلیں تو معارج النبوت کی تصنیف ۸۹۰ھ سے ایک سوچونتیس (۱۳۴) سال قبل ہے۔ اب اس سے اندازہ کر لیجئے کہ جو کلام ملا معین ہروی سے ایک سوچونتیس سال قبل پیش کیا گیا اور سُنا گیا وہ کس طرح ملا معین کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ غزل موجودہ مطبوعہ دیوان میں ص۶۹ پر موجود[2] ہے۔

اب اس کے بعد کس شک وشبہ کی گنجائش اس سلسلہ میں باقی رہتی ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا کلام آٹھویں صدی ہجری میں زبان زد نہ تھا اب مفتاح العاشقین کی تاریخی حیثیت کا تعین ضرور لازم آتا ہے کہ ایک معترض آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جس تصنیف کو شہادت میں پیش کیا ہے خود اس کی حیثیت مشتبہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ مفتاح العاشقین کی تاریخی حیثیت اور اس کی سند پیش کی جائے۔

بزم صوفیہ کے مصنف سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔اے، رقمطراز ہیں:۔

"حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور رہیں، خیرالمجالس[1] مرتبہ مولانا قلندر شاعر، مفتاح العاشقین[2]، مرتبہ مولنا محب اللہ، ان دونوں میں خیرالمجالس زیادہ مشہور ہے اس میں ۷۵۵ء سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔

---

[1] حضرت محبوب الٰہیؒ کا وصال ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہجری بروز چہارشنبہ بعد طلوع آفتاب وقوع میں آیا۔

[2] دیوان حضرت خواجگانؒ مطبوعہ مجتبائی پریس کانپور

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہؒ ایک ۴۸ صفحہ کا رسالہ ہے، مطبع مجتبائی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے (یعنی یہ عبارت مرقوم ہے)۔

تمام شد ملفوظات حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق والشرع والدین قدس سرہٗ العزیز تاریخ سیزدہم (۱۳) ماہ صفر ۸۰۰ھ ہجری نبوی بروز پنجشنبہ بوقت نماز ظہر۔

حضرت محب اللہ صاحب نے خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کا مجموعہ ملفوظات آٹھویں صدی ہجری کے وسط سے قبل مرتب کیا تھا لیکن اس کی نقل خواص وعوام کے ہاتھوں میں ۸۰۰ھ میں یعنی ایک سو تیئس سال کے بعد پہنچی جیسا کہ تاریخ تحریر سے ظاہر ہے۔

۸۰۰ھ ہجری کو اگر ہم صحیح تسلیم کرلیں تو تب بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ خواجہؒ کا کلام ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں حضرات صوفیہ کی محفلوں میں پڑھا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ۸۰۰ھ میں معارج النبوت کا وجود نہیں تھا تو اردیا سرقہ کا کوئی سوال ہی نہیں صاف ظاہر ہے کہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں حضرت خواجہؒ کا کلام دیار وامصار میں مشہور ہوچکا تھا اور لوگوں کی زبان پر جاری وساری تھا۔ امتداد زمانہ کے باعث نیز ہندوستان میں آٹھویں صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک مطابع سنگی یا سربی کی عدم موجودگی علاوہ ازیں خلجی سلطنت کے زوال مغلیہ سلطنت کے قیام اور اس کے بعد ہندوستان کی سیاسی ابتری کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دور بابری میں ہندوستانی سیاست کو استحکام نصیب نہیں ہوا بادشاہ ہمایوں شیر شاہ کی آویزشوں سے تنگ آکر جلاوطنی پر مجبور ہوا صرف اکبر اور شاہجہاں کا دور ایک ایسا دور ہے جس میں ملک کی سیاسی حالت کو ایک ٹھہراؤ نصیب ہوا اور علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوسکا، چنانچہ حضرت خواجہ خواجگان چشتؒ کے اس دیوان کی اکثر نقول ضائع ہوگئیں صرف ایک نقل دور اکبری میں محفوظ رہی جس کے بارے میں ہمارے ہمعصر مصنف محمد ناظم حسن اپنی تصنیف معین العارفین میں رقم طراز ہیں کہ:۔

"اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ اودے پور میں نواب مردان علی خاں صاحب سابق دیوان سرکار مارواڑ کے کتب خانہ میں موجود ہے، مجتبائی پریس کانپور کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ہے اور اس پر فیضی وابو الفضل کی مہریں ثبت ہیں اور ایک دیباچہ بھی بزبان فارسی موجود ہے نیز نواب صاحب موصوف نے خود بطور حاشیہ ایک عبارت لکھی ہے"۔ (صفحہ ۸۵ معین العارفین)

لیکن جیساکہ ابھی عرض کیا جاچکا اس برصغیر ہیں انیسویں صدی کے آغاز میں (۱۸۰۳ء) سرمی پریس یا مطبع کا آغاز ہوا اور مسودات و مخطوطات مطبوعات کی شکل میں آنے شروع ہوئے ورنہ اس سے قبل تو صرف ضخیم ترین کتابوں کی ہیئت بھی مخطوطات تک محدود تھی، اس سلسلہ میں متعدد تاریخی شہادتیں ہمارے سامنے موجود ہیں، تفصیل کے لئے اردو صحافت کی تاریخ ملاحظہ کیجئے۔

خارجی شواہد خارجی شواہد میں سب سے اہم شہادت جو ملا معین ہروی کو ایک ادیب اور شاعر ہونے کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے وہ صاحب حبیب السیر کی ہے ہم اس شہادت کو پیش کرنے سے پہلے "حبیب السیر" کا مختصر سا تعارف آپ سے کراتے ہیں۔

عصر جدید کا مشہور ایرانی ادیب اور مؤرخ ڈاکٹر رضا زادہ شفق اپنی مستند اور جامع تاریخ ادبیات فارسی میں حبیب السیر کو "آثار منثور دورۂ صفوتہ و قاچاریاں" میں شامل کرتے ہوئے تالیفات تاریخی کے تحت رقم طراز ہیں۔

> حبیب السیر:۔ حبیب السیر تاریخ عمومی معروفی است کہ غیاث الدین خوندمیر تالیف کردہ و وقایع را از ابتدائے تاریخ بشر تا وفات شاہ اسمٰعیل صفوی یعنی سال نہصد و سی (۹۳۰) آوردہ۔ این کتاب نسبت بروضۃ الصفا کوچکتر است و در سہ جلد می باشد و بمناسبت احتوای تفصیلی اوائل کار و شرح سلطنت شاہ اسمٰعیل کہ مؤلف معاصر او بودہ است دارائے اہمیتے است۔ خوندمیر بعد پایان آوردن این کتاب سفر ہند کردہ و در سال نہصد و چہل یک در آنجا وفات یافت و در دہلی مدفون گردید، گذشتہ از حبیب السیر، "تکملۂ روضۃ الصفا، تالیفات دیگر از ین مؤلف موجود آمد"[۱] تاریخ ادبیات ایران ص ۶۵

یہ سب سے پہلی تاریخ سیر ہے جس میں صاحب معارج النبوۃ کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اور کسی تاریخ ادب میں معین ہروی کا ذکر موجود نہیں، صاحب حبیب السیر ملا معین ہروی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

---

[۱] یعنی حبیب السیر ایک مشہور عام تاریخ ہے جو غیاث الدین خوندمیر کی تالیف ہے، مؤلف نے ابتدائے آفرینش حضرت آدم علیہ السلام سے شاہ اسمٰعیل صفوی کی وفات یعنی ۹۳۰ھ تک کے واقعات کو متن میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب روضۃ الصفا کے مقابلہ میں مختصر ہے یعنی صرف تین جلدوں میں ہے، اور شاہ اسمٰعیل صفوی کی ابتدائے سلطنت اور عہد سلطنت کی تمام تفصیلات کو پیش کیا ہے، مؤلف یعنی غیاث الدین شاہ اسمٰعیل صفوی کا معاصر تھا اس وجہ سے اس تالیف کی بہت اہمیت ہے اس تالیف کے تکملہ بعد مؤلف یعنی غیاث الدین نے ہند کا سفر کیا اور ۹۴۱ھ میں ہندوستان ہی میں وفات پائی، مؤلف کا مدفن دہلی ہے۔ حبیب السیر کے علاوہ تکملہ روضۃ الصفا اور چند دوسری تالیفات بھی اس مؤلف کی یادگار ہیں۔

مولانا معین الدین انفراہی برادر ارشد قاضی نظام الدین بود و بسیارے
از فضائل و کمالات اظہار وقوف می نمود۔ در زہد و تقویٰ درجہ علیا داشت
و اکثر خطوط را در غایت جودت بر صحیفۂ تحریری نگاشت۔ در ایام جمعہ بعد از
نماز در مقصورۂ مسجد جامع ہرات وعظ در کمال تاثیر می گفت و در عزر
معانی آیات و احادیث را بہ الماس طبع لطیف می سفت۔

با اعاظم امراؤ نوئینان کہ در مجلس می نشستند ملتفت نمی گشت و در
وقت آں طائفہ سخنانِ درشت بر زبانش می گذشت و آں جناب بعد از
فوت برادر بموجب تکلیف خاقان والا گہر مدت یک سال صاحب قضا
بود۔ آنگاہ ترک آں امر دادہ، ہر چند دیگرے مبالغ نمودند قبول نفرمودہ
از آثار قلم لطافت نگار مولانا معین الدین" معارج النبوت در میان
مردم مشہور است و اکثر وقائع و حالات سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ
اکمل التحیات بروایات مختلفہ دراں مسطور، مولانا معین الدین در شہور سبع
و تسعمائۃ مریض شدہ در گذشت و در مزار تقرب حضرت باری خواجہ عبداللہ انصاری
پہلوی برادر خود قاضی نظام الدین مدفون گشت ؎

لہ مولانا معین الدین انفراہی قاضی نظام الدین کے برادر ارشد تھے، بڑے صاحب کمال ، فضائل سے آراستہ و
پیراستہ تھے زہد و تقویٰ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، اکثر خطوط سے ان کی جودت طبع نمایاں ہے، ان کا معمول تھا کہ جمعہ
کے دن ہرات کی جامع مسجد میں نماز کے بعد نہایت پر اثر واعظ بیان کرتے تھے اور آیات و احادیث کے درہائے
تاباں کو اپنی طبع لطیف سے اظہار بیان میں لاتے تھے۔

بڑے بڑے امراء اور اہالیان سلطنت ان کی مجلس میں بیٹھتے تھے لیکن مولانا ان کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور
اکثر ان لوگوں کو جھڑک دیا کرتے تھے، مولانا معین اپنے بھائی قاضی صاحب کی وفات کے بعد شاہی حکم کے بموجب
ایک سال عہدہ قضا پر مامور رہے پھر اس کو ترک کر دیا بہت کچھ اصرار کیا گیا لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔

مولانا کے لطافت نگار قلم کے آثار سے معارج النبوت نامی کتاب لوگوں میں مشہور ہے جس
میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مقدس و حالات روایات مختلفہ کے ساتھ اس
میں بیان کئے گئے ہیں۔

مولانا معین الدین ۹۰۷ھ میں علیل ہوئے اور اسی علالت میں ان کا انتقال ہو گیا، ان کو حضرت
خواجہ عبداللہ انصاری کے مزار کے قریب ان کے بھائی قاضی نظام الدین کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

صاحب حبیب السیر کا بیان آپ نے ملاحظہ فرمایا، ان کی تصانیف میں صرف معارج النبوۃ کا ذکر کیا گیا ہے صاحب حبیب السیر (متوفی سنہ ۹۴۱ھ) ملا معین الدین ہروی (المتوفی سنہ ۹۰۷ھ) کا ہم عصر ہے۔ اپنے ایک ... معاصر کا ذکر کرتا ہے کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ وہ ملا معین کے کمالات علمی میں شاعری کو پیش نہیں کرتا اور ان کے دیوان یا کلیات کا ذکر نہیں کرتا کیا یہ کھلا ثبوت اس امر کا نہیں کہ ملا معین ہروی پر شاعری ایک تہمت محض ہے کہ نہ خود ان کو ادّعا، نہ ان کے معاصران کی شاعری کا ذکر کرتے ہیں اور نہ تاریخ ادبیات ایران میں یا تذکرۃ الشعراء میں ان کا ذکر موجود۔ اب کس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ملا معین ہروی ایک زبردست شاعر تھے وہ بھی بقول حافظ محمود شیرانی ایسے شاعر جس پر تصوف کا رنگ غالب تھا اور پھر بقول ان کے وہ واعظ ضرور رہے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اپنے بعض اشعار میں وعظ و منبر اور محراب کا ذکر کیا ہے۔

ایسے بلند پایہ تصوف نگار شاعر کو حیرت ہے کہ ان کے مشہور معاصر صاحب حبیب السیر نے نظر انداز کر دیا صرف یہی نہیں بلکہ تاریخ ادب کے حافظہ سے بھی وہ اتر گئے یعنی مولانا ہروی کے ہم عصر تذکرہ نگار شاہزادہ سام میرزا پسر شاہ اسمٰعیل صفوی نے اس قدر بے اعتنائی سے کام لیا کہ اپنے تذکرۃ الشعراء موسوم بہ تحفہ سامی میں مولانا معین کا ذکر نہیں کیا، تحفہ سامی سے پہلے ترکی زبان کا مشہور فاضل وزیر شیر علی نوائی ہے جس نے اپنے معاصرین شعراء کا ذکر بڑی شرح و بسط سے کیا ہے۔ شیر علی نوائی نے بھی مولانا معینؔ (مسکین معین) کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ہم آپ کے سامنے نویں صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک کے تذکروں اور سیرت کی کتابوں کو پیش کر چکے۔ ان دو تذکروں کے بعد ہفت اقلیم (مصنفہ امین احمد رازی) ہے جو چھ سال کی مسلسل کوشش کے بعد ۱۰۰۲ء میں اختتام کو پہنچا۔ مؤلف نے طبقہ بندی کے ساتھ شعراء کا ذکر کیا ہے لیکن مولانا ہرویؔ (مسکین معین) کا اس میں بھی کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہفت اقلیم کے بعد فارسی شعرا کا قابل اعتماد اور مشہور زمانہ تذکرہ آتش کدہ ہے جس کا مصنف لطف علی آذر ہے آذر نے یہ تذکرہ چالیس سال کی عمر میں ترتیب دیا، تذکرہ کا سال تالیف سنہ ۱۱۷۴ء ہے۔ وہ بھی مولانا معین ہروی یا انفراہی کے سلسلہ میں خاموش ہے لیکن حضرت خواجگان چشت رح کا ذکر کرتا ہے اور نمونہ کلام بھی دیتا ہے!!

آتش کدہ آذر کے بعد مشہور تذکرہ مجمع الفصحاء ہے جو عہد قاچار میں مرتب ہوا، اس کا مصنف رضا قلی خاں ہدایت طبرستانی ہے، یہ فارسی شعرا کا سب سے زیادہ قابل اعتماد اور عظیم ترین تذکرہ ہے سال تالیف سنہ ۱۲۱۸ء ہے، اس تذکرہ میں ۷۰۰ (سات سو) سے زیادہ شعراء کا ذکر کیا گیا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ معین انفراہی کے سلسلہ میں یہ تذکرہ بھی خاموش ہے البتہ حضرت

خواجہ خواجگان چشتی خواجہ معین الدین قدس سرہٗ العزیز کو شعرا ر متصوف کے سلسلہ میں ہدایت نے ذکر کیا ہے۔ چند رباعیوں کے علاوہ مندرجہ ذیل اشعار بھی بطور نمونہ پیش کئے ہیں۔

سیل را نعرہ از انست کہ از بحر جدا است — وانکہ با بحر در آمیختہ خاموش آمد

نکتہا دوش دلم گفت و شنید از لب یار — کہ نہ ہرگز بزباں رفت نہ در گوش آمد

اس زمین میں ۹ شعر کی غزل پیش نظر دیوان مطبوعہ مجتبائی کے ص ۳۲ پر موجود ہے۔

ان مصنفین میں جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں حبیب اکسیر کا مصنف مولانا معین انفراہی کا ہم عصر ہے اور اس کے بعد کے مصنفین ہر چند کہ ان کے ہم عصر نہیں لیکن ان کے تذکرے تاریخ ادب کی اساس ہیں اور کسی شاعر کے سلسلہ میں ایک اہم سند سمجھے جاتے ہیں یہ تمام تذکرے بھی جن کا ہم فرداً فرداً ذکر کر چکے ہیں، مولانا معین کو شاعر تسلیم نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ یہ تمام تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں اب مولانا معین کو شاعر تسلیم کرنے والے حضرات کے لئے ایک یہی سہارا رہ جاتا ہے کہ ان کی ایک تصنیف (معارج النبوت) میں تقریباً ۱۵۰ (ایک سو پچاس) ایسے اشعار ہیں ہیں جو حضرت خواجۂ چشتؒ سے منسوب (بخیال محمود شیرانی) دیوان میں بھی موجود ہیں۔ اس صورت میں عقل کا فیصلہ کیا ہے اور علم و ادب کا تقاضہ کیا چاہتا ہے ہم ذرا اس بات کو کھول کر کہنا چاہتے ہیں ہمیشہ سے یہ دستور چلا آیا ہے کہ اس قسم کے متنازعہ امور میں اولیت اور تقدم زمانی ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے خواجہ صاحبؒ کو شاعر اور موجودہ دیوان کو ان کا دیوان تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اور علی رُوس الاشہاد یہ کہنا پڑے گا کہ معارج النبوت میں جو اشعار مندرج ہیں وہ سرقہ کئے گئے ہیں۔

ہم کو مولانا معین انفراہی کی عالمانہ شخصیت کا اعتراف ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ خود ان سے ایسی رکیک حرکت سرزد ہوئی یا معارج النبوت کی اشاعت و ترتیب کے وقت کسی دوسرے شخص نے حسب موقع اور بے موقع کلام معین سے اشعار کا سرقہ کر کے معارج النبوت میں پیش کر دئے، دونوں صورتوں کا امکان ضرور ہے ہم اسی سلسلہ میں ایک جگہ حضرت قدوۃ السالکین علی بن عثمان جلابی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) صاحب کشف المحجوب کا وہ حوالہ پیش کر چکے ہیں جہاں آپ نے اپنے دیوان کے سرقہ پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ پانچویں صدی ہجری ہے اور خواجہ صاحب کے کلام کو سرقہ کر کے دسویں صدی ہجری میں زیب کتاب بنایا گیا اب ذمہ دار اس کا خواہ کوئی ہو لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں کسی تردد و تامل کی گنجائش نہیں کہ تاریخ ادب کی شہادتوں کے پیش نظر دیوان خواجہ خواجگان چشتؒ کا ہے نہ کہ صاحب معارج النبوۃ کا!

خارجی شواہد کے سلسلہ میں ایک بات اور پیش کرنا ہے کہا جاتا ہے کہ معین انفراہی بحیثیت

عالم و شاعر اکبر کے دربار میں آئے ہیں حافظ محمود شیرانی فرماتے ہیں :۔

"میرا ایسا خیال ہے کہ اکبری عہد کے مورخین کو مولانا کے متعلق صحیح معلومات تھیں۔ لیکن بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات سے بہت کم اعتنا کی ہے۔" مقالاتِ شیرانی ۔

حافظ صاحب کا یہ خیال غلط ہے اکبری عہد کے مورخین کا مولانا کے متعلق صحیح معلومات کا ہونا کس طرح ممکن ہے ! کیا وہ عہد اکبری میں ہندوستان آکر دربار اکبری سے وابستہ ہوئے، اگر ایسا وقوع میں آنا ممکن تھا تو پھر یقیناً ان پر ظلم ہوا۔ ابوالفضل کو آئین اکبری میں اور مولانا عبدالقادر بدایونی کو منتخب التواریخ میں ضرور ان کا ذکر کرنا چاہیئے تھا، لیکن آئین اکبری اس سلسلہ میں خاموش ہے ورنہ اس میں عہد اکبری کے علماء و حکماء ہی نہیں بلکہ خوشنویسوں، مصوروں اور نغمہ سراؤں تک کا ذکر ہے۔

ڈاکٹر محمد نجم الغنی صاحب ہندوستان میں فارسی ادب کے محقق مانے جاتے ہیں وہ اپنی گرانمایہ تصنیف "مغل دربار میں فارسی زبان اور فارسی ادب" جلد سوم میں عہد اکبری کے ادنیٰ متوسط اور اعلیٰ طبقے کے شعرا کا ذکر کرتے ہیں اور ان کا ماخذ یہی دو مشہور زمانہ تصانیف یعنی آئین اکبری اور منتخب التواریخ ہیں شعراء کے ساتھ ساتھ علماء کا بھی ذکر انھوں نے کیا ہے لیکن مولانا معین کا ذکر انھوں نے نہ طبقہ شعراء میں کیا ہے نہ طبقہ علماء میں۔

حافظ محمود شیرانی کو یہ خیال نہیں آیا کہ ابوالفضل یا بدایونی، مولانا ہروی کا ذکر بھی کس طرح کرسکتا تھا جبکہ مولانا ہروی (انفراہی) ۹۰۷ھ میں وفات پا چکے تھے اور حضرت عبداللہ انصاریؒ کے مزار کے قریب ہی ان کو ہرات میں دفن کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کہنا عجیب مضحکہ انگیز ہے کہ اکبری عہد کے علما کو مولانا انفراہی کے متعلق صحیح معلومات تھیں اور بعد کے مورخین نے ان کے تذکرے کو قابل اعتنا نہیں سمجھا !! ظاہر ہے کہ ۹۰۷ھ میں ہرات میں وفات پانے والا اکبری عہد کو کس طرح پا سکتا ہے جبکہ اکبر کی پیدائش ۹۴۹ھ میں عمر کوٹ میں ہوئی یعنی مولانا ہروی کی وفات کے بیالیس سال بعد۔

لہذا یہ تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اکبر کے دربار سے وابستہ شعراء کرام کی فہرست میں یا علماء کے زمرے میں مولانا انفراہی شامل ہو سکتے ہیں۔ تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد جب اکبر مخالفین کی سرکوبی سے اچھی طرح فارغ ہوچکا اور اس نے بزم خاص اکتساب علم و فضل کے لئے قائم کی اس کی تشریح ابوالفضل (آئین اکبری میں اس طرح کرتا ہے)

"وگیتی خداوند از وفور آگہی کتاب خانہ را بر چند گونہ فرمودہ لختے۔

درونِ مشکوۂ قدس می باشد و لختے بیروں ، و ہر کدام را چند لخت گردانید، ہموارہ علم علم و نامہ نامہ را موافق ارزش پایہ قرار داد و از دگر گونگی نظم و نثر ہندی و فارسی یونانی و کشمیری و عربی ترتیب ہا یافت ، بداں نمط بنظر در آوردند، روز بروز کاردانانِ آگاہ دل آنرا بموقف عرض ہمایوں رسانند و ہر کتاب را از آغاز تا بانجام بشنوند، و ہر روز کہ بد آنجا رسد بشمارۂ آں ہندسہ بقلم گوہر بار نقش کنند و بود اوراق خوانندہ را نقد از سرخ و سفید بخشش شود، کم کتابے مشہور بود کہ مذکور محفل ہمایوں نہ گردد و کدام داستان ہائے و غرایب علوم و نوادر حکم کہ بداں آن پیشوائے دانش منشال انصاف گرائے نبا شد، از مکرر شنودن ملال نگیرد، و بعز او اں خواہش نیو شد !'

ہموارہ از اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیریؒ، گلستان، حدیقہ (حکیم سنائیؒ) مثنوی معنوی، جام جم (اوحدی) بوستاں، شاہنامہ، خمسہ شیخ نظامی، کلیات خسرو و مولانا جامی، دیوان خاقانی و انوری، و دیگر تاریخ نامہا در پیش گاہ حضور بر خوانند۔" (دربار اکبری جلد اول ص۱۱۵)

آپ نے یہ فہرست ملاحظہ فرمائی اکبر کی اس محفل علم و ادب میں یہ کتابیں پڑھی جاتی تھیں ۔ [مع]ین انفراہی کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں، خود ان کی وابستگی دربار اکبری سے محال و ناممکن [جن]اب شیرانی کا اس جملہ سے کیا مدعا "کہ اکبری عہد کے مورخین کو مولانا کے متعلق صحیح معلومات نہیں"۔ اگر ایسا ہوتا تو آئینِ اکبری اور منتخب التواریخ میں ان کا تذکرہ ضرور ہوتا، لہذا یہ خیال بھی [ا]ور محض ایک قیاس ہے مولانا معین انفراہی کو بحیثیت عالم و شاعر نہ عہد اکبری کے علماء [مو]رخین پہچانتے ہیں بلکہ خود ان کے دو عظیم ترین معاصر یعنی میر علی شیر نوائی (صاحب خمسۃ المتحیرین و [مجالس] النفائس) اور مولانا جامی (۸۱۷ھ ــــ ۸۹۸ھ) جن کا مولد جام (خراساں) اور منشاء و [م]دفن ہرات ہے، ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا کہیں اعتراف نہیں کرتے اور نہ بحیثیت ایک شاعر [یا] فاضل کے ذکر کرتے ہیں۔ حضرت جامی کی نفحات الانس تقریباً ۲۰۰ شعرائے متصوفین کے [تذ]کرے پر مشتمل ہے، حضرت جامی علیہ الرحمۃ سے جن کا آخری زمانہ (یعنی ۸۸۰ھ کے بعد کا زمانہ) ہرات [میں] گذرا، اور مدفن بھی ہرات ہے، بہت ہی بعید اور ناممکن ہے کہ وہ ایسے فصیح البیان اور نغز گو

شاعر کو جس کا کلام صوفیانہ جذبات سے مالا مال ہے فراموش کر دیتے یہی صورت میر علی شیر نوائیؔ جیسے عالم متبحر اور شاعر نغز گو کے سلسلہ میں بیان کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے اپنے خمسۃ المتحیرین میں معین انفراہی کا ذکر نہیں کیا۔ آپ جس رخ سے بھی دیکھیں اور جس پہلو سے جایزہ لیں آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ معینؔ ہروی، مسکیں معین یا معینؔ انفراہی کا بحیثیت شاعر وجود ہی نہیں پھر یہ تذکرے ان کے ذکر کو کس طرح زینت اوراق بناتے۔

آپ کو تعجب ہو گا کہ صرف تذکرہ الشعراء ہی ان کے ذکر سے خالی نہیں بلکہ ان کے وطن مقدس کی عظیم ترین تاریخ "تاریخ ہرات" مصنفہ معین الدین اسفرازی جو اواخر عہد تیموریہ تک ہرات کے حوادث و وقایع پر مشتمل ہے، مولانا معینؔ کے ذکر سے خاموش ہے اور ہرات کے فاضلوں اور شاعروں کے سلسلہ میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم کتاب کا اور ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ ہے کتاب روضۃ الصفا، ڈاکٹر رضازادہ شفق روضۃ الصفا کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:-

> "روضۃ الصفا مہم ترین تاریخے است کہ در دورۂ تیموریاں تالیف یافتہ و آں در ہفت جلد است و محتوی تاریخ اسلام و ایران و خاصہ مغول و تیموریاں تا اواخر سلطنت ابوالغازی سلطان حسین بایقرا کہ بسال ۹۱۲ وفات یافتہ است می باشد۔
> مؤلف آں محمد بن خاوند شاہ بن محمود معروف بہ میر خوند از نجیب زادگان بلخ و ملتزمین مجلس میر علی شیر نوائی بودہ و در ۹۰۳ در ہرات وفات یافتہ و بقیہ ایں تاریخ یعنی محتویات جلد ہفتم تا وقایع چند سال بعد از وفات مؤلف (از ۹۰۳ھ تا ۹۱۲ھ) گویا از طرف نوۂ مؤلف خوند میر تکمیل شدہ، نیز خوند میر در ۹۰۵ھ روضۃ الصفا را در تالیفے موسوم بہ خلاصۃ الاخبار مختصر کردہ۔"

ملاحظہ کیجئے روضۃ الصفا ملا معین ہروی کے ایک عالی مرتبت معاصر کی تصنیف ہے، اس کا مصنف ہرات میں موجود ہے، ہرات کے علماء و فضلاء کا خاص طور پر ذکر کرتا ہے لیکن مولانا معین انفراہی

لہ امیر علی شیر نوائی ابوالغازی سلطان حسین کے دربار کا وہ علم دوست وزیر تھا جو صرف خود زبردست مصنف ہی نہیں، بلکہ شاعروں، انشا پردازوں اور عالموں کا سرپرست تھا، آج بھی روس کے شہر تاشقند میں علی شیر نوائی اکیڈمی اس قابل وزیر کے کمال علمی کی شاہد ہے۔

۵۔ معاصرین اپنی تصانیف میں ان کا ذکر بحیثیت نثر نگار یا شاعر کیوں نہیں کرتے!

یہ ہیں ہمارے وہ سوالات جن کا جواب ہم ان حضرات سے چاہتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کلام معین یا دیوان معین خواجہ معین الدین اجمیری کا نہیں بلکہ ملا معین ہروی کا ہے۔

اس کے مقابل میں خارجی شہادتوں اور تذکرۃ الشعراء سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ:۔

۱۔ دیوان معین خواجہ معین الدین اجمیری کا ہے اور تذکرے شمع انجمن، روز روشن، آتش کدہ اور مجمع الفصحاء اس کے شاہد ہیں۔

۲۔ آٹھویں صدی ہجری میں جو کلام خواجہؒ پڑھا جاتا ہے وہ موجودہ مطبوعہ دیوان میں موجود ہے۔

۳۔ گفتہ چشتم زمرآۃ کہ پیدا شد معین ؛ من چہ گویم کز کہ شد چوں تو ہمی دانی زما" کیا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ حضرت پیر چشت کا کلام ہے۔

۴۔ تاریخ (تاریخ ادبیات) خواجہ غریب نوازؒ کی شاعری اور ان کے دیوان سے واقف ہے، ہاں معین ہروی سے اور ان کی شاعری سے واقف نہیں۔

ملا معین ہروی کے صاحب دیوان یا بلند پایہ شاعر ہونے کے سلسلہ میں محمود شیرانی صاحب کے خارجی شواہد کا انحصار صرف دو کتابوں پر ہے جن میں ایک مطبوعہ ہے یعنی "معارج النبوۃ" اور دوسرا مخطوطہ" ہے یعنی تذکرہ الشعراؔ "مخزن الغرایب"۔

"معارج النبوۃ" کو اس سلسلہ میں بطور سند لانا خود ملا معین ہروی کو فائدہ نہ پہنچا سکا جیسا کہ اس سے قبل مصنف ہی کے بیان سے جو اقتباسات ہم نے پیش کئے ہیں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ملا معین ہروی شاعر نہیں تھے علاوہ ازیں مطبوعہ کتاب کی الواح کی عبارتیں جو ہم نے پیش کی ہیں وہ صاف اس امر کی غمازی کر رہی ہیں کہ مقدمہ یا دیباچہ الحاقی ہے اور سُنی سُنائی باتوں پر اس کی بنیاد ہے اور کلام معین (خواجہ اجمیری) سے" فقیر عبداللہ عفی عنہٗ مرتب مقدمہ کو حسب موقع جو اشعار مل گئے وہ ایراد کر دئے ورنہ غور فرمائیے کہ کوئی مؤلف یا مصنف خود اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے گا۔

" العبد الضعیف نور اللہ مرقدہ۔ لمؤلفہ غفر اللہ لہٗ۔ لمؤلف رحمۃ اللہ علیہ قال مؤلفؒ وغیرہ۔

معمولی استعداد کا شخص بھی مندرجہ بالا الفاظ سے یہ پتہ لگا سکتا ہے کہ مصنف یا مؤلف کے بعد یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا الفاظ یا دعائیہ کلمات صرف ہماری ہی دریافت اور تلاش نہیں بلکہ یہ سندیں خود خواجہ کے نقاد جناب محمود شیرانی صاحب نے اپنے مقالہ میں

پیش کی ہیں، اور ان دعائیہ کلمات کی صحت نقل میں واقعی کوئی کلام نہیں کہ ہمارے پیش نظر "معارج النبوۃ" کا جو نسخہ ہے اس میں اسی طرح دعائیہ کلمات مرقوم ہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ! ہم ان کو تفصیل سے پیش کئے دیتے ہیں :-

" لمؤلفہ رح ص۱۷ ۔ لمؤلفہ رح ص۱۸ ۔ لمؤلف الکتاب ص۱۹ ۔ لمؤلفہ رح ص۲۰ ۔
لمؤلف الکتاب رح ص۲۱ ۔ لمؤلف غفر اللہ لہ ص۲۵ ۔ نظم لمؤلف الکتاب غفرلہٗ
ص۵۵ ۔ لمؤلف نور اللہ ۔ لمؤلف رح ص۵۶ ۔ لمؤلف رح ص۶۱ ۔ لمؤلفہ غفرلہٗ ص۹۱
لمؤلف غفرلہٗ ص۹۲ ۔

(دیباچہ معارج النبوت)

اسی معارج النبوت میں آپ کو بعض مقامات ایسے بھی ملیں گے جہاں کسی شاعر کا حوالہ موجود نہیں اور ستم ظریفی دیکھئے کہ بغیر حوالہ جو اشعار پیش کئے ہیں وہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے موجودہ دیوان میں موجود ہیں۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ مؤلف مقدمہ دیدہ و دانستہ حوالہ سے گریز کر رہا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کلام کو جس کا ایک بڑا حصہ ملا معین ہروی کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے، خواجہ سنجری اجمیری کے نام سے بھی موسوم کرے جس کے حقیقت میں وہ حق دار تھے!

اسی سلسلہ میں ایک عجیب امر اور بھی ہے اور جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مؤلف مقدمہ نے مشاہیر صوفیائے کرام مثلاً حضرت ابو سعید، ابو الخیر، حکیم سنائی، خواجہ عطار، حضرت سعدی۔ حافظ شیرازی کے اشعار بھی جا بجا مقدمے میں ایراد و انشاء کئے ہیں۔
غور فرمائیے کہ ملا معین خود شاعر ہیں سینکڑوں اشعار اثنائے کلام میں پیش کرتے جاتے ہیں پھر ان کو ایسی کیا ضرورت تھی کہ مذکورہ بالا شعراء کا کلام انھوں نے اسی مقدمہ میں اپنے کلام کے ساتھ ساتھ پیش کیا، حقیقت نفس الامری یہی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ مؤلف مقدمہ نے مختلف مشاہیر شعرائے متصوفین کا کلام حسنِ کلام کے لئے مقدمہ میں ایراد کیا ہے اور اسی کے ساتھ خواجہ اجمیری کا کلام بھی پیش کر دیا ہے، تخلص کی یکسانیت کے باعث کلام حضرت معین رح اجمیری کو ملا معین ہروی کا کلام سمجھ لیا، اور اس پر قال المؤلف رح ۔ قال مؤلف نور اللہ مرقدہ، قال عبد الضعیف رح وغیرہ کے دعائیہ کلمات تحریر کر دیئے اور یہی دعائیہ کلمات اس امر کے غماز بن گئے کہ کلام "مصنف معارج النبوت" کا نہیں اور نہ مسودے میں خود اس نے اپنے قلم سے ان اشعار کو تحریر کیا ورنہ ان دعائیہ کلمات کے کیا معنی؟ پھر یہی نہیں بلکہ ایک عجیب اور پر لطف بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ مقدمہ معارج النبوۃ ایک سو سولہ ( ) صفحات پر مشتمل ہے

اور اس میں جو اشعار موجود ہیں ان کی تعداد تقریباً چار ساڑھے چار ہزار ہوگی لیکن متنِ کتاب (معارج النبوت) کی جو چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، آپ ورق گردانی کریں آپ کو ان چھ سو صفحات میں سو شعر بھی نظر نہیں آئیں گے۔

غور فرمائیے کہ ایک ایسا مصنف جس پر مذاق شاعری اس قدر غالب ہے کہ ایک سو صفحات میں تو وہ موقع و بے موقع شعر پر شعر پیش کر رہا ہے، مثنویوں، قطعوں اور رباعیوں کی بہتات ہے، ہزاروں اشعار ان ایک سو صفحات میں کھپا دئے لیکن متن کتاب میں جہاں موقع بھی ہے اور گنجائش بھی وہ سو شعر بھی پیش نہیں کرتا یہی "بین ثبوت اس امر کا ہے کہ مقدمہ الحاقی ہے!

آئیے اب ذرا "مخزن الغرائب" کا بھی جایزہ لیں کہ اسی "مغزن الغرائب" نے حافظ محمود شیرانی صاحب پر یہ انکشاف کیا کہ "جو دیوان خواجہ غریب نوازؒ کے نام نامی سے منسوب ہے وہ دراصل ملا معین ہروی کا ہے"۔ "مخزن الغرایب" جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ایک بیاض ہے جس میں مشاہیر شعراء کا پسندیدہ کلام جمع کر دیا گیا ہے ایسی بیاضیں، کشکول، وغیرہ کے نام سے ہر دور میں با مذاق حضرات مرتب کرتے رہے ہیں، حافظ شیرانی صاحب نے اس کا اَتا پتا کچھ بھی نہیں دیا ہے نہ سنہ تالیف، نہ مؤلف کا نام نہ کتب خانہ کا ذکر! بلکہ اس کے بارے میں صرف یہ تحریر فرما دیا ہے کہ بدقسمتی سے یہ تذکرہ اب تک شائع نہیں ہوسکا ممکن ہے کہ حافظ صاحب کی نظر میں یہ بیاض یا کشکول معتبر اور قابل سند ہو ورنہ وہ منفرد ادیب اور ناقد ہیں جنھوں نے اس "مغزن الغرائب" کا ذکر کیا ہے ورنہ ہند و پاکستان یا ایران میں اس مخطوطہ کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس کو کسی نے قابل اعتنا سمجھا ہے، خزانہ عامرہ کی تالیف کے وقت مؤلف تذکرہ آزاد بلگرامی نے تقریباً ایک سو تذکروں کو سامنے رکھا ہے اور مقدمہ میں ان کا ذکر بھی کیا ہے لیکن اس مخزن الغرائب کا کہیں ذکر نہیں ہے نہ اس برصغیر کے کسی اور مصنف یا مؤلف نے ذکر کیا ہے اگر ایسی بیاضیں قابل اعتبار اور سند کے لائق ہوسکتی ہیں تو ہمارے پاس "دیوان خواجہ اجمیری" کے ثبوت میں اس سے کہیں زیادہ وزنی اور قابل اعتبار ثبوت موجود ہے۔

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب "آبِ کوثر" میں خواجہ چشتیؒ کے تذکرہ میں دیوان کا ذکر کرتے ہوئے "سیر السالکین" کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں:۔

"حضرت ایشاں در زمرۂ شعرائے نامدار از مغتنمات روزگار اند و در اصناف شعر قصیدہ و غزل مرعی دارند۔ مجموعۂ کلام

عرفاں آنحضرت کہ گنجینۂ معرفت است بیش از ہفت ہشت
ہزار بیت بودہ از دست دورانِ نامہربان از میاں رفت و
اندکے ازاں ماندہ"۔

(آبِ کوثر ص ۲۰۹)

یعنی :۔"آپ کی ذات گرامی مشاہیر شعراء کے زمرے میں شامل ہے اور
آپ مغتنمات روزگار سے ہیں۔ اصنافِ سخن میں قصیدہ اور غزل
میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی ہے، آپ کے کلام معرفت نظام کا مجموعہ
سات آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل تھا لیکن دست بُرد زمانہ کے باعث
اب اس میں سے کچھ باقی ہے"۔

"سیر السالکین" کی اس واضح شہادت کو ہم نے اپنی بحث کا مدار نہیں ٹھہرایا وجہ ظاہر ہے کہ سیر السالکین ہر چند کہ "مخزن الغرائب" سے کہیں زیادہ مشہور ہے۔ مشہور فاضل و ادیب جناب ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب نے یقیناً "سیر السالکین" کا مطالعہ کیا ہے ورنہ اس طرح وہ بقید عبارت اس کا حوالہ کس طرح دے سکتے تھے۔ لیکن باوجود تفحص بسیار یہ مخطوطہ یا مطبوعہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی یہ مطبع مجتبائی میں چھپی تھی لیکن آج ناپید ہے اور ہم اس کا سنہ تصنیف اور مصنف کا نام پیش کرنے سے قاصر ہیں اس لئے ایسی کتاب کو ہم اپنے موضوع کا مدار نہیں بنا سکتے تعجب ہے کہ حافظ شیرانی صاحب نے ایک بیاض گمنام مجہول المؤلف مخطوطہ کو اپنی بحث اور تنقید کا مدار کلی قرار دے دیا جو تنقید کے معیار سے گری ہوئی چیز ہے اور تحقیق و درایت جس کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ ہم نے خارجی شہادتوں میں جو کچھ بحث کی ہے اور جو حوالے پیش کئے ہیں وہ ایسی مطبوعات اور مخطوطات سے پیش کئے ہیں جن کی ادبی حیثیت مسلّم اور مستند ہے اور جو ہمارے پیش نظر ہیں۔

اب ہماری ان خارجی شہادتوں کے سامنے حافظ شیرانی صاحب کی اس رائے کا وزن دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ شیرانی صاحب کے قول میں ناقدانہ صحت اور درایت کس حد تک ہے وہ فرماتے ہیں :۔

۱۔ آپ (یعنی ملامعین ہروی) سلطان ابوالغازی حسین کے عہد کے زبردست فاضل ہیں۔ (اس علم دوست بادشاہ کا صحیح نام ابوالغازی سلطان حسین ہے، مؤلفین)
۲۔ مولانا جامی کے ہم عصر ہیں۔
۳۔ اپنے عہد کے مشہور واعظ اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ (مقالات شیرانی)

حافظ شیرانی نے ملا معین کو جس علم دوست بادشاہ سلطان ابوالغازی حسین (یعنی ابوالغازی سلطان حسین) کے عہد کا فاضلِ جلیل بتایا ہے، اس سلطان کی مشہور کتاب "مجالس العشاق" ہمارے سامنے موجود ہے یہاں ہم قدرے تفصیل سے مجالس العشاق کے بارے میں کہنا چاہتے ہیں کہ اس کتاب کا تعارف تفصیلی شاید ملا معین ہروی کو مسندِ شاعری پر جگہ دے سکے اور ان کے مقام ادبی و شعری کا تعین ہو سکے۔

مجالس العشاق مؤلفہ ابوالغازی سلطان حسین بایقرا گورگانی کا سنہ تالیف ۹۰۸ھ، یہ صاحب طرز اور باکمال ادیب وہی سلطان غازی ہے جس کا دارالسلطنت ہرات ہے جو صرف بذات خود فارسی زبان کا بلند پایہ شاعر اور صاحب طرز انشا پرداز ہی نہیں بلکہ اس کا دربار بھی شعرا اور ادبا کا ملجا و ماوی تھا۔

میر علی شیر نوائی صاحب مجالس النفائس وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز تھے، حضرت مولانا جامیؔ، مولانا قاسم الانوار، مولانا واعظ کاشفی اور صدہا شعراء دربار سے وابستہ تھے، اس دور کا کوئی ایسا شاعر نغزگو یا ادیب بلند پایہ ایسا نہ تھا جس کو سلطان کے دربار سے تعلق نہ ہوا اور سلطان اس کی قدر نہ فرماتے ہوں۔

مجالسِ العشاق میں مشاہیر شعرائے عصر سابق اور عصر حاضر کا کلام بطور حسنِ انشاء حسب موقع و محل موجود ہے تقریباً پچاس شعراء کا کلام "مجالس العشاق" میں حسنِ کلام کے لئے دیا گیا ہے، مجالس العشاق کا نولکشوری نسخہ نایاب نہیں اُٹھا کر دیکھ لیجئے کہ اس عصر کے شعراء میں سے صرف شیرانی صاحب کے نغزگو بہترین شاعر مُلّا حسین ہروی کا کلام آپ کو اس کتاب میں نہیں ملے گا۔ آخر کیوں، کیا کلام اس پایہ کا نہیں؟ یا شاہ حسین کو بھی اپنے دربار کے ایک بلند پایہ شاعر سے دوسرے تذکرہ نویسوں کی طرح یہ کدّ تھی کہ بحیثیت شاعر ان کا ذکر نہ کیا جائے حالانکہ ان کی قلمرو شاعری میں بقول حافظ صاحب غزل، رباعی، مثنوی اور نظم موجود ہے اور یہی وہ اصناف ہیں جن سے مجالس العشاق کی انشاء کو زینت بخشی گئی ہے۔

کیا ہم یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ایک ہم عصر فاضل ادیب اور شاعر نغزگو کا نام مجالس العشاق میں نہ ہونا اس امر کی دلیل تو نہیں کہ مُلّا معین کی بساط ادب، شاعری کی متاعِ گراں بہا سے تہی اور خالی تھی مجالس العشاق کس پایہ کی کتاب ہے، اس کے اظہار کے لئے پروفیسر ایڈورڈ براؤن کا یہ حوالہ ہمارے خیال میں کافی ہے، وہ اپنی مشہور تاریخ ادبیات ایران جلد سوم میں رقم طراز ہیں:۔

"(۴) ابوالغازی سلطان حسین کی مجالس العشاق"

عربی زبان کا یہ مشہور مقولہ کلام الملوک ملوک الکلام" سلطان حسین کی اس تصنیف پر بالکل صادق آتا ہے، چنانچہ شاہی خاندان کے ایک مشہور تذکرہ نویس اور سوانح نگار شاہزادہ سام میرزا صفوی نے اپنی تصنیف "تحفہ سامی" میں اس مصنف کے ادبی کارناموں کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔

یہ کتاب (مجالس العشاق) بادشاہ سلطان حسین نے ۹۰۸-۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳-۰۴ء تصنیف کی تھی۔[1] اس کتاب کو ایک تحقیقی سوانح نگاری کا مرقع بمشکل ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا آغاز ایک مرصع و مسجّع مقدمہ کے ساتھ کیا گیا ہے جو شعراء کے ایسے کلام سے آراستہ ہے جو عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں پر محمول کئے جا سکتے ہیں"۔ (لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد سوم)

پروفیسر براؤن کا تعارف آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے ہمارے اس قول کی بھی تائید کر دی کہ شعرا کے کلام سے آراستہ ہے، مجالس العشاق میں سلطان نے ۷۶ عنوانات پر قلم اُٹھایا ہے اور ہر عنوان کو مجلس سے موسوم کیا ہے۔ ہر مجلس کے تحت کسی نہ کسی عشقیہ داستان کو پیش کیا ہے اور زبان کے شکوہ اور انشاء کے حُسن کے لئے اپنے معاصرین یا متقدمین شعرا کے اشعار ایراد کئے ہیں، جن شعرا کا کلام اکثر و بیشتر مجالس میں موجود ہے وہ حضرت عطارؒ مولانا رومؒ، حکیم سنائیؒ، لطف اللہ نیشا پوری، حافظ شیرازی، حضرت سعدی شیرازی، شیخ کمال خجندی، مولانا یقینی، مولانا قاسم الانوار، سید عماد الدین نسیمی، مولانا جامی اور مولینا شرف الدین علی ہیں۔

غرضیکہ اس قبیل کے متعدد شعراء کا کلام سلطان حسین نے پیش کیا ہے کہیں بطور استدلال بیان اور کہیں برائے حسن بیان، لیکن جیسا کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں ملا معین ہروی کا کلام اس خاصی ضخیم کتاب میں کہیں نہیں ملتا اور نہ کہیں سلطان حسین نے ان کا ذکر کیا ہے، اگر ذکر اس اعتبار سے نہیں کیا کہ وہ اس کی مجلس عشاق میں مسند عشق پر متمکن نہ ہونے کے باعث قابل ذکر نہ تھے تو اگر وہ صاحب کلام یا صاحب دیوان ہوتے تو ان کے تغزل پر مبنی اشعار سے ضرور کتاب کو مزین کیا جاتا، مجالس العشاق میں غزل، رباعی، نظم، قطعات اور مثنویاں بھی موجود ہیں اور بقول حافظ شیرازی ! شعر کی یہ تمام اقسام ملا معین ہروی کے یہاں موجود ہیں، اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ مجالس العشاق کے ہزاروں اشعار میں ایک شعر بھی معین ہروی کا نہیں ہے، مجالس العشاق آج بھی موجود ہے ہمارے دعویٰ کو معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں مجالس العشاق میں ملا معین ہروی کا کلام اس وجہ سے آپ کو نہیں مل سکتا کہ وہ شاعر ہی نہ تھے، شعر ان کی بساطِ علم کا سرمایہ نہ تھا، ورنہ نا ممکن تھا کہ ایک علم پرور سلطان اپنے دربار کے بلند پایہ شاعر کو نظر انداز فرماتا، جبکہ سلطان نے بعض کم مرتبہ اور غیر معروف شعراء کے کلام سے بھی حسب موقع اقتباس پیش کیا ہے۔

---

[1] یعنی اپنے دربار کے قاضی، فاضل، واعظ اور معارج النبوت کے مصنف انتقال کے صرف ایک سال بعد۔

ان صفحات میں جو کچھ ہم نے پیش کیا ہے وہ دیوان خواجہ معین الدین چشتی سجزیؒ کے سلسلہ میں خارجی شواہد تھے، آیندہ اوراق میں داخلی شہادتوں سے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ کس معین کا کلام ہے حضرت معین الدین چشتیؒ کا یا ملا معین ہروی کا ؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حافظ محمود شیرانی صاحب کی رائے کلام معین کے سلسلہ میں پیش کی جائے گی اور اس کے بعد اسیر تبصرانہ و ناقدانہ بحث پیش کرینگے۔

ان خارجی شواہد کے ختم کرنے سے پہلے ہم ایک اور خارجی شہادت کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ شہادت "تحفہ سامی" ہے، اس تذکرہ کا مختصراً تعارف ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں، یہاں قدرے تفصیل سے "تحفہ سامی" کا ذکر کرتے ہیں۔ تحفہ سامی، شاہزادہ سام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی کی تصنیف ہے۔ مشہور ایرانی ادیب وحید دستگردی تحفہ سامی کے مقدمہ میں کہتے ہیں:۔

"تحفہ سامی" تذکرہ ایست کہ اسامی قریب ہفت صد کس از شعرائے عصر اول و روزگار نخست سلطنت صفویہ را با نمودار آثار آناں ضبط داشتہ و اکسانیکہ در قرون اواخر تذکرہ نوشتہ اند از قتیل علی قلی خاں و آلہ داغستانی مولف ریاض الشعراء و آذر بیگ علی مولف آتشکدہ و رضا قلی خاں ہدائیت مؤلف مجمع الفصحاء ازیں کتاب اقتباس و استفادہ بسیار کردہ اند۔

تحفہ سامی:۔ مطابق نگارش مولوی اقبال حسین و تحقیق و احتمال پروفسور براؤن و دکتر ریو در سال ۹۵۷ھ اتمام تالیف یافتہ است۔

سام میرزا، فرزند بلا فصل شاہ اسمٰعیل صفوی سر سلسلہ سلاطین صفویہ است و باشاہزادہ القاس میرزا از یک مادر بودہ اند، فرزندان شاہ اسمٰعیل ہمہ ذوق شعر و شاعری داشتہ۔

"سام میرزا، در دورہ زندگانی خود ہموارہ گرفتار کشمکش سیاست و اسیر زندان ہرج و مرج و انقلاب و بغاوت بودہ و با ہمہ گرفتاری در مواقع فراغت بشعر و شاعری و تالیف ایں تذکرہ (تحفہ سامی) می پرداختہ است، سام میرزا، مطابق نگارش مؤلف حبیب السیر در روز سہ شنبہ بست دیکم شعبان ۹۲۳ھ قمری متولد گردیدہ و در سال ۹۶۹ ہجری قمری در عہد شاہ طہماسپ برادر ہمیں خود علم بغاوت برافراشتہ و در نتیجہ دستگیر و در یکے از قلاع حبس گردیدہ و در روزگار شاہ اسمٰعیل ثانی ھنگامیکہ ایں بادشاہ بقتل شاہزادگاں و برادران و اعمام خود کمر بست، در ۹۸۳ھ ہجری باشاہزادگان دیگر صفویہ کشتہ شدہ است۔

وحید دستگیری کو اس امر کا اقرار و اعتراف ہے کہ بعد کے تمام مشہور تذکروں میں تحفہ سامی سے استفادہ

کیا گیا ہے، مجالس النفائس کے بعد یہ پہلی مستند شہادت ہے جس میں شاہ حسین والی ہرات اور بانی خاندان صفویہ شاہ اسمٰعیل صفوی کے عہد کے تمام معروف اور غیر معروف شعرار کا ذکر کیا گیا ہے

تحفہ سامی کا صحیفہ چہارم تا ہفتم اس کے لئے مخصوص ہے ان چار صحیفوں میں تقریباً سات سو شعراء کا ذکر ہے، ردیف میم کے تحت ۱۲۸ شعرار کا ذکر ہے یہ تمام شعرار ایرانی ہیں کسی غیر ایرانی شاعر کا اس نے ذکر نہیں کیا ہے، اس گروہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا شاعر بھی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ پایہ کا غیر معروف و گمنام بھی اور مشہور ترین بھی شامل ہے۔

لیکن تحفہ سامی ان ایک سو اٹھائیس شعرار میں [illegible] ت کے نامور مصنف اور شاعر ملا معین ہروی یا معین و معینی کا کہیں ذکر نہیں کرتا[1]۔

ہم نے آپ کے سامنے مجالس النفائس (میر علی شیر نوائی)۔ تحفہ سامی[2]، ریاض الشعرار[3]، آتشکدہ[4] مجمع الفصحا[5]، خالص ایرانی تذکروں کے حوالے پیش کر دئے اور غیر ایرانی تذکروں میں خزانۂ عامرہ[6]، شمع انجمن[7] اور روز روشن کو پیش کر دیا اب فیصلہ ارباب بصیرت کے سپرد ہے کہ ان آٹھ مستند تذکروں میں سے پانچ تذکروں میں جس شاعر (یعنی خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ) کا ذکر ہے اس کو ہم شاعر تسلیم کریں یا اُس کے شاعر ہونے کا اعتراف کریں جس کا ان آٹھ تذکروں میں سے کسی ایک میں بھی ذکر نہیں !!

اب ہم اپنی خارجی شہادتوں کو ختم کر کے داخلی شہادتوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ تاکہ تنقید کا یہ رُخ بھی تشنہ نہ رہے اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے کلام معین کے رنگ شاعری اور موضوع شاعری کو پیش کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

اور

مولانا معین ہروی کا موضوع شاعری

شعر کی تعریف بہت سے ناقدین نے جن میں مغربی ناقدین بھی ہیں اور مشرقی بھی متعدد طریقوں پر کی ہے علامہ شبلی نعمانی نے اپنی بلند پایہ کتاب شعر العجم میں اس موضوع پر مبسوط بحث کی ہے، شعر جذبات کے اظہار کو موزوں طریقہ پر پیش کرتا ہے یعنی جذبات جب وزن سے مقید کر دیا جاتا ہے۔ تو وہ شعر بن جاتا ہے ورنہ وہ نثر ہے یہ ضروری نہیں کہ جذبات کو ہر لحظ اور ہمہ وقت موزوں کر کے پیش کیا جائے بلکہ صاحب حال اور مالک جذبات جب چاہتا ہے ایسا عمل کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ جذبات بیساختگی کے ساتھ وزن کی قید میں آجاتے ہیں اصطلاح شاعری میں اسی کا نام آمد ہے اور دوسری شق کو آورد کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ خواجگان چشتؒ کو ایک شاعر کی حیثیت سے پیش کرنا یہاں مقصود نہیں اور نہ ان کے کلام کو آمد یا آورد کے معیار پر پرکھنا ہے بلکہ اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ آپ کے موزوں جذبات کس قسم کے خیالات کے آئینہ دار ہیں کیا ان میں موعظت کا رنگ جھلکتا ہے یا معرفت کا، رندی و سرمستی کے چشمے پھوٹتے ہیں یا حال کے یا ان کے واردات قلبی اور جذبات دلی کن خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں! ان کے کلام میں استعمال ہونے والی مصطلحات! اصطلاحات صوفیہ سے متعلق ہیں یا ایک واعظ کے کنایوں اور اشاروں سے!!

اگر ان کے کلام میں وہ تمام خصوصیات ملتی ہیں جو ایک صوفی شاعر کے کلام سے رابطہ و تعلق رکھتی ہیں اور کلام ان تمام مصطلحات سے آراستہ ہے جن کا سرچشمہ معرفت اور طریقت ہے تو پھر یقیناً ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ایک صوفی اور معرفت آگاہ کا کلام ہے اور اگر کلام پر موعظت کا رنگ غالب ہے، پند و موعظت اصلاح اخلاق اور تہذیب معاشرہ پر زور کلام کو صرف کیا ہے تو پھر یقیناً یہ ایک واعظ کا کلام ہے نہ کہ ایک پیر طریقت کا!

حافظ محمود شیرانی صاحب کی دوسری بڑی دلیل ان کے خیال میں یہ ہے کہ ملا معین ہروی چونکہ ایک واعظ اور خطیب تھے اس لئے پیش نظر دیوان جو حضرت خواجہؒ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

اصل میں ملا معین ہروی ہی کا دیوان ہے کہ اس میں خطیبانہ اور واعظانہ رنگ موجود ہے !!
یہ صفحات ہم نے اسی بحث کے لئے مخصوص کئے ہیں !تاکہ آپ کے سامنے تفصیل سے یہ بات پیش کرسکیں دیوان معین کا اس پہلو سے بھی تعین ہو سکے اور جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے رنگ شاعری سے یہ اندازہ لگالیا جائے کہ یہ ایک واعظ کا کلام ہے یا ایک صاحب حال اور رہبر طریقت کا! اگر رنگ شاعری کے اعتبار سے ایک خطیب کا کلام ثابت ہو جائے تو ہم کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ آئیے اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں !!

ایک واعظ اور خطیب کے یہاں جو مباحثِ مشترک خطابت اور موعظت کے لئے ہمیں ملتے ہیں ان کے بارے میں حافظ محمود شیرانی صرف اس قدر فرماتے ہیں کہ :۔

"دیوان کے تتبع (غالباً لفظ مطالعہ ہوگا) سے اس قدر اور پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنی زندگی میں واعظ ضرور رہا۔"

اور واعظ ہونے پر دلیل صرف اس قدر ہے کیونکہ بعض مقطعوں میں اس نے منبر، مجلس اور وعظ کی طرف کئی مقام پر تلمیح کی ہے، چنانچہ ذیل کی مثالیں شاہد ہیں۔"

(۱) بزم خاص است معین بادۂ وحدت پیش آر — ہاں کہ مستی تو بر مجلسیان تافتہ است

(۲) معین بر آئی بہ منبر بگوی نکتۂ عشق — کہ بلبل چمنِ عشق در زمانہ توئی

(۳) گرچہ شاہاں را بہ تخت و تاج زینت می دہد — جلوۂ مسکیں معین بر تاج و منبر کردہ اند

(۴) معینؔ گر ہمی خواہی کہ سرّش بر زباں دانی — مقام آں سرِ دارست بر منبر نمی گنجد

(۵) بیا بہ وعظ معینی رموز عشق شنو — کہ از حکایت او بوے دوست می آید

(۶) معین را در صغر آنکس بہ منبر در سخن آرد — کہ در گہوارۂ طفلی قرینِ ابن مریم شد

کلام معین سے یہ صرف چھ اشعار حافظ شیرانی نے تلاش کئے ہیں اور ان کی بنا پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ موجودہ کلام کسی واعظ کا ہے نہ کہ ایک صوفی صافی کا حالانکہ ان چھ اشعار میں صرف شعر ۳ اور ۶ ان کے دعوے کا کسی حد تک ساتھ دے سکتے ہیں اور باقی ۴، اشعار تو وہ ہیں جو کسی عاشق کا کلام ہو سکتے ہیں نہ کہ واعظ کا۔

حافظ محمود شیرانی صاحب نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ واعظانہ کلام کی خصوصیات یہ مضامین یا یہ موضوعات ہوتے ہیں۔ فارسی شعرائے ایران میں ان کے سامنے شیخ سعدی کا موعظانہ کلام موجود ہے اور ہندوستان میں صائب کا، لیکن وہ موعظت کے موضوعات کا تعین نہیں کر سکے؛ صرف ایک لفظ "منبر" سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اگر شاعر اپنے کلام میں لفظ منبر استعمال کر لے تو وہ ایک واعظ کا کلام بنجاتا ہے! عجب ثم العجب!!

سعدی، حافظ، خواجہ عطار، ابن یمین، نظامی گنجوی، سنائی موعظت نگار شعرا میں ایک بلند مقام کے مالک ہیں اور ان کے کلام سے اگر اخلاقی موضوعات کا تعین کیا جائے تو حق گوئی، راستبازی، ہمدردی، بنی نوع انسان کی بھلائی، ظاہر و باطن کی یکرنگی، قناعت، استقامت اور استغنا ایسے موضوعات ہیں جو ان تمام موعظت نگار شعرا کے یہاں مشترک ہیں، محمود شیرانی صاحب کو یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ چونکہ مذکورہ بالا موضوعات کلام معین میں بکثرت پائے جاتے ہیں اس لئے یہ ایک واعظ کا کلام ہے نہ کہ ایک مرشد اور محبت کی ترجمانی کرنے والے صوفی کا، لیکن ایسا نہیں کہا، صرف لفظ "منبر" کے استعمال سے انھوں نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ چونکہ "منبر" کلام میں استعمال ہوا ہے اس لئے وہ کسی صوفی کا نہیں بلکہ واعظ کا کلام ہے۔

آیئے دیکھیں کہ یہ موضوعات دیوان معین الدین میں بکثرت پائے جاتے ہیں، یا خال خال یا تقریباً مفقود ہیں! اگر خال خال یا تقریباً مفقود ہیں تو پھر حافظ شیرانی صاحب کا دعویٰ باطل ہے اور اگر بکثرت موجود ہیں، تو ان کا دعویٰ صحیح اور اگر مصطلحات صوفیہ سے دیوان معین الدینؒ مملو اور بھرپور ہے تو پھر ہمارا دعویٰ ارباب عقل و دانش کے نزدیک درست اور قابل تسلیم ہوگا!

سب سے پہلے چند موعظت نگار اور ہدایت شعار ہستیوں کو پیش کیا جائے اور ان کے کلام اور شاعری کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ موعظت نگار شعرا نے کن خیالات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

فارسی شعرا میں حضرت شیخ سعدی، خواجہ حافظ، ابن یمین اور صائب صف اول کے موعظت نگار شاعر نظر آتے ہیں! شیخ سعدی کا کلیات تو اخلاقیات کا مکمل دفتر ہے اور اخلاق سے متعلق کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جسے شیخ نے نظرانداز کر دیا ہو! لطف و کرم مدارا، ایثار، صلہ رحمی، تواضع، انکسار سے رغبت، کینہ، دشمنی، غیبت، ظلم، درشتی تکبر اور خود پرستی سے نفرت شیخ کے کلام کے اخلاقی موضوعات ہیں اور تقریباً یہی موضوعات حافظ شیرازی کے یہاں بھی ہیں، لیکن خال خال!! ابن یمین اور صائب نے انہی موضوعات کو اپنایا ہے اگر ہم مذکورہ شعرا کے ان موضوعات کے تحت کلام سے مثالیں پیش کریں تو یہ اوراق اسکے

کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہی مستقل موضوعات دیوان معین الدینؒ میں پائے جاتے ہیں اور خطیب جامع ہرات نے جو اخلاقیات کے علمبردار اور بقول حافظ محمود شیرانی موعظت اور خطابت کے دلدادہ ہیں اپنی شاعری سے یہی کام لیا ہے!

دیوان معین الدینؒ کا مطالعہ کیجئے ۱۲۳ سو اشعار میں مشکل سے ۸۔۱۰، اشعار موعظت اور خطابت پر نکلیں گے ورنہ تمام کلام معرفت و طریقت اور عشق و محبت کا ایک پر جوش سمندر ہے، ایک صاحبِ حال ان تمام مقامات کو پیش کر رہا ہے جو تصوف کی جان اور طریقت کا ایمان ہیں۔

تصوف کی مصطلحات میں۔ مرتبہ وصول، نور یقین، سوزش عشق، شوق محبت، مقام شوق، اُنس، اُنس ذات، قرب، محویت، اتصال، مراتب اتصال، مراتب وصول، تجلی صفات، تجلی ذات، حق الیقین، قبض و بسط، رنج و نشاط، امید و بیم، نفس مطمئنہ فنا و بقا، استغراق، علم الدنی جمع و تفرقہ، تجلی و استتار، تجرید و تفرید، وجود، وجود و تواجد، غلبہ، سامرہ، سکر و صحو، محو و اثبات، غیبت و شہود، ذوق و شرب، محاضرہ و مکاشفہ، تلوین و تکوین، طوارق و لوادی، ہمہ از دوست، ہمہ اوست اور اعیان ثابتہ وغیرہ کثیر الاستعمال ہیں۔ اب اگر دیوان معین الدینؒ میں یہ تمام موضوعات موجود ہیں تو رنگ شاعری کے اعتبار سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کلام خواجہ خواجگان چشتؒ کا ہے اور اگر اخلاقی مباحث موجود ہیں تو ہم کو یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ یہ کلام خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نہیں بلکہ ملاّ معین ہروی کا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ "معارج النبوۃ میں ملاّ معین ہروی سے منسوب جو اشعار موجود ہیں وہ ملاّ معین ہروی نے سرقہ کئے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ جس وقت ان کے خطبات کو معارج النبوۃ کی صورت میں جمع کیا گیا تو مؤلف نے یہ سرقہ کیا، معارج النبوۃ جب طبع ہو کر نظروں کے سامنے آئی تو کوتاہ بین نگاہوں نے یہی دیکھا اور بادی النظر میں یہی سمجھا اور ناموں کی یکسانیت سے یہی دھوکا کھایا کہ وہ کہہ اُٹھے کہ یہ دیوان حضرت خواجہ کا نہیں ہے بلکہ ملا معین ہروی کا ہے!!

اب ہم ہر موضوع کے تحت خواجہ صاحب کے کلام سے نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ اپنے دعوے کو ثابت کر سکیں!!

مرتبۂ وصول:۔ مرتبہ وصول، غیبی امداد سے تزکیہ نفس کا نام ہے، اس مرتبہ پر پہنچکر نفس پاکیزہ

ہو جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ جو ہر روح کو محبت کی کشش سے اپنی طرف جذب کرلیتا ہے اور اپنی صفات اور اخلاق کا خلعت عطا فرماتا ہے۔ کلام معینؒ میں، ان کیفیات کا مشاہدہ کیجئے !!

جرعۂ وا و ازاں بادۂ وحدت کہ مرا ۔۔۔ نہ کنوں موسیٰ دل مانند بجانِ طورم

مسند سلطنتم بر سرِ افلاک زدند ۔۔۔ تا کہ سلطانِ ازل زد رقم منشورم

اس سے زیادہ واضح انداز میں فرماتے ہیں۔

از فلک بگذشتم، از انس و ملک ۔۔۔ از دنیٰ سوئے تدلّیٰ میروم
قاب قوسین است و او ادنیٰ حجاب ۔۔۔ بے حجب تا حق تعالیٰ می روم

از تفرقۂ عاشق و معشوق رسیدیم ۔۔۔ فی الجملہ نہ آنیم وزاں نیز گذشتیم
در منزل مقصود کہ خلوتگہ قدس است ۔۔۔ از حادثہ کون و مکاں نیز گذشتیم

رفت آں وقت کہ بر روے نگراں می بودم ۔۔۔ وقت آں است کہ بر خود نگرانش بینم
در مقام لی مع اللہ از کمال اتصال ۔۔۔ از خدا ابنود جدا ہمچو شعاع از آفتاب
وصال حق طلبی، ہمنشیں ناش باش ۔۔۔ ببیں وصال خدا در وصال نام خدا

ظلمت کثرت بجنب نورِ وحدت گشت محو ۔۔۔ سایہ امکاں برفت از پرتو اللہ نور

ایں منم یارب کہ اندر نورِ حق فانی شدم ۔۔۔ مطلع انوارِ فیض ذات سبحانی شدم
من چناں بیروں شدم از ظلمت ہستی خویش ۔۔۔ تا ز نورِ ہستی او آنکہ میدانی شدم

اس عنوان پر بکثرت اشعار موجود ہیں تقریباً تین سو مزید اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن ابھی متعدد عنوانات کو پیش کرنا ہے اس لئے ان چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

تجلّیٔ ذات :۔ جو حضرات اس مقدس گروہ کے مقام فنا کی طرف ترقی کرتے ہیں اور ان کے باطن پر یقین و مشاہدہ کے انوار و تجلیات کا نزول ہوتا ہے جسکے نتیجہ میں وہ اس کے مشاہدہ میں محو ہو کر اپنی ہستی سے غایب ہو جاتے ہیں یہ وصول الی اللہ کا آخری درجہ ہے۔

اس عنوان کے تحت چند اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

نقاب ہستی خود را تو از میاں بردار　　دگر ببیں کہ جمال کہ میشود پیدا

زپیش خویش برافگن نقاب دعویٰ را　　بہ بیں بکسوتِ صورت جمال معنی را

شہودِ حق طلبی از وجود خود بگذر　　کہ جز وجود تو او را حجاب دیگر نیست

آں جمالیکہ نظر نیز دراں محرم نیست　　ہمچو خورشید دریں آئینہ باپیدا ست

چونکہ در مرآتِ جاں دیدارِ جاناں شد عیاں　　ظلمت تن در ظہور نورِ جان من بسوخت

جامِ جانت زدودہ صیقلِ عشق　　از برائے ظہور نورِ شہود

آندمے کز ظلمات بشری یافت خلوص　　عکس انوار خدا بود در وہر چہ نمود

نفی ذات خود بودن ز اثبات صفات اولیٰ　　ترا افسر چہ کار آید چو اینجا سر نمی گنجد

او در آئینہ من چہرۂ خود می بیند　　خود بدیں واسطہ مطلوب و طلبگار شود

پردۂ آب وگل از روئے دل وجاں بردار　　تا ہمہ ظلمتِ ہستی تو انوار شود

حق الیقین :۔ ارباب تصوف کی اصطلاح میں حق الیقین کا درجہ تجلّی ذات سے بلند ہے اور یہ صرف خاصانِ خدا کا حصّہ ہے، اس منزل پر بندۂ حق کے سراپا میں نور مشاہدہ سرایت کر جاتا ہے اور پھر اس کی روح، قلب، نفس بلکہ جسد بھی محفوظ ہو جاتا ہے اور یہ وصول کی اعلیٰ ترین منزل ہے۔

آیئے اس اصطلاح کا مطالعہ آپ کو اس دیوان کے اشعار میں کرایا جائے جس کی نسبت ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ خاصانِ بارگاہ الٰہی خواجہ خواجگانِ چشت رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور حافظ

محمود شیرانی جیسے واعظ شیریں مقال ملا معین ہروی کا بتاتے ہیں!

یقیں بداں کہ تو با حق نشستۂ شب و روز — چو ہمنشیں تو باشد خیالِ نام خدا

اگر بدیدۂ تحقیق بنگری دانی — کہ ناظرِ دل و منظورِ جان و تن ہمہ اوست

ہر تو نورِ شہود افتاد در قصرِ وجود — کز شعاعش حجرۂ دل را منور کردہ اند

عکسِ نورِ ذات بر مرآت جاں شد منعکس — زیں مرا پائیکہ با حسنش برابر کردہ اند

جائیکہ نور مطلع حق الیقیں بتافت — زآئینہ دلش کہ زدو آید غبار شک

ما کہ از عین الیقین، حق الیقیں را دیدہ ایم — از دلیل ظنّی و تشکیک و برہاں فارغیم

قبض و بسط :۔ طریقت کی منزل میں صوفیا کا یہ اولیں قدم رہا ہے اور خاصان بارگاہ اس منزل سے بہت جلد گذر جاتے ہیں۔

کشود کار معینی ز قبض و بسط مجو — بیا کہ ساقی وحدت سر سبو بکشود

جس کو خوبیٔ قسمت سے شراب جلوہ میسر ہے وہ قبض و بسط کی منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ آتا ہے، یہاں یہ واضح کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قبض و بسط کسی واعظ منبر کے یہاں آپ کو نہیں ملے گا یہ خالص صوفیانہ رنگ ہے اور ایک صوفی کے یہاں ہی مل سکتا ہے۔ قبض و بسط کے سلسلہ میں تشریح بھی ملاحظہ کر لیجئے!

"جب تک نفس" لوّامہ" ہوتا ہے اور مطمئنہ کی منزل پر نہیں پہنچتا تو کبھی وہ مغلوب ہوتا ہے اور کبھی غالب ہوتا ہے اسی کش مکش سے قبض و بسط کی کیفیت ظہور میں آتی ہے لیکن جن کے نفوس قدسیہ لوّامہ کی منزل سے گذر کر مطمئنہ" کی منزل پر آجاتے ہیں وہ اس منزل سے بمراحل آگے نکل جاتے ہیں۔ اب کلام معینؔ میں قبض و بسط کے حامل مزید اشعار ملاحظہ کیجئے!

در پائیگہ نفس بہیمی چہ کند دل — کز مرتبہ روح و رواں نیز گذشتیم

بیا زخانہ برو آ و نورِ دوست نگر | تو چند شیشۂ سرخ و کبود می بینی

گر ز دورِ نفس ظلمتِ پاک بودم سوختہ | زامتزاج آتشِ عشق تو نورانی شدم

در منزل مقصود کہ خلوت گہِ قدس است | از حادثہ کون و مکاں نیز گذشتیم

قبض وبسط کا ازالہ:۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"جب کوئی صاحب دل قلب کے حجاب سے نکل کر ترقی کر لیتا ہے تو وہ حال کا پابند نہیں رہتا اور نہ روحانی حال اس میں اپنا تصرف کرتا ہے اوس وقت وہ قبض وبسط کے تصرف سے خارج ہو جاتا ہے اور جب تک قلب کے نورانی وجود سے نکل کر بارگاہ قرب میں رہتا ہے اور نفس و قلب کے حجابات سے آزاد ہوتا ہے اس وقت تک قبض وبسط کی کیفیات سے بھی آزاد رہتا ہے"۔

قبض وبسط کا ظہور وجود کی حالت میں ہوتا ہے، فنا اور بقا کی حالت میں نہیں ہوتا۔
اب ان کیفیات اور ان منازل کا مطالعہ کلام معیّن میں کیجئے!!

مصطلحات فنا و بقا:۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں فنا و بقا کے تحت فرماتے ہیں:۔

"دراصل فنائے مطلق وہ ہے جو خدا کے حکم سے بندۂ حق پر مسلط ہو جائے یعنی خدا کا وجود بندے کے وجود پر غالب آجائے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ فنائے ظاہری اور فنائے باطنی!! ظاہری فنا یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیات افعال کے ذریعہ نمودار ہوں اور وہ بندہ حق کے ارادہ اور اختیارات کو سلب کرے اور یہاں تک کہ وہ حق کے سوا اپنا یا کسی دوسرے کا کوئی فعل نہ دیکھ سکے پھر اس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اس کے معاملات کی ابتدا ہو"۔

باطنی فنا! باطنی فنا یہ ہے کہ طالبِ حق کو کبھی صفات کے ذریعہ مکاشفات حاصل ہوں اور کبھی وہ ذات الٰہی کی عظمت کے آثار کا مشاہدہ کرے، اس کے باطن پر امر حق اس طرح مسلط ہو جائے کہ اس میں نہ کوئی وسوسہ اور نہ کوئی تصور

باقی رہے۔

فنا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احساس بھی فنا ہو جائیں۔ گو بعض اوقات ایسے لوگوں کے احساسات بھی غائب ہو جاتے ہیں تاہم یہ صورت عام طور پر فنا کے لئے بالکل ضروری نہیں ''

فنا کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اہل حق اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کی طرف رجوع کرے اور اپنے تمام کاموں میں اللہ کی اجازت کا منتظر رہے تاکہ ہر کام کا ذمہ دار وہ خود نہ ہو بلکہ خدا ہی ذمہ دار ہو ''

(عوارف المعارف اردو ترجمہ ص۵۹۱)

اب ہم کلام معینؒ سے ایسے اشعار پیش کرتے ہیں جن میں فنا و بقا کے ان خالص صوفیانہ مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ فنا و بقا کے مضمون کے حامل اشعار جن میں خالص صوفیانہ رنگ کی کامل اثر آفرینی ہے ملاحظہ ہوں۔

اگر بقا طلبی اولت فنا باید   کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری بہ بقا

دیکھئے عوارف المعارف کی تصریحات سے یہ مضمون کس قدر مطابق ہے۔

نقاب ہستیٔ خود را تو از میاں بردار   دگر ببیں کہ جمال کہ میشود پیدا

شد معینؔ با تو بخلوتگہ وحدت محرم   تا کہ از ہستی و از نیستی خویش جدا است

نفی ذات خود بودن ز اثبات صفات اولیٰ   ترا افسر چہ کار آید چو اینجا سر نمی گنجد

پردۂ آب و گل از روے دل و جان بردار   تا ہمہ ظلمت ہستی تو انوار شود

ہر کہ در بزم بقا جام بقا نوش کند   دست در حبل انا الحق زدہ بر دار شود

سیل را نعرہ از انست کہ از بحر جدا ست   وانکہ با بحر در آمیختہ خاموش آمد

در وحدت تا ز قعر بحر عشق آید بکف   اول از دریاے ہستی بایدت کردن عبور

در ازل قاضی عشقم داد منشور بقا — تا برم آمد معین نکرد دعوی دگر

باشد ز قید جسم و جاں مطلق تعینے برکراں — دیگر سبکبارم ازاں در راہ آساں می روم

در بحر فنا غرق رضاے تو چنانیم — کز جوے مرادِ دو جہاں نیز گذشتیم

یک جام ہما داد کہ تن دل شد و دل جاں — یک جام دگر داد ز جاں نیز گذشتیم

چو من از ہستی خود رود باشم — بخود ہم ناظر و منظور باشم

ز قیدِ تن بچہ مانم بسانِ خر بخلاب — بُراق عشق جو بربستہ در طویلۂ من

ایں قید حدوث از پا بردار معین یکیک — زاں رہ کہ رسید ہستی ہم در پے خود وارد

عاقل چہ پے برد کہ فنا مایۂ بقاست — واندر زیاں عقل نہاد ند سودِ او

من بخانم نہ دلم نہ بدنم چند مرا — گہ ز جاں گاہ ز دل گہ ز بدن مطلبی

چو از جمال نقاب بطون براندازی — دراں ظہور وجود مرا عدم سازی

درخت ہستیت از نارِ عشق پاک بسوز — کہ تا تمام نسوزی مقید دودی

چو مفردانِ مجرد ز پردہ ہا بدر آ لی — چو بیوگاں چہ گرفتارِ تاری و پودی

رواں بجرعہ پُر کردم بیادِ لعلِ دخودم — فنا از خویش بستردم بقاے یافتم زاں مے

نہ عصیاں ماند و نے طاعت شدم محو اندراں ساعت — چناں گشتم دراں حالت کہ وے من گشت و من آں وے

ہمہ اوست و وحدت الوجود اور اعیان ثابتہ :۔ ابھی چند صوفیانہ اصطلاحات پیش کرنا باقی ہیں لیکن قبل اس کے ایک زبردست مسئلہ کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ صرف اسی ایک ہی اصطلاح سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ کلام ایک عارف باللہ اور صوفی عظیم مرتبت کا ہے نہ کہ ایک مولوی یا مُلّا کا، ذیل کی غزل کے اشعار کا بامعان نظر مطالعہ فرمائیے اس غزل میں خواجۂ خواجگان چشتؒ نے ایک نزاعی مسئلہ پر بڑی فصاحت سے روشنی ڈالی ہے اور تشنگان حق کی پیاس بجھائی ہے اور ان تمام اعتراضا کا شافی و کافی جواب دیا ہے جو اس مسئلہ پر علماء کو ہے اور خود ان میں ملا معین ہروی بھی شامل ہیں اس لئے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ اہل مدرسہ کی نظر میں کھٹکتا رہا ہے اور انھوں نے اس پر اعتراضات وارد کیے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم اس مسئلہ کو چھیڑیں ہم پہلے کلام معین سے یہ چند اشعار پیش کرتے ہیں اس کے بعد ہی اس بحث کا آغاز کیا جائے گا۔

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست ۔۔۔ حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست
اگر بدیدۂ تحقیق بنگری دانی ۔۔۔ کہ ناظر دل و منظور جان و تن ہمہ اوست
چو اندر آئینۂ دل نما دعکس رخش ۔۔۔ چناں نمود کہ در جسم و جان من ہمہ اوست
اگر تو خرقۂ ہستیٔ خویش پارہ کنی ۔۔۔ نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست
ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس ۔۔۔ کہ دار نیز ہمی گفت بارسن ہمہ اوست
کہ بر دبوے و قریں ساخت با اویس قرن ۔۔۔ سوِ مدینہ کہ آورد از قرن ہمہ اوست
رموز عشق کند آشکار و نیندیشد ۔۔۔ چو دل بدید کہ در سِرّ و در علن ہمہ اوست
مگو کہ کثرتِ اشیا نقیض وحدت گشت ۔۔۔ تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست
تعین است گر از اعتبار ما و من ست ۔۔۔ ز اعتبار گذر کن کہ ما و من ہمہ اوست
چو نائیے کہ نہد بر دہانِ نے لب خویش ۔۔۔ نہادہ بر دہن عاشقاں دہن ہمہ اوست

چہ جائے بادۂ و جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینے و دم مزن ہمہ اوست

ایک دوسری منزل کے چند اشعار اور ملاحظہ کیجئے :۔

یارب اینصورت کہ در مرأت جاں پیداست کیست ۔۔۔ آنچناں مخفے دریں پردہ نہاں پیداست کیست
ذرہ ذرہ نیست خالی در ہمہ کون و مکاں ۔۔۔ وانکہ بیروں ست از کون و مکاں پیداست کیست
گر بظاہر در لباس ما توئی پیدا و لیک ۔۔۔ آنکہ پنہانست اندر مغز جاں پیداست کیست
آنکہ اندر بزم جاں ہر دم بآواز دگر ۔۔۔ می نوازد پردۂ صاحبدلاں پیداست کیست

آنکہ خود بر خود تجلی می کند پس خود بخود   عشق می بازد بنام عاشقاں پیداست کیست

چند ہر ساعت من و تو درمیاں آری معیں
آنکہ مقصود از من و تست از اں پیداست کیست

اول و آخر ظاہر و باطن ہمہ اوست   کہ ہمو بود، ہمو ہست، ہمو خواہد بود

آپ نے ان اشعار کو ملاحظہ فرمایا! آئیے اب اس مسئلہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو عنوان میں ذکر کیا گیا ہے یعنی "ہمہ اوست"۔

ہمہ اوست یا وحدت الوجود کا مسئلہ دو اعتبار سے زیر بحث اور مورد گفتگو بنا رہا ہے ایک بحیثیت فلسفہ اور دوسرے بصورت تصوف!!

اس برصغیر میں اردو کے اکثر و بیشتر شعرا نے اس مسئلہ یا موضوع کو رسماً پیش کیا ہے، اردو کے شعرائے متقدمین میں خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کو اپنی شاعری میں عجب انداز اور تنوّع کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ زمانہ واقف ہے کہ خواجہ میر دردؔ مسند ارشاد پر متمکن تھے اور آجتک ان کو ایک صوفی شاعر شمار کیا جاتا ہے جس کا اہم سبب یہی مسئلہ ہے جس کو انھوں نے اپنے کلام میں بار بار پیش کیا ہے خواجہ میر دردؔ کے بعد غالبؔ کے یہاں ہم کو یہ مسئلہ ملتا ہے لیکن صرف رسمی طور پر اور بقول ناقد تصوف برائے شعر گفتن خوب است!

اردو شعرا میں کمتر مگر اس کے برعکس فارسی شعرا کے یہاں بیشتر اس مضمون نے جگہ پائی ہے اور ان کی شاعری کا اہم موضوع یہی ہے، فارسی شعراء میں غزل کے استاد سعدی، خواجہ اور حافظ ہیں، انوری اور فردوسی کا ذکر نہیں کہ یہ علی الترتیب قصیدے اور مثنوی کے بادشاہ ہیں، غزل گو شعرا میں عراقی، جامی، نظامی، عطار، سنائی اور حضرت مولانا رومؒ کے یہاں مستقلاً یہ مسئلہ ان کے شعر کا موضوع رہا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ یہ حضرات شعرائے متصوف میں شمار ہوتے ہیں! اور ان کی غزلوں میں یہی موضوع خاص اہمیت رکھتا ہے، برخلاف سعدی، خواجو اور حافظ کے۔ ہندوستان کے فارسی گو شعرا میں مرزا بیدل اور امیر خسرو کا نام اس سلسلہ میں سرفہرست ہے فارسی شاعری پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ بیدلؔ اور حضرت امیر خسروؔ کی شاعری میں تصوف کا کس قدر حصہ ہے۔ ظہوری، نظیری۔ ابوطالب کلیم۔ عرفی اور صائب کا کلام اس چاشنی سے بہرہ ور نہیں ہے یہی باعث ہے کہ ان کو شعرائے متصوفین میں شمار نہیں کیا جاتا۔

تمام صوفیائے عظام اس کائینات کو محض وہمی اور اعتباری سمجھتے ہیں اور "لا موجود الا اللہ" اور "لا مؤثر فی الوجود الا اللہ" ہی کو وہ اصل جانتے ہیں ان کی نظر میں ممکنات (ممکن الوجود یعنی

عالم ظاہر معدوم الذات ہیں لیکن معلوم الآثار!! ان کی نظر میں کائنات اس وجود مطلق کا ظل ہے اور یہ ظلال ہی بزم کثرت ہے بالفاظ دگر حق وجود مطلق ہے اس کے سوا اور کوئی موجود بالذات نہیں اور اس ذات یا وجود مطلق کے اظلال تعینات ممکنات ہیں جن کا نام عالم مادی ہے صوفیاء کی اصطلاح میں اسی کو عالم شہود کہا جاتا ہے!

علمائے ظاہر یعنی متکلمین اور معتزلین شریک فی الوہیت کو بالاتفاق ممتنع یقین کرتے ہیں اور ممتنع وہ ہے جس کا وجود از روئے عقل و حقیقت محال ہے جیسے شریک باری تعالیٰ لیکن وہ اسباب کو تسلیم کرتے ہیں کہ "شریک فی الوجود" موجود ہے یعنی اشیائے عالم کا وجود وجود حقیقی ہے اور ظاہر ہے کہ اس اقرار سے لا موجود الا اللہ کی نفی ہوتی ہے اور اشتراک لازم آتا ہے یعنی عالم کا وجود ممکن ہے اور خدا کا وجود واجب لیکن اس طرح یہ دونوں ذات ربی اور عالم وجود میں شریک ہوگئے اور یہ شرک فی الوجود ہے حضرات صوفیاء اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں پھر بحث یہ آجاتی ہے کہ پھر یہ عالم کیا ہے اس استعجاب کو غالب کی زبان سے سنیئے!!

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود   پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
سبزۂ و گل کہاں سے آئے ہیں   ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں   دشنہ و غمزۂ و ادا کیا ہے

اسی کیا ہے کا جواب صوفیائے کرام آج سے صدہا برس پہلے دے چکے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ

یہ توہم کا کارخانہ ہے   یاں وہی ہے جو اعتبار کیا   (میر تقی میر)

یعنی ان تمام موجودات کا وجود اعتباری یا وہمی ہے، یہ ذات واجب الوجود کا ظل ہے انہی عکوس و ظلال کو مظاہر بھی کہتے ہیں۔ ان ہی مظاہر کو "اعیان ثابتہ" کا نام بھی دیا گیا ہے! گویا ہمہ از وست، ہمہ اوست یا اعیان ثابتہ اصل میں ایک ہی مسئلہ ہے صرف تعبیر کا فرق ہے۔ ہمہ از وست یا ہمہ اوست پر کلام معین سے صرف چند اشعار پیش کرنے پر ہم نے کفایت کی ہے ورنہ بہت سے اشعار اس موضوع کے تحت پیش کیے جا سکتے تھے!

آئیے اب اشعار کو پیش کریں جو خالصاً اس موضوع سے متعلق کلام معین میں جا بجا ملتے ہیں! ملاحظہ کیجئے:۔

من دُرِ دریائے عشقم چند مانم در صدف   من چو مرآت خدایم چند باشم در بغل

اینچنیں نور کہ در آئینہ جاں بنمود   عین ذاتست ولیکن بمثالے دیدم

صفات و ذات جو از ہم جدا نمی بینم   بہر چہ می نگرم جز خدا نمی بینم

ہر چہ دیدم یا حجاب دوست یا خود عین اوست   لاجرم از عشق و عقل و کفر و ایمان فارغیم

بہ بند دیدہ ز اعیاں کہ تا ز عین عیاں   وجود دوست چو جان وجود خود بینی

ایکہ در ہر مظہرے نو نمے ظہوری کردہ ای   در لباس جملہ اعیاں عیانی کیستی

جملہ ذرات جہاں ہر یک نشانِ ذات تست   با وجود ایں نشانہا بے نشاں کیستی

ولے مظاہر اعیاں چو رخت بر بستند   تو خواہ آئینہ سازی و خواہ گو بازی

فنا و بقا کے مسائل ہوں یا ہمہ اوست کے، اعیان ثابتہ کا موضوع ہو یا وحدت مطل کا، ہمارے قدیم مشاہیر صوفیائے کرام جن میں تمام تر آپ کو شاعر ملیں گے بہت تفصیل اس پر لکھ چکے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن اکبرؒ نے فتوحات مکیہ میں نثر اور نظم دو میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، حضرت ابو سعیدؒ ابو الخیرؒ، حضرت خواجہ عطارؒ، حضر سنائیؒ، حضرت عراقیؒ، حضرت شمس تبریزیؒ اور مولانا رومؒ کی شاعری میں یہ موضوع ر بسا ہے، ان حضرات کا کلام آج بھی موجود ہے، ہر ایک ذوق تجسس کے لئے اس کلا مطالعہ ممکن ہے۔

اس مفہوم کی آخری منزل یا آخری مرتبہ وہ ہے جس کا اظہار حضرت منصور حلاجؒ نے کی آپ نے اپنی ذات کو ذات حق میں اس طرح فنا کر دیا تھا کہ اپنے وجود کو بالکل فراموش کر تھے حضرت منصور حلاجؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے ہم عصر تھے ایک دفعہ حالت اضطراب میں حضرت جنیدؒ کے دروازہ کو جا کھٹکھٹایا، انھوں نے دریافت کیا کون ہے؟ انھوں نے جو دیا "خدا ہوں" حضرت جنیدؒ نے فوراً ارشاد فرمایا تو خدا نہیں ہے مگر خدا کے ساتھ ہے اور وہ کون لکڑی اور سولی ہے جس سے تجھ کو تر کریں گے"

حضرت منصور حلاجؒ نے فنا کی جس منزل پر قدم رکھا تھا اس کے باعث شریعت نے

سولی کا حکم دیا اور انھوں نے اس حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ ہماری عربی، فارسی اور اردو شاعری میں منصور حلاج کا یہ جذبہ فنا ایک مستقل موضوع بن گیا۔ مابعد کے شعرا نے اس مسئلہ پر خوب خوب طبع آزمائی کی اور اس موضوع کو صرف "لفظ" منصور کی تلمیح میں بیان کیا! بعض شعرا نے اس مسئلہ کی توجیہات بھی کی ہیں ایک مشہور فارسی شاعر کہتا ہے:۔

منصور حلاج آں نہنگ دریا　　　کز پنبہ تن، دانہ جاں کرد جدا
روزے کہ انا الحق گفتہ منصو　　　منصور کجا بود خدا بود خدا

بہر حال فنا اور ہمہ اوست کی انتہائی منزل کو شعرائے مابعد تلمیح منصور سے ادا کرتے رہے، خواجہ حافظ، عطار، سنائی، شمس تبریز اور مولانا روم کے یہاں ایسے اشعار اسی تلمیح کے رنگ میں ہیں۔ شمس تبریز فرماتے ہیں:۔

آں بادۂ انگوری مر امت عیسیٰ را　　　دیں بادۂ منصوری مر ملت یٰسین را
سوز توئی، سور توئی، دولت منصور توئی　　　مرغے کہ طور توئی، خستہ بمنقار مرا

واعظ کو اس سے بیر ہے اس کو منصور کی اس فنا یا بقائے کلی کی منزل سے انکار ہے۔ آئیے اب کلام معین میں اس بادۂ منصوری کی چاشنی اور رنگا رنگی کو دیکھیں پھر یہ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا کہ یہ کلام واعظ کا ہے یا عاشقِ صوف پوش کا!!

ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس　　　کہ دار نیز ہمی گفت بارسن ہمہ اوست
ز بحر عشق یک قطرہ ظہور سرّ منصوریست　　　بظرف ہمت عاشق ازیں کمتر نمی گنجد
معینی گر ہمی خواہی کہ سرش برزباں رانی　　　مقام آں سر دارست بر منبر نمی گنجد

ہر کہ در بزم بقا جام بقا نوش کند　　　دست در حبل انا الحق زدہ بردار شود

نعرۂ منصور بر می خیزد از ذراتِ من　　　اینچہ بادہ است اینکہ می اندازدم در شر و شور

وانکہ در دار وجودش غیر حق دیار نیست　　　ہمچو منصور آنزماں بر دار باید پرورش

چو دادی جام منصورم فگندی در شر و شورم　　　چو میدانی کہ معذورم چہ میگوئی زباں درکش

آں نہ منصورست کاندر دار انا الحق می زند　　　نیست غیر حق کسے در دارِ او بکشائے چشم

اس شعر کو سامنے رکھ کر یہ شعر پڑھے :۔

روزے کہ انا الحق گفتہ منصور | منصور کجا بود خدا بود خدا

دیدیم عیاں چہرۂ منصور بوجہے | کز ضابطۂ شرح وبیاں نیز گذشتیم

ز جام وحدتم یک جرعۂ بخش | کہ در دار فنا منصور باشم

ازاں جائیکہ چوں سرّ انا الحق | بر آید بر زباں مجبور باشم

منکہ در دیر فنا لاف انا الحق زدہ ام | عشق در دار فنا دادہ نے منصورم

بادۂ خواہم کہ بستاند مرا از من تمام | تا چو منصور آنزماں باہم وصال خویشتن

منصور صفت گرچہ ازیں دیر فنا رفتم | صد نور ہمی گیرد آں دار بقا از من

من نمی گویم انا الحق یار می گوید، بگو | چوں نگویم چوں مرا دلدار می گوید، بگو
سرّ منصوری نہاں کردن نہ حدّ چوں منست | چوں کنم چوں ریسماں ہم دار می گوید، بگو

منصور کے بود آں زباں کو را انا الحق بر زباں | زنہار غیر حق مداں، دیّار اندر دار او

گیر در دار بقا حبل انا الحق در دست | چند دیر فنا دار و رسن می طلبی

ز ذرّہ ذرّہ شنو نعرہ ہائے منصوری | کنوں کہ از رخ تاباں نقاب بکشائی

بہ نیم جرعہ ز دل بر زند ہزار انا الحق | خموش باش معینی نگر بخود تو کجائی

ہمہ اوست کے اس نازک اور اس پہلو پر جو بظاہر زاہدان خشک کے نظریات سے ٹکراتا ہے اور جس نے منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو دار پر چڑھایا اور حضرت خواجہ اجمیریؒ کے

پیرو مرشد حضرت عثمانی ہارونیؒ کے بقول

من آں عثمان ہارونی کہ یار شیخ منصورم تماشہ می کند خلقے و من بردار می رقصم

محبت کی نگاہ میں یہ دار پر چڑھنا ایک رقص مسرت ہے جو وصال کی تمہید ہے!

ہم کلام معین سے اس مخصوص موضوع پر اور بھی چند مثالیں پیش کر سکتے تھے لیکن صفحات کی حدیں مانع ہیں اب قارئین صرف انہی اشعار کے مطالعہ سے یہ فیصلہ کر لیں کہ یہ کلام واعظ جامع ہرات کا ہے یا سید الواصلین سراج السالکین حضرت خواجہ اجمیریؒ کا ہے!!

کیا پیش نظر کلام میں آپ کو واعظ کی خوش مقالی اور موعظت طرازی نظر آئی! دیوان معینؒ کے آپ کے سامنے ہے ملاحظہ فرمائیے اور کسی موعظت نگار شاعر سے اس کا مقابلہ کیجیے بُعدالمشرقین نظر آئے گا، فارسی شعرا میں موعظت نگاری میں حضرت شیخ سعدی، ابن یمین اور صائب مشہور ہیں ان حضرات کا کلام بھی آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، ان کے کلام سے کلام معین کا تقابل کیجیے صاف اور واضح فرق نظر آ جائے گا۔

ابھی تصوف کی چند مصطلحات اور بھی باقی ہیں نہایت آسانی سے دیوان معین سے ان اصطلاحات کے حامل اشعار بھی پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن یہ بحث طویل تر ہوتی چلی جائے گی اس لئے اسی قدر مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ہم آئندہ اوراق میں تاریخی تعین یا ادوار کی قید کے ساتھ مشاہیر اور اکابرین صوفیاء کا کلام پیش کریں گے ان اشعار کی خصوصیات اور طرز و رنگ شاعری کو بھی پیش کیا جائے گا اس کے مقابل میں کلام معین کو ملاحظہ کیجیے گا اور دیکھئے گا کہ صوفیانہ طرز شاعری جو دیگر شعرا کے کلام سے اخذ و متعین کیا جا سکتا ہے وہ کلام معین سے اخذ و مستنبط ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ (کلام معین) کسی صوفی کا کلام ہے ورنہ کسی واعظ کا!!

کلام معین میں ایسی تمام صوفیانہ مصطلحات موجود ہیں جو احوال صوفیہ میں عام ہیں اور حال وقال کی مجالس میں مذکور رہتی ہیں، ان مصطلحات کے بعد عام طور پر جو خیالات غزلیات معین میں ملتے ہیں وہ حقیقی محبت کے جذبات اور عشق الٰہی کے رموز و اسرار یا وہ کیفیات ہیں جو عشق و محبت کی بدولت محب صادق کے دل پر صادر و وارد ہوتے ہیں۔ موعظت کے مضامین تو دوسرے شعراء کے لئے یہاں بھی عام ہیں اس لئے ان کو ہم اپنی حجت کا موضوع یا مدار نہیں بنا سکتے۔ ہم نے پچھلے اوراق میں خاص صوفیانہ مصطلحات کو اس لئے پیش کیا ہے تا کہ قارئین پر یہ امر واضح ہو جائے کہ یہ کلام کسی غیر واعظ کا ہے، ورنہ ایک واعظ کس طرح خود اپنے بارے میں ایسی کڑی تنقید کر سکتا ہے۔

خلق گو بندم معین ایں رمز بر منبر بگوے آہ کیں آتش ہزاراں واعظ و منبر بسوخت

معینؔ گر ہمی خواہی کہ سرّش بر زبان رانی   مقام آں سر دار ست بر منبر نمی گنجد
رموز عشق اگر خواہی ز لوح دل تواں خواندن   کہ حرفے از روایاتش بصد دفتر نمی گنجد

بیا بوعظ معینؔ رموز عشق شنو   کہ از حکایت او بوے دوست می آید

للہ اے واعظ بجائے جنتم دعوت مکن   کیں گدا را وعدہ از انعام دیگر کردہ اند

من از گنجِ خراباتے جمالے دیدہ ام واللہ   کہ چندیں سال می جُستم بمحرابِ مناجاتش

در آ بمجلسِ مسکیں معینِ شوریدہ   کہ نقل و بادہ ز گفت و شنودِ خود بینی

معیں بر آئی بمنبر بگوے نکتۂ عشق   کہ بلبل چمن عشق در زمانہ توئی

معینؔ را در صغر آنکس بہ منبر در سخن آورد   کہ در گہوارۂ طفلی قرینِ ابنِ مریم شد

اشعار مندرجہ میں سے اکثر اشعار کو جناب محمود شیرانی صاحب نے اپنے اس قول کی دلیل بنایا ہے کہ :۔

(۱) "دیوان سے اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا قایل کوئی واعظ ہے۔"

(۲) "چونکہ داخلی شہادت سے اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کسی واعظ کا کلام ہے اس لئے ہمیں واعظین کے سلسلہ میں اس کے مصنف کی تلاش کرنی چاہیئے (مقالہ محمود شیرانی مرحوم)

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ وعظ و منبر کے لفظ جن اشعار میں کسی نہ کسی اعتبار یا ترکیب کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں وہ صرف ۹،۱ اشعار ہیں اور ان ۹، اشعار میں بھی ۸، اشعار ہمارے دعوے کے ثبوت میں ہیں صرف ایک شعر

معینؔ را در صغر آنکس بمنبر در سخن آورد   کہ در گہوارۂ طفلی قرینِ ابنِ مریم شد

یا زیادہ سے زیادہ اس ایک شعر کو بھی اس ضمن میں شامل کر لیجئے!!

بیا بوعظ معینؔ رموزِ عشق شنو   کہ از حکایت او بوئے دوست می آید

چنانچہ بمشکل تمام دیوان معینؔ میں وعظ و منبر کے حق میں یہ دو شعر ہو سکتے ہیں اور صرف ان دو شعروں کی بنا پر یہ فیصلہ کر دینا کہ یہ ایک واعظ کا کلام ہے اس لئے اس کے مصنف کی تلاش زمرۂ واعظین میں کرنا چاہیئے"، کتنی زیادتی اور مصنف کے ساتھ کیسا ظلم ہے۔

مصطلحات تصوف کے حامل سینکڑوں اشعار کو درخور اعتنا تو سمجھا نہیں جاتا اور نہ ان کو قابل سند گردانا جاتا ہے اور بجائے یہ کہنے کے کہ "یہ ایک دل آگاہ اور سراپا غریقِ عشق کا کلام ہے اس لئے صوفیوں اور عاشقوں میں اس کے مصنف کی تلاش کرنا چاہیئے" کہا صرف یہ جاتا ہے کہ واعظین میں تلاش کرنا چاہیئے اور سند ہے صرف دو شعروں کی!!

کیا کلام معینؔ کا تعلق دورِ متاخرین سے ہے؟

کسی شاعر کا کلام اُس عہد کی شعری خصوصیات کا آئینہ دار ہوتا ہے جس عہد سے اس شاعر کا تعلق ہے بالفاظ دگر شاعر اپنے کلام سے اپنے دَور کی خصوصیات داخلی اور خارجی کی ترجمانی کرتا ہے۔ جب تاریخ ادب میں کسی شاعر کی ہستی متنازعہ فیہ ہوتی ہے اور اس کا تعلق متعین کرنا دشوار ہو جاتا ہے تو اس وقت ناقدین اس کے کلام کا جایزہ لیتے ہیں اور اس کے کلام سے خصوصیات کو اخذ کرتے ہیں، اور پھر ان خصوصیات کو مختلف اَدوار کی خصوصیات کے سامنے رکھ کر اس شاعر کا دَور متعین کرتے ہیں، پھر ناقد بھرپور اعتماد کے ساتھ کہدیتا ہے" کہ اس کلام میں جو خصوصیات موجود ہیں ان کا تعلق چونکہ فلاں دَور سے ہے اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا، پیش نظر شاعر کا تعلق فلاں عہد اور فلاں دَور سے ہے"۔

مثلاً اگر ایک شاعر کے کلام میں دَور متوسطین کی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور تاریخ ادبیات میں اس شاعر کے دَور کا تعین نہیں ہے تو ہم بلاخوف تردید یہ کہدیں گے کہ شاعر دور متوسطین سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ اس کے کلام میں ان خصوصیات کی نمایندگی موجود ہے جو دور متوسطین کا خاصہ ہیں۔

یہاں اس پہلو کو زیر بحث لانے کی وجہ یہ ہے کہ کلام معینؔ کے ناقد جناب محمود شیرانی صاحب اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> "کلام میں متانت اور شیرینی نظر افروز ہے، خیالات میں نزاکت اور خوش اسلوبی جو متاخرین کا دستِ مایہ ناز ہے، غلبہ پائے ہوئے ہیں۔ زبان میں کچھ اس قسم کی گھلاوٹ اور لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدینؒ کے ایام میں قطعی نامعلوم تھی۔ تمام بندشیں اور ترکیبیں

متاخرین کے طرز کی پائی جاتی ہیں"۔

"اس دیوان کی زبان خواجہ صاحب کے عہد کی زبان ہرگز نہیں بلکہ متاخرین کی زبان معلوم ہوتی ہے"۔

بالفاظ دگر شیرانی صاحب کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ یہ دیوان کسی ایسے شاعر کا ہے جس کا دَور متاخرین سے تعلق ہے اس لئے اس کے کلام میں متاخرین کے دَور کی خصوصیات پائی جاتی ہیں"۔

اس عنوان کو قایم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کو دَور متاخرین کے ایک نثر نگار "ملا معین ہروی" سے اس دیوان کو منسوب کرنا تھا، اس لئے انھوں نے یہ تبصرہ کیا۔ ہم یہاں فارسی ادب کے دَور متاخرین کی خصوصیات پیش کئے دیتے ہیں اور اس کے مقابل میں کلام معینؔ کی خصوصیات بھی! قارئین خود ہی فیصلہ کریں گے کہ کلام کس دور سے متعلق ہے متوسطین سے یا متاخرین سے!!

تاریخ ادب میں دَور غزنویہ اور سلجوقیہ فارسی شاعری کا دَور متوسطین کہلاتا ہے اس دَور کے مشاہیر شعراء (صوفی اور غیر صوفی) یں منوچہری - حکیم سنائی - عمر خیام - انوری - خاقانی - نظامی ہیں - انفرادی خصوصیات بیان کرنے سے پہلے ہم اس دَور کی اجتماعی خصوصیات پیش کر رہے ہیں -

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری (دَور متوسطین کی ابتدا)

علامہ شبلی اس دَور کو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اس عہد تک شاعری نے اگرچہ بے انتہا ترقی کر لی تھی لیکن یہ ترقی صرف مضمون اور فن کی حیثیت سے تھی، شاعری کی زبان اب تک ٹکسالی نہ تھی لیکن شاعری کی بنیاد سامانی حکومت میں قایم ہوئی اور غزنویہ کے عہد میں اوج ترقی تک پہنچ گئی"۔

دیکھئے یہاں ادبی تاریخ کے نقاد نے واضح طور پر یہ کہہ دیا کہ غزنویہ کے عہد میں شاعری اوج ترقی تک پہنچ گئی - آیئے اب اس دَور کی شاعری کی چند خصوصیات بھی دیکھ لیجئے -

"فلسفیانہ شاعری بھی اسی دَور کی یادگار ہے، فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو (المتوفی ۴۸۰ھ) نے اشعار میں ادا کئے - لیکن وہ محض فلسفہ ہی فلسفہ تھا، شاعری نہ تھی، برخلاف اس کے اس عہد میں عمر خیام (المتوفی ۵۲۶ھ) نے فلسفیانہ مسائل اور خیالات کو اس انداز سے ادا کیا کہ ظاہر بیں آدمی کو اس میں صرف شاعری نظر آتی ہے حالانکہ وہ فلسفیانہ

نازک مسائل ہیں جو دلکش اور دلفریب پیرایہ میں ادا کردیئے گئے ہیں۔"

اس عہد تک شاعری میں عشق و عاشقی کی روح نہ تھی، مثنوی رزم پر محدود تھی، قصاید کا مقصود مداحی تھا تشبیب میں معشوق کا جو ذکر کرتے تھے وہ صرف عرب کے قصاید کا اتباع تھا۔"

اس عہد میں نظامی (المتوفی ۵۹۹ھ) نے عشقیہ شاعری کی جداگانہ صنف قایم کردی۔

صرف عاشقانہ جذبات اور خیالات پر اکتفا نہیں کی بلکہ بزم اور عاشقانہ خیالات کے اظہار کے لئے مستقل لٹریچر پیدا کردیا جس پر چل کر متاخرین نے بڑی بڑی عمارتیں قایم کیں۔

قصائد کی صنف کو چنداں ترقی نہیں ہوئی، مضامین میں تو کسی قسم کی جدت پیدا نہیں ہوئی، مداحی، خوشامد، مبالغہ پہلے سے بھی بڑھ گیا، البتہ لفظی صناعیاں کمال کے درجہ پہنچ گئیں (شعرالعجم حصہ اول)

حکیم سنائی کے کلام کی خصوصیات کے سلسلہ میں مولانا شبلی کہتے ہیں:-

" قدما کی شاعری اگرچہ نیچرل شاعری تھی لیکن طرز ادا شاعرانہ نہ تھا، جس بات کو کہنا چاہتے تھے بے تکلف سیدھے، سادھے طور پر کہدیتے تھے۔ معمولی بات کو ذرا انوکھے پیرائے میں ادا کرنا، یا ایک معمولی واقعہ سے منطقیانہ استدلال پیدا کرنا متوسطین اور متاخرین کا جوہر ہے۔"

شعرالعجم حصہ اول صا۱۸۱

ایک اہم خصوصیت اس دور کی اور ملاحظہ کیجئے!!

"جوش اور سرمستی جو حقیقی شاعری ہے ایشیا کے شعرا میں بہت کم پائی جاتی ہے، فارسی شعرا میں مولانا روم پر یہ نشہ چھایا ہوا ہے، خواجہ حافظ بھی کبھی کبھی بدمست ہوجاتے ہیں لیکن حکیم سنائی ان سب کے پیشرو ہیں"۔

دَور سلجوقی کے دو اور شاعر عمر خیام اور انوری کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کرلیجئے تاکہ دَور سلجوقیہ کی شاعری کی چند خصوصیتیں اور اجاگر ہوسکیں!!

علامہ شبلی عمر خیام کی شاعرانہ خصوصیات پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

" شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلآویزی ہے

شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہیں"۔

"خیام کی رُباعیاں اگرچہ سینکڑوں نہیں ہزاروں ہیں لیکن سب کا قدرِ مشترک، صرف چند مضامین ہیں، دنیا کی بے ثباتی، خوشدلی کی ترغیب شراب کی تعریف، مسئلہ جبر، توبہ اور استغفار، ان میں سے ایک ایک مضمون کو وہ سو سو دفعہ کہتا ہے لیکن ہر دفعہ اس طرح بدل کر کہتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز ہے"۔

اسی کو انداز بیان کی ندرت کہتے ہیں اس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ دَورِ متوسطین اور عصر سلجوقیہ کی شاعری کی ایک خصوصیت انداز بیان کی ندرت بھی تھی"۔

آئیے اس دَور کے مشہور شاعر انوری کی طرز شاعری کا بھی جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اس کے یہاں اس دَور کی خصوصیات کون کون سی موجود ہیں!!

انوری سلطان سنجر مشہور سلجوقی بادشاہ کے دربار کا شاعر ہے، فارسی شاعری میں اس کو قصیدے کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔

در شعر سہ تن پیمبر انند — ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

انوری کا سال وفات ۵۴۷ھ ہے، گویا پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا شاعر ہے اس کی خصوصیات شاعری بیان کرتے ہوئے علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں۔

"اس نے جدید مضامین پیدا کئے، مبالغہ کو ترقی دی، نئی تشبیہیں پیدا کیں"۔

منوچہری کی خصوصیات کے سلسلہ میں علامہ شبلی کہتے ہیں کہ وہ سینکڑوں نئی تشبیہیں پیدا کرتا ہے یہ اس کا خاص مذاق ہے لیکن اس بہتات کے باوجود کوئی تشبیہ ندرت سے خالی نہیں"۔

مولانا نظامی گنجوی صاحب خمسہ (خمسہ نظامی) بھی اسی دور کے شاعر ہیں، ان کا سال ولادت ۵۳۳ھ اور سن وفات ۵۹۹ھ ہے، مولانا نظامی چھٹی صدی ہجری کے ایک نامور شاعر ہیں ان کی خصوصیات شاعری میں، زور کلام، جدت استعارات، اور تشبیہات، ایجاد و اختراع اور قوت تخئیل ہیں۔ نظامی پر چھٹی صدی ہجری کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس لئے ہم حضرت فریدالدین عطار، شیخ سعدی، امیر خسرو، خواجہ حافظ اور ابن یمین وغیرہ کی خصوصیات شاعری کو پیش نہیں کرینگے

ورنہ یہ کہا جائے گا کہ ہم نے ساتویں صدی ہجری کی خصوصیات شاعری کو پیش کیا ہے اور ہم آپ کے سامنے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی خصوصیات شاعری پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اب ان تمام نامور شعرا کی مشترکہ خصوصیات شاعری کا اگر جائزہ لیا جائے تو ہم اِن دونوں صدیوں کی یہ خصوصیات شاعری پیش کر سکتے ہیں۔

جوش، سرمستی، جدت مضامین، ندرت تشبیہ اور ایجاد و اختراع!!

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری فارسی شاعری کا دورِ متوسطین ہے اس طرح مندرجہ بالا خصوصیات دَورِ متوسطین کی شعری خصوصیات کہی جا سکتی ہیں۔"

عصر حاضر کے فارسی شاعری کے مشہور نقاد اور مورّخ "ڈاکٹر رضا زادہ شفق" اپنی مشہور تصنیف تاریخ ادبیات ایران میں دَورِ سلجوقیہ یا دَورِ متوسطین کی خصوصیات شاعری کے سلسلہ میں خاقانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تشبیہات تازہ و وصف ہائے لطیف و عبارات نغز در نظم او بسیار است با اینکہ شیوۂ متقدمین را تتبع نمودہ و مخصوصاً سبک سنائی را سر مشق گرفتہ بہ یقین مرحلۂ تقلید را طے کردہ و معانی نو و ترکیبات جدید ابداع نمودہ است۔"

یعنی "تازہ تشبیات اور لطیف اوصاف اور پاکیزہ بندشیں (عبارات) اس کی نظم میں بہت ہیں باوجودیکہ متقدمین کے انداز کا تتبع کیا ہے لیکن خاص طور پر سنائی کے طرز کی تقلید کی ہے چنانچہ جدت معانی و تراکیب کو کلام میں پیدا کیا ہے"۔

قارئین پر اب یہ امر بخوبی روشن ہو گیا ہوگا کہ ندرت تشبیات اور جدت تراکیب دَورِ متوسطین کا خاصہ ہے!!

اب اگر کلام معیّن میں یہ انداز اور یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں تو یہ کلام دَورِ متوسطین (یعنی پانچویں اور چھٹی صدی ہجری) کا ہوگا یا دَورِ متاخرین کی پیداوار اس کو قرار دیا جائے گا؟ ہم کو تعجب اور حیرت ہے کہ جناب محمود شیرانی نے انہی خصوصیات کی بنا پر کلام معیّن کو پانچویں چھٹی ہجری کے بجائے دَورِ متاخرین کا کلام گردانا ہے چنانچہ کلام معیّن سے انھوں نے مندرجہ ذیل تراکیب اور تشبیات پیش کر کے بزعم خود یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ یہ کلام اپنے طرز ادا کی ندرت انداز بیان اور خصوصیات شاعری کے اعتبار سے چھٹی صدی اور ساتویں صدی ہجری (دورِ متوسطین) کا نہیں بلکہ دورِ متاخرین (دسویں اور گیارہویں صدی ہجری) کا ہے! حافظ صاحب

اپنے مقالہ میں رقمطراز ہیں۔

"کلام میں متانت اور شیرینی نظر افروز ہے، خیالات میں نزاکت اور خوش اسلوبی جو متاخرین کا دست مایہ ناز ہے غلبہ پائے ہوئے ہے۔
زبان میں کچھ اس قسم کی گھلاوٹ اور لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدینؒ کے ایام میں قطعی نامعلوم تھی۔ تمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے طرز کی پائی جاتی ہیں۔
ادائیگی خیالات کے لئے الفاظ کے بوقلموں پیرائے شاعر کے قبضہ میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی زبان اس عہد تک ترقی اور وسعت میں بدرجۂ کمال پہنچ چکی تھی، مثلاً ہستی انسان! وجود انسان کا مقصد ادا کرنے کے لئے شاعر نے یہ ترکیبیں اختیار کی ہیں۔
زنگ تن، نقاب حدوث، پردۂ تن، دلق ہستی، زندان تن، لباس حدوث، پردۂ آب وگل، شبستانِ بدن، پردۂ خاک وغیرہ وغیرہ
مقالات شیرانی

حافظ محمود شیرانی کلام معینؒ کی یہ خصوصیات پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ چونکہ یہ خصوصیات خصوصاً مندرجہ بالا تراکیب، دور متوسطین (پانچویں، چھٹی ہجری) میں استعمال نہیں ہوتی تھیں اس لئے یہ کلام دور متاخرین سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ دَور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (یعنی دور متوسطین) سے۔

قطع نظر اس تذبذب فی الرائے اور ژولیدہ بیانی کے جو محمود صاحب کی تنقید میں موجود ہے کہ کہیں کچھ کہا ہے اور کہیں کچھ (خیر یہ امر تو خود ایک مبسوط مقالہ کا تقاضہ کرتا ہے) ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم ابھی تاریخ ادب کے حوالوں سے دور متوسطین (یعنی جس دَور سے خواجہ صاحب کا تعلق ہے) کی خصوصیات پیش کرچکے ہیں بحیثیت مجموعی اس دَور کی پہلی خصوصیت یہی جدت تراکیب ہے جو محمود شیرانی صاحب کو دور متاخرین میں پہنچا رہی ہے، کاش وہ خاقانی شروانی کے قصائد پڑھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ الفاظ کے کیسے بوقلموں پیرائے اس دَور کے شعرا کے یہاں تھے۔

ہم یہاں خاقانی کے صرف ایک مشہور قصیدے

صبحدم چوں کلّہ بندد آہِ دُود آسائے من   در شفق چوں خوں نشیند چشمِ شب پیمائے من

سے الفاظ کے بوقلموں پیرائے جدت تراکیب اور تشبیہات کو پیش کرتے ہیں۔

آہ دود آسا۔ چشم شب پیما۔ گنبد نارنج رنگ۔ تیر بارانِ سحر (آہ سے مراد ہے) کہن گرگ

خشن بارانی۔ ساقی گیاہ آسا ہے۔ طفل ہندو۔ مہدِ چشم۔ اثر دریا ہے جاں فرسا۔
بخت دنداں خا ہے۔ دو مریخ ذنب فعل، زحل سیما۔ آہنی کرسی (زنجیر)
خاطر روح القدس پیوند عیسیٰ زا۔ خارِ پائے عقل۔ عقل سخن پیرا۔ سبز پوشانِ
فلک۔ خدیو عقل وجاں۔

مندرجہ بالا تشبیہات اور جدت تراکیب کی مثالیں صرف ایک قصیدے سے اقتباس کی گئی ہیں، اگر چند قصیدوں سے ایسی مثالیں پیش کی جائیں تو ایک طومار مرتب ہو جائے!!

انوریؔ کے یہاں بھی اسی قسم کی نادر ترکیبیں اور تشبیہیں موجود ہیں چند مثالیں انوری کے کلام سے بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:۔ انوری کا مشہور قصیدہ "اے قاعدہ تازہ بنانِ تو کرم را" ملاحظہ کیجئے:۔

سحر بنان۔ عارضِ جاہ۔ حرم جاہ۔ دایہ عفو۔ سوہانِ فلک۔ گلِ عدل۔ خارِ ستم۔
سعی شمر۔ اثر آتش شمشیر۔ ستا بہ بقراطِ قضا۔ دَورِ چرخ چنبری۔ نکد کوب حوادث۔
ذوالفقار نطق۔ بازوے برہان۔ اوراقِ اطباقِ فلک۔ خاتم سخن۔ سلیمانِ سخن۔

دورِ متوسطین کے ایک اور مشہور شاعر کمال اسمٰعیل اصفہانی کے یہاں بھی الفاظ کی بوقلمونی اور جدت تراکیب ملاحظہ کیجئے!!

دیارِ چشم۔ دندان اشک۔ دامنِ اجفان۔ سرمہ دانِ چرخ۔ ابن مقلۂ من
(مردم چشم) سیارہ سر شک۔ خورشید باصرہ۔ آسمانِ چشم۔ گرد بالش شکیں
دو دیدہ (مردم چشم)

نظامی گنجوی دورِ متوسطین کے مایہ ناز شاعر ہیں ان کے یہاں بھی اس دَور کی اس خصوصیت کو ملاحظہ کیجئے!

جاسوسِ اسرار۔ دریائے فرہنگ۔ شب افروزے چو مہتاب جوانی۔ سیہ چشمے چو آبِ زندگانی
دو شکر چوں عقیق آب داد۔

اب فیصلہ کیجئے کہ کلام معینؔ کی چند مثالوں کے مقابل میں جو شیرانی مرحوم نے پیش کی ہیں کیثر مثالیں اسی قبیل کی دورِ متوسطین کے شعراء کے کلام سے اقتباس کر کے آپ کے سامنے پیش کر دی گئی ہیں کیا ان تمام تراکیب، تشبیہات اور الفاظ کی بوقلمونی کو دورِ متاخرین سے مخصوص کر دیا جائے جبکہ وہ خاقانی، انوری اور نظامی کے کلام سے منتخب کی گئی ہیں کیا اب بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ "کلام معینؔ کا تعلق دورِ متوسطین سے ہے متاخرین سے نہیں" اور متوسطین شعراء میں معینؔ نامی شاعر حضرت

لہ کلیات خاقانی، انوری اور نظامی ملاحظہ کیجئے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے سوا اور کوئی نہیں۔

حافظ شیرانی مرحوم کی بیان کردہ چند اور ایسی خصوصیات باقی رہ جاتی ہیں جن کے باعث وہ کلام معین کو متاخرین کا کلام بتاتے ہیں۔ ان خصوصیات کو حافظ صاحب کے الفاظ ہی میں ملاحظہ کیجئے!!

۱۔ کلام میں متانت اور شیرینی نظر افروز ہے[1]۔

۲۔ خیالات میں نزاکت اور خوش اسلوبی جو متاخرین کا دست مایہ ناز ہے غلبہ پائے ہوئے ہے۔

۳۔ کلام میں کچھ اس قسم کی گھلاوٹ اور لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ایام میں قطعی نامعلوم تھی۔

۴۔ تمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے دَور کی پائی جاتی ہیں۔

کلام میں جس متانت اور شیرینی کو نظر افروز بتایا جا رہا ہے وہ تو دور متوسطین کا خاصہ ہے اگر یہ متانت نہ ہوتی اور اس کے بجائے شوخی ہوتی تو البتہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ کلام متاخرین شعراء میں سے کسی کا ہے، سعدی شیرازی اور حافظ کا کلام دیکھئے، وہ متانت جو متوسطین کا خاصہ ہے ان کے یہاں نہیں بلکہ شوخی اور بیباکی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ شیخ سعدی کی شاعری پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شبلیؔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ کی غزلوں کے حسنِ قبول کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ جو خیالات ادا کرتے ہیں عموماً وہ ہوتے ہیں جو عموماً عشاق اور ہوس پیشہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں"

گویا شیخ سعدیؔ نے اس متانت کو خیرباد کہدیا جو ان سے پہلے متوسطین کے آخری دَور کی یادگار تھی! متانت کی جگہ انھوں نے معاملہ بندی، اور واردات محبت کو روشناس کر دیا۔

بوسۂ از لب جاں بخش بدہ یا لبتاں ۔۔۔ کایں متاعے است کہ بخشند و بہا نیز کنند

امشب مگر بوقت نمی خواند ایں خروس ۔۔۔ عشاق بس نہ کردہ ہنوز از کنار و بوس

مرا راحت از زندگی دوش بود ۔۔۔ کہ آں ماہ رویم در آغوش بود

---

[1] محمود شیرانی صاحب نے تنقید میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں اور انکی عبارت کی جو شان ہے اس کے بارے میں ہم کیا کہیں اور کیا لکھیں قارئین اسکی پستی یا گراں مایگی کا اندازہ کر سکتے ہیں یہاں ہم اصل موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔

ندانستم از غایت لطف و حسن — کہ سیم و سمن یا برد دوشش بود

سرمست بُتے لطیف و سادہ — در دست گرفتہ جام بادہ
در مجلس بزم بادہ نوشاں — بستہ کمر و قبا کشادہ

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست — تا ندانند حریفاں کہ تو منظور منی

سعدیؔ کے اس رنگ کے مقابل میں کلام معینؔ میں عشق و محبت کے مقامات دیکھئے، ہر قدم پر متانت و سنجیدگی موجود ہے، بوالہوسی اور معاملہ بندی کا کہیں پتہ نہیں، عشق حقیقی ہے اور اس کا احترام، مقامات محبت ہیں اور ان کی بلند پائیگی ! !

شیخ سعدیؔ کے بعد غزل کو امیر خسروؔ نے اس مقام پر پہنچایا کہ ایرانی شعرائنے اس برصغیر کے شعراء میں اگر کسی کا لوہا مانا ہے اور اس کو استاد گردانا ہے تو وہ امیر خسروؔ ہیں۔ حضرت امیر خسروؔ نے معاملہ بندی اور واردات محبت کو اور فروغ بخشا۔

توشبانہ می نمائی بہرے کہ بودی امشب — کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

خواب مارا بہ بست و باز نہ کرد — دل ما را بہ برد و باز نہ داد

لیکن ان کی اہم خصوصیت "سوز و گداز" ہے۔ امیر خسرو پہلے شاعر ہیں جنھوں نے غزل کو یہ سوز بخشا ! سوز و گداز اور بیقراری بھی متانت کی دشمن ہے۔ بخوف طوالت ہم یہاں مثالیں پیش نہیں کر رہے ہیں۔ خسروؔ سے آگے بڑھیے تو اس بزم غزل میں ایک رند سرمست خواجہ حافظ ملتے ہیں، سعدی جیسے اخلاقیات کے علمبردار سے غزل میں جب متانت کی دشوار گذار راہ طے نہ ہوسکی تو ایک آزاد مشرب حافظؔ سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ آپ جس قدر آگے بڑھتے جائیں گے متانت اور سنجیدگی کو اتنا ہی پیچھے چھوڑتے آئیں گے حقیقت ہے کہ غزل متانت کا اور متانت غزل کا ساتھ نہیں دے سکتی یہ تو صرف ان بزرگ ہستیوں کا کام ہے جو عشق و محبت کے احترام اور اس کی گراں مائیگی سے واقف ہیں اس لئے حضرت خواجہ اجمیریؒ کے کلام میں متانت کا دو اعتبار سے ہونا ضروری ہے ایک تو دور متوسطین کی شاعری کا اسلوب اور رنگ خاص بھی "متانت" تھا دوسرے وہ عشق کا احترام کرنا جانتے تھے، ان کی غزلوں میں محبت کا احترام رچا بسا ہے۔ واقف راز محبت اور عشق حقیقی کا رمز شناس متانت و سنجیدگی سے کس طرح بے اعتنائی برت سکتا ہے۔ خواجہ چشتی سنجریؒ فرماتے ہیں :۔

براق عشق برائے تو صد قدم طے کرد — تو ہم مضائقہ بگذار یک قدم پیش آ

سحابِ تشنگی جو بارانِ شوق می بارد   عجب مدار اگر از خاک بشگفد گلہا

آں جمالیکہ نظر نیز دراں محرم نیست   ہمچو خورشید دریں آئینہ ما پیدا ست

دست از دامنِ عشق تو نخواہم بگذاشت   بخدا تا رمقے در تنِ نامی جنبد

کو شعلۂ زعشق کہ در جاں خود زنم   تا وارہم ز ظلمتِ ہستی زدودِ داد

اس قبیل کے صدہا اشعار کلام معیّن سے پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں متانت کا بھرپور وصف موجود ہے اب رہا سوال شیرینی کا تو وہ خود ظاہر ہے اس زبان کا جس میں یہ اشعار پیش کئے گئے ہیں۔
کون ہے جو فارسی زبان کی شیرینی سے آگاہ نہیں کاش شیرانی صاحب نے اس لفظ کی کچھ صراحت کی ہوتی تو ہم اس کو موضوعِ بحث بناتے۔

خود صنفِ غزل برخلاف قصیدہ، رباعی اور مثنوی کے شیرینی سے بھرپور ہے اور دورِ متوسطین پر غزل جن لطیف تشبیہات اور جدت تراکیب سے آراستہ تھی اور کیفیات عشق و محبت کو جس دل نشیں پیرائے میں بیان کیا جاتا تھا بحیثیت مجموعی، ان سب کے نتیجہ میں شیرینی کلام کا لازمی نتیجہ بن گئی تھی۔
اس وصف کے بعد حافظ شیرانی فرماتے ہیں :-

"خیالات میں نزاکت اور خوش اسلوبی جو متاخرین کا دست مایہ ناز ہے، غلبہ پائے ہوئے ہے۔"

حافظ شیرانی صاحب کے اس قول اور اس تبصرہ سے تو ہمارے ہی قول کی تائید ہو رہی ہے اور کلام معیّن کا تعلق دَورِ متوسطین سے ثابت ہو رہا ہے نہ کہ متاخرین سے اس لئے کہ متاخرین کا یہ خصوصی وصف، نزاکت خیالات اور خوش اسلوبی (طرز ادا کی جدت) کلام معیّن میں مفقود ہے، تمام دیوان کا بدقت نظر ملاحظہ کیجئے متاخرین کا یہ وصف آپ اس میں موجود نہ پائیں گے۔"

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فارسی شاعری کے دورِ متاخرین کا بانی فغانی ہے، اس حقیقت کو شبلی کی زبان سے سنئیے ! شعر العجم حصہ سوم میں کہتے ہیں :-

"تمام اہلِ فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری میں انقلاب پیدا ہو کر جو دنیا دَور قایم ہوا، جو متاخرین اور نازک خیالوں کا دَور کہلاتا ہے اس کا بانی فغانی ہے۔"

اس وصف کی مزید وضاحت علامہ شبلی اس طرح فرماتے ہیں :-

"قدماء اور متوسطین کسی خیال کو پیچیدگی سے نہیں ادا کرتے تھے متاخرین کا یہ خاص انداز ہے کہ جو بات کہتے ہیں پیچ دے کر کہتے ہیں۔ یہ پیچیدگی زیادہ تر اس وجہ سے پیدا

ہوئی کہ جو خیال کئی شعروں میں ادا ہو سکتا ہے اس کو ایک شعر میں ادا کرتے ہیں۔"
خیال بندی اور مضمون آفرینی :۔"یہ وصف تمام متاخرین میں ہے لیکن اس طرز خاص کا نمایاں کرنے والا جلال اسیر ہے جو شاہ جہاں کا ہم عصر ہے، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ وغیرہم نے اس کو زیادہ ترقی دی اور ہمارے ہندوستان کے شعراء بیدل اور ناصر علی وغیرہ اسی گرداب کے تیراک ہیں" (شعر العجم حصہ سوم)
اس دور کی مزید خصوصیات علامہ شبلی نے یہ تحریر کی ہیں :۔
اس دور کا بڑا امتیازی وصف، استعارات کی نزاکت اور جدت تشبیہ ہے، استعارہ کی جدت اور نزاکت متاخرین کا عام انداز ہے لیکن اس خاص وصف میں طالب آملی سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ اس زمانہ میں الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہوئیں مثلاً پہلے عشرت کدہ، آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشتر کدہ، مریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں اس قسم کی ترکیبیں عرفی، فیضی، نوعی نے کثرت سے استعمال کیں"۔
تاریخ ادبیات ایران کے مصنف دور متاخرین کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں :۔
"بایں ہمہ عصر صفوی بنوان بطور عموم عصر انحطاط ادبی ایران محسوب داشت۔ درواقع خرابی ہائے دورۂ مغول وتیموریاں تاثیرات عمدۂ خود را در علم وادب درین قرن ہا تالی بخشید، نہ تنہا ایں دورۂ از وجود گویندگان بزرگ خالی بود بلکہ در موضوع ہم نظم پیشینیاں یعنی غزل و شعر عرفانی متروک گردید، زیرا شاہان صفوی از ہر دو اعراض داشتند۔
نظم ونثر فارسی تنزل صریحی نمود وسخن فارسی بقیہ لطافت وبساطت قبل از مغول را باخرت وعبارت پردازی وزیور وزینت ہائے زاید لفظی بیشتر استعمال شد، ومضامین مبتذل ونازک کاری ہائے زننده بے لزوم معمول گردید و اغلب احوال ہم شاعر و نویسنده بہ تشبیہات وجناس وایہام واستعارہ معروف ونظرش باذکار غریب ومعانی عجب معطوف گشت وصدہا شاعر ونثر نویس ومؤلف در ایران و ہندوستان ظہور کرده پیروی ازیں سبک کہ آں را سبک ہندی نام داده اند، نمودند"۔
بایںہمہ نباید تصور کرد عصر صفوی از نظم ونثر خوب بکلی محروم بود بلکہ درمیاں شعرائے آں عہد کہ عدۂ آنہا بسیار بود اشخاصے مانند صائب تبریزی ووحشی (یزدی) وکلیم وہاتف اصفہانی امثال آنہا ودر بین شعرائے ہند مانند فیضی وعرفی اشعار نغز خوش آیند سروده و بعضے از آنہا گاہے از متقدمین پیروی کرده واحیائے طرز قدیم

را آزمودہ اند۔" (تاریخ ادبیات)

غور کیجئے دونوں نقاد اس پر متفق ہیں کہ نازک خیالی، خیال بندی اور مضمون آفرینی دور متاخرین کی اہم خصوصیات ہیں اور رضا زادہ نے اس امر کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ایران میں صفوی دور میں غزل کو زوال آگیا اور صوفیانہ شاعری نے دم توڑ دیا۔

مذکورہ بالا ناقدین کی شہادتوں سے تو یہ ثابت ہے کہ صوفیانہ شاعری دَور متاخرین میں زندہ نہ رہ سکی لیکن ہمارے نقاد کلام معین کو اسی دَور کی یادگار بتاتے ہیں اور اس کو دور متاخرین کا سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ دکتر رضا زادہ نے واضح الفاظ میں کہدیا کہ سلاطین صفوی کو چونکہ غزل اور تصوف سے لگاؤ نہیں تھا اس لئے ایران میں عموماً غزل اور خصوصاً صوفیانہ شاعری نہ پنپ سکی اور محمود شیرانی صاحب دَور متوسطین یا عہد متاخرین کی شاعری اور اس دَور کے ایک شاعر (خواجہ معین چشتی سنجریؒ) کے کلام کو زبردستی عہد صفویہ سے وابستہ کر رہے ہیں اور اس دَور کی خصوصیات کے پیمانے سے اس کلام کو ناپ رہے ہیں! محمود شیرانی صاحب کے تمام دلائل پر صرف یہی ایک امر "بھاری ہے کہ" عہد صفویہ میں صوفیانہ شاعری رواج نہ پا سکی۔" وہ ایک زبردست صوفی شاعر کے کلام کو اپنے ایک مغالطہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے اس دَور سے وابستہ کرنے کی کوشش میں یہ بھول گئے کہ "عہد صفوی صوفیانہ شاعری سے خالی ہے" اس زبردست ثبوت کی موجودگی میں ملا معین ہروی کا کلام درایت وحقیقت سے کس قدر گری ہوئی چیز ہے اس کا فیصلہ بآسانی کیا جا سکتا ہے!

ہم اس بحث کو یہیں ختم نہیں کرتے بلکہ دور متاخرین کے مشاہیر شعرا کے کلام کے مقابل میں کلام معین پیش کرکے اس امر کی وضاحت کریں گے کہ ان کے مابین کوئی خصوصیت قدر مشترک ہے! تاکہ داخلی پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے دَور متاخرین کے مشاہیر شعرا میں بابا فغانی، فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، صائب اور ابو طالب کلیم کو پیش کیا ہے، دکتر رضا زادہ بھی اس دَور کے مشاہیر شعرا ہیں، محتشم کاشی، عرفی شیرازی، بابا فغانی، اہلی شیرازی، نظیری نیشاپوری، ظہوری ترشیری، طالب آملی اور ابو طالب کلیم، فیضی اور ہاتف اصفہانی کو شمار کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے فغانی کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے جو اشعار پیش کئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:-

ساقی مدام بادہ باندازہ می دہد　　　این بیخودی گناہ دلِ زودمست ماست

آں کہ ایں نامۂ سربستہ بشبدت است نخست　　　گرہے سخت بسر رشتۂ مضموں زدہ است

مقصود صحبت ست ز گل ورنہ بوئے گل — انصاف اگر بود ز صبا می تواں شنید

آلودہ شراب فغانی بخاک رفت — آہ از ملائکش کفن تازہ بو کنند

ہزاراں چارہ ضائع گشت و یک دم نشد ساکن — کنوں درد دگر از پہلوے ہر چارہ دارم

دلِ زود مست، گرہ سخت بسر رشتہ مضموں، آلودۂ شراب - پہلو ہر چارہ میں تراکیب کی جدت اور مضمون آفرینی قابل غور ہے !

عرفی:- جہاں بگشتم و در دا بہیچ شہر و دیار — ندیدہ ام کہ فروشند بخت در بازار

بیا اے درد از راحت رمیدن آرزو دارم — بہ غم پیوستن، از شادی بریدن آرزو دارم

مدار جلوہ دریغ از دلم کہ خرمن حسن — بخوشہ چینی آئینہ کم نمی گردد

زخم ہا برداشتیم و فتح ہا کردیم لیک — ہرگز از خوں کسے رنگیں نشد دامانِ ما

بہ چہ رو بہ جلوہ آید طلب نیاز منداں — نہ دل نیاز زخمے، نہ لب امید خنداں

ایما و اشارت نہ باندازۂ راز ست — ایں رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز ست

نظیری نیشاپوری (رئیس المتغزلین) :-

پروانہ ایم و شعلہ بود آشیانِ ما — آب از شرار سنگ خورد گلستانِ ما
بس درد ماغ ہم نفساں مغز سوختیم — در دیدہ خواب تلخ کند داستانِ ما

کجا ز عشوۂ آں چشم نیم باز رہیم — کہ فتنہ خاستہ از خواب و پائے ما خفتہ است
بگیر کام دل اے کعبتینِ مردم چشم — کہ نرد ت آمدہ و نقش در قفا خفتہ است

پُر ز گلم مشام ہا ز قوت امتیاز نے — عشوۂ یاس می خورم، حاصل انتظار کو

کس نہ نمود جرعہ اکز جگرم گزک نہ خواست　　　خستۂ درد سر شدم بادۂ بے خمار کو

علامہ فیضی :-

گر دلے گم شود از حلقہ عشاق بپرس　　　ہر چہ بُردند دریں قافلہ باز آوردند

غافل نیم ز راہ ولے آہ چارہ چیست　　　زیں رَہزناں کہ بر دلِ آگاہ می زنند

اگر سرے نہ کشم سوے بیخودی چہ کنم　　　مرا ز ہمدمی خود ملال می گیرد

بگریز کہ دورانِ فلک عُربدہ خیزاست　　　آئینِ حریفاں ہمہ کج دار و مریز ست

در دشتِ آرزو... بنو دیم دام و دد　　　راہے ست ایں کہ ہم ز تو خیزد بلائے تو

آں نیست کہ من ہم نفَساں راگذارم　　　با آبلہ پایاں چہ کنم قافلہ تیز است

طالب آملی (ملک الشعرائے دربار جہانگیر) :-

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست　　　کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی　　　دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

بے نیازانہ ز ارباب کرم می گذرم　　　چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گذرد

مارا زبانِ شکوہ ز بیدادِ چرخ نیست　　　از ما خطے بمہر خموشی گرفتہ اند

خانہ شرع خراب است کہ اربابِ صلاح　　　در عمارت گریٔ گنبد دستار خود اند

دریں انجمن غیر لب ہائے یار　　　دوئے را بیک نشۂ کم دیدہ ام

ابوطالب کلیم ہمدانی :-

[illegible]　　　در فکر نام ماندہ اگر از نشاں گذشت

از دست برد حسنِ تو برلشکر بہار — یک نیزہ خونِ گل ز سرِ ارغواں گذشت

از ثبات عشق دایم پا بہ دامن داشتم — ہم چو داغ لالہ در آتش نشیمن داشتم
روشنی از بزم من دریوزہ می کرد آفتاب — در چراغ عیش تا از بادہ روغن داشتم
داغ را جز بر کنارِ زخم ننہادم، کلیم — دیدہ را بر رخنۂ دیوارِ گلشن داشتم

نیست پرہیز من از زہد، کہ خاکم بہ سر — ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من
بود ازیں تاریکیِ شبہا بخود خوش کن کلیم — شکوہ کم کن در چراغِ اختراں روغن نماند

شکر چشم تو کند، محتسب شہر کزاد — ہر کجا میکدۂ ہست، خراب افتادہ است

میرزا صائب تبریزی:-

یادگار جگرِ سوختۂ مجنوں ست — لالۂ چند کہ از دامنِ صحرا برخاست

نہ شبنم ست چمن را بروئے آتشناک — عرقِ ز روئے تو کردہ است گل بداں پاک

دلم بپاکئ دامانِ غنچہ می لرزد — کہ بلبلاں ہمہ مستند و باغباں تنہا

عالم بیخبری طرفہ بہشتے بودہ است — حیف صد حیف کہ ما دیر خبردار شدیم

نمک بہ دیدہ ام از غیرتِ حنا خفتہ است — کہ زیر پائے تو چوں عاشقاں چرا خفتہ است

بیا بہ ملک قناعت، کہ عیش روئے زمیں — تمام در شکن نقش بوریا خفتہ است

ظہوری ترشیزی:-

بس آفتاب کہ در سایۂ دل افتاد است — از بسکہ سینہ بداغش مقابل افتاد است
ز دیدہ بر سر من گرچہ صد بلا آمد — گناہ باہمہ در گردنِ دل افتاد است

گر شعلہ است لالۂ بستانِ آتش است — گر اخگر است ریگ بیابانِ آتش ست

خاکسترے بباد ندادیم و سوختیم　　　کز آہ گرم کار بطوفانِ آتش است

عشق در یوسف فروشی چوں بر آراید دکاں　　　از برائے گرم بازاریٔ زلیخا آتش است

زبانِ تیشۂ فرہاد ہم چناں تیز است　　　ہنوز طعنہ تراش از برائے پرویز است

از نگہ چشم تہی گشت و تماشا ماند است　　　در زباں حرف نماند است و سخن ہا ماند است

خموشی نغمہ ہا دارد، سخن پرداز می داند　　　نخستیں اینکہ ساکت ہیچگہ ابلقم نمی گردد

ناصر علی سرہندی :۔

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوت دل ہا　　　چو تارِ سبحہ گم گرد ایں رہ زیر منزل ہا

بہ ہفتاد و دو ملت گردش چشم تو می سازد　　　ادا فہماں چو بوئے گل رہا کردند محمل ہا

ولے دارم، جواہر خانۂ اشک است تحویلش　　　کہ دارد زیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

بہ دست آوردہ ام دل را ز ایمانم چہ می پرسی　　　ہمہ تصویر معشوق است قرآنے کہ من دارم

اگر ساقی نہ باشد، شیشۂ مے، خوشۂ تاکے　　　بہ شمع یک جہاں فانوس بر خاکم چراغاں کن

جنوں ہنگامۂ دارد، نگاہے از تو می خواہم　　　شب تاریک ما را مشعلِ چاک گریباں کن

نہ تنہا برہمن سر می زند از شوق دیدارش　　　کہ بت را ہم حمائل از رگِ سنگ است زنارے

دراں وادی کہ من نخچیر رنجورم نگاہش را　　　تواں کردی تماشا نبض بیمار است ہر خارے

دورِ متاخرین کے چند مشاہیر شعراء کا نمونہ کلام آپ کے سامنے ہے، ان اشعار میں مضمون آفرینی اور خیال بندی ملاحظہ کیجئے، معاملہ بندی اور واقعہ گوئی دیکھئے، طرز ادا اور اسلوب بیان کی جدتیں آپ کے سامنے ہیں، دور از کار تشبیہیں اور استعارے کلام کو کس قدر پیچیدہ بنا رہے ہیں اس کے ساتھ استعارات کی جدت اور نزاکت بھی قابل ملاحظہ ہے، الفاظ کی نئی نئی تراشیں اور نئی نئی ترکیبیں ظہوری، عرفی، طالب آملی اور ناصر علی کے یہاں دیکھئے کس قدر ہیں۔

طول کلام سے بچنے کے لئے ہم نے ان اشعار سے ایسی ترکیبوں، تشبیہوں اور خیال آفرینیوں کو صراحت کے ساتھ

علیحدہ پیش نہیں کیا ہے، ایسے مقامات پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے، ان خط کشیدہ مقامات پر غور فرمائیے۔ متاخرین کی ان خصوصیات شاعری اور نمونۂ کلام کے مقابل میں مکمل دیوان حضرت معینؒ آپ کے سامنے ہے ان خصوصیات کے حامل بیس تیس اشعار نہیں چار اشعار بھی آپ کو نہیں ملیں گے پھر کس طرح کہدیا جائے کہ دیوان معینؒ دَورِ متاخرین کی یادگار ہے اور دورِ متاخرین کے کسی شاعر کی فکر کا نتیجہ ہے۔

۱۔ "کلام میں کچھ اس قسم کی گھلاوٹ اور لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ایام میں قطعی نامعلوم تھی"۔

۲۔ تمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے دَور کی پائی جاتی ہیں"۔

اب صرف مذکورہ بالا ان دو دلائل پر کلام معینؒ کو اور پرکھنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ واقعی کلام معینؒ میں تمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے دَور کی پائی جاتی ہیں اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر کلام معینؒ کو دَورِ متاخرین کی یادگار تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں اولاً بندش اور ترکیب کی اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے۔

بندش :۔ کلام موزوں کے الفاظ کا دَروبَست اور ان کی ایسی ترکیب و ترتیب کو کہتے ہیں جس سے کلام تنافر سے محفوظ رہے، تعقید پیدا نہ ہو، اور کلام کی روانی پر حرف نہ آئے، اگر کلام میں یہ نقص موجود ہے تو اس کو بندش کی سستی سے تعبیر کیا جاتا تھا، شاعری میں بندش کا تدریجی ارتقا امتداد زمانہ سے وابستہ ہے کسی زبان کی شاعری کی عمر جیسے جیسے زیادہ ہوتی جاتی ہے بندش کی چستی اور صفائی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ابتدائی دَور میں سست بندشوں کو شاعر کا عیب شمار نہیں کیا جاتا لیکن جب یہ اپنے درجہ کمال پر پہنچ جاتی ہے یا شاعری ترقی کے نقطۂ عروج پر پہنچتی ہے تو بندش کی سُستی شاعری کا بڑا عیب بنجاتی ہے۔ فارسی زبان کی شاعری سے قطع نظر آپ اردو شاعری ہی کو دیکھ لیجئے متقدمین کو اس کی پروا نہ تھی۔ ولی شاہ حاتم، میرزا جانِ جاناں، میر سوز، میر درد کو اس کی پرواہ نہ تھی، میر تقی میر اور سودا نے اس کا لحاظ رکھا، دورِ متوسطین کے شعرا مضمون کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھنے لگے لیکن ان کی نظر میں یہ کوئی بڑا عیب نہ تھا مگر متاخرین کے دَور میں اس عیب کو استادی کے منافی اور درجہ کمال سے گری ہوئی چیز سمجھا گیا ہے۔ یہی کیفیت فارسی شاعری کی ہے، بندش کی سستی کی متقدمین کو پرواہ نہ تھی، متوسطین نے کچھ زیادہ اہتمام اس سلسلہ میں نہیں کیا لیکن متاخرین کو ہر قدم پر اس کا خیال رہا وہ اس کو شاعری کا زبردست عیب سمجھتے تھے۔

گذشتہ اوراق میں متوسطین اور متاخرین شعرا کے کلام سے نزاکت تخیل اور مضمون آفرینی کے سلسلہ میں کافی اشعار بطور مثال پیش کئے جاچکے ہیں یہاں بندش کے اعتبار سے بھی متوسطین اور متاخرین کا کلام دیکھ لیجئے اور (فغانی۔ عرفی۔ فیضی۔ نظیری۔ ظہوری۔ ناصر علی۔ بیدل اور صائب) کا کلام جو شعرائے متاخرین میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ کلام معینؒ کے سامنے رکھ کر دیکھئے اور پھر یہ فیصلہ کیجئے کہ کلام معینؒ کی بندشیں واقعی متاخرین شعرا کی بندشوں کے مانند چست ہیں، اگر ایسا ہے تو پھر داخلی اعتبار سے اس خصوص میں یہ تسلیم کیا جائے گا

کہ چونکہ اس کلام کی بندشیں متاخرین کے دَور کی ہیں اس لئے یہ کلام یقیناً دَور متاخرین سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اس کے برعکس ہے یعنی بندشیں دَور متاخرین کی نہیں بلکہ دَور متوسطین سے تعلق رکھتی ہیں تو کلام معینؔ دَور متوسطین کی یادگار ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اشعار متحدالموضوع ہوں۔

متاخرین شعراء میں ہم سب سے پہلے فغانیؔ کو پیش کرتے ہیں کہ دور متاخرین کا بانی وہی ہے۔

فغانیؔ :-

دلے می باید و صبرے کہ آرد تاب دیدارش　　فغانی گر دلے داری تو باش ایں جا کہ من رفتم

ساقی مدام بادہ باندازہ می دہد　　ایں بیخودی گناہ دل زود مست ماست

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست　　اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

آلودۂ شراب فغانی بہ خاک رفت　　آہ ار ملائکش کفنِ تازہ بو کنند

معینؒ :-

حسن ساقی تو بے پردہ اگر جلوہ نہ کرد　　عکس افتاد بجام دل آگاہ بس است

مگو کہ کثرتِ اشیا نقیض وحدت گشت　　تو در حقیقتِ اشیا نظر فگن ہمہ اوست

شرابِ ساقیٔ ما مستی از جامے دگر دارد　　کہ از یک قطرہ جمع ما ز عالم بے خبر دارد

نہ از جام است ایں مستی نہ از خم نشۂ از بادہ　　ولے در چاشنی گیری بر اں لب باگذر دارد

خبر ائے عقل تو از چار سو و پنج حواس　　کہ نگار من از از اں راہ نہاں می آید

عرفیؔ :-

فتادگاں سر خود را بہ خاکِ ما بخشند　　بہ جاں خرند شہادت کہ خون بہا بخشند

ز روز حشر چہ غم کز جزا بود ترسم　　کہ عذر ما بہ پذیرند و جرم ما بخشند

بیا اے درد کز راحت رمیدن آرزو دارم　　بہ غم پیوستن از شادی بریدن آرزو دارم

بیا اے عمر ترک بے وفائی کن کہ در محشر　　ز زخم غمزہ اش در خوں طپیدن آرزو دارم

بہ چہ رو بہ جلوہ آید طلبِ نیازمنداں　　نہ دل نیاز خرم نہ لب امید خنداں

چہ کند زبوں شکارے ز چنیں شکار گاہے　　کہ خم کمند بوسد لب عنبریں کمنداں

معینؔ :-

تو در درونِ دل و بوئے تو ز خود می شنوم　　نگہت عطر تو بر نالیہ داں تافتہ است

خواست خیاط قضا خلعتِ خاصی دوزد　　رشتۂ ما و ترا بر ہم از اں تافتہ است

تو باز شاہی و از دستِ شاہ بپریدی　　بغیر شاہ مکن میل و سوئے شاہ باز درآ

اگر بقا طلبی دولت فنا باید　　کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری بہ بقا

اوچو خود عارفِ خود آمد د ما محرم میم — بس نہاں از کہ بُرد ہر کہ بد بیدار شود
تو بخوابی و سرت یار گرفتہ بکنار — چشم بختت بود آں روز کہ بیدار شود
نہ از جام است ایں مستی نہ از خم و نہ از بادہ — دلے در چاشنی گیری براں لب ہا گذر دارد
خیز اے عقل تو از چار سوِ پنج حواس — کہ نگارِ من ازاں راہ نہاں می آید

ظہوری ترشیزی:۔ ظہوری دور متاخرین کا مایہ ناز نثر نگار ہی نہیں بلکہ ایک نادر الکلام شاعر بھی ہے، ظہوری کے کلام میں رواں اور چست بندشوں کی ان مثالوں پر غور کیجئے!!

نہ گل عار دارد گریبانِ ما — در آ ویخت غارت بدامان ما
ظہوری دگر رہزنِ زلف کیست — کہ زنار می بندد ایمان ما
خوشت باد اے تلخکامی برو — کہ ما زہر خود را شکر ساختم
دل از آفت مرہم آسودہ شد — کہ زخم تو حرز جگر ساختم
جاں مردۂ دردے کہ پذیرائے دوا نیست — زخمے کہ بمرہم شود آلودہ زنا نیست
از ذرّہ اگر کمترم از گرم روانم — خورشید دریں راہ چو من سوختہ پا نیست

دیکھئے ظہوری کے یہاں مترنم بحروں، الفاظ کے دروبست چست بندشوں نے کس قدر زور پیدا کر دیا ہے، متاخرین شعراء کے یہاں آپ کو یہ وصف عام طور پر ملے گا۔

کلام معینؒ سے ایسی چھوٹی بحروں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں بندشوں پر غور کیجیے۔ کیا ظہوری جیسی روانی اور چستی ان میں موجود ہے؟۔

معینؒ:۔ تو ئی معرفِ خود لاجرم بدیہی گشت — کہ در تصور تو اکتساب دیگر نیست
ز قشرِ تن بگذر در لبابِ جاں بنگر — دراں لباب عجب گر کتاب دیگر نیست
مگر صبا ز سرِ کوے دوست می آید — کہ از زمیں و زماں بوے دوست می آید
دفا چگونہ کند عقل و ہوش بامنِ مست — چنیں کہ جام ہیا ہوے دوست می آید
اے تشنۂ بوادیٔ عصیاں مبر امید — کا مواج بحر رحمت اللہ می رسد
یعنی شراب اشک و کباب جگر بیار — با آہ و نالہ کز دل او آہ می رسد

کلام معینؒ سے ان منتخب اشعار کو دیکھئے اور ظہوری کی چھوٹی بحروں والی غزلوں کے اشعار ملاحظہ کیجئے، کیا ایک بیّن اور واضح فرق موجود نہیں! یہی فرق بتا رہا ہے کہ دونوں کا ایک دور سے تعلق نہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دور کی خصوصیات کا نمائندہ ہے۔

نظیری نیشاپوری:۔

شب امید بہ از صبح عید می گذرد — کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفت است

فسانۂ صرف نظیری مکن کہ خواب کند / شکستہ ای کہ بہ صد درد مبتلا خفت است
در حیرتم کہ غنچہ بہ بلبل چگونہ گفت / رازے کہ یاد ہم نہ شنید از زبانِ ما
بنیاد ما خرابیٔ ما استوار کرد / گوی کہ سود ماست نظیری زیانِ ما
چہ خوش است از دو یک دل سر حرف باز کردن / سخن گذشتہ گفتن، گلۂ دراز کردن
گہے از نیاز پنہاں نظرے بہ مہر دیدن / گہے از عتاب ظاہر نظرے بہ ناز کردن

کلام معیّن :-

آنکہ خود بر خود تجلی می کند پس خود بخود / عشق می بازد بنام عاشقاں پیداست کیست
رشتۂ جانِ مرا بگسیخت مقراضِ فراق / تا امیدِ وصل تو پیوند جاں شد عاقبت
ما بروں از شش جہت در صد جہت جویانِ تو / چند خود را ہر طرف مشغول گردانی زما
ما چو بحر و تو چو ابرے بار ما کش غم بخور / باغ را خنداں کنی گرچند گریانی زما
جاں چو بویش بشنود برخود بدرّد پیرہن / روح پاکست ایں نمی گنجد دروں پوستیں
گوہر در خاتمے می بود یک قرنے قریں / شد جدا از خاتم و آمیخت ہم با اصل و کاں

ابو طالب کلیم ہمدانی کا :-

از ثباتِ عشق دایم پا بہ دامن داشتم / ہم چو داغِ لالہ در آتش نشیمن داشتم
کے بہ ہر نا محرمے چاکِ جگر خواہم نمود / من، کہ زخمش را نہاں از چشمِ سوزن داشتم
بہ تکلّم، بہ خموشی، بہ اشارت، بہ نگاہ / می تواں برد بہ ہر شیوہ دل آساں از من
نیست پرہیزِ من از زہد کہ خاکم بر سر / ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من
در گلستاں، بہ یادِ دہانِ تو غنچہ را / امسال باغباں ہمہ نشگفتہ چیدہ بود
دارم رہے بہ پیش کہ انگشتِ خار را / از من حساب آبلۂ پا گرفتہ است

کلام معیّن :-

از چہ مہ در سایۂ تن ذرہ صفت گم نامم / من کہ خورشیدم و در عالم جاں مشہورم
موسیٔ دل کہ بطورِ بدنم گفت اَرِنی / یعنی از جامِ بقا بادہ بدہ مخمورم
متاعِ جان و جہاں می برد شش در غم / اگر غنیمت بباید تبرک و تاز من
ہر چند کہ واگشتم او در پے من آمد / او کرد وفا افزوں چوں بیش جفا از من
دل ویس قرن آمد اندر یمنِ قالب / بشنو ز مشامِ جاں آں بوئے خدا از من
گفت زین و آں چہ جوئی جز خود ز آنکہ ز من / در تنت چوں جان ز پیدائی نہاں خواہم شدن
گر امیدِ دیدنش بنود من از کنجِ جحیم / واللہ از ہر سو سوئے خلدِ جناں خواہم شدن

مشاہیر متاخرین شعراء میں ابھی طالب آملی، فیضی، میرزا صائب، ناصر علی اور بیدل باقی ہیں، ان شعراء کا کلام بندشوں کی روانی اور چستی کے سلسلہ میں پیش نہیں کیا جائے گا کہ طول کلام کا احتمال ہے ان حضرات کا کلام ہم تراکیب کے ذیل میں پیش کریں گے، کلام معین کے ناقد بندشوں کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ "تمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے طرز کی ہیں" چنانچہ بندشوں کا انداز تو آپ ملاحظہ کر چکے ہم ردیف غزلیں بھی پیش کی گئیں اور مختلف ردیفوں کی بھی، غور کیجئے کہ متاخرین کی بندشوں میں جو پختگی اور روانی ہے وہ کلام معین کی بندشوں میں مفقود ہے پھر یہ کس طرح تسلیم کیا جائے کہ متاخرین کی اور حضرت معین کی بندشیں یکساں ہیں اب دوسرے شق کی طرف آئے "یعنی ترکیبیں متاخرین کے طرز کی ہیں۔"

فارسی شاعری خواہ اس کا تعلق کسی دور سے ہو تراکیب سے خالی نہیں اس لئے کہ فارسی زبان کا سرمایۂ ادبی تمام تر یہی تراکیب ہیں یعنی اضافت تملیکی، توضیحی، تخصیصی، بیانی، مادی اور تشبیہی، صفت موصوف، حال ذوالحال، مرکب اضافی بہ ترکیب توصیفی اور مرکب توصیفی بہ ترکیب اضافی۔ یہ تراکیب کسی ایک دور سے مخصوص نہیں، یہاں تراکیب سے مراد مرکبات میں الفاظ کی تراش خراش اور ان کی جدّت ہے۔

نزاکت تخیل اور مضمون آفرینی کے تحت ایسی امثلہ آپ کی نظر سے گذر چکی ہیں جو متاخرین کے خاص طرز میں شمار کی جاتی ہیں اور متاخرین یا متوسطین کی شاعری ان سے خالی ہے! تنقید کے اس پہلو کی تشریح و توضیح کے لئے ہم یہاں متاخرین کی کچھ ترکیبیں پیش کر رہے ہیں۔

عرفی کی غزلیں اور اس کے قصائد دیکھئے تراکیب کی یہ جدّت اور تنوع اس کثرت سے موجود ہے کہ بمشکل ہی کسی اور شاعر کے یہاں آپ کو اس کی مثال ملے گی۔ ہم قصیدوں کو نظر انداز کر کے صرف غزلوں سے ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

شرابِ حیرت۔ قد جلوہ ساز۔ رمز فروش۔ ناخنِ قدرت۔ گل اندیشۂ من۔ برقعِ مہ کنعاں۔ حسن آباد۔ بہ حجلہ گاہ زلیخا۔ یوسف زار۔ کرشمہ تراشیدہ ریخت برکہسار۔ رہ نشتر خیز۔ روش ہر فراز۔ نگہ صبر گداز۔

بہ خوفشانیٔ شبنم بہ خود فروشیٔ گل — بہ نیزہ بازیٔ سوسن، بدشنہ سازی خار

حریم گلشن عشق۔ دوستیٔ سخن ہائے آشنا۔ دستِ رغبت۔ زہر بدنامی۔ موج زہر آفت۔ بہ گلوے نوش خنداں۔

ظہوریؔ ترشیزی:۔ نسیم بہار محبت۔ آئینۂ خنجر عشق۔ دامن زنیٔ آتش گل۔ گرہِ حسرتِ نو۔ اسیر خنجر رنگینِ غمزہ۔ سمن گلشنِ مشام۔ نافۂ حلقہ گیسو۔ خارِ رہِ کعبہ کو۔ غمازیٔ مشکِ دکانِ عشق۔ زبانِ تیشہ فرہاد۔ لالۂ بستانِ آتش۔ ریگ بیابانِ آتش۔ طوفانِ آتش۔ دامانِ آتش۔ یوسف فروشی۔

ابوطالب کلیم (ملک الشعراء دربار شاہجہاں) پنجہ آفتاب۔ خارپائے فکر۔ شیرینیٔ تبسم غنچہ۔ رخنہ دیوار گلشن۔ چراغ عیش۔ روغن بادہ۔ یک نیزہ خونِ گل۔

میرزا صائب تبریزی:۔ لنگر خوابِ گراں۔ غبار تمنا۔ رنگ عصمت۔ طفل شبنم۔ شکنِ نقش بوریا۔ سیلیٔ عداوتِ اخواں

ناصر علی سرہندی :۔ وسعت آغوش ساحل۔ نمک دان کواکب، شمع یک جہاں فانوس۔ مشعل چاک گریبان۔

یہاں ہم نے چند شعرائے متاخرین کے کلام سے یہ تراکیب آپ کے سامنے پیش کی ہیں، غالب اور بیدل سے دانستہ اعراض کیا ہے اب ان تراکیب نو کے مقابل میں کلام معین کی تراکیب ملاحظہ کیجئے، اس کلام میں نکتہ آفرینی اور نازک خیالی کے لئے ایسی تراکیب اختراع نہیں کی گئی ہیں، مرکب اضافی اور مرکب توصیفی کی سادہ تراکیب ہیں اور بس۔ اس صورت میں یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ کلام معین میں چونکہ متاخرین کی تراکیب ہیں اس لئے وہ کسی ایسے شاعر کا کلام ہے جس کا تعلق دَورِ متاخرین سے ہے۔

افسوس کہ ناقدین نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ اگر کلام معین میں یہ وصف ہوتا اور دَورِ متاخرین کی خصوصیات اس میں موجود ہوتیں تو یقیناً اس کو نظر انداز نہ کیا جاتا، اور ادبیات فارسی کی تاریخ میں دَورِ متاخرین میں اس کلام کو ضرور پیش کیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام معینؒ اسرار و رموز محبت کا آئینہ دار حقیقی محبت کا ترجمان اور مقامات طریقت کا رہنما ہے اس لئے کلام میں بجائے الفاظ کے معنی پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے یہی سبب ہے کہ حسن بیان کے لوازم، صنایع بدایع، استعارہ اور تشبیہ سے کلام خالی ہے، جذبات محبت کی ترجمانی سیدھے سادے الفاظ میں کی گئی ہے اس لئے کلام میں تاثیر زیادہ ہے، تکلفات ظاہری سے کلام چونکہ بالکل پاک ہے اس لئے فہم پر بار نہیں ہاں جہاں جہاں مصطلحات تصوف آ گئی ہیں وہاں وہ تشریح و توضیح کا محتاج ہے اور ظاہر ہے کہ محبت حقیقی کے واردات و منازل طریقت کے مقامات کو پیش کرنا جب مقصود ہو تو تصنع کا رنگ اس پر کس طرح چڑھ سکتا ہے۔

اب رہا سوال یہ کہ "کلام میں اس قسم کی گھلاوٹ اور لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے کلام میں نامعلوم تھی" اس کے متعلق صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ ہم خواجہ صاحب کا دَور متعین کر کے اور اس دَور کی خصوصیات شاعری کے مقابل میں ان کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لے کر یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خواجہ صاحب کا کلام دورِ متوسطین کی خصوصیات شاعری کے معیار پر پورا اترتا ہے اب اس کے بعد گھلاوٹ اور لطافت پر بحث کرنا بیکار ہے، گھلاوٹ اور لطافت پر اس وقت بحث کی جاتی جب یہ جملہ کچھ وزنی ہوتا یا اس کی مزید صراحت کی گئی ہوتی۔ مشاہیر فارسی شعراء میں ایسا کون سا شاعر ہے جس کے یہاں گھلاوٹ اور لطافت موجزن نہیں یہ تو خود فارسی زبان کا خاصہ ہے، البتہ یہ گھلاوٹ اور لطافت عصر حاضر کے ایرانی شعراء کے یہاں مفقود ہے کہ وہ متقدمین کی سادگی کی طرف کلیتہً لوٹ گئے ہیں۔ اور ان کی شاعری ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔

ہم نے کلام معین کو خارجی اور داخلی پہلو سے آپ کے سامنے پیش کر دیا اور اس سلسلہ میں جس قدر پہلو تنقید و تبصرے کے نکل سکتے تھے ان سب پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ ناقدین کلام کے تمام دلائل کی تردید کی جا چکی۔ خارجی پہلو کے اعتبار سے بھی جو تذکروں اور تاریخ ادبیات کے حوالوں پر مشتمل ہے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا کہ یہ کلام کسی ملا معین ہروی کا نہیں بلکہ حضرت خواجہ معین سنجری چشتیؒ کا ہے۔

کلامِ عرفان طراز

یعنی

دیوان

خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز

رشحاتِ فکر

حضرت قطب سپہر عرفاں، نیر دودمانِ سید الانس والجان، سلطان الاولیا

برہان الاصفیا، سید العارفین، معین الملۃ والدین سیدنا و مرشدنا

خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری

مع ترجمہ و توضیح و تشریح

بسم الله الرحمن الرحیم

ردیف الف

ربود جان و دلم را جمالِ نامِ خدا — نواخت تشنه لبان را زلالِ نامِ خدا

وصالِ حق طلبی همنشینِ نامش باش — به بین وصالِ خدا در وصالِ نامِ خدا

میانِ اسم و مسمّی چو فرق نیست به بین — تو در تجلّیِ اسما کمالِ نامِ خدا

یقین بدان که تو با حق نشسته شب و روز — چو همنشین تو باشد خیالِ نامِ خدا

ترا سزد طیران در فضای عالمِ قدس — بشرط آنکه بپرّی ببالِ نامِ خدا

چو نامِ او شنوم گر بود مرا صد جان — فدای اوست بعزّ و جلالِ نامِ خدا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

اسم الٰہی کے جمال نے میرے جانِ دل کو چھین لیا ہے
اور نام خدا کی شیرینی نے تشنہ لبوں کو سیراب کیا ہے

اگر تو حق کے وصال کا خواستگار ہے تو اسکے نام کا ہمنشیں بن
کہ خدا کا وصال تجھکو نام خدا ہی میں میسّر آئے گا

اسم اور مسمّٰی میں کوئی فرق نہیں ہوتا (دونوں ایک ہیں)
بس تو اسما کی تجلی میں نام الٰہی کا کمال دیکھ سکتا ہے

یقین رکھ کہ تو شب و روز خدا کا ہم نشین ہو گا
جب تو نام الٰہی اور خیال الٰہی کا ہمنشیں ہو گا

تجھے عالم قدس کی فضا میں پرواز اسی وقت سزاوار
ہوگی جبکہ تو اسمائے الٰہی کے پر و بال سے پرواز کریگا

اگر میری سو جانیں بھی ہوں اور میں اس کا نام سنوں
تو اس کے نام کی عزت و جلال پر ان کو قربان کردوں

معین زگفتن نامش ملول کی گردد
کہ از خداست ملالت ملالِ نامِ خدا

ماطلبگارِ توایم و تو گریزانی زما / ما بسویت مقبل و تو روی گردانی زما
ما بروں از شش جہت وز صد جہت جویانِ تو / چند خود را ہر طرف مشغول گردانی زما
ہر کجا خواہی شدن باما تو ہم ای بے خبر / مانی ما نیم از تو گر توئی مانی زما
ما چو بحر و تو چو ابرے بارماکش غم مخور / باغ را خنداں کنی گر چند گریانی زما
گفتمش تا چند در پردہ نہاں خواہی شدن / وقت آں آمد کہ دیگر رو بپوشانی زما
گفت من بی پردہ ام گر پردہ بینی آں توئی / تا تو ہستی در ہزاراں پردہ پنہانی زما
چو توئی پیشت حقیقی چند نام این و آں / این وجود عارضی باشد کہ بستانی زما

گفتۂ چشم زمرآتی کہ ظاہر شد معین
من چگویم کز کہ شد چوں خود ہمیدانی زما

دلا بحلقۂ رنداں بزمِ عشق در آ / کہ جرعۂ ز شراب بقا دہند ترا
بیاد ہر دو جہاں را بششدر اندر نہ / دریں قمار بیک داو ہر چہ ہست در آ
اگر بقا طلبی اوّلت فنا باید / کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری بہ بقا
تو بادشاہی و از دست شاہ پرّیدے / بغیر شاہ مکن میل و سوی شہ باز آ
ز ظلمتِ بشریت چو بگذری برسی / ازیں حضیض دنائت براوج اوادنے
براق عشق برای تو صد قدمِ طی کرد / تو ہم مضائقہ بگذار دیک قدم پیش آ
تو چند در طلب یار در بدر گردی / بخود نگر کہ توئی مظہر ہمہ اسما
بہ ایں مبیں کہ تو خاکی و خاک تیرہ بود / بہ ایں نگر کہ تو آئینۂ جمال نما
سحابِ عشق چو باران شوق می بارد / عجب مدار گر از خاک بشگفد گلہا
نقاب ہستی خود را تو از میاں بردار / دگر ببیں کہ جمال کہ میشود پیدا
مگیر صیقلۂ عشق و زنگ تن بزدائے / بہ بیں در آئینہ جاں جمالِ جاناں را
بکوش تا کہ ز چشمت غبار بر خیزد / کہ تا معائنہ بینی ظہور نور خدا

معینؔ اس کے نام لینے سے کب ملول ہو سکتا ہے
کہ خدا کے نام سے ملال تو ذاتِ خدا سے ملال ہو گا

ہم تیرے طلب گار ہیں اور تو ہم سے گریزاں ہے
ہم اس ششش جہت سے نکل کر ہر طرف تیرے جویاں ہیں

اے ہم سے بے خبر رہنے والے تو جہاں جائیگا ہم تیرے
ہم سمندر کی طرح ہیں اور تو ابر کی طرح، ہمارا بار اُٹھا
میں نے اس دوست سے کہا کہ کب تک تو پردے میں چھپے گا
اُس نے جواب دیا کہ میں تو بے پردہ ہوں صرف تیرا
جب حقیقت میں تو ہی سامنے ہے تو ایں و آں کا نام کبتک

ہم تیری طرف متوجہ ہیں تو ہم سے روگرداں ہے
تو اس طرح ہم کو اپنی تلاش میں کبتک سرگرداں رکھے گا

ساتھ ہیں۔ اگر تو تیرا وجود باقی ہے تو پھر ہمارا وجد نہیں ہو گا
اور غم نہ کر کہ باغ شاداب ہو جائینگے اگر تو ہمکو اسی طرح رلائیگا
اب وہ وقت آگیا ہے کہ کچھ تو ہم سے منہ نہ چھپائے
پردہ ہے جبتک تو ہست ہے تو ہم ہزاروں پردوں میں ہو
یہ تو وجود عارضی ہے جو تو ہم سے واپس لے لے گا

چشت کے اقوال اے معینؔ کس کے آئینہ دل سے نمایاں ہیں
میں تجھے کیا بتاؤں کہ مظہر کون ہے جب کہ تو جانتا ہے

اے دل رندانِ عشق کے حلقہ میں شامل ہو جا
[illegible]دونوں جہاں کو شش در پر لگا دے
[illegible] درکار ہے تو اوّل فنا ہونا ضروری ہے
[illegible] قمار دانہ سے دست شاہ سے اُتر گیا
[illegible] بے خبری سے گذر جائے گا تو پہنچ جائے گا
[illegible] تیرے لیے سو قدم طے کئے ہیں
[illegible] طلب میں کب تک دربدر پھرے گا
[illegible] تو خاکی ہے اور خاک تیرہ ہوتی ہے
[illegible] دل سے جب شوق کی بارش ہوتی ہے
[illegible] کے نقاب کو درمیان سے اُٹھا دے
[illegible] صیقل کے آلہ سے زنگ تن کو دُور کر دے
[illegible] کرتا کہ تیری آنکھوں سے غبار دُور ہو جائے

تاکہ وہاں تجھے شراب بقا کا ایک گھونٹ پلایا جائے
اس قمار میں ایک ہی داؤں پر جو کچھ ہے لا کر رکھدے
کہ جب تک تو فنا نہیں ہو گا، بقا حاصل نہیں ہو سکتی
تو سوائے شاہ کے اور کہیں نہ جا اس شاہ کی طرف پھر لوٹ آ
اس ہستی کی پستی سے نکل کر او دنیٰ کی بلندی پر
تو بھی تکلف نہ کر اور ایک قدم آگے رکھو
تو اپنی ذات کو دیکھ کہ تو ہی تمام اسماء کا مظہر بنے
بلکہ یہ دیکھ کہ تو ایک جمال نما آئینہ ہے
تو اگر اس خاک سے پھول کھلیں تو تعجب مت کر
پھر دیکھ کہ کس کا جمال تجھ کو نظر آئے گا
پھر آئینہ جاں میں جمالِ دوست کا مشاہدہ کر
تاکہ اس صورت میں تو نورِ الٰہی کو کھُلم کھُلا دیکھ سکے

اگر تجلّی نورِ قِدَم همی خواهی　　معینؔ نقابِ حدوث از جمالِ خود بکشا

هر که روزی یکقدم برداشت اندر راهِ ما　　عاقبت ره بُرد سوی بزمِ عشرت گاهِ ما
آفتاب از اوجِ عزت رخ نهد بر خاکِ پاش　　هر که بر رویش نشیند گرد از درگاهِ ما
بر دواند اسپِ همت بر فرازِ نه سپهر　　هر گدای کو نهد رخ بر بساطِ شاهِ ما
یک نشان با من بگوی از رهروانِ راهِ عشق　　تا مگر باشد براه آید دلِ گمراهِ ما
پردهٔ هستی اگر سوزی بنارِ لا اله　　آں زمان بی پرده بینی نورِ الا الله ما
جان برافشاندن بیادش از خدا میخواست دل　　شد بحمد الله میسر عاقبت دلخواهِ ما
بر دلِ غافل کجا تابد فروغِ مهرِ دوست　　مهبطِ آں نور نبود جز دلِ آگاهِ ما
من از آں ترسم که سوزد بالهای قدسیاں　　شعلهٔ گر بر فلک تابد ز سوزِ آهِ ما
در شبستانِ بدن نور رخش مطلب معینؔ
عالمِ جان بین منوّر از فروغِ ماهِ ما

زبیش خویش برافگن نقابِ دعوی را　　به بین بکسوتِ صورت جمالِ معنی را
بزن بسنگِ ملالت زجاجهٔ ناموس　　بکوی عشق بریز آبِ روی تقوی را
چو هشت باغِ جنان خوشهٔ ز خرمنِ ماست　　به نیم جو نخرم کشت زارِ دنیا را
بحق او که بکونین چشم نکشایم　　که تا نخست نه بینم جمالِ مولیٰ را
ز برگ برگ درختِ وجود خوش شنودم　　رموزِ عشق که گفت آں درختِ موسیٰ را
اگر ز آتشِ عشقت بسوختم چه عجب　　که کوه تاب نیاورد یک تجلّی را
معینؔ بچشمِ خرد حسنِ دوست ننماید
به بیں بدیدهٔ مجنوں جمالِ لیلی را

ردیف ب

ای ز شرمِ روی ماهت در عَرَق غرق آفتاب　　وز فروغِ ماهِ رخسارِ تو ماه اندر نقاب

اے معین اگر نورِ قدم کی تجلّی کا خواستگار ہے — تو پھر اپنے جمال سے حدوث کی نقاب کو دور کر دے

جس کسی نے ایک روز بھی ہماری راہ میں قدم اُٹھایا — انجام کار وہ ہماری عشرت گاہ میں پہنچ ہی گیا
آفتاب عزت کی بلندی سے اسکی خاک پا پر سر جھکاتا ہے — جس کسی کے چہرے پر ہماری درگاہ کی گرد پڑ جاتی ہے
وہ اپنی عزت کے گھوڑے کو نو آسمانوں پر دوڑاتا ہے — جو فقیر بھی ہمارے بادشاہ کی بساط پر اپنا رخسار رکھتا ہے
راہِ عشق کے رہبروں کا ایک نشان ہی مجھے بتا دو — کہ شاید اس طرح ہمارا دلِ گمراہ راستہ پر لگ جائے
تو لا الٰہ کی آگ سے ہستی کے پردے کو جلا دے — تب کہیں ہمارے الا اللہ کے نور کو بے پردہ دیکھے گا
دل خدا سے چاہتا تھا کہ اس پر جان قربان کر دے — خدا کا شکر ہے کہ آخر کار حسبِ دلخواہ یہ مقصد پورا ہو گیا
دوست کی محبت کا جمال غافل کے دل پر نہیں چمکتا — اس نور کا نزول تو صرف دلِ آگاہ پر ہوتا ہے
مجھے ڈر ہے کہ کہیں قدسیوں کے پر نہ جل جائیں — اگر ہماری آہ کے سوز کا شعلہ آسمان پر پہنچ گیا

اے معین شبستانِ بدن میں اس کا نورِ رخ تلاش مت کر
ہمارے ماہ کے فروغ سے عالم جان کو منور دیکھ لے

پہلے اپنی ذات سے دعویٰ کی نقاب کو اُتار پھینک — اسوقت صورت کے لباس میں تو جمالِ معنی کو دیکھ سکتا ہے
ننگ و ناموس کے شیشے کو سنگِ ملامت پر توڑ دے — اور محبت کی گلی میں تقویٰ کی آبرو برباد کر دے
یہ باغ جناں تو ہمارے خرمنِ محبت کا ایک خوشہ ہے — میں اس کشت زار دنیا کو ایک جَو کے عوض بھی قبول نہیں کرونگا
اسکے حقوقِ محبت کی قسم کہ میں دُنیا کو نہیں دیکھوں گا — جب تک پہلے میں جمالِ محبوب کا مشاہدہ نہیں کرونگا
میں اس وجود کے ایک ایک پتے سے شاد و خرم ہوں — کہ جس درخت نے موسیٰ علیہ السلام سے رموزِ عشق بیان کئے
اگر میں تیرے عشق کی آگ سے جل اُٹھا تو کیا تعجب — کہ پہاڑ اس تجلی کی تاب نہ لا سکا (اور جل گیا)

اے معین عقل کی آنکھوں سے دوست کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا
بلکہ جمالِ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں کی ضرورت ہے

ردیف "ب"

اے دوست تیرے حسن کے آگے آفتاب بھی شرمندہ ہے — اور تیرے رخساروں کے فروغ سے ماہتاب مُنہ چھپائے ہے

آفتاب از خاکی راهت یافت حشمت لاجرم
در فضای آسمان زد خیمهٔ زرین طناب

گر ز انوار رخت یک شعله تابد بر فلک
از حیا مستور گردد آفتاب اندر نقاب

نور حق است آن مجسم گشته در ذات نبی
همچو نور ماه کز خورشید گردد است اکتساب

نقرهٔ خنگ چرخ را از مه کشد زرین لگام
در شب اسرا چو آرد پای همت در رکاب

از فلک بگذر که فوق العرش منزل گاه اوست
چون کند عزم سفر آن خواجهٔ عالی جناب

سرّ ما اوحی نگنجد در ضمیر جبرئیل
کشف اسرار لدنی کی کند ام الکتاب

در مقام لی مع الله از کمال اتصال
از خدا نبود جدا همچون شعاع از آفتاب

از محمد دیده باید فرض کردن در بهشت
چون که بیرون آید انوار تجلی از حساب

یا رسول الله شفاعت از تو میدارم امید
با وجود صد هزاران جرم در روز حساب

اندران روزی که بهر انتقام عاصیان
آتش دوزخ برافروزد علم از التهاب

در خیال من نمیگنجد تمنای بهشت
دارم از فضلت امید رستگاری از عذاب

هر چه خواهی یا معینی بیش بر از مهر و لطف
لیکن از درگه مران والله اعلم بالصواب

بگوش جان من آمد ندای عالم غیب
ز خوان وصل شنیدم صلای عالم غیب

بباغ قدس تماشا خوش است اگر خواهی
برآ بمنظرهٔ دل کشای عالم غیب

به بحر قلزم وحدت کند شناوری
دلی که گشت بجان آشنای عالم غیب

دلا ز مطلع غیبی بتافت نور ظهور
گرفت کون و مکان را ضیای عالم غیب

جمال شاهد جان بین ورای پردهٔ خاک
چنانکه نور خدا از ورای عالم غیب

مشام روح مروح کن از روائح قدس
ز نفحهٔ نفس عطرسای عالم غیب

ندای عالم غیب ار ز حق نمی شنوی
شنو ز لفظ پیمبر صدای عالم غیب

ترا بحضرت عزت همی نماید راه
محمد عربی رهنمای عالم غیب

براق طارم قدس آمد از نشیمن خاک
نهاد بزم طرب در فضای عالم غیب

نشست بر پر جبرئیل و بال اسرافیل
که تا رسید بخلوت سرای عالم غیب

آفتاب کو تیری خاکِ راہ سے یہ فروغ اور شان حاصل ہوئی
کہ وہ آسمان کی فضا میں سُنہری سیّوں کا خیمہ لگائے ہے

اگر تیرے انوارِ رُخسار کا ایک شعلہ ہی آسمان پر چمک جائے
تو شرم سے آفتاب نقاب میں اپنا مُنہ چھپالے

وہ نورِ حق تھا جو ذاتِ نبی میں مجسّم ہو کر نمودار ہوا
جس طرح ماہتاب اپنی روشنی سورج سے اکتساب کرتا ہے

آسمان کا یہ سبزہ (اسپِ سبز) جو زرین لگام لگائے ہے
اس لئے کہ اسنے شبِ معراج میں ہمت کا پاؤں کاب میں رکھا تھا

آسمان کا کیا ذکر کہ اسکی منزل تو عرش سے بھی پرے تھی
جب اس عالی جناب سردار نے سفر کا قصد فرمایا تھا

ما اوحیٰ کا راز حضرت جبرئیل کی سمجھ سے بالاتر تھا
اُمّ الکتاب سے اسرارِ لدنّی کا انکشاف نہیں ہوسکتا

لی مع اللہ کے مقام پر پہنچ کر کمالِ قرب کا یہ عالم تھا
جس طرح شعاع آفتاب سے جُدا نہیں ہوسکتی (اسطرح آپ اللہ سے جدا نہ تھے)

اسکے مشاہدے کیلئے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں ہونا چاہیئے
اس لئے کہ بہشت میں انوارِ الٰہی بے حساب ہونگے

اے اللہ کے رسول مجھے آپ سے شفاعت کی اُمید ہے
باوجودیکہ لاکھوں جُرم میرے حساب میں موجود ہیں

اس روز جبکہ گناہ گاروں سے بدلہ لینے کے لئے
جہنم کی آگ اپنے شعلوں کو بلند کرے

بہشت کی تمنا کا گذر بھی میرے خیال میں نہیں ہوتا
مجھے تو عذاب سے نجات کی اُمید آپکے فضل و کرم سے ہے

الٰہی اپنے لطف و کرم سے معیّن کے ساتھ جو چاہے کر
بس اس کو اپنی بارگاہ سے محروم نہ رکھنا تو ہی سب کے راز جاننے والا ہے

میری جان سے کانوں میں عالمِ غیب سے آواز آئی
یعنی میں نے وصل کے خوان سے نام دعوت کی آواز سُنی

باغِ تدریس کی سیر ہی قابلِ دید ہے اگر تو چاہتا ہے
تو آ اور دل کے جھروکے پر عالمِ غیب کو کھول دے

وحدت کے سمندر کی گہرائیوں میں شناوری کرتا ہے
وہ دل جو عالمِ غیب سے واقف ہوجاتا ہے

اے دل غیب کے مطلع سے نورِ ظہور چمک رہا ہے
اور عالمِ غیب کی روشنی کون و مکاں پر چھاگئی ہے

تو شاہدِ جان کا جمال اس پردۂ خاک سے ہٹکر دیکھ سکتا ہے
جس طرح نورِ خدا کو عالمِ غیب کے ذریعہ مشاہدہ کرسکتے ہیں

پاکی کی خوشبوؤں سے مشامِ روح کو تر و تازہ کر
اور عالمِ غیب کی عطر بیز سانسوں سے ایک سانس حاصل کر

عالمِ غیب کی آواز اگر تو حق سے نہیں سُن سکتا تو
پھر سرکارِ دو عالم کے ارشاد: اتّ عالمِ غیب کی آواز سُن

کہ خداوند عزّ و جل کی بارگاہ میں راہ نمائی
محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کرسکتے ہیں جو عالمِ غیب کے رہنما ہیں

کہ وہ ذاتِ پاک ہے جسنے خاک کے نشیمن سے عالمِ قدس کی
بلندی پر بزمِ طرب کی بنیاد عالمِ غیب کی فضا میں رکھی

یہ ذاتِ گرامی جبرئیل کے پروں اور اسرافیل کے بازوؤں پر
بیٹھ کر عالمِ غیب کی خلوت سرا تک تشریف لے گئی

چه شد ندیم سرا پرده گفت جبریلش — که هین بگوی محمدؐ ثنای عالمِ غیب
چو او نمود بعجز اعتراف لَاۤ اُحْصِی — ثناش گفت بقرآن خدای عالمِ غیب
زدود جامِ دل از صیقلِ محبتِ پاک — بدید نورِ خدا در صفای عالمِ غیب
عروج نیست میسر بر اوجِ اَوْ اَدْنیٰ — مگر به پیروی مقتدای عالمِ غیب
زشاخ سدره بر آرد صفیرِ نغمۂ عشق — چو بلبلے که بود خوشنوای عالمِ غیب

معینؔ چو طائرِ قدس از قفس رود بیرون
گہے که در سرش افتد ہوای عالمِ غیب

خزینہاست مرا پر زنقدِ علم و ادب — کجاست آہِ سحرگاہ و نالۂ دلِ شب
مباش تشنه لب اندر بوادیِ عصیان — که بحرِ رحمتِ ما موج میزند بر لب
ظہورِ نورِ ربوبیت از برائے تو شد — ازان زمان که ترا گفته ام اَلَسْتُ بِرَب
تو بندۂ من و من ربِّ تو بحشر بس است — زمادر و پدرت چون کنیم قطعِ نسب
ہزار دام کشادم که کرده ام صیدت — گرت کنون بر ما تم زدامِ خود چه عجب
ہزار بار جوابِ تو گفته ام لبیک — بدان امید که یکبار گوئیم یا رب
نظر برحمتِ ما کن مخور فریبِ عمل — چو شد پدید مسبب معطل است سبب
جمالِ ذات بحسنِ صفت بیارایم — حجاب بر فگنم بس بگویمت فارغب
مرا مجو که نیابی بباغ عالمِ قدس — درون سینۂ سوزانِ عاصیان بطلب
بوقتِ درد و طلب لطفہای من دیدی — قیاس کن که چه بینی بوقتِ عیش و طرب

معینؔ زنام و نشان در گذر که در رهِ عشق
غلامیِ سگِ کویش ترا بس ست لقب

ردیف "ت"

عالم نمی از رشحۂ بحرِ کرمِ اوست — آدم کفِ خاکی زغبارِ قدمِ اوست
آدم شده بیدار دہنوز او بشکرِ خواب — شاباش وجودیکه طفیلِ عدمِ اوست

جب آپ سراپردۂ جلال کی قربت میں پہنچے تو
جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عالمِ غیب کی تعریف کیجئے

حضورؐ نے لا احصی فرما کر اپنے عجزِ ثنا کا اعتراف فرمایا
اس صلہ میں عالمِ غیب کے مالک نے قرآن میں آپکی تعریف کی

اس منزل پر پہنچ کر جامِ دل کو محبت کی صیقل سے جِلا دی
اور پھر اس عالمِ غیب میں نورِ خدا کا مشاہدہ فرمایا

کوئی بھی اَو اَدنیٰ کی بلندی پر نہیں چڑھ سکتا
ہاں اسوقت جبکہ عالمِ غیب کے پیشوا (محمدؐ) کی پیروی کرے

وہ شاخِ سدرہ سے نغمۂ عشق کی آواز بلند کرسکتا ہے
اس بُلبُل کی طرح جو عالمِ غیب میں چہچہانے والی ہے

معینؔ بھی طائرِ قدس (جبرئیلؑ) کی طرح قفس سے پرواز کر جائیگا
جب اس کے سر میں عالمِ غیب کی پرواز کی خواہش پیدا ہوگی

میرے پاس علم و ادب کی نقدی سے بھرا ہوا خزانہ موجود ہے
آہ سحر گاہی اور آدھی رات کے نالے کہاں ہیں (کہ یہ نثار کر دوں)

وادیٔ عصیاں میں تو تشنہ لب مت رہ
کہ ہمارے بحرِ رحمت کی موجیں اس کے کنارے تک آرہی ہیں

ربوبیت کے نور کا ظہور تو اس وقت ہو گیا تھا
جب کہ میں نے تجھ سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا سوال کیا تھا

انسان تو میرا بندہ ہے اور میں حشر میں تیرا رب ہوں
بس یہی کافی ہے جبکہ میں نے ماہتاب سے تیرا نسب قطع کر دیا

ہزاروں دام پھیلا کر میں نے تجھے شکار کیا ہے
اب اگر میں تجھے اپنے دام سے نکال لوں تو کیا عجب ہے

اے بندے تیری پکار کا ہزاروں بار میں نے لبیک سے جواب دیا ہے
محض اس اُمید میں کہ تو اے ایکمرتبہ تو مجھے یارب کہکر پکارے

اے مایوس میری رحمت پر نظر کر اور عمل کے دھوکے میں مت آ
جب سبب ظاہر ہو جاتا ہے تو سبب بیکار ہو جاتا ہے

ہم نے اپنے جمالِ ذاتی کو حسنِ صفاتی سے آراستہ کیا ہے
ہم حجاب ختم کر دیں گے اور تجھ سے فارغ نہیں گے

مجھے اے بندے تو عالمِ قدس میں تلاش نہیں کر سکتا
مجھے تو عاصیوں کے سینۂ سوزاں میں طلب کر

جب تو نے درد و طلب کے وقت میرے لُطف دیکھے ہیں
تو ذرا غور کر کہ عیش و طرب کے وقت تجھے کیا کچھ ملے گا

اے معینؔ نام و نشان کو چھوڑ کر عشق کی راہ میں
اس کی گلی کے کتے کا غلام کہا جائے تو یہ لقب کافی ہے

ردیف "ت"

یہ دُنیا اسکے بحرِ کرم کے چھینٹے کی ایک نمی ہے
اور آدم اسکے قدم سے اُٹھے ہوئے غبار کی ایک مٹھی خاک ہے

آدم بیدار ہو چکا اور وہ اب تک میٹھی نیند میں ہے
راہ و عدہ اس جود کا کیا کہنا جو اسکے عدم کے طفیل حاصل ہوا ہے

عیسیٰ کہ چو خورشید زند خیمہ بر افلاک — در آرزوی سایۂ عالی علمِ اوست
دُر در شکمِ بحر نہا نست و دلِ او — دُرّیست کہ صد بحر نہان در شکمِ اوست
ہر بندہ کہ دارد خطِ آزادیٔ دوزخ — آن بندہ غلامِ وی و آن خط رقمِ اوست
شادیِ جہاں کرد فدای غمِ اُمّت — دانست کہ شادیِ جہانی بغمِ اوست
چوں دید کہ نیکی تو کم بود و بدی بیش — زین واسطہ دانم کہ غمِ بیش و کمِ اوست
جانم کہ تپد ہر نفس از بہرِ وصالش — موقوف بروں آمدنِ ذمبدمِ اوست

دار یم امیدے کہ نہ پرسند بہ محشر
تقصیرِ معینی کہ بنا بر کرمِ اوست

تو ئی کہ جز تو ترا خود حجابِ دیگر نیست — بغیرِ نور رخت را نقابِ دیگر نیست
تو ئی معرّف خود لاجرم بدیہی گشت — کہ در تصوّرِ تو اکتسابِ دیگر نیست
رموزِ عشق زلوحِ دلم مطالعہ کن — کہ حلِ نکتۂ عشق از کتابِ دیگر نیست
شہودِ حق طلبی از وجودِ خود بگزر — کہ جز وجودِ تو اورا حجابِ دیگر نیست
ز قشرِ تن بگذر در لُبابِ جان بنگر — دراں لباب عجب گر کتابِ دیگر نیست
بُرد زاہدِ ما در خمارِ خمرِ بہشت — گماں برد کہ جز آں می شرابِ دیگر نیست

چو محوِ تست معینؔ نامِ او چہ می پرسی
کہ جز خموشیش اکنوں جوابِ دیگر نیست

این چہ نور ست کہ بر کون و مکان تافتہ است — نورِ عشق ست کہ از مطلعِ جاں تافتہ است
عشق مانندِ ہمائیست کہ از اوجِ شرف — سایۂ دولت او بر دو جہاں تافتہ است
تو درونِ دل و بوی تو زخود می شنوم — نکہتِ عطرِ تو بر غالیہ داں تافتہ است
بہر نادیدنِ خفّاش نگردد پنہاں — آفتابیکہ زہر ذرّہ عیاں تافتہ است
خواست خیّاطِ قضا خلعتِ خاصی دوزد — رشتۂ ما و ترا برہم ازاں تافتہ است
عکسِ رخسارِ تو در دیدۂ گریانِ من است — ہمچو خورشید کہ در آبِ رواں تافتہ است
شعلہ زد آتشِ دل از نفسِ سوزانم — آہ ازیں سوز کہ بر کام و زباں تافتہ است

عیسیٰ جنھوں نے افلاک پر اپنا خیمہ لگایا ہے / وہ اسکے علم کے بلند و عالی سایہ کی آرزو میں لگا یا ہے

موتی بحر کے شکم میں پوشیدہ ہے اور اس کا دل / ایسا موتی ہے کہ جسکے اندر سینکڑوں سمندر پوشیدہ ہیں

ہر وہ غلام جس کو دوزخ سے آزادی کا پروانہ ملا ہے / وہ اسکے خطِ رقم کا اور اس کا غلام ہے

اس محبوب نے غمِ اُمّت پر دُنیا کی خوشی کو قربان کر دیا / اس محبوب کو علم تھا کہ اُمّت کا غم زمانہ کی خوشی سے بڑھکر ہے

چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اُمّت کی نیکی کم ہیں اور بدی زیادہ ہیں / اسی وجہ سے ان کو کم و بیش غم ہمیشہ لاحق رہا ہے

میری جان جو ہر لحظہ انکے وصال کے لئے تڑپ رہی ہے / انکا وصال اسکے جسم سے باہر نکلنے کے وقت پر موقوف ہے

ہم کو اُمید ہے کہ محشر میں نہیں پوچھا جائے گا
معینؔ کے ان گناہوں کو جو اسکے کرم کی بنا پر ہوئے ہیں

الٰہی! تو ہی حجاب ہے کہ تیرے سوا کوئی اور تیرا حجاب نہیں ہے / تیرا نورِ رُخسار ہی تیرے رُخ کا نقاب ہے اور کوئی نقاب نہیں ہے

تو ہی خود کو پہچاننے والا ہے، بیشک یہ بات ظاہر ہو گئی ہے / کہ تیرے تصوّر میں کسی دوسرے کا اکتساب نہیں ہے

عشق کے رموز میرے لوحِ دل سے مطالعہ کر / کہ عشق کے نکات کسی اور کتاب سے حل نہیں ہو سکتے

اگر حق کا مشاہدہ چاہتا ہے تو اپنے وجود سے گذر جا / کہ سوائے تیرے وجود کے اور کوئی چیز اس میں حائل نہیں ہے

جسم کے چھلکے سے درگذر اور جان کے مغز کو دیکھ (یا) / کہ اس خلاصہ جاں سے بڑھ کر کوئی اور کتاب نہیں ہے

ہمارا پارسا زاہد تو بہشت کی شراب کے خمار میں مر گیا / اسکو یہ گمان تھا کہ اس شراب کے سوا کوئی اور شراب ہی نہیں ہے

جب **معینؔ** تیری ذات میں محو ہے تو اس کا نام پوچھنا کیا
کہ اب تو سوائے خاموشی کے اسکے پاس کوئی اور جواب نہیں ہے

الٰہی! یہ کونسا نور ہے جو کون و مکان پر چھایا ہوا ہے / شاید اسی کا نام نورِ عشق ہے جو مطلعِ جان سے طلوع ہوا ہے

عشق ہما کی مانند ہے کہ بزرگی و شرف کی بلندی سے / اس کا سایہ دونوں جہان کی دولت پر پڑ رہا ہے

تو میرے دل میں ہے اور میں تیری خوشبو سے لُطف اندوز ہو رہا ہوں / تیرے عطر کی خوشبو اس عطر دان سے پھوٹ رہی ہے

خفاش (چمگادڑ) کے نہ دیکھنے سے پوشیدہ نہیں ہوتا / وہ سورج (جمالِ دوست) جو ہر ذرہ سے نمایاں ہے

قضا و قدر کے درزی کی خواہش تھی کہ خلوص کا خلعت تیار کرے / اسی لئے اس نے میرے اور تیرے رشتہ کو ایک ساتھ بٹا ہے

تیرے رُخسار کا عکس میرے دیدۂ گریاں میں موجود ہے / جس طرح سورج (جس کا عکس) آبِ رواں میں نمایاں ہوتا ہے

میرے نفسِ سوزاں سے دل کی آگ بھڑک اُٹھی / ہائے یہ آگ اور یہ سوز جو میرے کام و دہن سے ظاہر ہو رہا ہے

بر سر راهِ طلب عاقبت آریم بکف — دولتی را که ز عشاق عنان تافته است

بزم خاص ست معین بادهٔ وحدت پیش آر
هان که مستی تو بر مجلسیان تافته است

چشم بکشای که آفاق پُر از نورِ خدا است — خالی از نورِ خدا در همه آفاق کجا است
معنی کز نظر خلق نهان بود مدام — نیک بنگر که نمودار ازین صورت ماست
آن جمالی که نظر نیز در ان محرم نیست — همچو خورشید درین آئینه ما پیدا است
گفتمش چند بود حسنِ تو پنهان گفته — حسن پیدا است ولی دیدهٔ بیننده کراست
سبک آ از خود و از هر خزفی بهره مجوی — که کششها همه در جاذبهٔ کاه رباست
طبلِ عشق ست که در کون و مکان میگویند — پنبه از گوش برون کن بشنو کین چه صدا است

شد معین با تو بخلوت که وحدت محرم
تا که از هستی و از نیستی خویش جدا است

مستم امروز از ان باده که در جام دل است — تا ابد چاشنی عشق تو در کام دل است
تشنگی دل از ان نیست که یابد تسکین — که همه جوی بهشت ست که یک جام دلست
تن پرستی ست که میلش به نعیم دو جهان ست — جام دیدار خدا وعدهٔ انعام دلست
اضطراب دلم آرام نگیرد به بهشت — دیدن روی دل آرام من آرام دلست
میرود هر نفس از دل بخدا پیک دعا — قدسیان را بفلک گوش به پیغام دلست
چون دل از عالمِ پاک آمده در کشورِ خاک — هم بآنجا رود آخر که سرانجام دلست
از تو تا دوست گر از عرش بود تا ثریٰ — از کم و بیش میندیش که یک گام دلست
سرکشی چون کند آن تن که دلش گشت سوار — تو به بین نفس جموح ست ولے رام دلست
ظلمتِ غار بدن گشته حجابت ورنه — تابش نورِ خدا بر در و بر بام دلست
طائرِ عشق که از کون و مکان آزاد ست — مرغ زیرک صفت آویخته در دام دلست
خطبهٔ سلطنت و سکهٔ دولت که زنند — تاج دارانِ ملائک همه بر بام دلست
نکتهٔ عشق که بر لوحِ بیان مثبت نیست — بر معینی همه معلوم به اعلام دلست

اس راہِ طلب میں آخرکار ہمارے ہاتھ لگ جائے گی — وہ دولت جو عشاق کے ہاتھوں نہیں لگی ہے (عنقا نافتہ ہے)

اے معینؔ یہ محفل خاص ہے، وحدت کی شراب لا
ہشیار رہو کہ تیری مستی تمام اہلِ مجلس پر اثر انداز ہو چکی ہے

آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تمام دُنیا نورِ خدا سے معمور ہے — ایسی کوئی جگہ جو نورِ خدا سے خالی ہو دُنیا میں کہاں ہے
وہ حقیقت جو ہمیشہ مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ تھی — غور سے دیکھ کہ وہ ہماری صورت سے نمایاں ہے
وہ حسن جس کی محرم یہ نگاہیں بھی نہیں ہیں — وہ سورج کی طرح ہمارے دل کے آئینہ میں نمایاں ہے
میں نے اس محبوب سے کہا کہ کب تک تیرا حسن پوشیدہ رہے گا — اسنے کہا حسن تو ظاہر ہے لیکن دیکھنے والی نگاہیں موجود نہیں ہیں
اپنے وجود سے سبکسار ہو جا اور ہر کارِ نے فیض مت طلب کر — کہ صرف کاہ رُبا میں تمام چیزوں کو کھینچنے کا وصف موجود ہے
یہ عشق کا نقارہ ہے جو کون و مکان میں گونج رہا ہے — اپنے کانوں سے روئی نکال اور سن کہ یہ کیا آواز ہے

معینؔ تیری وحدت کی خلوت گاہ میں تیرے ساتھ تیرا جرم ہے
جب سے وہ اپنی پستی اور ہستی سے الگ ہوا ہے

آج میں اس شراب سے مست ہوں جو دل کے جام میں ہے — اور ابد تک اس شراب کی چاشنی کام دل میں موجود رہے گی
میری پیاس ایسی پیاس نہیں ہے کہ اسکی تسکین ہو سکے — کہ بہشت کی یہ نہر میری اس تشنگی کے لئے ایک جام ہے
دونوں عالم کی نعمتوں کی طرف رغبت کرنا تو تن پرستی ہے — دل کو انعام کا وعدہ تو دیدارِ خدا کا جام ہے جو کافی ہے
میرے دل کا اضطراب بہشت کی راحت سے نہیں جا سکتا — بلکہ میری راحت تو میرے آرام دل کا دیدار ہے
میری ہر سانس دعا کا قاصد بن کر خدا کی طرف جا رہی ہے — فرشتے بھی میرے دل کی اس آواز پر کان لگائے ہوئے ہیں
چونکہ دل عالمِ پاک سے اس عالمِ خاک میں آیا ہے — اس لئے یہ عالمِ خاک سے بھی اپنی منزل کی طرف جائے گا
تجھے اگر دوست کی جانب عرش پر پہنچنا ہو — تو منزل کی دوری اور قرب کا خیال مت کر تو دل کا ایک قدم ہے
وہ جسم کس طرح سرکشی کر سکتا ہے جو دل کے قابو میں ہے — تو دیکھ کہ نفس اگرچہ سرکش گھوڑا ہے لیکن اس پر بھی دل کا مطیع ہے
غبارِ بدن کی ظلمت تیرے لئے حجاب بن گئی ہے ورنہ — نورِ الٰہی کی تابش تو دل کے بام و در پر برابر موجود ہے
عشق کا طائر کون و مکان کی قید سے آزاد ہے — لیکن یہی طائر ایک مرغ زیرک کی طرح دل سے آویختہ ہے
جسکی سلطنت کا خطبہ اور دولت کا سکہ جاری و ساری ہے — وہ فرشتوں کا تاجدار میرے بام دل پر جلوہ فرما ہے
عشق کے وہ نکات جو لوحِ بیان پر درج نہیں ہیں — وہ دل کی آگاہی سے معینؔ کو تمام معلوم ہیں

آتشی افروختِ عشق و جسم و جانِ من بسوخت   گفتم آهی برکشم کام و زبانِ من بسوخت
آتشِ دوزخ ندارد تابشِ سوزِ فراق   آه ازین آتش که پیدا و نهانِ من بسوخت
نارِ دوزخ گرچه سوزد پوستهای عاصیان   آتشِ هجرانش مغزِ استخوانِ من بسوخت
نعمتِ هر دو جهان با عافیت میخواست دل   آتشِ عشق آمد و هر دو جهانِ من بسوخت
دُنیا و عقبیٰ برفت و عشق مولیٰ ماند و بس   سطوتِ نورِ تجلّی این و آنِ من بسوخت
اہلِ عقبیٰ سود برُد و طالبِ دُنیا زیان   گرمیٔ بازار او سود و زیانِ من بسوخت
تشنۂ دیدار یارم در بیابانِ طلب   کاتش این تشنگی روح و روانِ من بسوخت
چون نشانِ بی نشانی در رہ گم نامی ست   برقِ استغنا ازان نام و نشانِ من بسوخت
چونکه در مرآتِ جان دیدار جانان شد عیان   ظلمتِ تن در ظہورِ نورِ جانِ من بسوخت
صد ہزاران پرده بود اندر میانِ ما و دوست   جملہ از یک شعلۂ آه و فغانِ من بسوخت

گر معینی بیش ازین گفتی ز حسنش شمۂ
این زمان نور رخش شرح و بیانِ من بسوخت

آتشے آمد پدید و جسم و جاں یکسر بسوخت   دل درونِ سینہ ام چون عود در مجمر بسوخت
سوخت جسم و جانم ای محرم خدارا باز پرس   کین چہ آتش بود کز وی جملہ بحر و بر بسوخت
این چہ آتش بود کامد حاصل از مقداحِ غیب   کین ہمای عقل را در اوجِ فکرت پر بسوخت
اخگری می بود پنہان زیر خاشاکِ وجود   عاقبت یک شعلہ زد مجموعِ خشک و تر بسوخت
من ز دیده ریختم آبیکہ بنشیند علم   اشکِ خوں آلود بود آتشم بہتر بسوخت
خواستم آہی زنم شاید کہ سوزم کم شود   در تن آتش فتاد و بر فلک اختر بسوخت

خلق گویندم معینؔ این رمز بر منبر بگوی
آه کین آتش ہزاران واعظ و منبر بسوخت

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست   حریفِ خلوت و ساقی و انجمن ہمہ اوست
اگر بدیدۂ تحقیق بنگری دانی   کہ ناظرِ دل و منظورِ جان و تن ہمہ اوست
چو اندر آئینۂ دل فتاد عکس رخش   چنان نمود کہ در جسم و جان و تن ہمہ اوست

عشق نے آکر آگ لگائی اور میرے جسم و جان کو پھونک ڈالا / میں نے کہا کہ میں آہ کروں گا اس غم میں میرے کام و زبان جل گئے

سوزِ فراق کی تپش تو آتشِ دوزخ میں بھی نہیں ہے / آہ اس آگ نے تو میرے ظاہر و باطن کو پھونک ڈالا ہے

دوزخ کی آگ تو گناہگار کی صرف پوست جلائے / اس عشق کی آگ نے تو میری ہڈیوں کو پھونک ڈالا ہے

دونوں جہاں کی نعمتوں کو عافیت کے ساتھ دل ڈھونڈھ رہا تھا / کہ یکایک عشق کی آگ نے دونوں جہاں بھسم کر ڈالے (جلا کر راکھ کر دیئے)

دُنیا و عقبیٰ سب ختم ہوئے صرف عشقِ مولےٰ باقی رہ گیا / نورِ تجلی کے دبدبہ و عظمت و شکوہ نے ہر این و آں کو جلا ڈالا

اہلِ محبت کو سود حاصل ہوگا اور طالبِ دُنیا کو نقصان / لیکن بازارِ محبت کی گرمی نے میرے لئے سود و زیاں کا قصہ ہی نہیں رکھا

میں بیابانِ طلب میں دوست کے دیدار کا تشنہ ہوں / یہ آگ وہ ہے جسنے میرے روح اور جسم کو پھونک دیا ہے

جب بے نشانی کا نشان گمنامی کی راہ میں پایا جاتا ہے / تو بے نیازی کی برق نے میرے نام و نشان کو جلا ڈالا

چونکہ اس محبوب کا دیدار جان کے آئینہ میں ہوگا / اس لئے اس محبوب کے ظہور کیلئے میں نے جسم کی ظلمت کو فنا کر دیا

ہمارے اور دوست کے درمیان ہزاروں پردے حائل تھے / میری آہ و فغاں کے ایک شعلے نے ان سب کو جلا ڈالا

اس سے قبل تو معینؔ نے اس محبوب کے حُسن کی کچھ شرح کی تھی
لیکن اب تو اسکے نورِ رخسار نے میری قوتِ شرح و بیاں کو جلا ڈالا

ایک آگ نمودار ہوئی اور اُسنے جسم و جان کو یکبارگی جلا ڈالا / دل سینے میں اس طرح جل گیا جیسے انگیٹھی میں عود جلتا ہے

میرے جسم و جان دونوں جل گئے اے محرمِ خدا کیلئے دریافت تو کر / یہ کونسی آگ تھی جس نے یہ تمام بحر و بر جلا ڈالے

غیب کے چقماق سے یہ کیسی آگ حاصل ہوئی تھی / جس نے اوجِ فکر پر عقل کی ہما کے تمام پر جلا ڈالے

میرے وجود کے خاشاک کے نیچے ایک چنگاری دبی ہوئی تھی / آخر کار وہ ایک شعلہ بنکر اٹھی اور تمام خشک و تر کو پھونک ڈالا

میں نے بھڑکتی ہوئی آگ بجھانے کیلئے آنکھوں سے پانی بہایا / لیکن آنسو چونکہ خون آلود تھے اسلئے آگ اور بھی بھڑک اُٹھی

میں نے چاہا تھا کہ آہ کروں شاید اس سے میری آگ کم ہو جائے / لیکن اسنے تو میرے جسم کو بھی جلا ڈالا اور آسمان پر ستاروں کو

دُنیا تو یہ کہتی ہے کہ اے معینؔ عشق کے راز علی الاعلان کہہ دو
لیکن افسوس کہ اس محبت کی آگ نے تو ہزاروں واعظ و منبر کو پھونک ڈالا

جو خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق ہے وُہ ذات وُہی ہے / خلوت نشین اور خلوت کا ساقی دونوں وہی ہے

اگر تو دیدہ تحقیق سے دیکھے تو تجھے معلوم ہو جائے کہ / دل کا خاطر اور جان و تن کا منظور وہی ہے

جب دل کے آئینہ میں اسکے رخسار کا عکس پیدا ہوا / تو ایسا معلوم ہوا کہ میرے جسم و جان میں بس وہی وہ ہے

اگر تو خرقهٔ هستی خویش پاره کنی — نظر کنی که درین زیر پیرهن همه اوست
زجام عشق نه منصور بیخود آمد و بس — که دار نیز همی گفت بارسن همه اوست
که بُرد بوی و قرین ساخت با اویس قرن — سوی مدینه که آورد از قرن همه اوست
رموز عشق کند آشکار و نندیشد — چو دل بدید که در سرو در علن همه اوست
مگو که کثرتِ اشیا نقیض وحدت گشت — تو در حقیقتِ اشیا نظر فگن همه اوست
تعین است گر از اعتبارِ ما و من ست — ز اعتبار گذر کن که ما و من همه اوست
چو نائی که نهد بر دهانِ نے لب خویش — نهاده بر دهن عاشقان دهن همه اوست

چه جای باده و جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینے و دم مزن همه اوست

یارب این صورت که در مرآت جان پیداست کیست — آن چنان حسنی درین پردهٔ نهان پیداست کیست
ذره ذره نیست خالی در همه کون و مکان — وانکه بیرون ست از کون و مکان پیداست کیست
آفتابی در لباسِ ذره های مختلف — نور دیگر میفروزد هر زمان پیداست کیست
گر بظاهر در لباسِ ما توئی پیدا ولیک — آنکه پنهانست اندر مغز جان پیداست کیست
آنکه اندر بزمِ جان هر دم باواز دگر — مینوازد پردهٔ صاحبدلان پیداست کیست
آنکه خود بر خود تجلّی میکند بس خود بخود — عشق مینازد بنامِ عاشقان پیداست کیست

چند هر ساعتِ من و تو در میان آرے معین
آنکه مقصود از من و تست از میان پیداست کیست

نام او می بردم اول تا چنان شد عاقبت — کو چو شیر اندر رگ و جانم روان شد عاقبت
یاد او با جان چنان آمیخت کز فرط طلب — یاد او گشت و درجان نهان شد عاقبت
خلق میگفتند یادش تا جنون خواهد کشید — این سخن باور نکردم تا چنان شد عاقبت
مدتے دل را توقع بود ازان لب شربتی — آرزوی دل بکامِ عاشقان شد عاقبت
آنکه اندر پردهٔ عصمت گہے مستور بود — پرده ها افگند و رسوائے جہان شد عاقبت
رشتهٔ جانِ مرا بگسیخت مقراضِ فراق — تا امیدِ وصل و پیوندِ جان شد عاقبت

اگر تو اپنی ہستی کے لباس کو تار تار کر دے ۔ تو اس وقت تجھے معلوم ہوگا کہ پیرہن کے نیچے بس تو ہی تو ہے

جامِ عشق سے منصور ہی میں بیخودی نہیں آئی ۔ بلکہ دار و رسن نے بھی عشق سے بیخود ہو کر کہدیا کہ یہ سب کچھ تو ہی ہے

اویس قرنی کے پاس کون خوشبو لے گیا اور کس نے اس طرح ۔ مدینہ سے ان کو قریب کر دیا، بس وہی وہ تھا

انسان عشق کے راز ظاہر کرتا ہے اور یہ نہیں سوچتا ۔ کہ یہ ظاہر و باطن میں بس تو ہی وہ جلوہ گر ہے

یہ مست کہہ کہ بزمِ کثرت سے وحدت پر حرف آتا ہے ۔ تو حقیقتِ اشیا کو تو دیکھ تجھے معلوم ہوگا بس تو ہی وہ ہے

دُنیا میں اگرچہ "ما" اور "من" نے اعتبارات جو قائم کر دیئے ہیں ۔ لیکن یہ سب اعتبارات ہیں، حقیقت میں تو ہمہ دوست ہے

نے نواز نے پر اپنا منہ رکھتا ہے ۔ تب اس سے صدا بلند ہوتی ہے اسی طرح عاشقوں کا حال ہے

بادہ و جام اور ساقی و مست کی تعریف کیسی

اے معین خاموش ہو جا، ان سب کی حقیقت وہی ہے

الٰہی یہ کون ہے جسکی صورت آئینہ جان میں نمایاں ہے ۔ اس پوشیدہ پردے میں یہ حُسن ظاہر کس کا ہے

کون و مکان میں ایک ذرہ بھی خالی نہیں ہے ۔ اور وہ جو اس کون و مکاں سے باہر ہے ظاہر وہ کون ہو سکتا ہے

آفتاب تو ایک ہی ہے لیکن مختلف ذرّوں میں نمایاں ہے ۔ ہر لحظہ ذروں کا نور بڑھانے والا یہ کون ہے

اگرچہ بظاہر ہمارے لباس میں تو ہی نمایاں ہے لیکن ۔ وہ جو مغز جاں میں پنہاں ہے ظاہر ہے کہ تیرے سوا کون ہے

وہ کہ جو بزمِ جاں میں ہر لحظہ ایک نئی آواز ۔ اور نئے انداز سے صاحبدلوں کو نواز رہا ہے کون ہے

وہ کہ جو خود اپنے آپ کو اپنی تجلّی دکھا رہا ہے ۔ عاشقوں کے نام سے خود اپنے پر عاشق ہو رہا ہے کون ہے

اے معین یہ مَن تو کا فرق ہر دم درمیان میں کب تک لائیگا

یہ بتا کہ اس مَن و تو سے مقصود کون سی ذات ہے

میں جس کا نام لیتا رہا ہوں وہ آخر کار ایسا بن گیا ۔ کہ وہ دودھ کی طرح میری رگ و جاں میں آخر کار رواں ہے

اسکی یاد جان سے اس طرح وابستہ ہے کہ فرطِ طلب سے ۔ اس کی یاد خود اسکی ذات بن گئی ہے اور جان میں نہاں ہے

مخلوق تو کہتی تھی کہ اسکی یاد جنوں کا رنگ اختیار کریگی ۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا آخر کار وہی ہوا

مدتوں تک دل کو اسکے لبوں سے شربت کی آرزو رہی ۔ لیکن آخر کار وہی آرزوئے دل عاشقوں کی تمنا بن گئی

وہ جو کبھی پردۂ عصمت میں پوشیدہ تھا ۔ پردے سے نکل آیا اور تمام دُنیا میں مشہور ہو گیا

فراق کی مقراض نے رشتۂ جاں کو کاٹ ڈالا ہے ۔ آخر کار اب تیرے وصل کی اُمید میری جان کا پیوند بن گئی ہے

ہر دلے کز بے نشان میخواست تا یابد نشان
چون معین در بے نشانی بے نشان شد عاقبت

در رہِ عشق توام دردِ تو ہمراہ بس است　　مونسِ خلوتِ دل آہِ سحرگاہ بس است
رہ مخوف ست و شب مظلم و دشمن بکمین　　رہبرم نورِ توکلتُ علی اللہ بس است
در حریمِ حرمِ خاص گرت رہ ندہند　　ہمت از دورِ زمین بوسی درگاہ بس است
حسن ساقی بتو بی پردہ اگر جلوہ نکرد　　عکسِ افتادہ بجامِ دلِ آگاہ بس است
چون مِنَ القَلبِ اِلَی الرَّب نکشادند درے　　پا بدامن کش و بنشین کہ ہمین راہ بس است
حشمِ عقل بزیرِ عَلَمِ عشق درآ　　در سیاہی کہ ہزارند یکے شاہ بس است
ہمچو خورشیدِ مکن جانبِ ہر ذرّہ نگاہ　　زانکہ در فسحتِ دل منزلِ یکماہ بس است
تو نکوخواہ وی و جنتِ وصلِ آنِ تو شد　　و آتشِ ہجر نصیبِ دلِ بدخواہ بس است

گر مطیعان ہمہ طاعت بر دوست برند
ای معین بدرقۂ راہ تو یک آہ بس است

ردیف "ح"

مزارِ عشقِ تو در ویست در دلِ مجروح　　کہ گرچہ شرح دہم ہم نمے شود مشروح
فتوحِ عالمِ غیبی ہمے کنند نثار　　گہے کہ درگہِ میخانہ میشود مفتوح
صباحِ روزِ ازل ساقی الست چہ گفت　　اَیَا فریقَ سُکَارَیٰ تَہَا دَرُوا الصَبُوح
چہ جرعہ ہاست کہ بر خاکِ تن نمی ریزد　　زبادہ کہ دلم میکشد ز ساغرِ روح
سوارِ کاری میدانِ چرخ می سزدت　　اگر ز دستِ نمائی لگامِ نفسِ جموح
فنُورُ وَجہِ حَبِیبِی بَعدَ مَا طَلَعَت　　بلا منظاہر آیا تہ تکا دُ تلوّح

معین بعشق دہ جان مگیر عیب کہ مور
بردبہ بیش سلیمان بخوردِ خویش فتوح

ہر وہ دل جو اس بے نشان کا نشان تلاش کر رہا تھا
معینؔ کی طرح اس بے نشان کے لئے خود بے نشان بن گیا

عشق کی راہ میں تیرا دردِ میری ہمراہی کے لیئے کافی ہے
اور میرے دل کے خلوت کدہ کی مونس آہِ بے بسی کافی ہے

محبت کا راستہ بہت ہی خطرناک ہے اندھیری رات ہے دشمن گھات میں ہے
میری رہنمائی کو توکلت علی اللہ کا نور کافی ہے

اگر حرم خاص کے حریم میں تجھے بار نہ مل سکے
تو دور ہی سے زمیں بوس کی دُعا کافی ہے

ساقی کا حُسن اگر تجھے پردہ میں نظر نہیں آیا
تو ہمارے دلِ آگاہ کے جام میں نظر آنے والا عکس کافی ہے

چونکہ "دل سے رب کی طرف" دروازہ نہیں کھولا
تو پھر ٹھہر جا اور راہ میں بیٹھ کر تیرے لئے یہی راہ کافی ہے

عقل کا لشکر عشق کے علم کے نیچے صف آرا کر
کہ ہزاروں لشکر کے ضبط و نظم کے لئے ایک بادشاہ بہت ہے

خورشید کی طرح ہر ذرّے کی طرف نگاہ مت کر
اسلئے کہ ہمارے دل کی وسعتوں میں ایک ماہ کی منزل کافی ہے

تو اس دوست کا ہے، وصل کی جنت تیری ملکیت ہے
اور جُدائی کی آگ دلِ بدخواہ کے لئے کافی ہے

اگر تمام طاقت لذا اپنی طاعتِ دوست کے حضور میں پیش کریں
تو اے **معینؔ** تیری آہ کا بدرقہ وہاں کافی ہے

ردیف "ح"

تیرے عشق کا مزا وہ درد ہے جو دلِ مجروح میں ہے
اگر میں اسکی شرح کروں تو وہ شرح سے بھی واضح نہیں ہو سکتا

عالمِ غیب کی فتوحات نثار کی جاتی ہیں
جب کبھی میخانے کا دروازہ کھولا جاتا ہے

روزِ ازل کی صبح کو ساقیِ ازل نے کیا کہا تھا
یہ کہا تھا کہ "اے سکر والو! صبح کی شراب کا دور چلاؤ"

کیسے گھونٹ ہیں جو خاکِ تن پر نہیں گرائے گئے
اس شراب کے جو مرے دل نے روح کے ساغر سے پیئے ہیں

میدانِ چرخ میں سوار ہو کر دوڑنا اس وقت تجھے میسر ہوگا
جبکہ تو نفس کے سرکش گھوڑے کو قابو میں کرے گا

پس میرے حبیب کا جمال جب ظاہر ہو گیا
تو بغیر اپنے نشان کے مظہروں ہی کے جلوہ نما ہے

معینؔ نے اس کے عشق میں جان نذر کر دی تو اسکو برا نہ کہہ
کہ چیونٹی حضرت سلیمانؑ کے حضور میں اپنے لائق نذرانے کر گئی تھی

ردیف "د"

حمدیکہ ہمچو بحرِ کرم بیکراں بود
حمدیکہ شکر نعمتِ ہردو جہاں بود

حمدیکہ در تضاعفِ ذرّات کائنات
چندانکہ مستزاد کنی بیشس ازاں بود

حمدی کہ بدان مشابہ کہ ادراکِ کنہِ آن
برتر ز پایۂ خرد خردہ داں بود

حمدیکہ چون عماریِ عزّت کند روان
بر منکبِ ملائکہ حکمش رواں بود

حمدیکہ در ہوای ہویّت ہمای وار
بر تختِ گاہِ ملکِ قدم سایہ باں بود

حمدیکہ ظلِّ رافتش ار بر کسے فتد
بر مسندِ مقاصدِ خود کامراں بود

حمدیکہ چوں ز حیطۂ جاں سر بروں کند
ہر تارِ موی بر تن ازاں صد زباں بود

حمدیکہ چون قدم کشد از ضیق کن فکان
جولانگہش بنا حیثّیتِ لا مکاں بود

حمدیکہ چوں زباں دہدش زیورِ بیان
تحسینِ قدسیاں ہمہ نعم البیاں بود

حمدیکہ در ہواش ملائک فگندہ پر
آں خود چہ جای حوصلۂ انس و جاں بود

حمدیکہ نہ ملک کند انشانہ انس و جان
بل خود بذاتِ خود متصدیِ آں بود

باد انثار بارگہِ قدس کبریا
کان مصعد محامد قدّوسیاں بود

آن حمد نا قصیکہ بگویند بندگاں
کی درخورِ خدای حقِ عزّ و شاں بود

لا احصی ست تحفۂ خاصاں در آنجناب
این گفتگو چہ لائق آں آستان بود

در اوجِ کبریاش فگندست بالِ عجز
آن شاہبازِ قدس کہ عرش آشیاں بود

او بی نشان محض چہ جوئی ازو نشاں
ہر ذرّہ بر خدائی او صد نشاں بود

چشمت چو نیست پردہ ز رخ کی بر افگند
صاحب نظر کجاست کہ او خود عیاں بود

آنرا کہ پردہ ہاز نظر بر گرفتہ اند
در صد ہزار پردۂ دیگر نہاں بود

حقا کہ کوششے تو بجاے نمی رسد
گر بی کشش ز جانبِ او ہر زماں بود

سدِّ وجود بشکن اگر مرد ایں رہی
ورنہ ہزار سالہ رہ اندر میاں بود

او بود در ازل متوحد کہ در وجود
جز وی نبود تا بہ ابد ہمچناں بود

از مطلعِ وجود چو نور قدم بتافت
از ظلمتِ حدوث چہ نام و نشاں بود

تا حسنش از دریچۂ ہستی نمود رخ
زیں گفتگو بہر سر کو داستاں بود

ردیف "د"

حمد اس ذات کو جو بحرِ کرم کی طرح بیکراں ہے　اور اسکی حمد کرتا ہوں جسکے شکر میں دونوں جہاں کی نعمتیں ہیں
وہ ایسی حمد ہے کہ ذراتِ جہاں سے بھی اس　کو دوگنا کر دیا جائے بلکہ جتنا بھی بڑھایا جائے وہ اس سے سوا ہے
اس کی حمد اس کی ذات کے ادراک کی طرح ہے　جو باریک بیں عقل کی رسائی سے بڑھ کر ہے
تمام تعریف اس ذات کو جو عزت کی عمارت　جب رواں کرتا ہے تو ملائکہ کی گردن پر اس کا حکم جاری ہوتا ہے
ایسی تعریف جو ہما کی طرح اس کی ذات کی فضا میں　ملک م کے تخت گاہ کا سائبان بن جائے
تمام تعریف اس کو جس کی مہربانی کا سایہ اگر کسی پر　پڑ جائے تو ہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے
وہ تعریف جو جان کے دائرے سے جب نکلتی ہے　تو اسکے ادا کرنے کے لئے ہر مو زبان بن جاتا ہے
وہ حمد جو اس دُنیا کی تنگی سے جب قدم نکالتی ہے　تو اس کی جولان گاہِ عالمِ قدس بن جاتا ہے
وہ حمد کہ جب اس کو زبانِ بیان کا زیور پہناتی ہے　تو فرشتے بھی کیا خوب کیا خوب کہکر تعریف کرتے ہیں
وہ حمد جس کی آرزو میں فرشتوں کے پر جھڑ گئے ہیں　اس کے بیان کا حوصلہ بھلا انس و جان کو کیا ہو سکتا ہے
وہ حمد کہ جس کو فرشتے انسان اور جنّات تحریر نہ کر سکیں　خود وہی ذاتِ احدیت جس کو بیان کر سکتی ہو
ایسی تمام تعریف اس کبریائی پاک بارگاہ پر نثار　جو فرشتوں کی تعریف کا زینہ ہے
وہ حمد تو ناقص ہے جو ہم بندے بیان کرتے ہیں　وہ خداوند بزرگ و برتر کے شایانِ شان کب ہو سکتی ہے
اس کی بارگاہ میں بندگانِ خاص لا احصی کا تحفہ لائے　ہیں، یہ تمام گفتگو حق جلّ جلالہ کے لائق نہیں ہے
اسکی کبریائی کی بلندی پر عاجزی کے بازو، اس　پاک شاہباز نے بچھا دئے ہیں جس کا مقام عرش ہے
وہ تو بے نشانِ محض ہے، اس کا نشان کیا ڈھونڈھتا ہے　کہ ہر ذرہ اسکی خدائی پر سینکڑوں نشان (دلیل) کی طرح ہے
جب تیری آنکھیں ہی نہیں ہیں تو وہ اپنے رُخ سے پردہ کیا اُٹھائے　صاحبِ نظر کہاں ہے؟ (آئیے) کہ وہ خود عیاں ہے
اُن کے لئے جنھوں نے اپنی نگاہوں سے پردے اٹھا دئے　ہیں، وہ اور سینکڑوں پردوں میں چھپ گیا ہے
خدا کی قسم کہ تیری کوشش سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا　اگر ہر لحظہ اس کی طرف سے کشش نہ ہو
اگر تو اس راہ کا مرد (راہرو) ہے تو وجود کی دیوار کو توڑ ڈال　ورنہ ہزاروں سال تک تو اسی طرح راستہ میں رہے گا
صرف وہی ازل میں یکتا و یگانہ تھا، کہ اپنے وجود میں　جز و نہیں ہے اور اَبد تک اسی طرح رہے گا
اس کے وجود کے مطلع سے جب قدم کا نور چمکا　تو پھر حدوث کی تاریکی کا نام و نشان کہاں ہو سکتا ہے
جب سے اسکے حسن نے ہستی کے دریچہ سے اپنا جمال دکھایا　اس وقت سے یہ گفتگو ہر طرف ایک داستان کی طرح ہے

زآیینهٔ وجود نماید بآب و خاک
آن صورتیکه معنی روح وروان بود

در نقطه گاهِ خاک مبین جز باعتبار
کانِ مرکزِ محاذ ز هفت آسمان بود

اندر دهانِ خاک نهد نفسِ ناطقه
تا از زبانِ غیب ترا ترجمان بود

گنجی که شاهِ عشق نهد در دل خراب
نقد دو کون در عوضش رایگان بود

هر هفت دوزخ از تف دل یک شراره ایست
هر هشت خلد یک گل ازین بوستان بود

دیو و ملک بنقطهٔ دل در تنازع اند
چون سعد و نحس کش بفلک اقتران بود

عقل و هوا فرشته و دیواند در نهاد
با جسم و جان نشانِ بمثل توامان بود

جانرا مدد ز حکمت و تن را ز شهوت ست
نقصان این مقوی و رجحان آن بود

کم خوردنست مایهٔ حکمت دران فزای
سودِ دلست گرچه که تن را زیان بود

تن مرکبیست بسته بر آخر ز بهرِ رزم
آن به که روز معرکه لاغر میان بود

دل چیست دُرِّ بحرِ صفا دان کرا سزد
آنرا که چون صدف همه تن استخوان بود

جان چون مسیح گر رهد از مهدِ مریمی
با روحِ قدس تا بفلک هم عنان بود

هرکس که پا بدامن همت کشد چو کوه
از تند باد حادثه اندر امان بود

وانرا که دل بکف بود از بهرِ دوست
دل همچو بحر باشد و کف همچو کان بود

وانرا که دیده تر بود از آتشِ درون
چون ابر بر بساط جهان درفشان بود

در محنتِ فراق چو دل میرود ز دست
در لذتِ وصال به بین تا چه سان بود

از ذرّه ذرّه اش بچکد قطره قطره خون
با هر دلیکه عشق تو در امتحان بود

هر مرهمی ز غیر تو بر دل جراحت ست
زخمی که از تو میرسد آرام جان بود

یا رب بحق سیّدِ کونین مصطفیٰ
کش جسم و جان خلاصهٔ کون و مکان بود

شاهی که تخت سلطنتش گر دمے زنند
قدرش فراز مملکت کن فکان بود

آن خواجه کز حریمِ حرم تا فضای قدس
گاهِ عروج نه فلکش نردبان بود

آن خرقه پوش فقر که بر دوشِ عرشیان
از گرد دامنِ کرمش طیلسان بود

یارانِ اهلِ بیت که در دارِ ضرب عشق
بر نقد دوستی رقمِ نامِ شان بود

زایشان شنیده ام که ز لطف تو بندگان
هر چه گمان برند یقین آن عیان بود

نومید چون شود دل و جانِ امیدوار
جائی که رحمت و کرم بیکران بود

وہ اپنی ذات کے آئینہ سے آب و خاک سے نمایاں کرتا ہے
وہ صورت جو روح رواں کی حقیقت ہے

اس نقطہ گاہ خاک میں سوائے اعتبار کے مت دیکھ
کہ وہ ساتوں آسمانوں سے مقابل ہونے کا مرکز ہے

اس نے خاک کے منہ میں نفس ناطقہ کو پیدا کیا
تاکہ زبانِ غیب تیرے لئے ترجمان ہے

وہ خزانہ جو شاہِ عشق نے دل کے ویرانے میں کھا ہے
دونوں عالم کی پونجی اس کے عوض رائیگاں ہے

یہ ساتوں جہنم دل کی گرمی کا ایک شرارہ ہے
اور آٹھوں جنتیں اس باغ کا ایک پھول ہیں

دیو و ملک نقطۂ دل سے تنازع میں ہیں
جس طرح فلک پر سعد و نحس ایک جگہ ہوتے ہیں

عقل اور نفس اصل میں فرشتہ اور شیطان ہیں
جسم و جان سے مثالاً ان کی تشبیہ ہو سکتی ہے

جان کو تو حکمت سے اور جسم کو تقویتِ خواہش سے ہے
جسم کا نقصان مفید اور اس کی ترقی کا موجب ہے

کم کھانا سرمایۂ حکمت ہے، اس کو بڑھانے کی کوشش کر
جسم کا نقصان دل کا سراسر نفع ہے

جسم ایک گھوڑا ہے جو اصطبل میں جنگ کیلئے بندھا ہے
بس یہی بہتر ہے کہ جنگ کے دن وہ لاغر میاں ہو

دل بحرِ صفا کا ایک موتی ہے اور یہ اسی کو زیبا ہے
جو صدف کی طرح ہمہ تن لاغر بن جائے

جان مسیح کی طرح ہے اگر وہ مہدِ مریم سے آزاد ہو جائے
تو روحِ قدس کے ساتھ وہ فلک تک جا سکتی ہے

جو کوئی پہاڑ کی طرح دامنِ ہمت کو استوار رکھتا ہے
تو پھر وہ حادثے کی تند ہواؤں سے محفوظ رہتا ہے

جو دوست کی محبت کے لئے دل بکف رہتا ہے
تو اس کا دل سمندر کی طرح اور ہاتھ کان کی مانند ہو جاتا ہے

جس کی آنکھیں اندرونی سوز سے تر ہوتی ہے
تو وہ ابر کی طرح دنیا کی بساط پر دُر افشانی کرتا ہے

جُدائی کی تکلیف سے جب دل ہاتھوں سے جا رہا ہے تو
پھر لذتِ وصال پانے کے بعد اسکی کیا حالت ہوگی

اسکے ایک ایک ذرّہ سے خون کا قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے
جس دل کا امتحان تیرا عشق لے رہا ہے

غیر کی طرف سے ہر مرہم دل کے لئے زخم ہے
وہ زخم جو تیری طرف سے ملا ہے وہی آرام جاں ہے

یا رب! سیدِ کونین، مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے
تصدق میں، جن کا پاک جسم اور جان خلاصۂ کون و مکان ہے

وہ بادشاہ جن کی شان و شوکت کا اگر تخت بچھایا جائے ق
تو اس کی قدر و منزلت کون و مکان سے بھی بلند ہوگی

وہ سرورِ کونین! جن کے حریم پاک سے فضائے قدس تک
عروج کے لئے نو آسمان سیڑھی بن گئے تھے

وہ فقر کے خرقہ پوش کہ عرش والوں کے کندھے پر
جن کے دامنِ کرم کی گرد چادر کی طرح پڑی ہے

اہلِ بیت کے محبّوں سے کہ عشق کی ٹکسال میں
ستی کی نقدی پر جن کا نام اسکہ پر تحریر ہے

میں نے ان سے سُنا ہے کہ تیرے لطف و کرم کے بارے میں
بندوں کا جو کچھ گُمان ہوتا ہے یقیناً وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے

بس جب مرا اُمیدوار دل اور جان نا اُمید ہو جائے
وہاں جہاں تیری رحمت اور کرم بے حد و حساب ہے

دارد معین برحمت بی منتہای تو
امید ازان زیادہ کہ اندر گمان بود

ای از ظہور تو کون و مکان پدید | از عرش تا بہ فرش ز نور تو آفرید
شمس و قمر مگوی کہ انوار انبیا | اندر ظہور خویش ز نور تو مستفید
بر روی ہر کہ بستہ سعادت در عطا | وقت دعا سپردہ بدربان تو کلید
شد در قیود شیطنتش گردن استوار | از ربقۂ متابعتت ہر کہ سر کشید
جان کز بدن چو آہوی وحشی رمیدہ بود | بر بوی مشک نافۂ زلف تو آرمید
تو بحر رحمتی و من آلودۂ گناہ | پاکم بشوی اے ز تو پاکی ہر پلید
ہر دیدہ را تحمل دیدار دوست نیست | جز دیدۂ کہ وام کنند از تو اہل دید
از جام صاف عیش کسی چاشنی گرفت | کز خم عشق دردی دردِ تو در کشید
زانم چہ غم کہ ہر نفسم عمر کم شود | چون مہر تست در دل و جان دمبدم مزید

خواہد معین کہ حسن تو بیند معاینہ
خرسند تا بکی شوم از گفت و از شنید

ای تو سلطان دار ملک وجود | ہمہ عالم طفیل تو مقصود
مرکز محور وجود توئی | کہ بتو قائم ست ہر موجود
اول و آخری بجان و بہ تن | ظاہر و باطنی بحشمت و جود
مبدات از کجاست منہ بدا | منتہی تا کجا الیہ یعود
زاولت نام از ان محمد شد | کامتت راست عاقبت محمود
گر ملک سر کشد ز خدمت تو | ہمچو ابلیس می شود مردود
شدہ جام جہان نمای دلت | مظہر اسم شاہد و مشہود
جام جانت زدودہ صیقل عشق | از برای ظہور نور شہود
تا نمودہ ز جام ہستی تو | ہر چہ بود ست و ہست خواہد بود
می فرستد معین درود بتو | حق تعالی شود ز من خوشنود

وہاں معینؔ تیری رحمتِ حق انتہا سے
اس سے زیادہ کرم کی اُمید رکھتا ہے جو اسکے گمان میں ہے

الٰہی تیرے نور کے ظہور سے کون ومکان کا ظہور ہوا ہے
عرش سے فرش تک جو کچھ ہے تیرے ہی نور سے پیدا ہوا ہے

صرف شمس وقمر ہی نہیں کہ انبیاء کے انوار بھی
اپنے ظہور میں تیرے نور سے بہرہ یاب ہوئے ہیں

جبکسی پر سعادت نے دروں کو بند کر دیا ہے
تیرے دربان کو دُعا کے وقت اسکی کلید سپرد کر دیجاتی ہے

شیطان کے قیدوں میں اسکی گردن کس دی گئی ہے
جس کسی نے بھی تیرے احکام کی اطاعت سے سرکشی کی

جان جو بدن سے وحشی آہو کی طرح بھاگی ہوئی تھی
تیری زلفوں کے مشک نافے سے اس کو قرار ملا ہے

تو بحرِ رحمت ہے اور میں آلودہ گناہ ہوں
اے ہر گناہ سے پاک وصاف، مجھے پاک کر دے

ہر آنکھ کو دیدارِ دوست کا تحمل نہیں ہو سکتا
سوائے اس آنکھ کے جو اہلِ دید کو تجھ سے بطور قرض ملی ہے

عیش کے صاف پاک جام سے اس کو چاشنی (لذت) ملی ہے
جس نے تیری محبت کی شراب کی تلچھٹ پی لی ہے

مجھے اس بات سے کیا غم کہ ہر نفس میری عمر کم ہو رہی ہے
جبکہ تیری محبت ہر لحظہ میرے دل وجاں میں بڑھ رہی ہے

معینؔ چاہتا ہے کہ تیرا حسن بے پردہ اسے نظر آئے
میں محض وعدوں سے کب تک خوش ہوتا رہوں

اے دوست تو ملکِ وجود کا سلطان ہے
تمام عالم کا مقصود تیرے ہی طفیل سے ہے

محورِ وجود کا مرکز صرف تیری ہی ذات ہے
تجھ سے ہر موجود کا وجود قائم ہے

تو ہی جان وتن کے لئے اوّل وآخر ہے
تو ہی ظاہر وباطن ہے حشمت وجود کے ساتھ

اس کی ابتدا کہاں ہے جبکہ اس سے ابتدا ہے
اور اسکی انتہا کیا ہو جبکہ ہر ایک کا اسی کی طرف لوٹنا ہے

اول ہی سے آپ کا نام نامی محمد ﷺ یوں ہوا ہے
کہ آپ کی اُمّت کا انجام محمود ہو

اگر فرشتہ آپ کی خدمت سے سرتابی کرے
تو وہ ابلیس کی طرح مردود بارگاہ ہو جائے

آپ کے قلبِ مبارک کا جام جہاں نما
شاہد ومشہود کے اسم ذات کا مظہر ہے

صیقل عشق نے آپ کے جام جان
کو نور مشہود کے ظہور کے لئے تجلّی کر دیا تھا

تاکہ آپ کے جام ہستی سے ظاہر ہو جائے
جو کچھ موجود ہے یا آیندہ موجود ہو گا

معینؔ اس لئے آپ پر درود بھیج رہا ہے
تاکہ حق تعالیٰ مجھ سے راضی اور خوشنود ہو

در جاں چو کرد منزل جانانِ ما محمدؐ　　صد در کشاد زردل از جانِ ما محمدؐ
ما بلبلیم نالان در گلستانِ احمدؐ　　ما لولوئیم و مرجان عُمّانِ ما محمدؐ
مستغرق گناہیم ہرچند عذر خواہیم　　پژمردہ چون گیاہیم بارانِ ما محمدؐ
از دردِ زخمِ عصیان مارا چہ غم چو سازد　　از مرہمِ شفاعت درمانِ ما محمدؐ
امروز خونِ عاشق در عشق اگر ہدر شد　　فردا زدوست خواہد تاوانِ ما محمدؐ
ما طالبِ خدائیم بر دین مصطفائیم　　بر درگہش گدائیم سلطانِ ما محمدؐ
از امتان دیگر ما آمدیم برسر　　وآں راکہ نیست باور برہانِ ما محمدؐ
ای آب و گل سرودی وی جان و دل درودے　　تا بشنود بہ یثرب افغانِ ما محمدؐ

در باغ و بوستانم دیگر مخوان معینی
باغم بس است قرآں بستانِ ما محمدؐ

اگر لباس حدوثم بدر کنی چہ شود　　مرا ز سرّ حقیقت خبر کنی چہ شود
بگوی خستہ دلانیکہ جان رسید بلب　　اگر برسمِ عیادت گذر کنی چہ شود
کہ سر بہاد بریں درکہ درکشادہ نہ شد　　شبی بصدق بریں در بسر کنی چہ شود
دلا جمال خدا چشم سر نمی بیند　　اگر بدیدہ دِل یک نظر کنی چہ شود
گر اعتدال ہوائے محبتش خواہی　　ہوائے خویشتن از سر بدر کنی چہ شود
بگو بعقل کہ تا چند شش جہت گردی　　جہات را ہمہ زیر و زبر کنی چہ شود

بگفتمش چہ سفرہا معین برائے تو کرد
بگفت یک قدم از خود سفر کنی چہ شود

مگر فصل بہار آمد کہ عالم سبز و خُرّم شد　　مگر وصل نگار آمد کہ دل با عیش ہمدم شد
بیا ہمچو خلیل امشب زغارِ تن برون بنگر　　کہ نورِ حق پدیدار از ہمہ ذرات عالم شد
ہزاراں جام ہر لحظہ بکامِ دل ہمی ریزد　　ازان دریا کہ یک قطرہ نصیبِ عرش اعظم شد
دلم را نالہ و افغان چونی زاں اصبعین آمد　　کہ تقسیم زنی باشد صدا اگر زیر و گر بم شد
چو در دل دردمید آن شہ زروح خویشتن واللہ　　زغیب الغیب شد آگہ دلے کو حاضر دم شد

جب سے میری جان میں میرے محبوب محمدؐ نے اپنی منزل کی ہے ہماری جان محمدؐ نے دل کے سینکڑوں دروازے کھولدیئے ہیں
ہم گلستانِ محمدؐ کی بلبلِ نالاں ہیں ! ہم لولوا در مرجان ہیں اور ہمارا عمّان محمدؐ ہے
ہم ہرچند عذر خواہ ہیں لیکن گناہوں میں غرق ہیں ہم گیاہ کی طرح خشک ہیں، ہمارا باراں محمدؐ ہے
زخم عصیاں کے درد کی ہم کو کیا فکر جب کہ اپنی شفاعت کے مرہم سے محمدؐ درماں فرمائیں گے
آج عاشق کا خون اگر عشق کے ہاتھوں ضائع ہو گیا تو کیا کل اس کا صلہ دوست سے محمدؐ کے طفیل میں ملجائیگا
ہم طالبِ خدا ہیں اور مصطفٰےؐ کے دین کے پیرو ہیں ہم اس کی درگاہ کے فقیر ہیں اور ہمارا سلطان محمدؐ ہے
ہم دوسری امتوں سے یقیناً سربلند رہیں گے اس لئے کہ ہمارے محمدؐ کی دلیل ان کو باور نہیں ہے
اے آب و گلِ نغمہ چھیڑ، اے جانِ دل درود بھیج تا کہ مدینہ طیبّہ میں ہماری فریاد محمدؐ سُن لیں

مجھ معیؔن کو باغ و بوستان کی زحمت نہ دو
میرا باغ تو بس قرآن ہے اور میرا بوستاں محمدؐ ہے

اگر تو میرے لباسِ حدوث کو اتارے تو کیا ہو گا اگر تو مجھے حقیقت کے راز سے خبردار کردے تو کیا ہو
ان خستہ دلوں کی گلی میں جو جاں بلب ہیں اگر عبادت کے طور پر تم آجاؤ تو کیا ہی اچھا ہو
کس نے اس در پر سر جھکایا اور اسپر دروازہ نہیں کھُلا اگر ایک رات صدقِ دل سے تو اس در پہ بسر کرلے تو کیا ہو جائے
ان ظاہری آنکھوں سے اے دل تو جمالِ خدا نہیں دیکھ سکتا اگر دل کی آنکھ سے اس کا مشاہدہ کرے تو کیا اچھا ہو
اگر تو اس کی محبت کی ہوا کے اعتدال کا خواستگار ہے تو خود پسندی اور نفس کو نکال دے، تیرا کیا بگڑے گا
عقل سے کہدو کہ کب تک شش جہت میں آوارہ پھرے گی اگر اس طرح تمام جہتوں کو تو نے زیر و زبر کر بھی لیا تو کیا

مینے اس محبوب سے کہا کہ معیؔن نے تیرے لئے کتنے سفر کئے ہیں
تو اس نے کہا کہ اگر تو خود سے گذر کر ایک قدم رکھتا تو کیا اچھا ہوتا

شاید فصلِ بہار آگئی کہ تمام عالم سبز و خرم ہو گیا شاید اب وصل محبوب کا وقت آگیا کہ دل عیش کا ہمدم ہے
خلیل اللہ کی طرح آج کی رات غارِ تن سے باہر نکل آ کہ نورِ حق تمام ذراتِ عالم سے نمایاں ہو رہا ہے
ہزاروں جام ہر لحظہ کامِ دل میں انڈیلے جارہے ہیں اس دریا سے کہ جس کا ایک قطرہ عرشِ اعظم کو نصیب ہوا ہے
میرے دل کو نالے کرنا نئے کی طرح اس لئے سخت دشوار ہیں کہ صدا اگر زیر و بم ہوتی ہے تو نَے اسکو تقسیم کر دیتی ہے
جب اس بادشاہ نے اپنی روح دل میں پھونکی تو خدا کی قسم تو وہ دل جو اسوقت حاضر تھا غیب الغیب سے آگاہ ہو گیا

ملائک بهر یک قطره بمانده چون صدف تشنه
هزاران بحر بیپایان نثار خاک آدم شد

دلِ بیغم همی خواهی دلِ غمگین بدست آور
چو دل غمگین عشق آمد ز غمها جمله بیغم شد

اگر با یاد خود باشی ترا دوزخ بهشت آمد
و گر بی یار خود مانی ترا جنت جهنم شد

اَلا ای ناصح عاقل صلاح از ما چه میجوئی
ترا شیخی نصیب آمد مرا رندی مسلم شد

اگر باور نمی داری ز هستی سوی مستی رو
قدحهای خدای بین که بر مستان دمادم شد

مگر آن ساقی وحدت نقاب از رخ برافگنده
که جام و باده یکسان گشت و بحر و قطره درهم شد

مرا میگفت کای عاشق بمعشوقی رسی آخر
بحمد الله که از عالم نرفتم تا که آن هم شد

چو بحرِ عشق موجی زد سحاب جود باران شد
وجود واجب و ممکن مثال بحر و شبنم شد

ز هستی چون جدا گشتم حریم کبریا گشتم
چو من از خود فنا گشتم چگویم هرچه گویم شد

معینؔ را در صغر آنکس به منبر در سخن آورد
که در گهوارهٔ طفلی قرینِ ابن مریم شد

چشم بکشای که دیدار خدا جلوه نمود
دیده شو یکسر و بربند در گفت و شنود

عکس رخسارهٔ ساقی بنمود از رخ جام
هوش و آرام ز مستان همی عشق ربود

ساقی عشق مرا روزِ ازل باده چشاند
تا ابد هر نفسم مستیٔ دیگر بفزود

یارب این مستی من هست مئ بزمِ الست
یا رهر لحظه بمن بادهٔ دیگر پیمود

دل چو آئینهٔ حق آمد و صیقل غمِ عشق
ای خوش آن دل که می عشق غبارش بزدود

آن دلے کز ظلماتِ بشری یافت خلاص
عکس انوار خدا بود در و هرچه نمود

عکس حقّے تو و عکس تو در آئینهٔ جان
عکسِ عکس تو یقین دان که همان عین تو بود

باده صاف ست ولیکن ز کی رنگین شده است
آن ز همرنگی جام ست که شد سرخ و کبود

عشق در دادِ بقا زد به علم روز نخست
تا که در تافت به قصر عدمم نور وجود

ذرهٔ هستی من از پیِ خورشیدِ ازل
گرد از این روزنهٔ کن فیکون میل صعود

موجِ دریای قدم شبنم امکان برداشت
شد نهان غیب و شهادت همه در بحر شهود

از پسِ پرده همیدون نشان از من و ما
من و ما رفت همو ماند چو برقع بکشود

اول و آخر و ظاهر و باطن همه اوست
نه همو بود و همو هست و همو خواهد بود

ملائک صدف کی طرح ایک قطرے کے پیاسے ہیں — اسکے ہزاروں بے پایاں سمندر خاکِ آدم پر نثار کر دیئے گئے

اگر تو دلِ بے غم چاہتا ہے تو کسی غمگین دل کو حاصل کر — جب دلِ عشق سے غمگین ہو جاتا ہے تو پھر تمام غموں سے بے غمی مل جاتی ہے

اگر تو دوست کے ساتھ ہے تو دوزخ بھی تیرے لئے بہشت ہے — اور اگر تو بغیر دوست کے ہے تو جنت بھی تیرے لئے جہنم ہے

اے غافل ناصح ہم سے تو بھلائی کی کیا توقع رکھتا ہے — تجھے شیخی و بزرگی مل گئی اور میرے حصے میں زندگی آگئی

اگر ہستی کا تجھے یقین نہیں ہے تو مستی کا راستہ اختیار کر — ان خدائی قدحوں کو دیکھ جو مستوں کو دمادم پلائے جارہے ہیں

شاید وہ ساقیِ وحدت اپنے رُخ سے نقاب اُلٹ دے — کہ جام و بادہ ایک ایسے ہیں اور بحر و قطرہ مل کر ایک ہو گئے ہیں

مجھ سے کہا تھا کہ اے عاشق تو آخر کار معشوق تک پہنچ جائیگا — خدا کا شکر ہے کہ جب تک یہ وصل میسر نہیں ہوا میں دنیا سے نہیں گیا

جب بحرِ عشق موجزن ہوا تو سحابِ جود باراں بن گیا — واجب و ممکن کا وجود بحر و شبنم کی طرح ہو گیا ہے

میں اپنی ہستی سے جُدا ہو کر حریمِ کبریا بن گیا — جب میں فنا ہو گیا تو کیا بتاؤں میں کیا بن گیا

معینؔ کو کمسنی میں منبر پر سخن گوئی اس نے سکھائی ہے
جس نے ابنِ مریم کو گہوارے میں بولنا سکھایا تھا

آنکھیں کھول اور دیکھ کہ دیدارِ خدا جلوہ نما ہے — سراپا چشم بن جا اور گفت و شنود کا دروازہ بند کر دے

رخِ جام سے ساقی کے رخساروں کا عکس نمودار ہوا ہے — مستوں کا ہوش و آرام مئے عشق نے چھین لیا ہے

ساقیِ عشق نے روزِ ازل وہ شراب چکھائی تھی — کہ ابد تک ہر لحظہ اس کی مستی بڑھتی جارہی ہے

یارب یہ میری مستی بزمِ ازل کی شراب کی ہے — یا دوست نے مجھے ہر لحظہ اور مُسلسل پلائی ہے

[illegible] آئینہ حق ہے اور غمِ عشق اس کی صیقل ہے — اے سبحان اللہ کیا اچھا ہے وہ دل جس پر عشق سے صیقل ہو گئی ہے

وہ دل جس کو ظلماتِ بشری سے نجات مل گئی ہے — اس دل میں سوائے انوارِ خدا کے اور کچھ نہیں ہوتا ہے

آئینہ جان میں تیرا عکس اور میرے حق کا عکس موجود ہے — تیرے عکس کا عکس بھی یقیناً تیرا عین ذات ہے

بادۂ صاف موجود ہے یہ خیال [illegible] کر کہ وہ رنگین ہے — یہ رنگینی تو جام کی ہمرنگی کے باعث ہے کہ وہ سُرخ و کبود ہے

عشق نے دارِ بقا میں میرے دل پر روزن کھول دیا — تاکہ میرے اس فانی جسم میں نورِ وجود پرتو فگن ہوتا رہے

میری ہستی کے ذرہ نے اس خورشیدِ ازل کے لئے — اس کن فیکون کے روزن سے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا

دریائے قِدم کی ایک موج نے ممکن کی شبنم کو فنا کر دیا — اور اس طرح شہود میں تمام غیب و شہود پنہاں ہو گئے

پردے کے پیچھے سے وہ من و ما کا نشان دے رہا تھا — لیکن جب اس نے رُخ سے نقاب اُلٹا تو من و ما وہی نہ رہا

یہ اول و آخر اور ظاہر و باطن سب کچھ وہی ہے — وہی تھا، وہی ہے اور وہی (ہمیشہ) باقی رہے گا

عشق بے پردہ ہمی باخت معیّن بارخ دوست
پیش ازان کز منِ و مانام و نشان نیز بنود

این چہ سوداست کہ اندر سرِ ما می جنبد — این سر رشتہ ندانم ز کجا می جنبد
جنبشِ رشتۂ عشق از طرفِ تست ازلی — میلت اندر دلِ عشاق چرا می جنبد
کششِ تست کہ کوہِ دلم از جای برد — دل نہ کاہی است کہ از باد و ہوا می جنبد
جنبشِ سایہ چو از جنبشِ شخص ست مدام — سایہ از شخص مپندار جدا می جنبد
ہر کجا شاخِ گُلی ہست در اطرافِ چمن — ہمہ از تقویتِ بادِ صبا می جنبد
دست از دامنِ عشقِ تو نخواہیم گذاشت — بخدا تا رمقے در تنِ ما می جنبد

نخلِ عشقِ تو بباغِ دلِ خود شاند معیّن
بین کہ در صرصرِ غم ہیچ ز جا می جنبد

گر آہِ آتشِ بارِ من یک شعلۂ بیرون زند — این آتشِ پنہان علم بر گنبدِ گردون زند
سرِّ نہان پیدا شود کون و مکان یکتا شود — دل غرق آن دریا شود کو موجہای خون زند
ای دل تو مشکوٰۃ وی طغرای آیات وی — آئینۂ ذاتِ وی عکس پیش تو دم چون زند
از خندہ گر ریزد نمک بر ریشِ جان آید ہمہ — در غمزہ گر خنجر کشد ہم بر دلِ محزون زند
واللہ کہ در رگہای جان چون شہد و شیر آید روان — لیلی چو تیرِ امتحان بر سینۂ مجنون زند
عشق از ورای لامکان زد خیمہ اندر باغِ جان — از خلوتِ خاصی چنان کے تخت خود بیرون زند

مفلس چو یابد گوہری پوشد ز ہر بد اخترے
مسکین معیّن در ہر دری زان لعل دیگرگون زند

مرا در دل بغیر از دوست چیزی در نمی گنجد — بخلوت خانۂ سلطان کسی دیگر نمی گنجد
درونِ قصرِ دل دارم یکی شاہی اگر گاہی — ز دل بیرون زند خیمہ بہ بحر و بر نمی گنجد
بصدرِ مسندِ ہر دل خیالش کے زند تکیہ — کہ مہدِ کبریای او بہر منظر نمی گنجد
تنت گر چند موی شد حجابِ جان بود ویرا — میانِ عاشق و معشوق موی در نمی گنجد

اے معینؔ رخِ دوست کے ساتھ عشق بے پردہ معروف تھا
جبکہ من و ما کا نام و نشان ہی کہیں موجود نہ تھا

یہ کونسا سودا ہے جو میرے سر میں جوش زن ہے
مجھے نہیں معلوم کہ اس کا سر رشتہ کہاں سے ہے
رشتۂ عشق کی سلسلہ جنبانی تری جانب سے ازل سے ہے
تیری خواہش پھر دلِ عشاق میں کیوں پنہاں ہے
تیری کشش نے تیرے کوہ دل کو اسکی جگہ سے ہلا دیا ہے
دل کوئی تنکا تو نہیں ہے جو بادِ صبا کی جنبش سے حرکت کرے
سایہ کی جنبش وجود کی جنبش کے ساتھ ہمیشہ مدام ہے
پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ بلکے بغیر وجود کے سایہ جنبش کرے
اطرافِ چمن میں جہاں کہیں شاخِ گل موجود ہے
یہ سب کے سب بادِ صبا کی جنبش سے جنبش میں ہیں
میں تیرے عشق کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑونگا
خدا کی قسم جب تک میرے جسد میں یہ جان موجود ہے

معینؔ نے تیری محبت کا نخل اپنے دل میں لگایا ہے
دیکھ کہ غم کی آندھی میں یہ کہیں اکھڑ نہ جائے

اگر میری آتش بار آہ کا ایک شعلہ شعلہ زن ہو جائے
تو پھر یہ آتش پنہاں آسمان پر اپنا علم گاڑ دے (پہنچ جائے)
پوشیدہ راز ظاہر ہو جائے اور کون و مکاں یک تو ہو جائیں
اور دل اس دریا میں غرق ہو جائیں جب سے خون کی موجیں اٹھ رہی ہیں
اے دل تو اسکا چراغ ہے اور اسکی نشانیوں کا طغریٰ ہے
اور اسکی ذات کا آئینہ ہے تیرے سامنے کوئی کیا دعویٰ کریگا
اگر اسکا تبسم نمک پاشی کرے تو وہ جان کے زخموں پر پہنچے گا
اور اسکے ناز و انداز اگر خنجر کشی کریں تو وہ وار دلِ محزوں پر آپہنچینگے
خدا کی قسم جان کی رگوں میں شیر و شکر کی طرح بنکر پہنچ جاتے ہیں
لیلی امتحاں کے جو تیر سینۂ مجنوں پر چلاتی ہے
عشق نے لامکاں سے ذرا تیرے باغِ جاں میں خیمہ لگایا ہے
اس خلوتِ خاص سے باہر اپنے تخت کو کون نکالے گا

مفلس کو جب گوہر مل جاتا ہے تو وہ ہر بدنصیب سے اسکو چھپاتا ہے
غریب معینؔ ہر در پر اس لعل سے ایک نیا رنگ دکھاتا ہے

میرے دل میں سوائے دوست کے اور کوئی چیز نہیں سماتی
شاہی خلوت خانہ میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی ہے
میرے قصرِ دل میں ایسا شاہ جلوہ کرتا ہے کہ اگر کبھی
وہ دل سے باہر جلوہ دکھائے تو بحر و بر میں نہ سما سکے
ہر دل کی صدر مسند پر اس کا خیال تکیہ نہیں لگاتا
کہ اسکی بزرگی کا گہوارہ ہر نظر کے لائق نہیں ہے
اگر تیرا جسم نزار ہو کر چند بال بنجائے جب ہی وہ حجاب ہے
کہ عاشق و معشوق کے درمیان تو ایک بال کی بھی گنجائش نہیں ہے

صفیرِ ہاتفِ غیبی بگوشِ مرغِ جاں آمد   کہ در اوجِ ہوای عشق بال و پر نمی گنجد
نفیِ ذات خود بودن ز اثباتِ صفات اولے   ترا افسر چہ کار آید چو اینجا سر نمی گنجد
حسابِ عمرِ صد عاقل بمحشر بگذرد یکدم   حسابِ یکدمِ عاشق بصد محشر نمی گنجد
رموزِ عشق اگر خواہی ز لوحِ دل تواں خواندن   کہ حرفی از روایاتش بصد دفتر نمی گنجد
ز بحرِ عشق یک قطرہ ظہورِ سرِّ منصور ست   بظرفِ ہمتِ عاشق ازیں کمتر نمی گنجد
باں جامی کہ من خوردم نہاں کی ماند اسرارم   شرابِ عشق در جوش ست و در ساغر نمی گنجد
معینی گر ہمی خواہی کہ سرّش بر زباں رانی
مقامِ آں سرِ دارست بر منبر نمی گنجد

مگر صبا ز سرِ کوی دوست مے آید   کہ از زمین و زماں بوی دوست مے آید
چہ رشکہاست کہ از یاد می برم ہر شب   کہ روی او ز چہ بر روی دوست مے آید
ز کوی دوست چو عاشق کشیدہ دار دپائے   کمندِ شوق ہم از موی دوست مے آید
وفا چگونہ کند عقل و ہوش با منِ مست   چنیں کہ جام ہیا ہوی دوست مے آید
ہر آنچہ آیدت از غیب نیک و بد منگر   ہمیں بس ست کہ از سوی دوست مے آید
ازیں مصائبِ دوراں منال و شاداں باش   کہ تیرِ دوست بہ پہلوی دوست مے آید
بیا بوعظ معینے رموزِ عشق شنو
کہ از حکایتِ او بوے دوست مے آید

فیضِ خدا کہ بر دلِ آگاہ میرسد   ایدل بہوش باش کہ ناگاہ می رسد
بگذر ز فکرِ روزی و رزّاق را شناس   بنگر چگونہ رزقِ تو دلخواہ می رسد
ای تشنۂ بوادیِ عصیاں مبر امید   کامواج بحرِ رحمتِ اللہ می رسد
در باغِ جاں شگفتہ شود صد گلِ مراد   زاں نفحہ کز نسیمِ سحرگاہ می رسد
زد پیکِ عشق حلقہ سحر بر درِ دلم   آورد مژدۂ کہ شہنشاہ می رسد
در شاہ راہِ سینہ در افتاد غلغلہ   گفتند شاہِ عشق ازیں راہ می رسد
گفتم چہ پیش کش کنمش پیکِ عشق گفت   ہین ما حضر بیار کہ از راہ می رسد

ہاتفِ غیبی کی یہ آواز مرغِ جاں کے کانوں میں آ رہی ہے
کہ فنائے عشق کی بلندی میں ان بال و پر کی گنجائش نہیں ہے

اپنی ذات کی نفی کرنا اپنے صفات کے اثبات سے بہتر ہے
جب یہاں سر ہی نہیں سما سکتا تو تاج کی بھی ضرورت ہے

سو عاقلوں کی عمر کا حساب ایک لحظہ میں نمٹ جاتا ہے
لیکن عاشق کے ایک دم کا حساب سو محشروں سے نہیں ہو سکتا

رموزِ عشق اگر چاہتا ہے تو لوحِ دل پر پڑھ سکتا ہے
کہ اسکی روایات کے ایک حرف کی تشریح سو دفتروں میں نہیں ہو سکتی

منصور حلاج کے راز کا اظہار بحر عشق کا ایک قطرہ ہے
عاشق کی ہمت کے ظرف میں اس سے کم کی گنجایش ہی نہیں ہے

شرابِ محبت جو میں نے پی ہے اس سے یہ راز پوشیدہ کہاں رہیگا
کہ شرابِ عشق جوش میں ہے، ساغر میں اسکی گنجایش کہاں ہے

اے معین اگر تو چاہتا ہے کہ اسکے راز کو زبان پر لائے
تو اس کا مقام سرِ دار پر ہے، سرِ منبر اسکے بیان کا موقع نہیں ہے

شاید صبا کوئے دوست سے آ رہی ہے
کہ زمین و زماں (ہر طرف) سے دوست کی بو آ رہی ہے

کیسے کیسے رشک میں ہر رات اپنی یاد سے بھلاتا ہوں
کہ اس کا چہرہ کس لئے کسی دوست کے مقابل آتا ہے

اگر دوست کی گلی سے عاشق اپنے پاؤں روکتا ہے
تو شوق کی کمند زُلفِ یار سے بن کر آتی ہے

مجھ جیسے مست کا ساتھ عقل و ہوش کس طرح دے سکتے ہیں
اگر اسی طرح دوست کے سبو پلاؤ کے جام بھر کر پاس آتے رہے

غیب سے جو کچھ بھی اچھا یا بُرا ظاہر ہو اس کو مت دیکھ
بس یہی غنیمت جان کہ وہ دوست کی طرف سے ہے

زمانہ کے ان مصائب سے فریاد نہ کر، شاد و فرحاں رہ
کہ دوست کا تیر دوست کے پہلو میں پیوست ہو رہا ہے

معین کے وعظ کی محفل میں آ اور عشق کے راز سُن
کہ اس کی باتوں سے دوست کی یاد آتی ہے

خدا کا فیض جو دلِ آگاہ کو پہنچتا ہے
اے دل دیکھنا! کہ وہ فیض یکایک نازل ہوتا ہے

روزی کی فکر چھوڑ اور رزاق کو پہچان
پھر دیکھ کے تیرے حسب دلخواہ رزق کس طرح پہنچتا ہے

اے وادیٔ عصیاں میں تشنہ پھرنے والے نااُمید مت ہو
کہ اللہ کی رحمت کے سمندر کی موجیں ابھی آتی ہیں

باغِ جاں میں سینکڑوں گل مراد شگفتہ ہونگے
اس خوشبو سے جو نسیمِ صبح گاہی لیکر آئے گی

پیکِ عشق نے صبحدم میرے درِ دل کا حلقہ کھٹکھٹایا
اور یہ خوشخبری مجھے سنائی کہ وہ شہرِ خوباں آ رہا ہے

میرے سینہ کی شاہراہ میں ایک آوازہ اور غلغلہ پیدا ہوا
مجھے بتایا گیا کہ شاہِ عشق اس راہ سے پہنچ رہا ہے

میں نے کہا کہ میں اسکی خدمت میں کیا تحفہ پیش کروں کہا گیا
جلدی کر، ماحضر پیش کر کہ مسافر سفر سے آ رہا ہے

یعنی شراب اشک وکباب جگر بیار — باآه وناله کز دل او آه می رسد
چون تحفه پیش بُردم واندر بزم کشید — مانند کهربا که پر کاه می رسد
جائیکه زاهداں بهزار اربعین رسند — مستِ شراب عشق بیک آه می رسد

بے یار خود سفر مکن از هیچ حد معین
تنها مرد بباش که همراه می رسد

وقت آنست که دل واقفِ اسرار شود — جای آنست که دل طالب دیدار شود
گنجِ مخفی چو ببازارِ ظهور آمده است — عارف آں به که زخلوت سوی بازار شود
هیچ دانی زچه زد خیمه بصحرائے ظهور — تا رخش ز آئینه کون نمودار شود
وه چه دانم که دریں واقعه سرگردانم — چه عجب گر جگرم ریش ودل افگار شود
خلق گر بهر ظهور ند چرا محجوب اند — هیچ دیدی که حجب موجبِ اظهار شود
چوں حجابش منم آخر ز میاں برخیزم — تا همو دیده وبیننده دیدار شود
او در آئینهٔ من چهرهٔ خود می بیند — خود بدیں واسطه مطلوب طلبگار شود
حاصل آنست که ایں مسئله بیجا هیچ ست — دیں سخن مشکل اگر راست بگفتار شود
او چو خود عارفِ خود آمد و ما محروییم — بس نهاں از که بد وهر که بد بیدار شود
قدر جوهر نشناسد مگر آں جوهریے — که صدف بشکند وخود در شهسوار شود
پردهٔ آب وگلِ از روی دل وجاں بردار — تا همه ظلمتِ هستی تو انوار شود
نیست اغیار که آئینهٔ یار ند همه — تو ز آئینه رخش بیں که همو یار شود
هر که در بزم بقا جامِ بقا نوش کند — دست در حبل انا الحق زده بردار شود
عکسِ رخسارهٔ ساقی چو فتد بر رُخِ جام — رو بمیخانه کند زاهد وخمّار شود
هر کرا عقدهٔ زلفِ تو در آرد بکمند — بگسلد رشتهٔ تسبیح وبزنّار شود
اینچه رازست که از پرده بروں می افتد — تا دلِ بیخبراں واقفِ اسرار شود
یعنی آں لطف وعنایت که خداوند مراست — چه عجب باشد اگر بنده گنهگار شود
چوں بپرسیدنِ بیمار خود آئی سحری — تندرستاں همه زیں واقعه بیمار شود
تو بخوابی و سرت یار گرفته بکنار — چشم بختت بود آں روز که بیدار شود

یعنی اشک کی شراب اور جگر کے کباب تیار کر کے لا
آہ و نالہ کے ساتھ جو اسکے دل سے آہ بلند کرا دے

جب یہ تحفہ اسکے حضور میں مینے پیش کیا تو اسنے مجھے آغوش میں لے لیا
اس کہربا کی طرح جو پرکاہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے

اس مقام پر جہاں زاہد ہزاروں ریاضتوں کے بعد پہنچتے ہیں
مست شراب عشق ایک آہ میں پہنچ جاتا ہے

اے **معین** دوست کے بغیر کسی طرف بھی سفر مت کر
اور تنہا مت جا اور انتظار کر کہ وہ تیرے ساتھ پہنچے گا

اب وقت آگیا ہے کہ دل واقفِ اسرار ہو جائے گا
اب موقع آگیا کہ جان طالب دیدار ہو سکتی ہے

ایک مخفی خزانہ اب بازارِ ظہور میں آگیا ہے
اب وہی عار اچھا ہے جو خلوت سے بازار میں نکل آئے

کیا تجھے معلوم ہے کہ اسنے صحرائے ظہور میں خیمہ کیوں لگایا ہے
تا کہ آئینۂ موجودات سے اس کا رخسار نمایاں ہو سکے

ہائے ہائے مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اس قصہ میں سرگرداں ہو جاؤنگا
کیا عجب اگر حادثہ کے میں دل افگار اور جگر ریش ہو جاؤں

اگر مخلوق کی تخلیق ظہور ذات کے لئے ہوئی تو پھر محجوب کیوں ہیں
ہیں کیا کہیں حجابِ اظہار کا ذریعہ بنا ہے؟

جبکہ میں ہی اسکا حجاب ہوں تو میں درمیان سے نکلا جاتا ہوں
تا کہ وہ دیدار کا دیکھنے والا اور خود چشم دیدار بن جائے

وہ میرے ہی آئینہ میں اپنے جمال کا مشاہدہ کر رہا ہے
خود اسی واسطے وہ مطلوب اور طلبگار رہا ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مشغلہ بہت ہی پر پیچ ہے
اور یہ بات مشکل ہی سے احاطۂ گفتار میں آسکتی ہے

وہ جبکہ خود ہی اپنا عارف ہے تو ہم دیدار سے محروم ہیں
جو کوئی اسکے دیدار کا طالب ہے وہ اس سے اتنا ہی نہاں ہے

جوہر کی قدر نہیں جانتا مگر وہ جوہری
جو صدف کو توڑتا ہے اور خود ہی دُرِّ شہوار بنجاتا ہے

آب و گل کا پردہ اسنے دل و جان سے اٹھالیا ہے
تا کہ تیری ہستی کی تمام ظلمت انوار سے بدل جائے

کوئی غیر نہیں ہے بلکہ سب کے سب دوست کا آئینہ ہیں
تو اس کے آئینہ رخسار کو دیکھ تا کہ وہ دوست بنجائے

جو کوئی بزم بقا میں جام بقا پی لیتا ہے
وہ انا الحق کی رسی کو پکڑ کر دار پر چڑھ جاتا ہے

ساقی کے رخسار کا عکس جب رخ جام پر پڑتا ہے
تو پھر زاہد ہی میخانہ کا راستہ لیتا ہے اور مے فروش بنجاتا ہے

جس کسی کو تیری زلف کی گرہ اپنی کمند میں گرفتار کر لیتی ہے
وہ تسبیح کا رشتہ توڑ کر زنار پہن لیتا ہے

ہائے یہ کیا راز ہے جو ظاہر ہوا جا رہا ہے
کہیں ایسا نہ ہو کہ بیخبروں کے دل واقفِ اسرار ہو جائیں

اس لطف و عنایت کے پیش نظر جو پیر خدا کے ساتھ مخصوص ہے
تو پھر کوئی تعجب نہیں اگر بندہ گناہ گار بن جائے

جب مسیحا دم تو اپنے بیمار کی عیادت کو آتا ہے
تو یہ کرم دیکھ کر تمام تندرست بیمار بنجاتے ہیں

تو محوِ خواب ہے اور تیرا سر دولت آغوش میں لئے ہے
تیری خوش بختی کا دن وہ ہوگا جبکہ اس حال میں تو بیدار ہو جائیگا

هر کہ چوں نقطہ نہد یک قدم از خود بیروں　　اندریں دائرہ سرگشتہ چو پرکار شود
اینہمہ بادہ کہ برجاں معینؔ بیہودی
دل سرمستش از آں نیست کہ ہشیار شود

دگر کہ غمزۂ ساقی کرشمۂ فرمود　　کہ ہوش و صبر ز مستانِ بزم عشق ربود
نہ عقل ماند نہ عشق و برفت ظلمت و نور　　بسوخت آتشِ غیرت ہر آنچہ بود نبود
چو آفتابِ محبت بتافت روشن گشت　　کہ در برابر ہر ذرّہ آفتابے بود
چہ صیقلست ندانم شرابِ وحدت خاص　　کہ زنگ غیر بکلے ز جامِ دل بزدود
ز زنگِ غیر چو جامِ دلم مصفیٰ شد　　ز ذرّہ ذرّۂ من نور حق جمال نمود
حدیث خود بزبانم براہلِ مجلس گفت　　بگوشِ مستمعاں راز خود ز خود بشنود
کشاد کار معینےؔ ز قبض و بسط محوے
بیا کہ ساقیٔ وحدت سر سبو بکشود

راہ بکشای کہ دل میل ببالا دارد　　پردہ برگیر کہ جاں عزمِ تماشا دارد
باز دل کز شرفِ قصر ازل کرد نزول　　باز پرواز کناں میلِ ہماں جا دارد
دلم از عینِ عدم رفتہ سوی قافِ قدم　　صعوہ را بیں کہ ہوس صحبتِ عنقا دارد
من اگر خود نرمم او کشدم جانبِ خود　　ہم ازاں سلسلہ عشق کہ با ما دارد
کہ بخود خواند و گاہی ز خودم میراند　　آہ ازیں غمزہ کہ با عاشقِ شیدا دارد
حسنش اندر پسِ صد پردہ چنیں جلوہ گر است　　وای ازاں روز کہ آں چہرہ ہویدا دارد
گرچہ از جای بروں ست و لیکن بخدا　　کہ شب و روز دروں دلِ ما جا دارد
عاقبت چہرۂ دلدار عیاں خواہد دید　　ہر کہ آئینۂ ز زنگار مصفّا دارد
حسن آں ماہ چو خورشید بدیدست معینؔ
محرم آنست کہ او دیدۂ بینا دارد

شرابِ ساقیٔ ما مستی از جای دگر دارد　　کہ از یک قطرہ جمعی را ز عالم بے خبر دارد

جو کوئی نقطہ کی طرح دائرہ سے ایک قدم بھی باہر رکھتا ہے — وہ اس دنیا کے دائرے میں پرکار کی طرح سرگرداں ہوتا ہے

اس قدر شراب جو تو نے **معینؔ** کی جان کو عطا کی ہے
اطمینان رکھ کہ اس کا دل سرمست ایسا نہیں جو ہشیار ہو جائے

دوبارہ ساقی کے غمزوں نے اپنا کرشمہ اس طرح دکھایا ہے — کہ بزمِ عشق کے مستوں کا صبر و ہوش رخصت ہو گیا ہے
نہ عقل باقی ہے اور نہ عشق، نور و ظلمت بھی ختم ہو گئے — آتشِ غیرت نے ہر موجود (و بنود) کو جلا کر رکھ دیا ہے
جب آفتابِ محبت چمکا تو ظاہر روشن ہو گیا — کہ ہر ذرّہ کے مقابل ایک آفتاب موجود تھا
میں کیا بتاؤں کہ حرارتِ خاص کی شراب کیسی صیقل ہے — کہ جس سے غیر کی زنگ دل سے بالکل دُور ہو جاتی ہے
غیر کی زنگ سے میرا دل کس قدر صاف ہوا ہے — کہ میرے وجود کا ایک ایک ذرّہ جمالِ حق کا مظہر بن گیا
میری زبان سے اس نے اپنی گفتگو اہلِ مجلس سے بیان کی — سُننے والے کے کانوں میں اپنا راز خود سے سُنا

اے **معینؔ** کُشادِ کار قبض و بسط سے نہ ڈھونڈھ
آ کہ ساقیٔ وحدت نے سرِ سبو کھول دیا ہے

راستہ دیدے کہ دل بالا روی پر مائل ہے — پردہ اُٹھا دے کہ جاں سیر و نظارہ کا ارادہ کر رہی ہے
پھر وہی دل جس نے قصرِ ازل کی بلندی سے نزول کیا تھا — پرواز کُناں اسی طرف مائل ہے
میرا دل عینِ عدم سے قافِ عدم کی طرف جا رہا ہے — اس ممولے کو تو دیکھو کہ عنقا کی صحبت کا طالب ہے
اگر میں خود اسکی طرف نہیں بڑھتا ہوں تو خود وہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے — اسی سلسلۂ عشق کے ذریعہ جو ہمارے ساتھ قایم ہے
کبھی وہ اپنے پاس بلاتا ہے اور کبھی اپنے پاس سے اُٹھا دیتا ہے — آہ اس غمزے کو کیا کہوں جو وہ اپنے عاشق شیدا کے ساتھ روا رکھتا ہے
اس کا حُسن سَو پردوں کے پیچھے بھی اسی طرح جلوہ گر ہے — آہ! اس دن کا عالم جبکہ وہ بے پردہ نمودار ہوگا
اگرچہ وہ قیدِ مکاں سے بری ہے لیکن خدا کی قسم — ہمارے دل و جان میں وہ شب و روز مقیم رہتا ہے
آخرکار اس دلدار کا چہرہ نمایاں ہو کر رہے گا — لیکن اس آئینہ پر جو زنگار سے پاک و صاف ہے

اس ماہ جیسے خورشید (محبوب) کا حسن اے **معینؔ** نمودار ہے
ہاں صرف وہی اس کا محرم ہے جو دیدۂ بینا رکھتا ہے

ہمارے ساقی کی شراب کو مستی کہیں اور ہی سے ملی ہے — کہ ایک قطرہ پلا کر وہ ایک مجمع کو عالم سے بیخبر بنا دیتا ہے

نه از جام است این مستی نه از خم و نه از باده　　　دلی چاشنی گیری بران لبها گذر دارد
ببرد عقل و دین از سر نه دل ماند نه جان دارد　　　اگر آن ساقیِ دلبر نقاب از روی بردارد
بغیر عکس انوارِ جمالِ خود چه می بیند　　　نگارِ من که در آئینهٔ جانم نظر دارد
نمیگوید که درویشم بیا یک لحظه در پیشم　　　نگاری کز پیِ خویشم چو حلقه در بدر دارد
کند بندم جدا از بند و دیگر هم نه بنوازد　　　دلم گر نالهٔ دارد چو نی زین ره گذر دارد
چو طور از پرتو نورش دلم از مهر سر گردان　　　چه غمِ خورشید را گر ذرّه را زیر و زبر دارد
میندازا ز نظرِ زاهد مرا کین مفلسِ مسکین　　　گناهِ بیحد و طاعت بغایت مختصر دارد
چه میدانی تو ای غافل که شاید عاشقِ بیدل　　　مرادِ خویشتن حاصل بیک آهِ سحر دارد
سوِ جنت همی خواند مرا واعظ چه پندارد　　　که عاشق میل جز معشوق خود جای دگر دارد
کجا از مقعدِ صدقش بجنّت سر فرود آید　　　کسے کاندر مقرِ عزِ جانان مستقر دارد

معینی سرّ وحدت را نیارد بر زبان راندن
مگر سرّش قلم گوید که در عالم دو سر دارد

صدف چون بهر یکقطره بروی بحر می آید　　　چرا لب تشنه چندین گه بقعر بحر می آید
صدف غرقست در دریا و دریا خود ازان لبِ او　　　چو یابد قطرهٔ دیگر دهان خویش بکشاید
صدف را تاب دریا نیست با قطره ازان سازد　　　چه سان اندر کشد بحری کسی کش قطرهٔ یابد
صدف لب تشنه در دریا لبالب بحر میجوید　　　به قطره میل ازان دارد که بوی بحر می آید
صدف از قطرهٔ باران عطش را میدهد تسکین　　　چرا کین آب دریای حرارت را بیفزاید
چو قطره هر که بیرون شد ز دریاے وجود آخر　　　بسوی بحر خواهد شد اگر سر بر فلک ساید
بخار از بحر انگیزد شود ابر و فرو ریزد　　　چو با دریا در آمیزد دگر دریا شود شاید
بحقِ او که در کسوت جمالش به توان دیدن　　　بشرط آنکه زنگار از رخِ آئینه بردارد

جمالِ دوست بیکسوت معینے کے توان دیدن
همان بهتر که در کسوت جمالِ خویش بنماید

گر بپر دبای آب و گل از جان و دل یکسو شود　　　از کسوتِ هر ذرهٔ مهر دگر بیرون شود

یہ مستی نہ خم سے ملی ہے نہ جام سے اور نہ بادہ سے
یہ چاشنی تو مجھے اُن لبوں پر اختیار حاصل ہونیسے ملی ہے

عقل و دیں سر سے رخصت ہو جائے، جان و دل پہلو میں رہے
اگر وہ ساقیِ دلبر اپنے رُخ سے نقاب اُلٹ دے

اپنے جمال کے انوار کے عکس کے بغیر کیا دیکھ رہا ہے
میرے آئینہ جان میں میرا محبوب جو نظریں گاڑے ہوئے ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ میں درویش ہوں، ایک لحظ کیلئے
میرے پاس آجا اے محبوب کہ تونے مجھے زنجیر کی طرح دربدر پھرایا ہے

میرا بند بند جدا کر دیا ہے لیکن پھر بھی نوازش نہیں کرتا
میرا دل اگر نالے کرتا ہے تو نَے کی طرح اس مصور سے کرتا ہے

جس طرح طور اسکے نور سے جل گیا اسی طرح میرا دل محبت سے گرم داغ ہے
لیکن اگر کوئی ذرہ زیر وزبر ہو جائے تو خورشید کو اس کی کیا پرواہ

اے زاہد مجھے اپنی نظر سے نہ گرا کہ اس مفلس و مسکیں نے
گناہ بیحد کئے ہیں اور بندگی بہت ہی مختصر کی ہے

اے غافل تجھے کیا معلوم، شاید بیدل عاشق
اپنی مراد ایک آہِ سحر گاہی سے حاصل کر لیتا ہو

واعظ کیا سمجھتا ہے! میری تو سو جنتیں طلب گار ہیں
کہ عاشق سوائے معشوق کے اور کس چیز کا خواہاں ہے ؟

محبت کی اس آرام گاہ کو چھوڑ کر جنت میں کہاں جائے
جس کو دوست کی محفل میں مستقر حاصل ہو گیا ہے

معینؔ سرِّ وحدت کو زبان سے نہیں نکال سکتا ہے
کہ اس کا راز قلم بیان کرتا ہے تو زمانہ میں اسکے دوسر ہو جاتے ہیں

صدف محض ایک قطرے کیلئے سطحِ بحر پر آجاتی ہے
پھر وہ تشنہ لب اتنی مدت تک سمندر کی تہ میں کیوں رہتی ہے

کہ جب دوسرا قطرہ ملتا ہے تو وہ اپنے دہن کو کھول دیتی ہے
صدف غرقِ دریا ہے اور دریا خود اس سے بہتر ہے

صدف کو دریا کی تاب نہیں ہے اسلئے وہ محض قطرے پر اکتفا کرتی ہے
وہ جسکو قطرہ درکار ہے کس طرح دریا کو اپنے اندر جذب کر لے

پیاسی صدف لبالب دریا میں بھی بحر کی جویا ہے
قطرے سے اسکی رغبت اسلئے ہے کہ اس سے بوئے بحر آتی ہے

صدف اپنی پیاس کو ایک قطرہ باراں سے بجھا لیتی ہے
پھر آب دریا اس کی حرارت کو کیوں بڑھا دیتا ہے

قطرے کی طرح جو دریائے وجود سے باہر نکل آتا ہے
وہ آخر کار بحر سے مل جاتا ہے خواہ وہ آسمان کی طرح بلند ہو

سمندر سے بخار اٹھتا ہے اور ابر بنکر برس جاتا ہے
پھر دریا میں مل کر اگر وہ دریا بن جائے تو روا ہے

اس کے حق کی قسم کہ اسکا جمال کسی لباس میں بہتر دیکھا جا سکتا ہے
لیکن شرط یہ ہے کہ دل کے آئینہ سے زنگار دور کر دیا جائے

اے معینؔ جمال دوست بغیر لباس اجسام کے کس طرح دیکھ سکتے ہیں
پس یہی بہتر ہے کہ وہ کسی وجود میں اپنا جمال ہم کو دکھائے

اگر آب و گل کا پردہ جان و دل سے اُٹھ جائے
تو ہر ذرہ کے وجود سے ایک نیا آفتاب نمودار ہو جائے

هر کس که اندر سیرِ او حق بود قصدِ خیر او — یا بد وصالِ غیر او از زخمِ هجران خون شود
هر طالبی کانجا ز جان با عاشقان شد هم عنان — آنجا بر دگوی از میان بر ملکِ افریدون شود
سیرِ براق عاشقان در هم تو رد آسمان — بر هم زند کون و مکان تا حضرتِ بیچون شود
امروز من بر بوی او سرگشته ام در کوی او — فردا که بینم روی او دانی که حالم چون شود
بوی زخم وحدتش ما را ز ما بیگانه کرد — یارب که ماند آشنا روزیکه می افزون شود
هر کس خورد رطل گران لابد شود سرش عیان — اسرارِ وحدت آنزمان در سینه کی مکنون شود
من مست آں پیمانه ام وز بوی او دیوانه ام — لیلی اگر هم خانه ام گردد چو من مجنون شود
او ساقی و مستش منم پیمانه در دستش منم — در وی نگاهی میکنم تا کی رخش گلگون شود
چون می رخش گلگون کند دل ناله را افزون کند — او را چو خود مجنون کند تا حال دیگرگون شود
معشوقِ ما عاشق شود عاشق بمعشوقی رسد — او چون سوِ عاشق رود هنگامِ ناز اکنون شود

مسکیں معینے تاکنوں در شامِ غم مانده زبوں
اے ماه اگر آئے بروں استاره اش میموں شود

روزیکه یار جامِ صفا پر زمی کند — عاشق در آں وفا ز جفا یاد کی کند
ساقی اگر هزار شراب افگند بجام — عاشق همی مشاهدهٔ حسن وی کند
حُسنی اگر هزار شراب افگند بجام — گر خاک مُرده است که فی الحال حی کند
اسرارِ عشق در دمد اندر نے دلم — خود نغمها سراید و نسبت به نی کند
هر بیخودی که مست خدا میکند رواست — کان عربده نه مست کند بلکه می کند
در وادیِ طلب چو نهد پیک عقل پائے — دستِ قضا به تیغِ فنا پاش پے کند

گر صد هزار نامه نویسد معین بجهد
مشکل اگر ز عشق اگر ز عشق تو یک حرف طے کند

هر کسی را در ازل رزقی مقدر کرده اند — در برائے هر یکے کارے مقرر کرده اند
عشق را آمیزشے دادند با جان و دلم — پیش ازاں کاب و گل آدم مخمر کرده اند
عاشقاں را زیں پری رویاں بزنجیر بلا — ایں چنیں دیوانه زلفِ معنبر کرده اند

جو کوئی اسکی معرفت کی راہ میں اسکے غیر کا قصد کرتا ہے
اگر اسکے غیر کا وصال پاتا ہے تو زخم ہجراں کے خون ہوجاتا ہے
جو طالب بھی اسکے عاشقوں کے ساتھ جان لگا کر ہمعناں ہوتا ہے
تو پھر وہ بادشاہ فریدوں سے اسی مرتبہ میں بڑھ جاتا ہے
عاشقوں کے براق کی سیر جب آسمانوں کو طے کرتی ہے
تو کون و مکاں کو درہم و برہم کر کے حضرت
آج میں اسکی آرزو میں اسکی گلی میں سرگشتہ پھر رہا ہوں
کل جب اس کا دیدار ہوگا اسوقت تجھے حاکم ہونا معلوم ہوگا
خم وحدت کی بو نے ہم کو ہم سے بیگانہ بنا دیا ہے
جس روز شراب زیادہ ہوگئی تو پھر کوئی آشنا باقی رہیگا
جو کوئی محبت کی شراب کا ایک جام پی لیتا ہے اس کا راز عیاں
ہو جاتا ہے، اسوقت وحدت کے راز سینے میں نہاں نہیں رہ سکتے
میں اس پیمانہ سے مست ہوں اور اسکی خوشبو سے دیوانہ ہوں
لیلیٰ بھی اگر میری ہمخانہ بنجائے تو میری طرح مجنوں بنجائے
وہ ساقی ہے اور میں مست ہوں اسکے ہاتھ میں کیطرح
میں اس کو تک رہا ہوں کہ کب اسکے رخسار گلگوں ہوتے ہیں
جب شراب اسکے رخسار کو گلگوں بناتی ہے دیکھنے والے جو جھتے ہیں
حالت اس طرح دگرگوں ہوتی ہے کہ وہ خود مجنوں بنجاتا ہے

مسکین معینؔ آج تک شام غم میں درماندہ و عاجز ہے
اے چاند اگر تو نکل آئے تو اس کی قسمت جاگ اُٹھے

جس دن وہ دوست جامِ صفا کو شراب سے بھرے گا
تو پھر عاشق اس وفا کے سامنے جفا کو کب یاد کرے گا
ساقی ہزار شرابیں اگر جام میں بھر دے
تب کہیں عاشق ایک لحظ کے لئے اسکے حسن کا شاہد کرسکتا ہے

وہ خود عشق کے اسرار میرے دل کی نے میں بھر رہا ہے
خود نغمے چھیڑتا ہے اور نسبت انکی نے سے کرتا ہے
خدا کا مست جو بد مستی بھی کرے وہ روا ہے
کہ وہ خود یہ جوش و خروش نہیں کرتا بلکہ نے کر رہی ہے
وادیِ طلب میں جب عقل کا قاصد پاؤں رکھتا ہے
تو قضا کا ہاتھ تیغ فنا سے اسکے پاؤں کاٹ دیتا ہے

اگر معینؔ کوشش کر کے سونا بھی لکھے
جب بھی مشکل ہی سے کتاب عشق کا وہ ایک حرف طے کرسکے گا

ہر کسی کی ازل میں روزی مقرر کر دی ہے
اور ہر ایک کے لئے کچھ نہ کچھ کام مقرر کر دیا ہے
عشق کو دل و جاں کے ساتھ ایک تعلق عطا کر دیا تھا
قبل اس کے کہ حضرت آدم کا خمیر تیار کیا ہے
ان پری رو حسینوں کے عاشقوں کو بلا کی
زنجیر سے باندھنے کیلئے زلف عنبر کا دیوانہ بنا دیا ہے

ای بسا دلہا دروں سینہ کاندر بزمِ عشق
ز آتش سوزِ فراقش عود و مجمر کردہ اند

ای بسا مردانِ رہ کاندر طریقِ جستجو
چوں عجوزاں چادر ادبار بر سر کردہ اند

رَبِّ اَرِنی ہمیں سر بر زد از موسیٰ و بس
کیں زماں ہم طالباں از غیب سر بر کردہ اند

لِلّٰہ اے واعظ بجای جنّتم دعوت مکن
کیں گدا را وعدۂ انعام دیگر کردہ اند

ساقی باقی دہد در بزمِ جاں جامِ طہور
ہر دلے را کز غبارِ تن مطہر کردہ اند

نے بکام دل ہمی گنجد نہ اندر جام جاں
بادۂ کز بہر سر مستاں بساغر کردہ اند

پرتوِ نورِ شہود افتاد در قصرِ وجود
کز شعاعش حجرۂ دل را منور کردہ اند

یا ربا یعنی جاں با صورتِ جانانہ است
انچہ از وی خانۂ دل را مصور کردہ اند

عکسِ نورِ ذات بر مرآت جاں شد منعکس
زیں مرایائیکہ با حسنش برابر کردہ اند

سر بسر ذرّات عالم مظہرِ انوارِ اوست
جملہ را آئینہ دارِ حسن دلبر کردہ اند

جاں ز ہجرش عاقبت بیروں پرد زیں دامِ تن
گرچہ مرغ روح را بی بال و بی پر کردہ اند

جاں کہ باشد تا کند عزم زمیں بوسی ولیک
ذرہ را سرگشتۂ خورشید انور کردہ اند

گرچہ شاہاں را بتخت و تاج زینت میدہند
جلوۂ مسکین معیںؔ بر تاج و منبر کردہ اند

نفحۂ عشق گر آں سوے جہاں می آید
بمشامِ دلم از عالمِ جاں می آید

تازہ شوا یدل پژمردہ کہ چوں آبحیات
بحرِ جودیست کہ سوی تو رواں می آید

خیز ای عقل تو از چار سوِ پنج حواس
کہ نگارِ من ازاں راہ نہاں می آید

ہمچو خورشید نما روی کہ ذرّات جہاں
از زمیں تا بفلکِ چرخ زناں می آید

دل کہ با یار نشیند بَرَت ایجاں چہ کند
بسکہ از صحبتِ اغیار بجاں می آید

اینہمہ گل کہ بگلزار جمالت بشگفت
بلبل دل چہ عجب گر بفغاں می آید

آتشی ہست نہاں در جگر سوختگاں
آہ کاں آتشِ پنہاں بعیاں می آید

ز آتش غم کہ بکانون دل افروختہ اند
یک زبانہ است کہ گاہی بزباں می آید

گرچہ ہر موی زبانے شود از سرّ نہاں
بخدا اگر سر موے بہ بیاں می آید

رقم عشق کشیدہ ست بطغرا اے وجود
گرچہ اندر عدم آباد جہاں می آید

اس بزمِ عشق میں سینے کے اندر بہت سے دل
اسکے فراق کی آگ میں عود کی طرح جلائے گئے ہیں

بہت سے مردانِ راہ اس راہِ طلب میں
بوڑھی عورتوں کی طرح بد نصیبی کی چادر اوڑھ چکے ہیں

ابھی موسیٰ نے طور پر رَبِّ اَرِنی نہیں کہا تھا کہ
اسکے بہت سے طالبانِ دید نے غیب سے سر نکالا تھا۔

اے واعظ خدا کے لئے مجھے جنت کی دعوت مت دے
کہ اس گدا سے تو ایک دوسرے ہی انعام کا وعدہ ہے

عالمِ باقی کا ساقی بزمِ جاں میں جامِ طہور پلا رہا ہے
ہر اس دل کو جس کو جسم کے غبار سے پاک کر دیا گیا ہے

نہ دل میں ساقی ہے اور نہ جان کے جام میں
وہ شراب جو ہم مستوں کیلئے ساغر میں ڈالی گئی ہے

نورِ شہود کا ایک ایسا پرتو اس قصرِ وجود میں جلوہ فگن ہے
جسکے ایک شعاع سے حجرۂ دل کو منور کر دیا گیا ہے

الٰہی جان کی یہ حقیقت جاناں کی صورت کے ساتھ مشابہ ہے
جس سے ہمارے خانۂ دل کو مصوّر کیا گیا ہے

نورِ ذات کا عکس جان کے آئینہ پر منعکس ہوا
ان تمام آئینوں میں جو اسکے جمال کے مقابل میں رکھے گئے ہیں

عالم کے تمام ذرّات سر بسر اسکے انوار کے مظہر ہیں
ان سب کو حُسنِ محبوب کا آئینہ دار بنایا گیا ہے

جان آخر کار اسکی محبت میں جسم کے جال سے نکلکر اُڑ جائیگی
ہر چند کہ اس قید میں مرغِ روح کو بے بال و پر کر دیا گیا ہے

جان کی کیا حقیقت کہ اسکی زمیں بوسی کا قصد کرے لیکن
بس ایک ذرّہ کو خورشیدِ انور کیلئے سرگشتہ کر دیا گیا ہے

اگرچہ بادشاہوں کو تخت و تاج کی زینت بخشی گئی ہے
لیکن غریب معین کو صرف عمامہ اور منبر بخشا گیا ہے

عشق کی خوشبو اگر اس جہان کی طرف سے بھی آئے
پھر بھی میری جان کے دماغ میں وہ عالمِ جاں سے آتی ہے

اے دلِ پژمردہ تازہ ہو جا کہ آبِ حیات جب
بحرِ جود بنکر تیری طرف آ رہا ہے

اے عقل تو چہار سمت اور پنج حواس کو ترک کر دے
کہ میرا محبوب تجھے ایک پوشیدہ راستہ سے آ رہا ہے

خورشید جیسا چہرہ دکھلا کہ دنیا کے ذرّات
زمین سے آسمان تک چرخ زن (گردش) ہو جائیں

وہ دل جو دوست کا ہمنشیں ہے اے جان تیرے پاس کیا بیٹھے
وہ غیروں کی صحبت سے بہت عاجز آ چکا ہے

یہ تمام پھول جو تیرے گلزارِ جمال میں کھلے ہیں
کچھ تعجب نہیں کہ ان کو دیکھکر بلبلِ دل فریاد کرنے لگے

ہم جگر سوختہ کے دلوں میں ایک آگ چھپی ہے
آہ اگر وہ آگ عیاں ہو جائے تو کیا یہ کچھ نہ ہو جائے

غم کی وہ آگ جو دل کی بھٹی میں روشن کی گئی ہے
اس کا ایک شعلہ کبھی کبھی زبان سے نمایاں ہو جاتا ہے

سرِ نہاں کو بیان کرنے کے لئے اگر ہر مو زباں بنجائے
جب بھی خدا کی قسم ایک سرِ مو بھی بیان نہ ہو سکے۔

عشق کی تحریر نے وجود کے ظرفوں میں ظاہر کر دیا ہے
عدم آباد جہان میں جو کچھ موجود تھا

ہیچ کس نقطہ صفت خارج ازیں دائرہ نیست ||| گرچہ بیروں رود آخر بمیاں می آید
ہرچہ از مکمن غیب آمدہ تا عالم خلق ||| ہمچنا نش کہ فرستادہ چناں می آید
ز اعتبارات تفاوت نکند اصل مراد ||| گر یکے کعبہ و آں دیرِ مغاں می آید
اینچہ سازست کہ در پردۂ عشاق زدند ||| کز سماعش دل و جاں رقص کناں می آید
حیف کیں بے بصراں تا بہ ابد بیخبر اند ||| زانچہ در دیدۂ صاحب نظراں می آید
دم گرمم بنگر و ز سر تحقیق بداں ||| کاتشی ہست کہ دودا ز سر آں می آید

آتشِ عشق تو در جاں معینؔ افتادہ ست
دز دمش بوے دل سوختگاں می آید

چناں از روزنِ دل نور آں دلدار می تابد ||| کہ خورشیدِ جمالش از در و دیوار می تابد
ازاں از ظلمتِ تن میرہد جانم کہ ہر ساعت ||| مرا از مطلعِ دل لمعۂ انوار می تابد
اگر از خوابِ غفلت سر بر آری آزماں بینی ||| کہ خورشید تجلی بر دل بیدار می تابد
چو حسنِ دوست ظاہر شد دل از کونین فارغ شد ||| چو جاں محو موثر شد رخ از آثار می آبد
مسلمانی مرا عشق ست اگر منکر شدہ بنگر ||| چگونہ نورِ تصدیقم ازیں اقرار می تابد
جمالِ یار میخواہی بذرات جہاں بنگر ||| کہ ہر ذرہ است مرآتی کز و دیدار می تابد
مگر تاب آورد سر پنجۂ شیرِ تجلی را ||| ولی کز عشق دست عقل دعوی دار می تابد
بنارِ عشق صوفی خرقہ را بسوز دبہ ||| کہ از ہر موی او صد رشتۂ زنار می تابد
ز استغناش زخم لن ترانی میخورد موسیٰ ||| پس انوارِ تجلے بر کہ و کہسار می تابد
ز حسنِ دلربائی ہرچہ می باید ہمہ دارد ||| و لیکن عاشقاں خویش را بسیار می آبد
کجا گردد میسر فی الحقیقت ہوشیاراں را ||| ہر انچہ از سر مستی بر دل خمار می تابد
دلا اسرار مرداں را مشو منکر کہ می ترسم ||| شوی محروم ازاں سر کیہ بر اسرار می تابد
مکن باژندہ پوشاں سر بزرگی کاہل دانش را ||| بزرگی از ورا می جبہ و دستار می تابد

سخن بشنو معینےؔ غم مخور از آتشِ دوزخ
کہ موسیٰ را جمالِ یار اندر نار می تابد

کوئی شخص بھی نقطے کی طرح اس دائرے سے خارج نہیں ہے — ہر چند کہ باہر نکلتا ہے لیکن پھر درمیان میں آجاتا ہے
جو کچھ غیب کے پردے سے عالمِ وجود میں آیا ہے — وہ اس طرح آیا ہے جس طرح بھیجنے والے نے بھیجا ہے
اعتبارات سے اصل مراد میں کچھ فرق پیدا نہیں ہوتا — اگر ایک کعبہ سے اور دوسرا
پردہ عشاق میں یہ کونسا راگ چھیڑا ہے — جس کو سُن کر دل و جاں دونوں رقص کر رہے ہیں
افسوس کہ یہ بے بَصَر بے خبر رہیں گے — اس چیز سے جو نگاہ والوں کو نظر آ رہی ہے
مرے دم گرم کو دیکھ کر اور یقین کے ساتھ جان لے — کہ ایک آگ ہے جس کا یہ دھواں نکل رہا ہے

تیرے عشق کی آگ معینؔ کی جان میں لگا دی گئی ہے
جب ہی تو اس کی سانس سے سوختہ دل کی بو آ رہی ہے

روزنِ دل سے اس دلدار کا نور اس طرح فروزاں ہے — کہ اسکے خورشید جمال سے در و دیوار روشن ہو گئے ہیں
ظلمتِ تن سے میری جان یوں بچی ہے کہ ہر لحظہ — میرے لئے مطلعِ دل سے انوار کی کرنیں چمک رہی ہیں
اگر تو خوابِ غفلت سے سر اُٹھائے تو اسوقت تجھے نظر آئے — کہ خورشید تجلی دلِ بیدار پر چمک رہا ہے۔
جب حسن دوست نمودار ہوا تو دل دونوں عالم سے فارغ ہو گیا — جب جان مؤثر میں محو ہو گئی تو رُخ سے آثار نمودار ہو گئے
عشق میرے لئے مسلمان ہے اگر تو منکر زمیں ہے تو دیکھ — کہ کس طرح تصدیق کا نور اس اقرار سے نمایاں ہے
اگر جمالِ یار کا مشاہدہ چاہتا ہے تو ذرّاتِ جہاں کو دیکھ — کہ ہر ذرّہ ایک آئینہ ہے جس سے دیدار ظاہر ہو رہا ہے
بہت ممکن ہے کہ بشر تجلّی کے سر پنجہ کو جوڑ دے — وہ دلی جو دعوئ دار عقل کا ہاتھ عشق کی بدولت موڑ دیتا ہے
نارِ عشق سے وہ صوفی خرقہ پشمینہ کو جلا ڈالے — جس کے ہر بنِ مو سے زنّار کے رشتے ظاہر ہیں
اسکے استغنا کے باعث حضرت موسیٰ نے لَن ترانی کا زخم کھایا ہے — اسکے بعد اسکے تجلی کے انوار کوہ و کہسار پر نمایاں ہو گئے
حُسنِ دلربائی کی ہر خصوصیت اسکے حُسن میں موجود ہے — صرف اسکے کہ وہ اپنے عاشقوں کو بہت ستاتا ہے
ہوشمندوں کو حقیقتاً کہاں میّسر ہو سکتا ہے — مستی کے جو راز مے فروش کے دل پر منکشف ہوئے ہیں
اے دل جوانمردوں کے اسرار کا انکار مت کر مجھے ڈر ہے — کہ اس طرح تو اس حقیقت سے محروم ہو جائیگا جو اسرارِ محبت میں پنہاں ہے
ان گدڑی پوشوں کی بزرگی کا انکار مت کر کہ اہلِ دانش کی بزرگی — اس جبّہ و دستار سے بالکل الگ تھلگ ہے

اے معینؔ میری بات سُن آتشِ دوزخ کا غم مت کر
کہ موسیٰ کو جمالِ یار اسی آگ میں نظر آیا تھا

من چه گویم که مرا ناطقه مدهوش آمد — بهر دلم ضابطِ عقل فراموش آمد
سیل را نعره از انست که از بحر جداست — وانکه با بحر در آمیخته خاموش آمد
نکتها دوش دلم گفت وشنید از لب یار — که نه هرگز بزبان رفت و نه در گوش آمد
شاهدِ غیب کشاده است نقاب از رخ خویش — تو نه محرم ازاں بهر تو روپوش آمد
زاهدا زکوی مغاں پای کشیدی امشب — بقدم رفت دراں کوچه و بر دوش آمد
شبِ هجر تو که جاں از بدنم کرد وداع — روزِ وصلِ تو دگر باره در آغوش آمد
سخنِ تلخ که چوں مَی بلبت می گذرد — بر حریفاں همه زهر است ومرا نوش آمد
چه گهرهاست کزیں سینه بروں میریزد — بحر اسرار الٰهی ست که در جوش آمد

هرکرا هوش و قرار است مُنَیشِّ وساقی
که معیّنی ز ازل بیخود و مدهوش آمد

عاشقاں گرچه بصد پرده نهاں آمده اند — با تو در مرتبهٔ کشف وعیاں آمده اند
از ورای تتق غیب نمودی رخ خویش — کیں اسیراں بجمالت نگراں آمده اند
مطرب عشق تو چوں پردهٔ عشاق نواخت — عاشقاں نعره زناں جامه دراں آمده اند
عاشقاں مست جمالش نه که امروز شدند — همچنانش که فرستاده چناں آمده اند
می پرستاں پیِ آں جرعه که بر خاک فگند — مست در کوی خرابات ازاں آمده اند
عکس خورشید رخش تافت چو بر عرصهٔ خاک — اندریں دیر فنا از پیِ آں آمده اند
باز ایں روز که کن فیکون ذره صفت — سوی خورشید رخش چرخ زناں آمده اند
وه چه جای تنِ خاکی که دراں بزم وصال — عاشقاں از دل و جاں نیز بجاں آمده اند

عشق از لامکاں نزول کند — در دل عاشقاں نزول کند
رفت در روے بده که شاه جهاں — اندریں خاکداں نزول کند
جاں شود جمله قالبِ خاکی — جانِ جاں چوں بجاں نزول کند
گنج را چوں خرابه می یابد — در دلت عشق ازاں نزول کند
تو بروں رو زرکه تا شهِ عشق — اندریں خان ومان نزول کند

میں کیا بتاؤں کہ میری قوتِ ناطقہ مدہوش ہے
اور میرے دل نے ضابطۂ عقل کو فراموش کردیا ہے

سیل رَہ اس لئے نعرہ زن ہے کہ بحر سے جُدا ہے
جب بحر میں غرق تھا اس وقت خاموش تھا

کل میرے دل نے ایسے نکتے یار سے سُن کر بیان کئے
جو آج تک نہ کسی کان نے سُنے اور زبان نے کہے تھے

شاہدِ غیب نے اپنے رُخ سے نقاب اُلٹ دی ہے
تو چونکہ اس کا محرم نہیں ہے اس لئے وہ روپوش ہے

زاہد نے آج رات کوئے مغاں سے اپنے قدم روک لئے ہیں
پیروں سے چل کر گیا اور کندھوں پر اس کو اٹھا کر لایا گیا

تیری جُدائی کی رات میری جان نے جسم کو وداع کردیا تھا
تیرے وصل کے دِن دوبارہ وہ آغوش میں آگئی

جب کڑوی باتیں شراب کی طرح تیرے لبوں سے گذرتی ہیں
وہ دشمنوں کے لئے تمام زہر ہیں لیکن میرے لئے شہد ہیں

وہ کیسے گہر ہیں جو میرے سینے سے باہر آرہے ہیں
سبب یہ ہے کہ بحرِ الٰہی جوش میں آگیا ہے

جس کسی میں ہوش و قرار ہے اسکو ساقی شراب پلائے
یہ معینؔ تو ازل ہی سے بیخود و مدہوش ہے

عشاق اگرچہ سینکڑوں پردوں میں چھپے بیٹھے ہیں
لیکن تیرے ساتھ وہ کشف و عیاں کے مرتبہ میں موجود ہیں

پردۂ غیب سے اُس طرف تونے اپنا دیدار دکھایا
یہ گرفتارانِ محبت تیرے دیدار کے منتظر کھڑے ہیں

تیرے عشق کے مطرب نے جب پردۂ عشاق کو چھیڑا
تو عاشقوں نے نعرہ زن ہو کر اپنا لباس تار تار کر ڈالا

عشاق اسکے جمال میں کوئی آج سے مست نہیں ہیں
جبکہ وہ اسی طرح مست و بیخود بنا کر بھیجے گئے ہیں

مے پرست اسی گھونٹ کے لئے جو خاک پر پھینکا ہے
مست ہو کر کوئے خرابات میں آ بیٹھے ہیں

چونکہ اس خاک پر اس کے رخسار کا عکس پڑ رہا ہے
اسوجہ سے عشاق اس فانی دنیا میں آگئے ہیں

پھر اس دُنیا کے روزن سے ذرہ کی طرح
اس کے خورشید رُخسار کی جانب ہم چرخ زن ہیں

اس تنِ خاکی کی کیا حیثیت ہے کہ اس بزمِ وصال میں
عشاق بڑی خوشی کے ساتھ جاں قرباں کررہے ہیں

عشق لامکاں سے نزول کرتا ہے
اور پھر عاشقوں کے دل میں مقیم ہو جاتا ہے

خوب آرائش اور صفائی کرکے شاہ جہاں
اس خاکدان (جسم) میں نازل ہو رہا ہے

تمام خاکی اجسام جان بنجاتے ہیں
جب وہ جانِ جاناں جان میں نزول کرتا ہے

خزانے کو ویرانے کی تلاش ہوتی ہے
تیرے دل میں عشق نے اسی لئے نزول کیا ہے

هیچ کس را ممّا غیر درین منزل — تا کسے بے کسان نزول کند
چون دل از غیرِ دوست خالی شد — لطفِ حق آن زمان نزول کند
پادشاهی ست در دلِ تنگم — ق — که اگر در جهان نزول کند
هر دو عالم شود چو گرد و غبار — جملهٔ لامکان نزول کند
چیست دل شاهبازِ عالم قدس — که درین آشیان نزول کند

چون معین خاک آستانهٔ اوست
هم در آن آستان نزول کند

ردیف "ر"

راه باریک ست شب تاریک و منزل دُور دُور — مید مد صبح قیامت خیز ازین خوابِ غرور
همچو عیسیٰ خرم مستورگانِ غرب شو — چون خران تا چند می باشی بپا گاهِ ستور
بلبلِ جانت ز گلزارِ وصال آمد ولیک — در قفس با خارِ هجران گشته قانع از ضرور
جان و دل اندر لباس آب و گل گشته پدید — حسنِ معشوق از جمال عاشقان کرده ظهور
در حریم حرمتش ما و منی را بار نیست — ما و من غیرند و خلوت خاص و سلطان بس غیور
کی کشاید دستِ غیرت در بروی هر کسی — تا نگیرد از خود و خلقِ جهان یکسر نفور
دُرِّ وحدت تا ز قعرِ بحرِ عشق آید بکف — اول از دریای هستی بایدت کردن عبور
عود دل در مجمرِ سینه بنارِ غم بسوز — بزم قدسی را معطر ساز از عطرِ بخور
چون نسیم عشق بکشاید نقاب از روی دوست — عاشقان را میل کے ماند سوی حور و قصور
من از آن جامی که در روزِ ازل نوشیده ام — همچنان سرمستِ خواهم بود تا روزِ نشور
جرعهٔ زین بادهٔ جان بخش اگر ریزی بخاک — های و هوی عشق بر خیزد ز اموات قبور
روزِ اول خود دمیدی جان بتن بی واسطہ — روزِ آخر هم تو خود دم جانِ من بی نفخ صور
ظلمتِ کثرت بجنبِ نورِ وحدت گشت محو — سایهٔ امکان برفت از پرتو الله نور
نعرهٔ منصور بر میخیزد از ذراتِ من — اینچه باده است اینکه می اندازدم در شر و شور
خم وحدت صد هزاران رنگ را یکرنگ ساخت — غیبِ حاضر گشت و حاضر گشت غائب در حضور

سنی غیر کو اس منزل میں مت ٹھیرا
تاکہ بیکسوں کا ولی وارث اسمیں قیام کرسکے

جب تیرا دل کسی اور دوست کے سوا غیر سے خالی ہوگا
حق کا لطف اس وقت اس میں نزول کریگا

مرے دلِ تنگ میں ایک ایسا بادشاہ موجود ہے
کہ اگر وہ اس دنیا میں نزول فرمائے

تو دونوں عالم گرد و غبار بنکر محو ہوجائیں ق
اور یہ دونوں لامکاں بنجائیں

دل کیا ہے، عالم قدس کا شاہباز بھی
ایسا آشیانہ میں نزول نہیں کرسکتا

جبکہ معینؔ اس کے آستانہ کی خاک ہے
اس لئے وہ اسی آستانہ پر نزول کرے گا

ردیف "ر"

رات اندھیری ہے اور راستہ تنگ ہے اور منزل بہت دور ہے
صبح قیامت طلوع ہونیوالی ہے اب اس خوابِ غرور سے اُٹھ جا

عیسیٰ کی طرح مغرب میں چھپنے والوں کے ساتھ خوش و خرم
تو گردشوں کی طرح لب تک چوپایوں کے تھان پر ٹھہرا رہیگا

تیری بلبلِ جان گلزارِ وصال سے آئی ہے لیکن
ضرور تاؤ وہ قفس میں ہجر کے کانٹوں پر قانع ہوگئی ہے

جان و دل آپ گل کے لباس میں ظاہر ہوگئے گویا
معشوق کا حُسن عاشقوں کے جمال ہی سے پیدا ہوا ہے

اسکے حریمِ عزت میں ما و منی کی گنجائش نہیں ہے
ما و من تو غیرِ محفل ہیں خلوتِ خاص ہے اور سلطان غیور ہے

وہ دستِ عزت ہر کسی کے سامنے نہیں پھیلاتا
اور وہ خود سے اور مخلوق سے یکبارگی نفرت نہیں کرتا

وحدت کا موتی عشق کے سمندر کی گہرائیوں سے اگر ہاتھ میں لینا ہے
تو اول تجھے دریائے ہستی کو پار کرنا ہوگا

دل کا عود سینے کی انگیٹھی میں آتشِ غم سے جلا
اور اس پاک محفل کو بخورات سے اول معطر کر

جب نسیمِ عشق دوست کے چہرے سے نقاب لٹے گی
اسوقت عاشقوں کو حور و قصور کی طرف کب رغبت ہوگی

میں اس جام سے جو روزِ ازل میں پینے پیا ہے
مستوں کی طرح قیامت تک سرمست رہونگا

اس جاں بخش شراب کا ایک گھونٹ اگر تو خاک پر گرا دے
تو عشق کی ہائے و ہو کے نعرے مردوں سے بلند ہوجائیں

تو نے بغیر کسی واسطے کے روزِ ازل جسم میں جان ڈالی ہے
اسی طرح بغیر صور پھونکے ہی تو دوبارہ بے جسم میں جان ڈالدیگا

عالم کثرت کی تاریکی نورِ وحدت کے مقابل فنا ہوگئی
اللہ نور کے پرتو میں عالم امکان کا سایہ محو ہوگیا

میرے ذرات سے نعرہ منصور بلند ہو رہا ہے
یہ کیسی شراب ہے جو میرے شور و شر میں ڈالی گئی ہے

خم وحدت نے ہزاروں رنگوں کو یکرنگ بنا دیا ہے
غیب حاضر ہے اور حاضر اس حضور میں غائب ہوگیا

گر دلِ مسکیں معیںؔ از جا رود معذور دار
چوں ندارد تابِ انوارِ تجلی کوهِ طور

ای ترا بر طورِ دل هر دم تجلّیِ دگر
طالبِ دیدار را هر گوشهٔ موسیِ دگر

یک دو حرف خوانده ام در پیشِ استادِ ازل
تا ابد بر دل رسد هر لحظه معنیِ دگر

چند فرمائی بترکِ دُنیا و میلِ بهشت
کانِ بهشتِ خلد پیشِ ماست دنیای دگر

روحِ قدسی گر مدد کردی بزادی در جهاں
هر دُوروزِ مریم ایّامِ عیسئ دگر

در ازل قاضیِ عشقم داد منشورِ بقا
لاجرم آید معیںؔ دکرد دعوی دگر

وه که بر پای صنوبر می نهد شمشاد سر
زلفِ یارِ من مگر بر پاے او بنهاد سر

میکشم جورِ ترا تا سر بپیچم در کفن
حاش للّٰه کاں زماں هم بپیچم از بیداد سر

زاهدم میکرد منعِ سجده در پیشِ بتاں
روی یارم دید و از شرمش به پیش افتاد سر

بر سریرِ شادمانی خفته شیریں را چه غم
شامِ هجراں بر پلاسِ غم نهد فرهاد سر

کار گر افتاد تیرت دوش بر جانِ معیںؔ
تا سحر نالید مسکیں عاقبت بنهاد سر

ردیف "ز"

ذرهٔ از اثرِ مهر نشد فاش هنوز
تو چه دیدی ز هواداریِ ما باش هنوز

آفتابیست که خورشیدِ فلک سایهٔ اوست
چوں کند جلوه در آئینهٔ خفّاش هنوز

ایکه در صورتِ نقش اینهمه حیران شدهٔ
باش تا جلوه کند چهرهٔ نقّاش هنوز

چوں صدف غوطه بدریا زن و لب تشنه برآی
وز عطش در طلبِ قطرهٔ ما باش هنوز

او ز ما بر طرف از ناز و دلم میگوید
که نهانی نظری هست سوی ما باش هنوز

از لگدکوبِ فراقِ تو شدم خاک چو گرد
از سرِ کوے تو بادم نبرد کاش هنوز

اگر مسکین معینؔ کا دل مضطر ہے تو اسکو معذور رکھ
کہ کوہِ طور بھی انوار تجلی کی تاب نہیں لا سکا تھا

اے محبوب میرے طورِ دل پر ہر لحظہ ایک نئی تجلی ہے
طالب دیدار بنکر ہر گوشہ سے ایک دوسرا موسیٰ نمودار ہے
میں نے ازل میں استاد سے صرف ایک دو حرف ہی پڑھے تھے
اور ابد تک ہر لحظہ ایک نئے معنی کا نزول ہوتا رہے گا
ترک دنیا اور رغبتِ بہشت کے بارے میں کب تک کہے گا
وہ ہمیشگی کی بہشت تو ہماری دوسری دُنیا ہے
روح قدس کی اگر مدد ہوتی تو دنیا میں پیدا ہوتا
ہر دوسرے دِن مریم ایام سے ایک نیا عیسیٰ (علیہ السلام)

ازل میں قاضیٔ عشق نے بقا کا فرمان دیا تھا
بیشک یہی سبب ہے کہ معینؔ یہاں آکر دعویٰ کر رہا ہے

اے واہ! کہ صنوبر کے پاؤں پر شمشاد نے سر رکھ دیا ہے
شاید میرے دوست کی زلف نے اسکی جڑ سے اپنا سر لگایا ہے
میں کفن پہنتے وقت تک تیرا ظلم برداشت کروں گا
ہرگز ہرگز اسوقت بھی تیرے ظلم سے سرتابی نہیں کرونگا
بتوں کے سامنے سجدہ کرنے سے مجھے زاہد منع کرتا ہے
لیکن جب اسنے میرے دوست کا چہرہ دیکھا تو اسکے آگے سر جھکا دیا
شادمانی کے تخت پر شیریں محو خواب ہے اس کو کیا پروا
کہ شام ہجر نے فرہاد کے سر پر غم کا ٹاٹ ڈالدیا ہے

کل تیرا تیر معینؔ کی جان پر کارگر ہو گیا
صبح تک وہ مسکین روتا ہے پھر خاموش ہو گیا

ردیف ”ر“

ابھی تک اسکی محبت کا ایک ذرہ بھی فاش نہیں ہوا ہے
تو نے ابھی ہماری ہواداری کو نہیں دیکھا ہے کچھ اور ٹھہر
وہ ایسا آفتاب ہے کہ خورشید فلک اس کا سایہ ہے
وہ اپنا جلوہ کس طرح دکھائے کہ ابھی تک وہ نقاش کے آئینہ میں ہے
اے وہ کہ ان تمام نقوش کی صورت دیکھکر حیران ہے
ابھی انتظار کر تاکہ نقاش کا جلوہ تجھکو نظر آئے
صدف کی طرح دریا میں غوطہ لگا کر بھی تشنہ لب نکل آ
اور پیاس میں ہمارے قطرے کی طلب میں انتظار کر
وہ ناز کے باعث ہم سے جدا ہے اور میرا دل کہتا ہے
کہ دیر دہ اس کی نظر ہمارے حال پر مرکوز ہے
تیرے فراق کی لکدکوب سے میں خاک بن گیا، گرد
کی طرح تیری گلی سے کاش ابھی مجھے ہوا اُڑا کر نہ لیجائے

با حریفِ غمِ تو ہر دو جہاں باخت معین
نقدِ جاں میطلبد از منِ قلاش ہنوز

یار در بر روی اصحاب طلب بکشا دباز — چیست دل من تا ز ب اندر جہاں در داد باز
رخ نمود و دل ربود و باز اندر پردہ شد — داغ دیگر بر سرِ داغ کہن بنہاد باز
رختِ ہستی مرا بر آتشِ ہجراں بسوخت — خرمنِ عمرِ مرا بر باد غم بر داد باز
از یمین و از یسار قلب من در تاخت عشق — عقلِ مغلوب مرا آخر در خلاب افتاد باز
گفتمش رخ باز کن گفتا بخواہی سوختن — گفتم ار سوزم بسازم ہر چہ باد ا باد باز
شہرِ معمورِ دلم کز سیل ہجراں شد خراب — شاید از معماری وصلت شود آباد باز
باز جانِ من کہ شد محبوس دامِ آب و گل — گر بخود خوانی شود از قیدِ تن آزاد باز
گفتمش عکسِ جمالت چوں مرا موجود کرد — تا بمانم زندہ زاں قوتم بباید داد باز
لمعۂ از پرتوِ نورِ تجلے زد علم — طورِ ہستی مرا بر کند از بنیاد باز
گفت با ہستی من لاف از وجودِ خود مزن — کی تواں کردن دکاں بالاتر از استاد باز

در طریقِ جستجو از عاشقی بنشیں معین
در رہِ فقر از طلب کے میتواں استاد باز

ردیف "س"

مرا ز ہر دو جہاں دولتِ وصالِ تو بس — وصالِ چیست کہ آمد شد خیالِ تو بس
بصدرِ مسند شاہی وصول ممکن نیست — گدای راہ نشیں را صفِ نعالِ تو بس
چو چنگ زخمۂ غم میخورم ز عشق و خوشم — نوازشم ز ہمیں زخمِ گوشمالِ تو بس
چو جامِ دل ز جمالِ تو گشت عکس پذیر — نگاہِ جلوۂ دل آئینۂ جمالِ تو بس
کمالِ دوست چو تکمیلِ ناقصات کند — تو ناقصی و ہمیں ناقصی کمالِ تو بس
اگرچہ داد اطعنا نمے تواں دادن — ولے قبولِ سمعنا در امتثالِ تو بس
معین ز چہ تو دارالجلال می طلبی — تو عاصی است و ترا لطفِ ذوالجلالِ تو بس

تیرے غم کے حریف کے ساتھ معین نے دونوں جہان ہار دیئے ہیں
پھر بھی مجھ جیسے قلاش سے نقدِ جاں کی طلبی ہے

دوست نے اصحابِ طلب پر اپنا دروازہ پھر کھول دیا ہے
"کون ہے جو توبہ کرنیوالا ہے" کی آواز پھر دنیا میں لگائی جا رہی ہے

اسنے جمال دکھا کر دل چھین لیا اور پھر پردے میں چھپ گیا
ایک نیا داغ پرانے داغ پر اس نے اور لگا دیا

اس نے میرے رختِ ہستی کو آتشِ ہجر سے پھونک ڈالا
اور میری عمر کے خرمن کو غم کے ہاتھوں پھر برباد کر دیا

میرے قلب پر دائیں بائیں سے عشق نے حملہ کر دیا
میری مغلوب عقل اب پھر ایک مشکل میں پھنسی ہے

میں نے کہا جلوہ دکھا، اس نے کہا کہ تو جل جائے گا
میں نے کہا کہ اگر تو مجھے جلادے تو مجھے گوارا ہے جو کچھ بھی ہو

میرے دل کی آباد بستی جو سیلابِ ہجر سے تباہ ہو گئی
بس اب تیرے وصل کے معمار کے ہاتھوں ہی دوبارہ آباد ہو گی

یہ میری جان جو آب و گل کے دام میں گرفتار ہے
اگر تو اسکو خود بلائے گا تو وہ قیدِ جسم کے آزاد ہو سکے گی

میں نے اس سے کہا کہ تیرے عکسِ جمال نے جب مجھے موجود کیا ہے
تو جب تک میں زندہ ہوں وہ غذا مجھے ملنا چاہیئے

اس کے پرتو تجلی کی ایک کرن نے جلوہ دکھایا تھا
کہ میری ہستی کے طور کو بنیاد سے اکھاڑ ڈالا گیا

اس محبوب نے کہا کہ میری ہستی کے ساتھ اپنے وجود کا دعویٰ مت کر
کہ استاد کی دکان سے بلند دکان لگانا ممکن نہیں ہے

راہِ طریقت میں اے معین جستجو کو ترک مت کر
فقر کے راستے میں طلب کے راستہ سے کب رکتے ہیں

ردیف "س"

دونوں جہان میرے لئے ترے وصل کی دولت کافی ہے
وصال کیسا کہ صرف تیرے خیال کی آمد ہی کافی ہے

مسندِ شاہی کی صدر جگہ پر پہنچنا ممکن نہیں ہے
ایک راہ نشین فقیر کے لئے صفِ نعال ہی کافی ہے

چنگ کی طرح عشق کی مضراب کھا رہا ہوں اور خوش ہوں
میرے لئے ہر اس گوشمال کا زخم ہی تیری نوازش سے کافی ہے

جب دل کا جام تیرے جمال سے عکس پذیر ہے
تو دل کے جلوہ کے وقت تیرے جمال کا آئینہ ہی کافی ہے

دوست کا کمال ناقص باتوں کی تکمیل کر دیتا ہے
تو ناقص ہے اور یہی نقص تیرے کمال کا موجب ہے

اگرچہ "اطاعت کی ہم نے" کا حق ادا نہیں ہو سکتا
لیکن "قول سَمِعْنَا" تیری اطاعت کے لئے کافی ہے

اے معین تجھے دار الجلال کی آرزو کیوں ہے
تو عاصی ہے تیرے لئے تو لطف ذوالجلال ہی کافی ہے

مانمیگوییم نعمت یا بلا خواهیم و بس
بلکه ما دائم رضای دوست را خواهیم و بس

گر رضای دوست ما را در بلا خواهد رسید
ما همیشه خویشتن را مبتلا خواهیم و بس

خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواهند و ما
از خدا صبر جمیل اندر بلا خواهیم و بس

زاهدان اینجا عمل خواهند و در عقبی بهشت
این نمیخواهیم و آنهم با خدا خواهیم و بس

هر کسی از تو بقدر خود مرادی خواستند
ما مراد خویشتن از تو ترا خواهیم و بس

هر کسی خواهد که ماند در جهان باقی ولیک
ای معینی ما فنا اندر فنا خواهیم و بس

ردیف "ش"

دل ز سوز عشق و داغ یار ریابد پرورش
چون زر خالص که اندر نار یابد پرورش

آه درد آلود هر شب تا فلک خواهم رساند
کز نسیم صبحدم گلزار یابد پرورش

دل ز نخل قامتش در زیر بار آمد ولیک
میوه آن بهتر که اندر بار یابد پرورش

اصبعین عشق اندر دل تصرف میکند
خوشدلی کاندر کف دلدار یابد پرورش

سرّ پنهان کی تواند کرد پیدا پیش خلق
آنکه اندر پرده اسرار یابد پرورش

وانکه در دار وجودش غیر حق دیّار نیست
همچو منصور آن زمان بر دار یابد پرورش

وحدت اندر صورت کثرت نماید جلوه
نقطه اندر کسوت پرکار یابد پرورش

در گلستان حقیقت چون گل نوباده
گل میان صد هزاران خار یابد پرورش

ای معین از سرزنشهای حسودان غم مخور
چون دل عشاق از آزار یابد پرورش

اگر بی پرده نتوانی که بینی پرتو ذاتش
بذرات جهان بنگر که هر ذره است مرآتش

مالِ حق ز مرآت صفاتش میکند جلوه
صفت در کسوت افعال و فعل از عین آیاتش

جسمت مظهر جانست و جانت مظهر اعیان
چو اعیان مظهر اسما و اسما مظهر ذاتش

تجلی طور اگرچه ز هیبت ساخت صد پاره
ولیکن تا ابد تا بد جمال حق ز ذرّاتش

ہم نہیں کہتے کہ ہم نعمت کے طالب ہیں یا بلا کے
بلکہ ہم تو ہمیشہ رضائے دوست کے طالب ہیں اور بس

اگر ہمارا دوست ہماری مصیبت ہی سے راضی ہے
تو ہم ہمیشہ بلا میں رہنا ہی پسند کریں گے

لوگ مخلوق حق سے نعمت و فضل و عطا کے طالب ہیں
ہم تو خدا سے مصیبت میں صبر جمیل کے بس طالب ہیں

زاہد یہاں عمل کے طالب ہیں اور عقبیٰ میں بہشت کے
ہم اسکے طالب نہیں ہم تو خدا سے اس کے طالب ہیں

ہر شخص تجھ سے اپنا ظرف کے لائق مراد طلب کرتا ہے
ہم تو اپنی مراد یعنی تجھے تجھ سے طلب کر رہے ہیں

ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ دُنیا میں باقی رہے لیکن
اے معینؔ ہم تو فنا کے اندر فنا کے خواہاں ہیں

ردیف "ش"

دل کو سوزِ عشق اور داغِ محبت سے پرورش کرنا چاہیئے
جس طرح زرِ خالص کو آگ میں تپانا ضروری ہے

آہ دردآلود ہر شب آسمان تک بلند کرتا رہ
کہ نسیمِ صبح سے گلزار کی پرورش ہوتی ہے

دل اسکی قامت کے درخت کے بوجھ سے جُھک گیا ہے لیکن
میوہ وہی بہتر ہے کہ جس کو پال میں لگایا جاتا ہے

عشق کی انگلیاں دل کے اندر ہی اپنا تصرف کرتی ہیں
کتنا اچھا ہے وہ دل جو کفِ دلدار میں پرورش پائے

پوشیدہ راز مخلوق کے سامنے کب بیان کیا جاسکتا ہے
وہ تو ایسی بات ہے کہ اس کو پردہ رازہی میں رہنا چاہیئے

وہ کہ جس کے وجود کی سولی پر کوئی اور سیر کرنیوالا نہ ہو
منصور کی طرح اسوقت اسکو سولی پر چڑھانا چاہیئے

وحدت کثرت کی صورت میں ایسی جلوہ نما ہوتی ہے
اسکی پرورش اس نقطہ کی طرح کرنا چاہیئے جو پرکار کے وسط میں ہوتا ہے

گلستانِ حقیقت میں گل نورستہ کی طرح
دل کی پرورش کرنا چاہیئے جیسے پھول ہزاروں کانٹوں میں

اے معینؔ حاسدوں کی ملامت سے غم مت کر
اپنے آپ کو دلِ عشاق کی طرح آزار میں پرورش کرنا چاہیئے

اگر تو اسکے پرتوِ ذات کو بے پردہ نہیں دیکھ سکتا
تو پھر ذراتِ جہاں کو دیکھ کہ ہر ایک اسکی ذات کا آئینہ ہے

اسکا جمال ذات اسکی صفات کے آئینہ سے جلوہ نما ہے
اسکے افعال میں اسکی صفت پنہاں ہے اور فعل اسکے عین ذات میں

جس طرح تیرا جسم مظہرِ جان ہے اور تیری جان مظہرِ اعیان ہے
اسی طرح اعیان مظہرِ اسماء ہیں اور اسماء اسکے مظہرِ ذات ہیں

تجلی الٰہی نے اگرچہ بہت سے طور کو صد پارہ کر دیا
لیکن ابد تک جمالِ حق اسکے ذروں سے نمایاں رہے گا

من از کنج خراباتی جمالی دیده ام واللہ — کہ چندین سال میجستم بہ محراب مناجاتش
مرا زِکید و جام می چناں حالی بدست آمد — کہ صد سالک نخواہد یافت در طیِّ مقاماتش
معینؔ را عشق بردا زرہ دریغ از فہم و دانائی
وزاں تحصیل بیحاصل کہ ضائع کرد اوقاتش

نہ سر بر خطِ فرماں و خطی در جہاں درکش — بشو لوحِ من و ما را قلم در این و آں درکش
برو پای ہوائی کن ہوای صحبتِ وی کن — بِبساطِ نہ فلک طی کن قدم در لامکاں درکش
تو شہبازان یاہو را مخوان در باغ خود خود را — بردمرغ ہوا جو را بدام امتحاں درکش
مرا بردا و بمیخانہ کہ ای سرمست دیوانہ — بگیر ایں رطل و پیمانہ بیاد من رواں درکش
چہ باعث شد سلیماں را کہ گوید مور بیچارہ را — بدریا رو نہنگاں را بیکدم در دہاں درکش
چو دادی جام منصورم قلندری در شر و شورم — چو میدانی کہ معذورم چہ میگوئی زباں درکش
منم گوئی تو چوگانی منم مرکب تو سلطانی — مرا ہر سو تو میرانی و میگوئی زباں درکش
بگردت مست و دیوانہ برفتم ہمچو پروانہ — مرا ای شمع فرزانہ بگیر اندر میاں درکش
اگر خواہی تو بنمائی بعالم حسن و زیبائی — مرا مجنون و شیدائی ببازارِ جہاں درکش
دراں روزی کہ بنمائی جمالِ خود بمشتاقاں
معینؔ را سوز چوں سرمہ بچشم عاشقاں درکش

ردیف "ف"

تا دل نگشت غرقہ دریائے مَن عَرَف — ناورد چوں صدف گہرِ معرفت بکف
ہر کس نہد بخاک درش رخ چو آفتاب — بر تارک سپہر نہد پایۂ شرف
ریحان و گل بروضۂ جانست قوتِ دل — در شورہ زارِ تن نکند میل ہر علف
موسیٔ روح را چہ غم از اژدہائے نفس — چوں از جناب قدس رسد وحی لاتخف
انساں نہ ایں سلالۂ آب و گل ست و بس — در سلک دُر کسے نکشد مہرۂ خزف
از صد ہزار قطرۂ باراں یکے مگر — گوہر شود بتربیت اندر دلِ صدف

مینے گنجِ خرابات میں خدا کی قسم ایسا جمال دیکھا ہے — جس کو میں نے مدتوں تک محرابِ مناجات میں تلاش کیا تھا
ایک دو جام شراب پی کر ہی ایسا مست ہوا ہوں — کہ سو سال منازلِ سلوک طے کر کے اسکو نہیں پا سکتے

معینؔ کو عشق نے راستہ پر لگایا ہے اس فہم و دانش پر افسوس
کہ اس نے تحصیل بے حاصل میں اپنی اوقات کو ضائع کر دیا

اسکے دامن پر سر جھکا دے اور دنیا سے قطع تعلق کرلے — منِ و ما کی تختی کو دھو ڈال اور این و آں پر قلم کھینچ دے
جا اور بادِ صبا کے پاؤں تک ڈال اور اسکی محبت میں پہنچ — نو آسمانوں کے بچھونے کو الٹ دے اور لامکاں میں قدم رکھ دے
اے حور تو "یا ہو" کے شہبازوں کو اپنے باغ میں مت بلا — جا کسی مرغ نفس پرست کو اس امتحاں کے جال میں پھانس
مجھے میخانے میں وہ دوست لے گیا ہے، پس لئے سرمست دیوانے — اس رطل و پیمانے کو لے اور میری یاد میں جام پی لے
کیا موجب تھا کہ سلیمان نے ایک بیجان چیونٹی سے کہا — دریا میں جا اور نہنگوں کو نگل لے
جب تو نے منصور کا جام مجھے پلایا ہے اور شورِ شر میں مجھے ڈالا ہے — جب تجھے معلوم ہے کہ میں مجبور و معذور ہوں تو پھر مجھ پر الزام کیسا
میں گیند ہوں تو چوگاں ہے، میں مرکب ہوں تو سلطان ہے — تو ہر طرف مجھے دوڑاتا ہے پھر تاکید ہے کہ خاموش رہوں
میں تیرے گرد مست و دیوانہ ہو کر پروانے کی طرح پھر رہا ہوں — اے شمع فرزانہ مجھے اپنی آغوش میں چھپا لے
اگر تو چاہتا ہے کہ عالم کو اپنا حسن اور زیبائی دکھائے — تو مجھ مجنوں اور شیدائی کو بازار جہاں میں رسوا کر

جس روز تو اپنا جمال عاشقوں کو دکھائے
تو معینؔ کو سرمہ کی طرح عاشقوں کی آنکھ میں لگا دے

ردیف "ف"

جب تک تیرا دل دریائے منِ عرف میں غرق نہیں ہوگا — اسوقت تک صدف کی طرح گہر معرفت تجھے نہیں ملے گا
جو کوئی تیری خاک در پر اپنے رخسار کو آفتاب کی طرح — رکھے گا وہ شرف کا پاؤں آفتاب پر رکھے
روح کے باغ میں ریحان و گل دل کی غذا ہیں — جسم کی بنجر زمین کی گھاس پر دل متوجہ نہیں
روح کے موسیٰ کو نفس کے اژدہے سے کیا غم — جبکہ اسکو بارگاہِ الٰہی سے لاتخف کی عطا ملی
انسان اس آب و گل کی زنجیر کے لائق نہیں ہے — موتیوں کی لڑی میں کوئی خزف کو نہیں پروتا
باراں کے ہزاروں قطروں میں سے کہیں ایک قطرہ — صدف کے دل میں تربیت سے گہر بنتا۔

سرمایۂ حیات متاعیست بے بہا — پسند کاں بہرزہ شود رائگاں تلف
صبیتِ یُحِبُّہم و یُحِبُّونہٗ زچیست — گر نیست ابتدائے محبت از الطرف
در انتظارِ مقدمت از نورِ کبریا — بر کنگرِ جلال کشیدہ ہزار صف
گر صد ہزار تحفہ رسد از تو ہر دمم — مقصود ما توئی و طفیل ست آں تحف

ہر دم معینؔ کشادہ دل صد جا ناگاہِ
لیکن چہ چارہ گر نرسد تیر بر ہدف

ردیف "ک"

حمدیکہ بر صحائف اَطباق نہ فلک — توقیع بر کشیدہ کہ الکبریا ملک
حمدیکہ خود رقم زدہ بر صفحۂ قدم — کانرا زہیچ حادثہ ممکن نگشتہ بک
حمدیکہ در تصدیؔ او فَازَ مَنْ ہُدٰی — حمدیکہ در تخلف او خَابَ مَنْ ہَلَک
حمدیکہ جوہریش زند سکۂ قبول — روزی کز امتحانش دہد جلوہ بر محک
ذاتِ خدائے ہر دو جہاں را سزد کہ ہست — بر طبق مدعاش مسجّل ہزار صک
ذرّاتِ کائنات زباں بر کشادہ اند — اندر ادای نکتۂ توحید یک بیک
بر ذاتِ پر کمال تو دارد دلالتے — آیات کُنْ فکاں ز سما گیر تا سمک
با تست و بس معاملۂ نیک و بد از انکہ — وَالّٰہِ بِی رجوعے و بیّاع بیدرک
عکسِ جمالِ تست در آئینۂ حواس — یکرنگ گشتہ در نظرِ حُسنِ مشترک
روزِ ازل بگردنِ آدم فگند عشق — قیدِ محبتے کہ مر آں را مبادفک
لاف از کمالِ نحن نحسنج کجا زدے — یک نکتہ گر ز عشقِ شدی کشف بر ملک
گر نغمۂ ز عشق شنودی سماعِ چرخ — در رقص خویش خرقہ در انداختی فلک
مفتیِ شرع منکرِ عشق است از و بپرس — زاں سگ کہ گشت محوِ نمکسار شد نمک
گو سگ نماندہ است و بجلی نمک شدہ است — ہر کس کہ نیست با ورش ایں نکتہ گو بمک
از ساکنانِ مدرسہ تا پیر خانقاہ — گر درک ایں سخن نکند رفت تا درک
جانیکہ نورِ مطلعِ حق الیقیں نتافت — ز آئینۂ دلش کہ زداید غبار شک

سرمایۂ حیات ایک بے بہا متاع ہے
تو یہ پسند مت کر کہ وہ یونہی مفت میں ضائع ہو جائے

"میں ان سے محبت کرتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں" کا شہرہ
کیوں ہے اگر محبت کی ابتدا اس طرف سے نہیں ہے

آپ کے خیر مقدم کے انتظار میں نورِ کبریا سے
جلال الٰہی کے کنگرے پر ہزاروں فرشتے صف کشیدہ ہیں

اگر ہر لحظہ ہم ہزاروں تحفے تجھے پیش کریں تو کیا
ہمارا مقصود تو تیری ذات ہے وہ تحفے تو طفیلی ہیں

ہر لحظہ معین اپنے دل سے سینکڑوں تیر آہ کے پھینکتا ہے
لیکن اس کا کیا علاج کہ ایک تیر اس نشانہ پر نہیں لگتا

ردیف "ک"

وہ حمد اس کو زیبا ہے جس نے نو آسمان کے صحیفوں پر
یہ طغریٰ لکھ دیا ہے کہ بزرگی اس بادشاہ کو زیبا ہے

وہ تعریف جو اس نے قِدم کے صفحے پر خود تحریر کی ہے
کوئی حادثہ ممکن نہیں کہ اس کو اس صفحہ سے مٹا سکے

وہ حمد جس کے پیچھے فاز من ہدیٰ کا انعام ہے
اور وہ حمد جس کے خلاف سے خاب من ہلک کی وعید ہے

وہ حمد جس کو جوہری قبولیت کا سکہ عطا کریں
جس روز کہ اس کو امتحان کے لئے کسوٹی پر کسا جائے

صرف اس خدا کی ذات کو زیبا ہے جو دو جہاں کا مالک ہے
اور اسکے مقصد اور مرضی کی مُہر سے ہر دستاویز آراستہ ہے

کائنات کے ہر ذرے اپنی زبان کھولے ہوئے ہیں
اس کی توحید کے ایک نکتہ کی ادائیگی کے لئے

تیری ذات پُر کمال پر دلالت کرتی ہیں وہ تمام
نشانیاں جو کائنات میں آسمان سے تحت الثریٰ تک ہیں

نیک و بد کا معاملہ تجھ ہی سے ہے، اس لئے کہ تو
بغیر سوال کے عطا کرنیوالا اور بیدریغ بھیجنے والا (نعمتوں) کا ہے

جو اس کے آئینے میں تیرے جمال کا عکس ہے
جو مشترک ہے وہ بھی ننگا ہوں میں یکرنگ ہو گیا ہے

روزِ ازل ہی میں عشق نے آدم کی گردن میں
محبت کی زنجیر ڈالدی تھی، خدا اس کو جُدا نہ کرے

"ہم تیری تسبیح کرتے ہیں" کا دعویٰ ہرگز نہ کرتے
یہ فرشتے اگر عشق کے ایک نکتہ سے واقف ہوتے

آسمان کا سماع اگر عشق کا ایک نغمہ سُن لیتا
تو رقص میں آکر اپنا خرقہ اُتار کر یہ آسمان پھینکدیتا

مفتی شرع عشق کا منکر ہے اسی سے پوچھو
کہ وہ کُتا جو نمک کی جھیل میں گرتا ہے نمک بنجاتا ہے کیا ہے؟

اب تو وہ کلیتہً نمک بن گیا ہے لیکن
جس کسی کو باور نہ ہو اس سے یہ نکتہ زور دے کر کہو

ساکنانِ مدرسہ سے لے کر پیرِ خانقاہ تک
اگر اس بات کو نہ سمجھیں تو بھاڑ میں جائیں

جہاں حق الیقیں کے مطلع کا نور نہیں چمکا
ایسے دل کے آئینہ سے شک کا غبار کون دور کرسکتا ہے

هر چند ناکسم سگِ اصحاب دولتم　　گنجیم مگر به فضل تو در سلک من سلک

یارب معین جوی ز عمل نیکتش ولیک
دارد ز فضل تو طمع صد هزار لک

ردیف "ل"

من دُری بودم نهان در قعر بحرِ لم یزل　　عشقِ غواصانه ام آورد بیرون زان محل

من دُرِ دریای عشقم چند مانم در صدف　　من چو مرآت خدایم چند باشم در بغل

از صدف آیم برون بر تاجِ عزت جا کنم　　نور گیرند از فروغم ماه و خورشید و زحل

من غلام روے یارم گرچه ماهم در جهان　　من گدای کوی عشقم گرچه شاهم فی المثل

گر کند دستِ اجل قصرِ وجودم خشت خشت　　اصل بنیاد محبت هیچ نپذیرد خلل

دل ز من بردی و گفتی در بدل وصلت دهم　　چون مبیع خود پسندیدی چرا ندهی بدل

من چو از اهلِ دلم فانی نخواهم شد ز مرگ　　چون نوید وصل می آرد چه ترسم از اجل

طالبان در خورد خود هر یک مراوی خواستند　　عاشقان دیدارِ یار و زاهدان حسنِ عمل

سترِ عشق از عرش و فرش و لوح و کرسی حل نشد
ای معینی کے توان کردن بیان در یک غزل

ردیف "م"

مرا ز دیدهٔ و دل هر زمان درود دمادم　　نثار روضهٔ پر نور صدر و بدرِ دو عالم

چه مظهریست که مبعوث شد بر اوّل و آخر　　بظاهرست مؤخر بباطن ست مقدّم

بصورت از بشر آمد ولی ز روی حقیقت　　ز فرق تا بقدم رحمتِ خداست مجسّم

بعالمِ دل و جان بود شاهِ تختِ رسالت　　میانِ مکهٔ و طائف هنوز قالبِ آدم

بروزِ حشر بظلِ لوائے او شده واثق　　بسانِ امّتِ او جمله انبیائے مکرم

نهاده باقی عزت شبِ دنیٰ فتدلیٰ　　فرود پایهٔ جاهش و ناقِ عیسےٰ مریم

ہر چند کہ میں نا اہل و ناکس ہوں لیکن اصحاب دوست کا سگ ہوں
شاید تیرے لطف و کرم سے میں بھی تیری سلک میں شامل ہو جاؤں

الٰہی معین کے پاس عمل کا ایک جو بھی نہیں ہے لیکن
اس کو تیرے فضل و کرم سے لاکھوں امیدیں ہیں

ردیف "ل"

میں بحرِ لم یزل کی گہرائیوں میں ایک دُر کی طرح پنہاں تھا
لیکن عشق نے غواص کی طرح مجھے اس جگہ سے نکال لیا

میں دریائے عشق کا ایک موتی ہوں میں کب تک صدف میں ہوں
میں کہ آئینہ خدا ہوں میں بغل میں کب تک پوشیدہ رہوں

میں صدف سے نکل کر تاجِ عزت پر مقام حاصل کروں گا
ماہ و خورشید اور زحل میرے فروغ سے نور حاصل کریں گے

میں روئے یار کا غلام ہوں اگرچہ میں دنیا میں ماہ کی طرح ہوں
میں اگرچہ فی المثل ایک بادشاہ ہوں لیکن کوئے عشق کا گدا ہوں

اگر اجل کا ہاتھ میرے قصرِ وجود کی اینٹ سے اینٹ بجا دے
پھر بھی میری محبت کی اصل بنیاد میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا

تو نے میرا دل چھین لیا اور اس کے بدلہ وصل کا وعدہ کیا
جب تو نے اپنی خرید کو پسند کر لیا تو اب اس کا بدل کیوں نہیں دیتا

میں کہ ایک اہلِ دل ہوں میں مرگ سے فنا نہیں ہونگا
جبکہ موت وصل کا پیام لانیوالی ہے میں اس سے کیا ڈروں

ہر ایک طالب اپنے اپنے لائق مراد طلب کرتا ہے
عاشق دیدارِ یار کے طالب ہیں اور زاہد حُسنِ عمل کے

عشق کا راز عرش و فرش اور لوح و کرسی سے حل نہ ہو سکا
اے معین اسکو ایک غزل میں کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے

ردیف "م"

میری آنکھوں سے اور دل سے ہر لحظہ درود دائم جاری ہے
روضۂ پرنور صدرِ و بدرِ دو عالم پر نثار کرتا ہوں

وہ ذات کیسا مظہر تھی کہ جو اول و آخر مبعوث ہوئی
جو بظاہر موخر ہے لیکن باطن میں سب انبیاء پر مقدم ہے

صورت میں بشر ہیں لیکن از روئے حقیقت
وہ سر سے پا تک خدا کی مجسم رحمت ہیں

وہ عالمِ دل و جاں کے لئے تختِ رسالت کے شاہ ہیں
اسوقت جبکہ حضرت آدم کا قالب نکہ و طائف کے درمیان تھا

قیامت کے دن آپ کے لوا کے نیچے واقع ہیں
آپ کی اُمت کی طرح تمام عزت والے انبیاء و رسول

اللہ نے شبِ معراج میں عزت کا پاؤں اس بلندی پر رکھا
جس سے عیسیٰؑ مریم کے جاہ و مرتبہ کا محل فرو تر ہو گیا

چو از دنی زده بیرون قدم بمصعدِ اُدنے | بیک دو گام گذشته ز اوج طارمِ اعظم
اگر نه سورِ سرورِ ظهورِ نورِ تو باشد | فروغ عیش که بیند درین سراچۂ ماتم
طفیل ذات تو هژده هزار عالم ازان شد | که پیش بحر ندارد وجود قطرۂ شبنم
ز ابر جود چو شد فیض رحمتت متقاطر | فضای روضۂ جان شد زمین فیض تو خرم
هزار غم ز گنا هست بر دل من و هر دم | فزوده ام غم دیگر هزار بار بران غم
بعذر خواهی ما بر کشای لب بشفاعت | که دل پر است ز درد و لب تو حقۂ مرہم

معین چه تحفه فرستد بغیر اشک ز دیده
کند درود پیاپے روان بسوے تو هر دم

اندر آئینۂ جان عکس جمالے دیدم | همچو خورشید که در آب زلالے دیدم
خیره شد دیدۂ عقل از لمعات رخ دوست | با وجود از پس صد پرده خیالے دیدم
اینچنین نور که در آئینۂ جان بنمود | عین ذاتست ولیکن بمثالے دیدم
من اگر واله و مدهوش شوم معذورم | که در آئینه عجب حسن و جمالے دیدم
عاشق و مست من از روز الست آمده ام | عقل و هشیاری خود امر محالے دیدم
هستیم رفت و کنون هستی مطلق باقیست | اینهمه هجر بامید وصالے دیدم
بزم وحدت که مرا تنگتر از تنگ نمود | چون ز تنگی بگذشتم چه مجالے دیدم
در بیابان هویت همه ملک و ملکوت | کمتر از پشگلے بے پر و بالے دیدم

تا معین ذرّه صفت رفت پی نور ازل
نه طلوع و نه غروب و نه زوالے دیدم

سوی من آ که ترا یار وفادار منم | هرچه داری بمن آور که خریدار منم
گر تو خواهی که دلت عزم تماشا دارد | بر من آی که باغ و گل و گلزار منم
وگر از رنج معاصی دل تو گشته ملول | سوی من آ که طبیب دل بیمار منم
نه همین صاحب سجادۂ خلوت گاهم | ساقی میکده و مطرب خمار منم
ایکه در صومعها در طلبم مے پائی | گو برون آئی که اندر سر بازار منم

جب آپ نے مقامِ اَوادنیٰ سے قدم مبارک باہر رکھے
تو ایک ہی دو قدم میں طارمِ اعظم کی بلندی سے بڑھ گئے

اگر آپ کے نور کے ظہور کی مسرت کا کیف و سرور نہ ہوتا
تو اس غم کدہ میں کوئی بھی مسرت و عیش کو نہ دیکھتا

آپ کی ذات کے طفیل میں ہیژدہ ہزار عالم ایسے ہیں
جس طرح سمندر کے سامنے قطرۂ شبنم کا وجود حیثیت نہیں رکھتا

جب آپ کے ابرِ سخا سے فیضِ رحمت کے قطرے ٹپکے
تو ریاضِ جاں کی فضا آپ کے فیض کی برکت سے شاد ہوئی

میرے دل پر گناہ کے ہزاروں غم ہیں اور میں ہر دم
ان غموں پر مزید غموں کا اضافہ کرتا رہتا ہوں

اے پیارے رسول ہماری عذر خواہی پر لبِ شفاعت وا کر دیجئے
کہ میرا دل آپ کے حقۂ مریم جیسے لبوں کی محبت سے پُر ہے

معینؔ آپ کے حضور میں اتنا کے سوا کیا تحفہ پیش کر سکتا ہے
وہ بس آپ کے حضور میں پیارے درود بھیج رہا ہے

میں نے اپنے آئینہ جان کے اندر ایک جمال دیکھا ہے
اس طرح جیسے کوئی آبِ زلال میں خورشید کو دیکھے

رخِ دوست کی چمک سے دیدۂ عقل خیرہ ہے
اسکے باوجود میں نے سو پردوں کے پیچھے ایک جمال دیکھا ہے

ایسا نور جو آئینہ جاں میں ظاہر ہوا ہے
وہ عینِ ذات ہے لیکن اس کو عالمِ مثال میں دیکھا ہے

میں اگر والہ و شیدا ہوا ہوں تو معذور ہوں
کہ میں نے آئینہ میں عجب حسن و جمال کو دیکھا ہے

میں تو روزِ ازل سے عاشق و مست ہوں
عقل و ہوشیاری میرے لئے ایک امرِ محال ہے

میری ہستی فنا ہو گئی اور ہستی مطلق باقی ہے
یہ تمام صدمے میں نے امید وصال میں اٹھائے ہیں

بزمِ وحدت جو میرے لئے تنگ سے تنگ ہوتی گئی
لیکن جب میں اس تنگی سے گزر گیا تو نہ پوچھو کیا مقام دیکھا؟

تیری آرزو کے بیاباں میں تمام فرشتوں کو میں نے
ایک چھوٹے سے پشّہ بے پر و بال سے کم دیکھا ہے

جب سے معینؔ ذرّے کی طرح نورِ ازل کا خواہاں ہے
اس وقت سے اُسنے نہ طلوع دیکھا نہ غروب اور زوال دیکھا

اے دوست میرے پاس آ کہ میں بھی تیرا یارِ وفادار ہوں
جو کچھ متاعِ ناز و غمزہ ہے سامنے لا کہ میں تیرا خریدار ہوں

اگر تیرا دل تماشہ کا ارادہ رکھتا ہے
تو میرے پاس آ کہ میں باغ و گل و گلزار رکھتا ہوں

اگر پھر تیرا دل رنجِ معاصی سے ملول ہو گیا ہے
تو میرے پاس آ کہ میں بیمار دل کا طبیب ہوں

میں صرف خلوت گاہ کا صاحبِ سجّادہ نہیں ہوں
بلکہ ساقیِ میکدہ بھی ہوں اور مطربِ خمّار بھی ہوں

اے وہ کہ میری طلب میں خانقاہوں میں پھر رہا ہوں
اس سے کہدو کہ باہر آ کہ میں تو سرِ بازار موجود ہوں

هوسِ خرقهٔ صد پارهٔ و تاجِ دیباج ... بنه از سر که تراجبهٔ و دستارِ منم
بیدلی گم کن و از بیکسیِ خویش منال ... که ترا در همه جا دلبر و دلدارِ منم
تو بهر معرکه از رازِ دلِ خویش مگوی ... که بخلوتگهِ جان محرمِ اسرارِ منم
تا بکی نقطهٔ صفت دائرهٔ می بنمائی ... تو چه مرکز بنشین گردِ تو پرکارِ منم
گوهرِ معدنِ صورت خزفِ هستیِ تست ... در تنگِ بحرِ معانی درِ شهوارِ منم

هیزمِ شخصِ معین سوخت چنان ز آتشِ عشق
که شدم اخگر و گفتم که مگر نارِ منم

بکشائے پرده از رخ و بردار هستیم ... حسنی بمن نمائے بیفزا اے مستیم
محروم گشتیم از طیران در فضای قدس ... تا بالِ جان برشتهٔ قالب به بستیم
شهبازِ آشیانهٔ قدسم گهِ عروج ... کز قیدِ تن فرو نکشد سوے پستیم
واعظ ز کوی دوست سوی جنتم مخوان ... بنگر که از کجا بکجا می فرستیم
من مست و می پرست نه امروز گشته ام ... سرمست و بیخود از می بزمِ الستیم
من در جمالِ بُتِ رُخ بتگر بدیده ام ... توحید مطلق ست کنون بُت پرستیم
در بحرِ آشنائیِ او غرق گشته ام ... اے خضر تا سفینهٔ هستی شکستیم
دل ذره ذره گشت ز نورِ تجلیت ... لیکن ز هر شکست بود صد درستیم
نورِ ظهورِ ساقی باقی کند طلوع ... چون جامِ دل زدوده شد از زنگِ هستیم
بگذار تا روم ز جهان آستین فشان ... کز آب دیده دست ز عالم بشستیم

برخاست شغل و شادی و عیش از دلِ معین
تا در درونِ سینهٔ محزون نشستیم

من یار ترا دارم و اغیار نمیخواهم ... غیر از تو که دل بردی دلدار نمیخواهم
خاریکه ز دردِ تو خستست مرا در دل ... من خستهٔ آن خارم گلزار نمیخواهم
گر جلوه دهی بر دل نقدِ دو جهان گویم ... من عاشقِ دیدارم دینار نمیخواهم
سریکه مرا با تست با غیرِ تو چون گویم ... تو دانی و من دانم اظهار نمیخواهم

دیبا کے تاج اور خرقۂ صد پارہ کی ہوس اپنے
سر سے دور کر کہ تیرے لئے جبّہ و دستار میں ہوں

بیدلی کو کم کر اور اپنی بے کسی پر مت رو
کہ میں ہر جگہ اور ہر حال میں تیرا دلبر اور تیرا دلدار ہوں

تو ہر جگہ اور موقع پر اپنے رازِ دل مت بیان کر
کہ جان کی خلوت گاہ میں محرمِ اسرارِ صرف میں ہوں

نقطہ کی طرح کب تک تو دائرہ بناتا رہے گا
تو مرکز بن کر بیٹھ تیرے گرد میں پرکار بن رہا ہوں

تیری ہستی کی ٹھیکری معدنِ صورت کا گوہر ہے
بحرِ معانی کی تہ میں دُرِّ شہوار کی طرح میں ہوں

عشق کی آگ سے معینؔ کے وجود کی ہیزم اس طرح جل گئی
کہ میں سراپا آگ بن گیا اور میں نا رہوں کی آواز میں بلند کی

اپنے رُخ سے پردہ ہٹا اور میری ہستی کو فنا کر دے
اپنا حُسن مجھے دکھا اور میری مستی کو بڑھا دے

میں فضائے قدس میں پرواز سے محروم ہوں
جب سے میں نے وبالِ جان کو قالبِ ہستی سے باندھا ہے

عروج کے وقت میں آشیانۂ قدس کا شہباز ہوں
اگر میرے جسم کی قید مجھے عروج سے پستی کی طرف نہ کھینچے

اے واعظ مجھے کوئے دوست سے جنت میں مت بُلا
یہ تو دیکھ کہ تو مجھے کہاں سے کہاں بھیج رہا ہے

میں مست اور مے پرست کچھ آج سے نہیں ہوں
ازل سے میں تو بزمِ الست کا سرمست و بیخود ہوں

میں نے بُت کے جمال میں بُت گر کا جمال دیکھا ہے
اس لئے میری یہ بُت پرستی بھی توحیدِ مطلق ہے

میں اس تتے بحرِ آشنائی میں غرق ہو گیا ہوں
اے خضرِ محبت! جب سے تو نے میری کشتی کو توڑا ہے

تیرے نورِ تجلّی سے اگرچہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا
لیکن میری اس ہر شکست میں سینکڑوں دُرستیاں ہیں

عالمِ باقی کے ساقی کے ظہور کا نور اسوقت جلوہ فرما ہوگا
جب دل کا جام زنگِ ہستی سے پاک ہو جائے گا

چھوڑ دے تا کہ میں دنیا سے آستیں فشاں رخصت ہو جاؤں
کہ میں نے اپنے آنسوؤں سے پہلے ہی دنیا سے ہاتھ دھو ڈالے ہیں

اے معینؔ دل سے شادی و عیش کا مشغلہ ختم ہو گیا
جب سے میں غمگین سینے کے اندر بیٹھا ہوں

میں تو تجھے دوست رکھتا ہوں میں اغیار کا خواہاں نہیں
تجھ دلبر کے سوا اور کسی دلدار کا میں طالب نہیں ہوں

وہ کانٹا جو تیرے درد کا میرے دل میں کھٹک رہا ہے
میں تو بس اسی کانٹے کا طلب گار رہوں مجھے گلزار کی خواہش نہیں

اگر دونوں عالم کی پونجی میرے دل کو پیش کی جائے
تو میں کہدوں کہ میں عاشقِ دیدار ہوں دینار کی ضرورت نہیں ہے

وہ راز جو میرے تیرے درمیان ہے میں غیر سے کس طرح کہدوں
بس اسے تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں میں اس کا اظہار نہیں کرونگا

اندر حرم جانم کس را نبود منزل   غیر از تو درین خلوت دیّار نمیخواهم
خون میخورم از دستت آزار نه پندارم   کان خاطر نازک را آزار نمیخواهم
من باده نمی نوشم امّا چو توئی ساقی   اندر تن خود یک رگ هشیار نمیخواهم
عاشق که ترا خواهد با غیر نیارامد   جنات نمی خواهم و انهار نمیخواهم
دنیا طلبد غافل عقبیٰ طلبد عاقل   من عاشقم و بیدل جز یار نمیخواهم
از هستی خود بگذر بگذار معین افسر
جائیکه نگنجد سر دستار نمیخواهم

ای نور عشقت تافته اندر سویدای دلم   بگرفته نور عشق تو پنهان و پیدای دلم
بنمود نور ذوالمنن چون آتش از نخل بدن   اسرار خود گفت او بمن بر طور سینای دلم
در تافت نور طلعتش از آسمان عزتش   بگرفت نور وحدتش مجموع اجزای دلم
مسکین دلم بد خوی شد جویای آنم روی شد   رب ارنی گوی شد بیچاره موسای دلم
موسیٰ دران روز نبرد از لن ترانی زخم خورد   دل هیچ اندیشه نکرد از نوای صدای دلم
هر کس بخود آمد بدر آن زخمش آمد بر جگر   دل چون ز خود آمد بدر او گشت جویای دلم
دل در پی روی نکو میرفت هر دم کو بکو   بنهاد قید زلف او زنجیر بر پای دلم
نور تجلی صبحدم از مطلع دل زد علم   نورش فزون شد دمبدم بگرفت صحرای دلم
من سوی او بشتافتم وین پرده را بشگافتم   الحمد لله یافتم مقصود و ماوای دلم
گفتم چو یابم زو خبر آرام گیرد دل مگر   چون دیدمش شد بیشتر فریاد و غوغای دلم
در مجلس مسکین معین یکدم نشین صدر جبین
بنگر چه دُرهای ثمین دادست دریای دلم

صفات و ذات چو از هم جدا نمی بینم   بهر چه می نگرم جز خدا نمی بینم
مگو که دیدهٔ حادث قدیم کے بیند   همین بس ست که من خویش را نمی بینم
ترا چو آئینه تیره است چشم نابینا   مخور فسوس که من هم چرا نمی بینم
ز من مپرس که آن ماه را کجا دیدی   چو من ز جاے برفتم بجا نمی بینم

میرے حرم جاں کے اندر کسی دوسرے کی منزل نہیں ہوسکتی
میں اس خلوت میں کسی اور ٹھیرنے والے کا روادار نہیں

میں تیرے ہاتھ سے خون کھا رہا ہوں لیکن میں اسکو دُکھ نہیں سمجھتا
اسلئے کہ میں تیری خاطرِ نازک کو دُکھ پہنچانا نہیں چاہتا ہوں

میں شراب نہیں پیتا لیکن جب تجھ جیسا ساقی ہو
تو پھر اپنی ہر ایک رگ کو ہشیار و مست دیکھنا چاہتا ہوں

غافل دُنیا طلب کرتا ہے اور عاقل عقبیٰ کو چاہتا ہے
لیکن میں تو عاشق ہوں باغوں اور نہروں کا طالب نہیں ہوں

غافل دُنیا طلب کرتا ہے اور عاقلِ عقبیٰ کو چاہتا ہے
لیکن میں تو عاشقِ بیدل ہوں سوائے دوست کے کسی کا طالب نہیں ہوں

اے معینؔ اس تاج کو چھوڑ اور اپنی ہستی سے گذر جا
جہاں سر سمانے کی گنجائش نہیں وہاں دستار کا کیا موقع ہے

اے محبوب تیرے عشق کا نور میرے دل کے سویدا پر چمک رہا ہے
تیرے نورِ عشق نے میرے دل کو ظاہر و باطن ہر طرح سے گھیر لیا ہے

اس فی والمنن کا نور اس طرح ظاہر ہوا جیسے نخلِ بدن سے آتش
اسنے اپنے راز مجھ سے بیان کردئے جب وہ میرے مرد کیلئے طور سینا پر ظاہر ہوا

آسمان عزت سے جب اس کے جمال کا نور تاباں ہوا
تو اسکے نورِ وحدت نے میرے تمام اجزائے دل کو گھیر لیا

میرے مسکین دل کے پسینے چھوٹ گئے جب وہ اس درد کا طالب ہوا
میرا موسیٰ دل عاجز ہوگیا جب اسنے ربّ ارنی کا نعرہ بلند کیا

لن ترانی سنکر موسیٰ کو تو پشیمان ہونا پڑا تھا
لیکن میرے دل کا حوصلہ کوئی دیکھے کہ اسنے ربی ارنی کہہ ہی دیا

ہر ایک نے ہوش میں آکر اس کا زخم اپنے جگر پر کھایا
لیکن میرا دل تو ہوش میں آکر خود میرے دل کی جستجو کرتا رہا

میرا دل اس روئے نکو کی تلاش میں کوبہ کو پھر رہا ہے
افسوس کہ اسکی زلفوں کی گرفت نے میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دی

صبحِ دم نورِ تجلّی میرے دل سے نمایاں ہوئی
جب اسکا نور افزوں ہوا تو میرے صحرائے دل پر چھا گیا

میں اسکی طرف دوڑ رہا تھا اور پردہ چاک کرتا چلا جاتا تھا
خدا کا شکر ہے کہ میرے دلکو اس کا مقصود اور پناہ گاہ مل گئی

میں نے کہا کہ جب میں اسکی خبر پاؤں گا تو میرے دلکو سکون ملیگا
لیکن جب سے دیکھا تو دل کا سودا اور اسکی فریاد اور بڑھ گئی

غریب و مسکین معینؔ کی مجلس میں ایک لمحہ کیلئے بیٹھو اور موتی چن لو
اسوقت تمکو اندازہ ہوگا کہ میرے دریائے دل نے کیسے قیمتی موتی نکالے ہیں

صفات و ذات کو میں ایکدوسرے سے جُدا نہیں دیکھتا
پھر میں جس چیز کو دیکھتا ہوں خدا ہی کو دیکھتا ہوں

یہ مت کہو کہ حادث آنکھیں قدیم کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں
بس یہی کہنا کافی ہے کہ میں اپنی ذات کو نہیں دیکھ رہا ہوں

جب کہ تیری آنکھیں دُھندلے آئینہ کی طرح نابینا ہیں
تو پھر اس بات کا افسوس مت کر کہ میری طرح کیوں نہیں دیکھتا

مجھ سے یہ مت پوچھو کہ اس ماہ کو تونے کہاں دیکھا
جب میں خود مکاں کی قید سے آزاد ہوں تو پھر اسکو بہ قید مکاں کہاں دیکھونگا

بهر بلا کہ تو خواہی بیاز ماے مرا
کہ در مشاہدۂ تو بلا نمے بینم

زمن بہر چہ کنی یا درا ضیم حقّا
کہ ہر چہ از تو رسد جز عطا نمی بینم

بهر طرف کہ مرا می بری بحمد اللہ
کہ خویش را ز تو یکدم جدا نمی بینم

عروجِ جانِ معینی براوجِ اَوْ اَدْنیٰ
بجز متابعتِ مصطفیٰؐ نمی بینم

تا من با وپیوستہ ام از غیر او بریدہ ام
من حلّ و عقد عقل را در بکید گر پیچیدہ ام

نز بیم نہ از دوزخ بود بیم نہ از برزخ بود
امید و بیم زو بود از غیر ہند لیشیدہ ام

با مالکِ دوزخ بگو کز من مرادِ خود مجوے
ہر لحظہ من از عشق او در دوزخ سوزندہ ام

اے حور و رضواں جناں در پردہ پنہاں شو واں
کامروز از عینِ عیاں من حسن دیگر دیدہ ام

نہ حور خواہم نہ ملک نہ عرش جویم نہ فلک
اینہا نخواہم یک بیک عشق دگر ورزیدہ ام

شہبازِ عشقم در زمیں مرغکے ام دانہ چیں
از بہر صیدی اینچنیں از دست شہ پریدہ ام

یا بلبلے ام گل طلب اندر گلستان طرب
ہر دم بدستانِ عجب از بہرِ گل نالیدہ ام

تا دلبر گلگوں من واں لیلیٰ موزونِ من
گفتا کہ اے مجنونِ من من گوشۂ بگزیدہ ام

تا ہم نمی آرد یقیں نہ آسمان و زمیں
با رفعت و قدر چنیں اندر دلت گنجیدہ ام

گہ مرکزی ام درمیاں گہ نقطۂ ام بی نشاں
گاہی چو پرکارِ رواں بر گرد تو گردیدہ ام

داد او مرا پیمانہ ہا کردم تہی خمخانہ ہا
وز ترس ایں بیگانہ ہا خاکی بلب مالیدہ ام

نے ہرزہ میگوید معیں برخیز و ترد یلم نشیں
بو کن دہانِ من بہ بیں تا از چہ می نوشیدہ ام

ما بفکرش از بہشت و حور و غلماں فارغیم
از نعیم ہر دو عالم بہرِ جاناں فارغیم

قوت از خوانِ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ خوردہ ایم
آب غذا کو شیدہ ایم از آب و از ناں فارغیم

طفلِ جاں را دایۂ لطفِ ازل می پرورد
لاجرم از شہد و شہد و شیر پستاں فارغیم

ہمچو لالہ داغہا بر دل نہادم تا کنوں
ہمچو گل در باغِ وصل از داغِ ہجراں فارغیم

ما کزاں لبہا حیاتِ جاودانی یافتیم
از طلبگاری خضر و آب حیواں فارغیم

تو جس بلا سے مجھے چاہے آزمائے مجھے ڈر نہیں
کہ تیرے مشاہدہ میں مجھے کوئی بلا نظر نہیں آتی

تو مجھے جس سلسلہ میں یاد کرے میں خدا کی قسم راضی ہوں
کہ تجھ سے جو کچھ حاصل ہو وہ سوائے عطا کے اور کچھ نہیں ہے

تو مجھے جس طرف بھی لے جائے شکر ہی کا مقام ہے
کہ میں اپنی ذات سے تجھ کو ایکدم کے لئے بھی جدا نہیں پاتا

اے معینؔ جان کو او ادنیٰ کی منزل پر عروج
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہیں مل سکتا

جب سے میں اس سے متعلق ہوا غیروں سے بالکل جدا ہو گیا ہوں
میں نے عقل کے حل و عقد کو ایک دوسرے سے ملا دیا ہے

نہ مجھے دوزخ کا خوف ہے اور نہ مجھے برزخ کا خطرہ ہے
مجھے تو امید و بیم صرف اسی سے ہے اسکے سوا کسی کا اندیشہ نہیں ہے

نگہبانِ دوزخ سے کہدو کہ مجھ سے تیری مراد پوری نہیں ہوگی
اسلئے کہ میں تو اسکی محبت میں خود ہر لحظہ دوزخِ سوزاں بنا ہوا ہوں

اے جنت کی حوروں اور اے رضوان پردے میں چھپ جاؤ
کہ آج میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک دوسرا حسن دیکھا ہے

مجھے نہ حور کی خواہش ہے نہ فرشتے کی نہ عرش کی نہ فلک کی
مجھے کسی کی حاجت نہیں ہے مجھے تو ایک دوسری ہی چیز کی حاجت ہے

میں زمین پر شہبازِ عشق ہوں، دانہ چین مرغ نہیں ہوں
میں تو ایک خاص شکار کیلئے بادشاہ کے ہاتھ سے اڑا ہوں

میں ایک گل طلب بلبل ہوں اس گلستانِ طرب میں
ہر لحظہ ایک نئے ساز کے ساتھ اس محبوب کیلئے میں نے نالے کئے ہیں

جب سے میرے اس دلبر گلگوں نے اور میری حسین بلبل لیلیٰ نے مجھ سے
کہا ہے کہ اے میرے مجنوں میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے

تب سے یہ نو آسمان اور نو زمین میری اس بڑائی کا یقین نہیں
کرتے کہ میں نے تجھ جیسی شان و شوکت والے کے دل میں جگہ پالی ہے

کبھی میں مرکز کی طرح درمیان میں ہوتا ہوں اور کبھی نقطہ کی طرح بے نشاں
اور کبھی پرکار کی طرح تیرے چاروں طرف پھرتا ہوں

مجھے اسنے پیمانے عطا کئے، میں نے بھی میکدے کے میکدے خالی کر دیئے
لیکن ان بیگانوں کے خوف سے لب کو خاک آلودہ کر لیا ہے

معینؔ یونہی بے وجہ نہیں کہتا کہ اٹھ اور میرے پاس بیٹھ
میرا مست دہن سونگھ لے کہ میں نے کونسی شراب پی ہے

ہم اسکی آرزو میں بہشت و حور و غلماں سے بے نیاز ہیں
بلکہ دونوں عالم کی نعمتوں سے اس محبوب کی خاطر فارغ و آسودہ ہیں

ابیتُ عند ربی کے دسترخوان سے مجھے غذا ملی ہے
چونکہ میں نے وہ غذا کھائی ہے اسلئے میں دنیاوی روٹی سے بے نیاز ہوں

طفلِ جاں کو لطفِ ازل کی دایہ پرورش کر رہی ہے
اسی وجہ سے ہم گہوارے، شہد اور شیرِ پستاں سے بے نیاز ہیں

لالہ کی طرح میں نے دل پر داغ کھائے ہیں تب جا کر کہیں
اب پھول کی طرح باغ وصل میں ہجر سے بے فکر اور مطمئن ہوں

ہم کہ ان لبوں سے حیاتِ جاوداں حاصل کر چکے ہیں
اسی وجہ سے ہم خضر و آبِ حیواں کی طلبگاری سے بے نیاز ہیں

واعظا عشاق را خوش نیست ترغیب بهشت — ما بدیدارش ز باغِ خلد و رضوان فارغیم
طائرِ عشقیم کز قیدِ طبائع جسته ایم — دامِ تن بگسیخته در دانهٔ جان فارغیم
ما چو بیرون رفته ایم از تنگنای کن فکان — در فضای لامکان از ضیقِ امکان فارغیم
عارفان را چون نظر بر عینِ معروفست و بس — از وسائط در ظهورِ نورِ عرفان فارغیم
ما که از عین الیقین حق الیقین را دیده ایم — از دلیلِ ظنی و تشکیکِ برہان فارغیم
چونکه در غیبِ ہویت اعتبارِ غیر نیست — از ظهورِ اسم در مرآتِ اعیان فارغیم
ہرچه دیدم یا حجابِ وست یا خود عینِ اوست — لاجرم از عشق و عقل و کفر و ایمان فارغیم
ما به پشتی گرم بارِ رازِ امانت می کشیم — وز ظلومی و جهولیهای انسان فارغیم
چونکه سلطانِ جهان در حکم و در فرمانِ ماست — از گزندِ حاجب و تهدیدِ دربان فارغیم
حاجبی اندر میان عاشق و معشوق نیست — ما بجانان واصلیم و از رقیبان فارغیم

در ملامت رو معینی خلق انچه خواهد گو بگو
ما کنون از مدح و قدحِ جمله خلقان فارغیم

من نهنگِ بحرِ عشقم تا یکے دم درکشم — کشتیِ تن بشکنم نقدِ دو عالم درکشم
ساقیا از ساغرِ جان بادهٔ وصلم بچشان — تا یکی از خونِ دل جامِ دمادم درکشم
خاک شد چشم براهش ای صبا گردی بیار — تا بجای سرمه اندر چشمِ پُرنم درکشم
روحِ قدسی سجده آرد پیش آن حسن و جمال — کز نقابِ آب و خاک از روے آدم درکشم
در درونِ قصرِ تن بر تختِ دل سازم مقام — طیلسانِ استوارِ عرشِ اعظم درکشم
گر کشم دستِ طمع از آستینِ ہر دو کون — پای در دامن براوجِ هفت طارم درکشم
گر شگافم دلقِ ہستی را بمقراضِ فنا — رشته کے در سوزنِ عیسیٰ؊ مریم درکشم
پای کوبان میروم سوی فلک تا زان نشاط — جامهٔ ازرق ز دوشِ اہلِ ماتم درکشم
پر بسیم تا عقل را بر عشق دعوی میرسد — من بریں توقیع نے واللہ اعلم درکشم
ساقیا اہلِ طرب را جامِ شادی ده که من — درمیانِ درد نوشان دُردیِ غم درکشم

دمبدم نائیِ عشقش در معینی میدمد
فاش خواهم کرد رازش بفنالم درکشم

اے واعظ عاشقوں کو بہشت کی ترغیب پسند نہیں ہوتی
ہم کو تو اسکی امداد حاصل ہے ہمکو باغ خلد اور رضوان سے کیا مطلب

ہم اس کن و کاں کی تنگیوں سے باہر نکل چکے ہیں
فضائے لامکاں میں پہنچکر ہم عالم امکاں کی تنگیوں سے محفوظ ہیں

عارفوں کی نظر چونکہ عین معروف پر ہوتی ہے اور بس
اسلئے ہم نورِ عرفان کے ظہور میں نسبتوں اور واسطوں سے بے نیاز ہیں

ہم عشق کا وہ طائر ہیں جو طبائع کی قید سے آزاد ہے
جسم کا جال توڑ کر ہم دانۂ جاں سے بے نیاز ہیں

ہم نے عین الیقین سے حق الیقین کو دیکھا ہے
اس لئے ہم دلیلِ ظنی اور برہانِ تشکیک سے محفوظ ہیں

چونکہ عالم ہویت میں غیر کا اعتبار نا ممکن ہے
یہی وجہ ہے کہ ہم اعیانِ ثابتہ کے آئینہ میں ظہور اسم سے بے نیاز ہیں

جو کچھ میں نے دیکھا ہے یا تو وہ حجابِ ذات ہے یا عین ذات ہے
اس سبب سے عشق و عقل اور کفر و ایمان سے ہم بے نیاز ہیں

ہم تو بڑی مستعدی کے ساتھ بارِ امانت اٹھا رہے ہیں
اور ہم کو انسان کے اوصاف ظلوم و جہول کی پرواہ نہیں ہے

چونکہ سلطانِ جہاں ہمارے حکم اور فرمان کا تابع ہے
پس ہم دربان کی تہدید اور دربان کی مار سے محفوظ ہیں

عاشق و معشوق کے درمیان حاجب نہیں ہوتا ہے
ہم اپنے دوست سے واصل ہیں اور رقیبوں سے محفوظ ہیں

اے معینؔ اس ملامت کے راستہ کو طے کر مخلوق جو چاہے کہے
ہم تو اب زمانہ کی مدح و قدح سے بالکل بے نیاز ہیں

میں بحرِ عشق کا نہنگ ہوں کب تک خاموش رہوں
میں تو اب کشتی تن توڑ کر دونوں عالم کی نعمتوں کو سمیٹے بیٹھا ہوں

اے ساقی مجھے ساغرِ جاں سے وصل کا ایک گھونٹ پلا دے
میں کب تک خونِ دل سے جام بھر بھر کر پیے جاؤں

میری آنکھیں اس کے انتظار میں خاک ہو گئیں اے صبا کچھ گرد لا دے
تاکہ میں اپنی چشم پرنم میں سرمہ کے بجائے اسکو لگاؤں

اسکے حسن و جمال کے سامنے تو روح قدس بھی سجدہ کناں ہو جائے
اگر میں آب و خاک کی نقاب انسان کے رخ سے اٹھا دوں

قصرِ تن کے اندر میں تختِ دل پر اگر قیام کر لوں
تو عرشِ اعظم کی مضبوط چادر مجھے اوڑھنے کو مل جائے

اگر میں طمع کا ہاتھ دونوں عالم کی آستین سے باہر نکال لوں
تو سات آسمانوں کی بلندی کے دامن پر میں پاؤں رکھ سکتا ہوں

میں اپنی ظلمتِ ہستی سے اس طرح باہر نکل کر آیا
کہ اب جیسا کہ تجھے معلوم ہے میں اسکی ہستی کا نور بنگیا ہوں

اگر میں دلقِ ہستی کو مقراضِ فنا سے پارہ پارہ
کر دوں تب عیسیٰ مریم کی سوزن میں رشتہ ڈال سکتا ہوں

میں رقص کرتا ہوا سوئے فلک جا رہا ہوں، اور اسکی
خوشی سے میں نیلی چادر اہل ماتم کے دوش سے اتار لوں

اے ساقی اہل طرب کو جام دے کہ میں
ان دُرد نوشوں میں غم کی تلچھٹ ہی پی لوں

معینؔ کے اندر لحظہ بہ لحظہ روح القدس کو پھونکا جا رہا ہے
ایسا نہ ہو کہ میں کہیں عیسیٰ ثانی بنجاؤں

ترا میخواهم ای دلبر که بینم | تویی مقصود من در هر که بینم
مرا چشم از برای دیدن تست | تو رخ ننمائیم پس در که بینم
جمال ساقی من می نماید | بمرآت می و ساغر که بینم
چنانت دیده ام از دیدهٔ دل | که نشناسم بچشم سر که بینم
هزاران در ز دل سویت کشاده ست | ترا می بینم از هر در که بینم
رخت گر بینم و در ره بمیرم | چو خواهم مرد، آن بهتر که بینم
معین امروز نی خواهد وصالش
ندارد صبر تا محشر که بینم

این منم یارب که اندر نور حق فانی شدم | مطلع انوار فیض ذات سبحانی شدم
ذره ذره از وجودم طالب دیدار گشت | تا که من مست از تجلیهای ربانی شدم
رنگ غیرت راز مرآت دلم بزدود عشق | تا تجلی واقف اسرار پنهانی شدم
من چنان بیرون شدم از ظلمت هستی خویش | تا ز نور هستی او آنکه میدانی شدم
گر ز دود نفس ظلمت پاک بودم سوخته | زامتزاج آتش عشق تو نورانی شدم
خلق میگفتند کین ره را بدشواری روند | ای معاف الله که من باری بآسانی شدم
دمبدم روح القدس اندر معینی میدهد
من نمیدانم مگر من عیسی ثانی شدم

چو من ز بادهٔ عشق تو مست و بیخبرم | همه جمال تو بینم بهر چه در نگرم
تو هر حجاب که خواهی فرو گذار که من | بنعرهٔ که زنم صد حجاب را بدرم
چو در میانه نماند حجاب مانع چیست | که پر بر آرم و از هفت چرخ درگذرم
چه جای هفت فلک کز فراز طارم عرش | هزار منزل دیگر بیک قدم سپرم
چو جای نیست برم هفت چرخ و هشت بهشت | سزاست گر دو جهان را به نیم جو نخرم
درخت عمر مرا بر امید دیدن تست | اگر بغیر تو بینم ز عمر برنخورم
معین نظر ز خدا باقیست ای والله | که عرش و فرش ندارند تاب یک نظرم

اے دوست میں چاہتا ہوں کہ تجھ ہی کو دیکھوں
میں جس چیز کو دیکھوں گا تو ہی میرا مقصود ہے

مجھے تیرے دیدار ہی کے لئے آنکھیں دی گئی ہیں
میں جس چیز کو بھی دیکھوں مجھے تو ہی نظر آتا

مجھے مرے ساقی کا جمال ہی نظر آتا ہے
جب بھی میں مے و ساغر کا آئینہ دیکھتا ہوں

میں نے دِل کی آنکھوں سے تجھے اس طرح دیکھا ہے
کہ میں ان ظاہری آنکھوں سے جیسے دیکھتا ہوں نہیں پہچانتا

دل کی ہزاروں درزیں تیری طرف کھُلی ہیں
میں جس در سے بھی دیکھوں گا تجھ ہی کو دیکھوں گا

میں تیرا مشاہدہ کروں اور اثنائے مشاہدہ ہی
میں مر جاؤں، جب نا ہی ٹھہرا تو بہتر ہے کہ تجھے دیکھ لوں

معینؔ آج ہی اس کا وصال چاہتا ہے
حشر تک اس کے دیدار کا اس کو صبر نہیں ہے

الٰہی یہ میں ہی ہوں کہ نورِ حق میں فنا ہو گیا ہوں اور
اس طرح ذاتِ سبحانی کے فیض کا مطلع انوار بن گیا ہوں

میرے وجود کا ذرّہ ذرّہ طالبِ دیدار ہے، جب سے
میں ربّانی تجلّیوں سے مست ہوا ہوں

عشق نے میرے دل کے آئینہ سے غیرت کا زنگ دور کر دیا
تا کہ میں پورے طور پر اسرارِ نہاں سے واقف ہو جاؤں

اگرچہ تاریک نفس کے دھوئیں نے مجھے بالکل جلا ڈالا تھا
لیکن تیرے عشق کی آگ نے مجھے نورانی بنا دیا

لوگ کہتے ہیں کہ یہ راستہ بہت مشکل سے طے ہوتا ہے
یاد ش بخیر! کہ میں نے اس راہ کو آسانی سے طے کر لیا

ہر لحظہ روح القدس کو معینؔ کے اندر پھونکا جا رہا ہے
مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیوں ہے، کیا میں عیسیٰ ثانی بنجاؤنگا

جب سے میں تیری بادۂ عشق سے مست ہوا ہوں
تب سے میں جس چیز کو دیکھتا ہوں تو ہی تو نظر آتا ہے

تم جس پردے کو چاہو اپنے رُخ پر ڈال لو کہ میں
ایک نعرہ سے ایسے سینکڑوں حجابوں کو پھاڑ دونگا

جبکہ کوئی درمیان ہی میں نہیں تو پھر اب کیا رکاوٹ ہے
کہ میں پر پھڑپھڑاؤں اور سات آسمانوں کو طے کروں

یہ ہفت فلک کیا ہیں کہ میں طائرِ عشق کی بلندی سے
ایسی ہزاروں منزلوں کو ایک قدم میں طے کر سکتا ہوں

جب خریدنا ہی ہے تو سات آسمان اور آٹھ جنتیں کیوں خریدوں
اگر میں دونوں جہاں کو ایک جَو کے عوض خریدوں تو بجا ہے

میرے درختِ امید کا پھل صرف تیرا دیدار رہے
اگر میں نے تجھے نہیں دیکھا تو گویا درختِ عمر سے پھل نہیں کھایا

اے معینؔ خدائے باقی سے یہ نظر ملی ہے خدا کی قسم
عرش و فرش میری اس ایک نظر کی تاب نہیں لا سکتے

تو خاصه زما باش که ما نیز ترائیم ‌ ‌ ‌ در هر دو جهان مقصد و مقصود تو مائیم
گر یک قدم از کوی طلب سعی ی من آئی ‌ ‌ ‌ ما صد قدم از راهِ کرم پیش تو آئیم
ما گنج نهانیم و تو مفتاحِ فتوحے ‌ ‌ ‌ هم از تو برائے تو درِ گنج کشائیم
ما بر صفت خویش ترا جلوه نمودیم ‌ ‌ ‌ تا ز آئینهٔ ذات تو خود را بنمائیم
تو آئینهٔ صافی و ما نیز چو خورشید ‌ ‌ ‌ در آئینه تابیم و حرارت بفزائیم
چون زنگ گِل از آئینهٔ دل بزدودند ‌ ‌ ‌ جان نعره بر آورد که ما نور خدائیم
جز نورِ جمال تو در آئینه چه تابد ‌ ‌ ‌ آندم که غبار از رخِ آئینه زدائیم
تو بحرِ قدم بودی و ما شبنم امکان ‌ ‌ ‌ ما با تو چنانیم که گوئی همه مائیم
در عالمِ توحید نه یاریم و نه اغیار ‌ ‌ ‌ آن لحظه که از پردهٔ هستی بدر آئیم

از شش جهتِ کون گذشت ست معنّے
از جا چو بروئیم چه گوئیم کجائیم

من بلبل عشقم کنون سوی گلستان میروم ‌ ‌ ‌ بوی از آن گل یافتم اندر پے آن میروم
چون آبِ جو گشتم روان بی پا و سر در باغِ جان ‌ ‌ ‌ جامی بمن داد ست از آن سر مست و غلطان میروم
من عندلیب بیخودم کز عشقِ گل نالان شدم ‌ ‌ ‌ نی نی که من آن هدهدم سوی سلیمان میروم
یا صفدری ام صف شکن میبوده در زندانِ تن ‌ ‌ ‌ افتاده بند از پای من اکنون بمیدان میروم
صد بند را بگسیختم وز دشمنان بگریختم ‌ ‌ ‌ با لشکرش آمیختم تا پیشِ سلطان میروم
در راه دیدم دلبری عاشق کشے غارتگرے ‌ ‌ ‌ در سر کشیده چادری یعنی که پنهان میروم
گفتم که اندر نیم شب صبحی دمیده بو العجب ‌ ‌ ‌ گفتا که هر شب بطلب بیمار پرسان میروم
عشاق را می میدهم بس جانبِ خود میکشم ‌ ‌ ‌ گر پیش من نانے دهم من پیشِ ایشان میروم

باشد ز قیدِ جسم و جان مطلق معنّے بر کران
دیگر سبک بارم از آن در راه آسان میروم

پرده بر می افتد از رخسار او بکشای چشم ‌ ‌ ‌ می نماید لمعهٔ انوار او بکشای چشم
شاید ار دیده نه بکشائی سوئے حور و قصور ‌ ‌ ‌ لیکن اندر دیدنِ دیدار او بکشای چشم

اے دوست تو بھی ہمارا بنجا کہ ہم بھی تیرے ہی ہیں
اور ان دونوں جہان میں ہم ہی تیرا مقصود ہیں

اگر کوئی طلب سے تو ایک قدم بھی میری طرف آئے
تو ہم سو قدم محبت سے تیری جانب آگے بڑھے ہیں

ہم ایک پوشیدہ خزانہ ہیں اور تو فتوح کی کلید ہے
ہم تجھی سے تیرے لئے ایک خزانہ کا دروازہ کھولیں گے

ہم نے اپنے اوصاف کے لحاظ سے تجھے اپنا جلوہ دکھایا ہے
تاکہ تیرے آئینہ ذات سے تجھکو اپنا جلوہ دکھائیں

تو ایک آئینہ صاف ہے اور ہم خورشید کی طرح ہیں
ہم اس آئینہ میں چمکتے ہیں اور حرارت کا اضافہ کرتے ہیں

جب خاک کی کدورت کو آئینہ دل سے ہم نے دور کردیا
تو اسوقت جان نے نعرہ بلند کیا کہ "ہم نورِ خدا ہیں"

سوائے تیرے نورِ جمال کے آئینہ دل میں کیا چمک سکتا ہے
اسوقت جبکہ ہم آئینہ کے رخسار سے زنگ دور کردینگے

تو بحرِ قدم تھا اور ہم عالمِ امکان کی شبنم
ہمارا تو تجھ سے ایسا رابطہ ہے گویا سراپا ہم ہی ہم ہیں

عالمِ توحید میں نہ ہم کسی کے یار ہیں نہ اغیار ہیں
بشرطیکہ ہم پردہ ہستی سے قدم باہر رکھیں

معینؔ اس کون و مکاں کی شش جہت سے گذر چکا ہے
جب ہم مکاں کی قید سے باہر ہیں تو کیا بتائیں کہ ہم کس مقام پر ہیں

میں بلبلِ عشق ہوں اب گلستاں سے جا رہا ہوں
میں نے جس گل کی خوشبو سونگھی تھی اسی کی جستجو میں نکلا ہوں

میں ایک آبِ جو کی طرح رواں ہوں باغِ جاں میں نے سر پا جا رہا ہوں
میرے دوست نے مجھے ایک جام دیا اس سے سرمست ہو کر جا رہا ہوں

میں ایک عندلیبِ بیخود ہوں عشقِ گل میں نالاں ہوں
نہیں نہیں! میں وہ ہُدہُد ہوں کہ سلیمان کی طرف جا رہا ہوں

یا میں ایک صف شکن صفدر ہوں کہ زندانِ تن میں گرفتار تھا
اب میرے پاؤں زنجیر سے آزاد ہوئے ہیں لہٰذا میدان میں رواں ہوں

سینکڑوں قیدوں کو توڑا ہے تب کہیں دشمنوں سے بھاگا ہوں
اور میں سلطانِ عشق کے لشکر میں اسکی حضوری کیخاطر شریک ہوں

مینے راہ میں ایک ایسے دلبر کو دیکھا جو عاشق کش اور غارتگر ہے
اب وہ اپنا سر ڈھانک کر یعنی مجھ سے چھُپ کر جا رہا ہے

مینے کہا کہ تعجب ہے آدھی رات کو صبح کیسے نمودار ہو گئی
تو اسنے کہا کہ ہر رات بعیر بلا کے میں بیماروں کی عیادت کو جا رہا ہوں

میں عشاق کو شراب پلاتا ہوں اور پھر اپنی جانب کھینچ لیتا ہوں
اگر وہ میرے سامنے نعمتیں رکھیں تو میں انکے سامنے سے ہٹ جاؤں

شاید معینؔ ایسا ہو کہ میں جسم و جان کی قید سے آزاد ہو جاؤں
اگر میں اس سے سبکبار ہو جاؤں تو راستہ مجھ پر آسان ہو جائے

اسکے رخسار سے پردہ اٹھ رہا ہے اپنی آنکھیں کھول دے
اب اسکے انوار کی کرن چمکنے والی ہے اپنی آنکھیں کھول

یہ تو ہو سکتا ہے کہ حور و قصور کی دید کیلئے تو آنکھیں نہ کھولے
لیکن اسکے دیدار کی دید کے لئے تو اپنی آنکھوں کو کھول

جانِ قدسی کردہ نرخِ دیدنش دلّالِ عشق گر تو جاں داری دریں بازار او بکشای چشم
دیدہ ات حسن مؤثر بے وسائط گر ندید باری در آئینۂ آثار او بکشای چشم
ہیچکس بیخارِ غم یک گل دریں بستان ندید گر گلت باید بزخمِ خار او بکشای چشم
بندگانِ در خواب سلطانِ پاسبانی می کنند در سپاسِ دیدۂ بیدار او بکشای چشم
دوست را صد پردہ است و ہر یکی را دیدہ است پس برفعِ ہر یکی زاستار او بکشای چشم
آں نہ منصور ست کاندر دار انا الحق میزند نیست غیر حق کسی در دار او بکشای چشم
دیدہ بربست است زاہد تا بفردا روز بار نی کہ امروز ست روز بار او بکشای چشم

کاروبار خود **معینؔ** در سرِ کارِ تو کرد
بر امید یک نظر در کار او بکشای چشم

ما بہر وصال از دل و جاں نیز گذشتیم در وصل نخواہی تو از آں نیز گذشتیم
در بحرِ فنا غرق رضائے تو چنانیم کز جوے مرادِ دو جہاں نیز گذشتیم
عمرے زپے نام و نشانِ تو دویدیم تا در طلب از نام و نشاں نیز گذشتیم
در پایگہ نفس بہ ہیچے چہ کند دل کز مرتبۂ روح و رواں نیز گذشتیم
یک جام بما داد کہ تن دل شد و دل جاں یک جامِ دگر داد زجاں نیز گذشتیم
ناگاہ رسیدیم بہر چیز کہ جستیم از پا ننشستیم و ازاں نیز گذشتیم
دیدیم عیاں چہرۂ منصور بوجہے کز ضابطۂ شرح و بیاں نیز گذشتیم
از تفرقہ عاشق و معشوق رہیدیم فی الجملہ نہ آنیم و زاں نیز گذشتیم
ایں طرفہ کہ ہم نقطہ و ہم دائرہ مائیم وز دائرہ دورِ زماں نیز گذشتیم
در منزلِ مقصود کہ خلوتگہ قدس ست از حادثۂ کون و مکاں نیز گذشتیم

از عینِ عیاں دید معینؔ حسنِ تو امروز
کز وعدۂ فردا بجناں نیز گذشتیم

چشم غیر ست دریں پردہ چسانش بینم بہتر آنست کہ از دیدۂ جانش بینم
او چو از دیدۂ بیدیدہ کیم می بیند چارہ آنست کہ من نیز چنانش بینم

عشق کے دلّال نے اسکی دید کی قیمت پاکِ جان مقرر کی ہے
اگر تیرے پاس متاعِ جان ہے تو پھر اسکے بازار میں آنکھیں کھول

اگر تیری آنکھیں بغیر ذرائع اور واسطوں کے اسکا جمال نہ دیکھ سکیں
تو آئینۂ آثار ہی میں اسکے مشاہدہ کے لئے آنکھیں کھول

کسی نے بھی اس باغ میں ایک پھول بغیر خارِ غم کے حاصل نہیں کیا
پس اگر تجھے پھول کی تلاش ہے تو کانٹوں کے زخم کیلئے تیار رہ

بادشاہ کی خواب میں اس کے غلام پاسبانی کرتے ہیں
تو اپنے دیدۂ بیدار کے لشکر میں شب بھر آنکھیں کھول

دوست کے سو پردے ہیں اور ہر ایک پردے کیلئے چشمِ نظارہ ہے
پس تو اسکے پردوں کو اٹھانے کے لئے آنکھ کھول

وہ منصور نہیں تھا جو سولی پر انا الحق کا نعرہ بلند کر رہا تھا
بلکہ وہ خدا تھا، اسکے مشاہدہ کیلئے آنکھ کی ضرورت ہے

زاہد نے اپنی آنکھیں قیامت تک کیلئے بند کر لی ہیں
لیکن اس کا خیال غلط ہے اسکے امتحان کا دن تو آج ہے دیکھ لے

تجھ سے تعلق پیدا کرکے معینؔ نے اپنے کاروبار کو سرانجام دیا ہے
اور وہ ایک نگاہ کا امیدوار ہے اے دوست ایک نظر اسکو دیکھ لے

ہم آرزوئے وصال میں دل وجان سے ہاتھ اُٹھا چکے ہیں
اور اگر تو وصل پر راضی نہیں ہے تو ہم اس سے بھی دستبردار ہو جاتے ہیں

ہم تیری رضا میں بحرِ فنا میں اس طرح غرق ہیں
کہ دونوں جہاں کی ایک ذرہ سی بھی آرزو ہمارے دل میں نہیں

تمام عمر ہم تیرے نام و نشان کے لئے دوڑتے رہے
اور اب اس جستجو میں خود اپنے نام و نشاں کو کھو بیٹھے ہیں

اس نفسِ بہیمی کی بارگاہ میں ہمارے دل کا کیا کام
کہ ہم تو عشق میں روح و رواں کے مرتبہ کو بھی ترک کر چکے ہیں

ایک جام دیکر میرے تن کو دل اور دل کو جاں بنا دیا
اسکے بعد ایک جام اور دے کر دل و جاں سے بھی بیخبر بنا دیا

یکایک ہم ایسی منزل پر پہنچے کہ ہر مقصود وہاں موجود تھا
کچھ دیر وہاں قیام کیا اور پھر اس منزل سے بھی گذر گئے

ہم نے اس منزل پر منصور کے چہرہ کو اس طرح عیاں دیکھا
کہ ہم کو وہاں شرح و بیاں کے ضابطہ کو چھوڑنا پڑا

ہم عاشق و معشوق کے فرق سے محفوظ ہو گئے
اس منزل پر نہ ہم عاشق ہیں اور نہ معشوق، ہم اس سے گذر گئے

یہ عجب تماشہ ہے کہ اب بھی ہم نقطہ بھی ہیں اور دائرہ بھی
اور اب ہر زمانہ کے دَور کے دائرہ سے ہم نکل چکے ہیں

منزل مقصود پر پہنچ کر جس کا نام خلوت گاہِ قدس ہے
ہم کون و مکان کے حادثے سے محفوظ ہو گئے

معینؔ نے عین عیاں سے آج تیرا حُسن دیکھا ہے
کہ اس نے جنت کا وعدہ آج ہی فراموش کر دیا ہے

یہ چشم تو غیر ہے میں پردے میں اس کو کس طرح دیکھوں
اب تو یہی مناسب ہے کہ میں دیدۂ جاں سے اس کا مشاہدہ کروں

وہ کہ مجھے اپنے دیدۂ بیدیدہ سے دیکھ رہا ہے
مجھے بھی چاہیئے کہ میں بھی اس کا نظارہ اسی طرح کروں

بی نشانیست نشانِ طلب اندرِ عشق بی نشاں تا شدہ جا شا کہ نشانش بینم
رفت آنوقت کہ بروی نگراں میبودم وقت آنست کہ بر خود نگرانش بینم
پردہ گو برفگن امروز ز رُخ ورنہ مرا صبر آں نیست کہ فردا بجنانش بینم
خواہم اول کہ ز سرتا بقدم جاں گردم تا چو جاں در ہمہ پیدا و نہانش بینم
حسنش از پردہ ہستیٔ معینؔ می تابد
باشد ایں پردہ برافتد کہ عیانش بینم

براہِ عشق چو پای حدوث پے کردم بیک قدم کہ زدم ہر دو کوں طے کردم
ازیں سراچۂ فانی قدم زدم بیروں چو عزم بارگہ کبریاے وے کردم
بسوخت از نفسم پردہای ہفت فلک کنوں کہ غسلِ طریقت باآب مے کردم
ز دست بخت خرد آنچہ خوردہ بود دلم بجرعۂ زمے عشق جملہ قے کردم
دمید نائ عشق تو راز ہا بدلم من از سلیم ولی نسبتش بہ نے کردم
دمید روح قدس در معینِ مسیح صفت
بہ بیں کہ مردہ دلاں را چگونہ حے کردم

چو من از ہستیِ خود دور باشم بخود ہم ناظر و منظور باشم
چو جام و بادہ و ساقی مہیاست روا باشد کہ من مخمور باشم
ز جام وحدتم یک جرعۂ بخش کہ در دارِ فنا منصور باشم
ازاں جامی کہ چوں سرِ انا الحق برآید بر زباں معذور باشم
ز تابِ عکس خورشیدِ حقیقت چو ذرّہ مظہر آں نور باشم
ندارد تاب نورم چشمِ خفّاش ہماں بہتر کہ من مستور باشم
ز شہرِ عشق مے آید معینےؔ
عجب بنود اگر مشہور باشم

جامِ دیدارِ خدا کرد چناں مخمورم کہ خمارش ننشیند بہ بہشت و حورم

عشق کی گلی میں بے نشانی ہے اس کا نشان ہے
جب تک میں بے نشان نہیں ہونگا اس کا نشان نہیں دیکھ سکتا

وہ زمانہ گیا جبکہ میں تیرے چہرے کو تکتا رہتا تھا
اب تو یہ حال ہے کہ میں اس کو خود اپنا نگراں پاتا ہوں

اس سے کہدو کہ آج ہی اپنے رُخ سے پردہ اُٹھادے
مجھکو یہ صبر نہیں ہے کہ میں کل جنت میں اسکے دید کا انتظار کروں

میں پہلے تو سر سے قدم تک جان بننا چاہتا ہوں
تاکہ جاں کی طرح پھر اس کو ظاہر و باطن میں دیکھ سکوں

اس کا حسن خود معینؔ کی ہستی کے پردے میں نہاں ہے
جب یہ پردۂ ہستی اُٹھ جائے گا تو تب میں اسکو عیاں دیکھ سکونگا

عشق کے راستے میں جب مینے حدوث کے پاؤں کاٹ ڈالے
تو پھر ایک ہی قدم پر یہ دونوں جہان طے کر لئے

اس فانی دُنیا سے میں نے قدم باہر رکھ دیا
جس وقت میں نے اس کی عظیم بارگاہ کا ارادہ کیا

میرے گرم انفاس نے ساتوں آسمان پھونک ڈالے
جس گھڑی مینے شراب کے پانی سے طریقت کا غسل کیا

عقل کے ہاتھوں کا پکوان جو کچھ مینے کھایا تھا
وہ مینے عشق کی شراب کا ایک گھونٹ پی کر اُگل ڈالا

تیرے عشق کی نَے نے میرے دل میں راز بھر دئے
میں ہوں لیکن اسکی نسبت مینے نَے سے کی ہے

حضرت عیسیٰ کی طرح میرے اندر بھی روح قدس بھر دیگئی ہے
دیکھ کہ میں نے اس کی مدد سے مردہ دلوں کو کس طرح زندہ کیا ہے

جب میں اپنی ہستی سے دور ہو جاؤنگا
تو اسوقت میں خود ہی ناظر ہونگا اور خود منظور

جب شراب، جام اور ساقی سب موجود ہیں
تو پھر روا ہے کہ میں (بھی پی کر) مخمور ہو جاؤں

مجھے جامِ وحدت کا ایک گھونٹ پلادے
تاکہ میں بھی اس دارِ فنا میں منصور بن جاؤں

اس جام سے شراب پی کر جب انا الحق کا
راز زبان سے نکل جائے تو مجھے معذور سمجھئے!

خورشید حقیقت کے عکس کی چمک سے
ذرّہ کی طرح میں بھی اس نور کا مظہر ہوں

میری آنکھوں کے نور کی چمگادڑ کو تاب کب ہو سکتی
ہے، اس لئے یہی بہتر ہے کہ میں چُھپا رہوں

معینؔ شہرِ عشق سے آرہا ہے
کچھ تعجب نہیں اگر وہ ہر طرف مشہور ہو جائے

دیدارِ خدا کے جام نے مجھے ایسا مخمور کر دیا ہے
کہ اس کا خمار بہشت اور حور سے بھی دور نہیں ہو گا

مست اگر نعرہ زند نعرہ زمی داں نہ ازو — مست حقم نہ کم از مست مئ انگورم

آہِ سوزاں زدل آندم کہ فرستم بہ فلک — گر بسوزد پر و بالِ ملکی معذورم

روز و شب با من و من در طلبش سرگرداں — مشکل ایں است کہ ہم واصل و ہم مہجورم

او بصد مرتبہ نزدیکتر ست از رگِ جاں — من بصد مرحلہ افسوس کہ از وی دورم

روحِ قدسم بقیود بشری گشتہ اسیر — ہمچو خورشید کہ در مشتِ گلے مستورم

از چہ در سایۂ تن ذرّہ صفت گم نامم — من کہ خورشیدم و در عالمِ جاں مشہورم

پردہ از پیش براندازم و گویم کہ کیم — لیک ترسم کہ بسوزد دو جہاں از نورم

مسندِ سلطنتم بر سرِ افلاک زدند — تا کہ سلطانِ ازل زد رقمِ منشورم

موسئ دل کہ بطورِ بدنم گفت ارنی — یعنی از جامِ بقا بادہ بدہ مخمورم

جرعۂ داد ازاں بادۂ وحدت کہ مرا — نہ کنوں موسئ دل ماند بجانِ طورم

منکہ در دیرِ فنا لافِ انا الحق زدہ ام — عشق در دارِ بقا دادہ مے منصورم

حرفے از سطرِ تجلیش اگر بر خوانم — دانی آں لحظہ کہ بر لوحِ قدم مسطورم

من چو در آئینۂ دل نظری افگندم — گشت معلوم کہ ہم ناظر و ہم منظورم

باز غم گرچہ بمقدارِ شکیب است معین
لیک پیدا است کہ تا چند بود مقدورم

گہ چو احمدؐ در شبِ معراجِ وصل — از حرم تا سوب اقصیٰ میروم

از زمیں تا سدرہ و ز سدرہ بعرش — بر براقِ برق آسا میروم

از فلک بگذشت و ز انس و ملک — از دنیٰ سوے تدلیٰ میروم

قاب و قوسین ست و او ادنیٰ حجاب — بے حجب تا حق تعالےٰ میروم

من نمیدانم دریں بحرِ عمیق
شستہ ام استادہ ام یا میروم

ردیف "ن"

مست اگر نعرہ زنی کرے تو اس کا باعث شراب ہے وہ نہیں ہے پھر میں تو شرابِ عشق سے مست ہوں انگوری سے نہیں
میں اپنے دلِ سوزاں کی آہِ فلک پر بھیجتا ہوں تو اگر فرشتوں کے بال و پر جل جائیں تو میں معذور ہوں
روز و شب میں اسکی طلب میں سرگرداں ہوں اور میرا سر ہے کیا مشکل آپڑی ہے کہ میں اصل بھی ہوں اور مہجور بھی
وہ اگرچہ جان سے کتنا زیادہ نزدیک ہے لیکن افسوس کہ میں اس سے سینکڑوں منزل دور ہوں
میری پاک روح قیودِ بشری میں گرفتار ہے میں سورج کی طرح ہوں لیکن مٹھی بھر خاک میں چھپ گیا ہوں
کیا سبب ہے کہ میں ذرہ کی طرح سایۂ تن میں گم ہوں حالانکہ میں خورشید ہوں اور دونوں عالم میں مشہور ہوں
میں اپنے سائے جیسے پردہ اٹھا کر بتا سکتا ہوں کہ میں کون ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ دونوں عالم میرے نور سے جل جائینگے
میری سلطنت کی مسند افلاک پر بچھائی گئی تا کہ سلطانِ ازل میرے منشور پر کچھ تحریر فرمادے
دل کے موسیٰ نے میرے طورِ جسم پر اَرِنی کہا یعنی جامِ بقا سے مجھے شراب عطا کر کہ میں مخمور ہوں
میری گذارش پر بادۂ وحدت سے مجھے ایک گھونٹ دیا گیا ق اور اس کے پیتے ہی جان کے طور پر موسیٰ دل کا پتہ نہیں ہے
میں کہ اس فانی دنیا میں انا الحق کا دعویٰ کرتا تھا لہٰذا عشق نے مجھے دارِ فنا میں منصور بنا دیا
اگر میں اس کی تجلی کی سطر کا ایک حرف پڑھ دوں تو تجھے اس وقت معلوم ہوگا کہ میں لوحِ قدم پر لکھا ہوا ہوں
میں نے جب آئینۂ دل پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ میں خود ہی ناظر ہوں اور خود ہی منظور ہوں

غم کا بوجھ اگرچہ معین صبر قرار کے مطابق ہے
لیکن ظاہر ہے کہ اسکی برداشت کی طاقت آخر کبتک رہیگی

اگر میں بھی احمد کی طرح معراجِ وصل کی رات میں حرم سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف جاؤں
تو زمیں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے عرش تک براق پر سوار ہو کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ جاؤں
افلاک سے اور انس و ملک سے گذر کر میں دنیٰ کے مقام سے تدلّٰی کے مقام پر جا پہنچوں
لیکن یہ قاب و قوسین اور اَو ادنیٰ بھی تو ایک حجاب ہے میں تو بغیر ان حجابوں کے حق تعالیٰ تک جا پہنچوں گا

مجھے نہیں معلوم کہ اس بحرِ عمیق میں میری کیا حالت ہے
میں بیٹھا ہوں یا ایستادہ ہوں یا رواں دواں ہوں

ردیف "ن"

حمد یکه پر گهر بود از وی دکان جان   شکر یکه پر شکر بود از وی دهان جان
حمد یکه جان بیان کندش از ادای دل   شکری که دل ادا کندش از بیان جان
حمد یکه در قلائد انعام در کشد   لولو ز بحر خاطر و گوهر ز کان جان
حمد یکه در عزیمت گلشن سرای قدس   بر بام عرش بر دود از نردبان جان
حمد یکه چون هما فگند سایهٔ شرف   بر اوج بارگاه قدم ز آشیان جان
بادا نثار بارگه واجب الوجود   کو را اگر ستاید دل از زبان جان
مانند آفتاب جهان تاب روشن ست   آثار پادشاهی او در جهان جان
جان و جهانم اوست ولی چون بجویمش   اندر جهان نیابم و یابم میان جان
عالم نشان آدم و آدم نشان اوست   همچون بدن نشان دل و دل نشان جان
تن زنده چون بجان شد و جان زنده شد بدوست   تن جان خود شناسد و جان نیز جان جان
در شوره زار تن صد گل مراد   چون فیض حق ز دل کند ز آسمان جان

گر وصل دوست می طلبی جان بده معین
زیرا که سود عاشقی آمد زیان جان

ای ذات تو بر بساط کونین   سیر دو جهان و دُرّ بحرین
چشم دو جهان بتست روشن   در دیدهٔ جان تو قرة العین
آلوده نشد بسیر عرفان   دامان تو از غبار کونین
کی نقد امانتم سپردی   گر تو نشدی ضمان آن دین
از شین شفاعت تو آن رست   در روز قیامت از جنان شین
عقل از سفر براق عشقت   تا چند کند سوال الی این
در دائرهٔ معاد و مبدا   موهوم خطی فتاده فی البین
زائد شدن دنی تدلی   آن دائرهٔ گشته قاب قوسین
آن خط تو همی بر انداخت   تا عکس جدا نباشد از عین
سرکش ز غبار غیر وارست   مانندهٔ آفتاب از غین
از تابش بادهٔ معیت   روشن شده جام ثانی اثنین

وہ حمد جس سے دُکانِ جاں پُر گُہر ہے
اور وہ حمد جس سے زبانِ جاں شکریں ہے

وہ حمد جس کو جان دل کے ساتھ بیاں کرتی ہے
اور وہ شکر جس کو دل بیانِ جاں سے ادا کرتا ہے

وہ حمد جس کو انعام کے ہاروں میں
پرونے کیلئے جان کی کان سے موتی نکال کر دل پڑتا ہے

اور وہ حمد جسکی کو پاک ارادے کے گلشن میں
جان کی سیڑھی سے بامِ عرش پر لے جائیں

اور وہ حمد جو ہما کی طرح شرف کا سایہ
جان کے آشیانے سے بارگاہ قدم کی بلندی پر ڈالے

اس واجب الوجود کی بارگاہ پر نثار ہو
جسکی تعریف و توصیف میرا دل اپنی جان کی زبان سے کر رہا ہے

جہانتاب آفتاب کی طرح روشن ہے
اس واجب الوجود کی بادشاہی دونوں جہان میں

میری جان اور میرا جہان وہی ہے لیکن میں اسکو کس طرح تلاش کروں
کہ میں اسکو دنیا میں نہیں پاتا اور وہ جان کے اندر موجود ہے

دُنیا نشانِ آدم ہے اور آدم اس کا نشان ہے
جس طرح بدن سے دل کا نشان ہے اور دل جان کا ثبوت ہے

یہ جسم جان سے زندہ ہے اور جان اس دوست سے زندہ ہے
جسم اپنی جان کو پہچانتا ہے اور جان اپنے جانِ جان کو جانتی ہے

شورۂ تن میں مراد کے سینکڑوں پھول کھل سکتے ہیں
جب حق کا فیض آسمانِ جاں سے نزول کرے گا

اے معین اگر وصل دوست کا خواہاں ہے تو جاں نثار کر دے
اس لئے کہ عاشقی کا نفع جان کے زیاں میں موجود ہے

اے رسول اللہ آپ کی ذات گرامی اس دنیا میں
اس طرح ہے جیسے موتی سمندر میں رہ کر دو جہان کی سیر کرتا ہے

دونوں عالم کی آنکھ آپ ہی کی بدولت روشن ہے
دیدۂ جاں کیلئے آپ ہی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں

سیرِ عرفاں میں آلودہ نہیں ہوا
آپ کا پاک دامن دونوں عالم کے غبار سے

وجود کی امانت مجھے کب سونپی جاتی
اگر آپ اس قرض کے ضامن نہ ہوتے

آپ کی شفاعت کے شین (شان) سے رہائی
پاسکتے ہیں قیامت کی اس ہولناکی سے

آپ کے براقِ عشق کے سفر کے بارے میں
کب تک عقل سوال کرتی رہے گی

آپ کی ذاتِ گرامی معاد و مبدا کے مابین
اس موہوم خط کی طرح ہے جو بیچ میں واقع ہے

قرب کی جانب زیادہ جھکاؤ سے
وہ دائرہ خود بخود قاب قوسین بن گیا

اس وقت وہ خطِ وہمی بھی مٹ گیا
تاکہ عکس اپنے عین سے الگ نہ ہو جائے

پھر وہ رازِ غیریت کے غبار سے پاک ہو گیا
جس طرح آفتاب تاریکی سے پاک ہوتا ہے

جب شرابِ معیت (قربت) کی تابش ہوئی
تو ثانی اثنین دو میں سے ایک کا جام روشن ہو گیا

از صیقلِ معرفت زدوده　　ز آئینۂ دل کدورتِ رَین

بے نقطۂ وحدتش **معینے**

رَینِ دلِ طالبان نشد زین

گر بچشمِ عاشقان بینی جمالِ خویشتن　　ہمچو من آشفتہ گردی در خیالِ خویشتن

چون ہمای عشق موران را بَرَد بر قصرِ قرب　　من درین ایوان نمی پَرّم ببالِ خویشتن

من چو مرآتِ ویم حسن از جمالش بردہ ام　　جز جمالِ او نمی بینم مثالِ خویشتن

آئینہ مغرورِ حسنِ خویشتن ہرگز نشد　　بلکہ می بیند جمالی در جمالِ خویشتن

ساقیا وقت ست اگر جامی بمستان میدہی　　کز خمارے ماندہ ام اندر ملالِ خویشتن

بادۂ خواہم کہ بستاند مرا از من تمام　　تا چو منصور آن زمان یابم وصالِ خویشتن

قطرۂ زان بادہ کوہِ طور را صد پارہ ساخت　　عاشقِ مسکین کجا ماند بحالِ خویشتن

از برای طوطیانِ باغِ قربت می برم　　تنگ تنگ شکر از شیرین مقالِ خویشتن

آن گلی کاندر سحر بشگفت در باغِ دلم

بلبلِ طبعِ معین را کردہ لالِ خویشتن

چو قصدِ بارگہِ کبریا کند دلِ من　　فرازِ عرش بود کمترین منزلِ من

مرا بجاذبۂ عشق می کشد بسوی خود　　کسیکہ دستِ محبت نہاد در گِلِ من

بگفتمش بتو واصل کہ میشود گفتا　　ز خویش ہر کہ ببرید گشت واصلِ من

چو ماہ بودم و بس جامۂ سیاہ شدم　　چو آفتابِ رخت رفت از مقابلِ من

خسوفِ من نہ ز بہرِ قصورِ خورشید ست　　دلی زمینِ بدن گشتہ است حائلِ من

ز خرمنِ دو جہان گر نشد جوی حاصل　　بسینہ تخمِ محبت بس است حاصلِ من

معین ز سوزِ دلم شمۂ چو بنوید

ز خامہ دود بر آید ز آتشِ دلِ من

چشمِ دیگر بایدت تا حسنِ او دیدن توان　　گوشِ دیگر تا کلامِ دوست بشنیدن توان

حق شناسی کی صیقل سے پاک ہوگیا
دل کا آئینہ گناہوں کی کثرت کی کدورت سے
اے معینؔ بغیر نقطہ وحدت کے
عاشقوں کے دل کی کدورت کو زینت نہیں ہے

اگر تو عاشقوں کی نظر سے اپنے جمال کو دیکھے
تو پھر تو بھی اپنے جمال سے میری طرح سرگشتہ حیراں ہو جائے
عشق کی ہوا چیونٹیوں کو قربت کے ایوان تک لیجاتی ہے
میں اس ایوان میں اپنے پر و بال سے نہیں اڑ رہا ہوں
میں جب اسکا آئینہ ہوا اور مجھے اسکے جمال ہی سے حسن ملا ہے
تو پھر اپنے امثال میں اسکے جمال کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا
آئینہ اپنے حسن و جمال پر مغرور نہیں ہوا ہے
بلکہ وہ اپنے حسن میں اس کا حسن مشاہدہ کر رہا ہے
اے ساقی یہ موقع ہے اگر تو مستوں کو ایک جام دیدے
کہ اب خمار کے عالم میں مجھے اپنے وجود سے تکلیف پہنچ رہی ہے
میں وہ شراب چاہتا ہوں کہ جو مجھے میرے وجود سے بے نیاز کردے
اور منصور کی طرح مجھے ددست کا وصال حاصل ہو جائے
اس شراب کے ایک قطرہ نے کوہ طور کو پارہ پارہ کر دیا
پھر عاشق بیچارہ اپنے حال میں وہ شراب پی کر کیسے رہے
باغِ قربت کی طوطیوں کے لئے میں لئے جا رہا ہوں
اپنی شیریں مقال سے شکر کی بوریاں بھر بھر کے
وہ جو صبح کے وقت میرے باغِ دل میں کھلا تھا
اس نے معینؔ کی بلبلِ طبع کو اپنا فریفتہ بنا کر گنگ کر دیا

جب میرا دل بارگہِ کبریا کا ارادہ کرتا ہے
تو عرش کی بلندی میری ادنیٰ ترین منزل ہوتی ہے
وہ عشق کی قوت سے مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے
وہ ہی ذات جس نے میرے خمیر میں محبت کو گوندھا ہے
میں نے اس محبوب سے پوچھا کہ تیرا وصل کس طرح نصیب ہو سکتا ہے
اس نے کہا کہ جب اپنی خودی اور وجود کو مٹا دے
میں ماہ کی طرح درخشاں تھا لیکن اب جامہ سیاہ ہو گیا
جب سے تیرے جمال کا آفتاب میری نگاہوں سے پوشیدہ ہوا
میرا گہن میں آنا خورشید کی کوتاہی سے نہیں ہے
بلکہ اس وجہ سے ہے کہ میرے بدن کی زمین میری حائل ہو گئی ہے
دونوں جہاں کے خرمن سے مجھے ایک جو بھی حاصل نہیں ہوا
لیکن میرے سینے میں جو تخم محبت ہے یہی حاصل مجھے کافی ہے
اگر معینؔ اپنے سوزِ دل کا ایک شمہ تحریر کر دے
تو میرے قلم سے آتشِ دل کی بدولت دھواں بلند ہو جائے

اس کے نظارے کے لئے دوسری آنکھیں درکار ہیں
اور اس کا کلام سننے کیلئے کان بھی دوسرے ہونا چاہیئے

رشتهٔ جانرا اگر پیوند با وصلت بود
خرقهٔ تن را ز سر تا پای بدریدن توان

چوں بگوش مرغ جاں آمد صدای ارجعی
ایں قفس بشکستن و سوے تو پریدن توان

گر تو خواہی تیغ راندن وقت بسمل بر گلو
درمیاں خاک و خوں چوں مرغ غلطیدن توان

بر امید آنکہ داماں تو گیرد دست من
در لحد ریزیدن و در خاک پوشیدن توان

ہر زماں در باغِ رخسارت گلی دیگر شگفت
یارب از گلزار تو ہرگز گلی چیدن توان

از غمت مسکین معینؔ ہر دم بدردی مبتلاست
ای طبیبِ عاشقاں بیمار پرسیدن توان

عشقت دل و جانم را تا کرد جدا از من
جان و دلِ من دیگر نشناخت ترا از من

بر شمع جمال تو پروانہ صفت گشتم
یک شعلہ پدید آمد بستاند مرا از من

شب تا بسحر ہستم اندر حرمت محرم
چوں روز شود پوشی رخسار چرا از من

ہر چند کہ واگشتم او در پے من آمد
او کرد وفا افزوں چوں دید جفا از من

تا از کفِ آں ساقی یک جامِ بقا خوردم
بزدود می وحدت زنگارِ فنا از من

منصور صفت گرچہ زین دیرِ فنا رفتم
صد نور ہمی گیرد آں دارِ بقا از من

خواہی کہ رخش بینی در چہرهٔ من بنگر
من آئینہ او ویم او نیست جدا از من

دل ویس قرن آمد اندر یمنِ قالب
بشنو ز مشامِ جاں آں بوی خدا از من

گفتا کہ چو برگیرم برقع ز جمالِ خود
دانی کہ زمی باشد مستیِ تو یا از من

گفتم چو معینؔ زیں مے صد جام اگر نوشم
در کشم و ناید چوں کوہ صدا از من

مراں چو نزد تو آیم توئی وسیلهٔ من
ستم چو آئنہ و حسن تو جمیلهٔ من

در آں زماں کہ ز یاران و دوستاں ببرم
تقربم بتو بہتر کہ با قبیلهٔ من

تو کار بندہ بتدبیر خویش سازی بہ
کہ مشکلات کجا حل شود بحیلهٔ من

کجاست عشق کہ تا بگذرانم ز حجاب
کہ سدّ راہ شد ایں عقل پر عقیلهٔ من

ز فیدِ تن بچہ مانم بساں خر بخلاب
براق عشق چو بر بستہ در طویلهٔ من

رشتہ جاں کا اگر تیرے وصل سے تعلق ہو جائے
تو پھر خرقۂ تن سر سے پاؤں تک پھاڑا جا سکتا ہے

مرغِ جاں کے کانوں میں جب ارجعی کی آواز آئے
اوسوقت یہ قفسِ جاں کو توڑ کر تیری جانب اُڑ سکتا ہے

اگر تڑپتے وقت تو گلے پر تلوار چلانے پر آمادہ ہو
تو خاک و خوں میں مرغ کی طرح تڑپا جا سکتا ہے

اس امید میں کہ میرے ہاتھ ترا دامن پکڑ لیں گے
مجھے لحد میں لیٹنا اور خاک میں چھپنا منظور ہے

ہر لحظہ تیرے باغِ رخسار میں ایک نیا پھول کھلتا ہے
الٰہی کسی طرح اس گلزار سے کوئی پھول توڑا جا سکتا ہے

تیرے غم سے غریب معینؔ ہر دم درد میں مبتلا ہے
اے عاشقوں کے طبیب کیا ان بیماروں کی پرسش بھی ہوگی

تیرے عشق نے میرے دل و جان کو مجھ سے جُدا کر دیا ہے
اب میرے دل و جان مجھے اور تجھے نہیں پہچان سکیں گے

میں تیری شمع جمال پر پروانے کی طرح گشت کرتا تھا
کہ ایک شعلۂ جمال نے مجھے میرے وجود سے آزاد کر دیا

رات سے سحر تک میں تیرے حرم کا محرم رہا
اب جبکہ دن ہوا تو تونے اپنے رخسار مجھ سے کیوں چھپائے

ہر چند کہ میں اس سے گریزاں ہوا لیکن وہ میرے
درپے رہا، جتنی میں نے جفا کی اتنی ہی اسنے وفا کی

جب سے میں نے اس ساقی کے ہاتھ سے جامِ بقا پیا ہے
اسوقت سے مُجھ سے فنا کا زنگار مجھ سے صاف ہو گیا ہے

میں اس دُنیا سے منصور کی طرح رخصت ہوا
اور اب دارِ بقا میں اسکے سینکڑوں نور نمایاں ہیں

اگر تو اس کا جمال دیکھنا چاہتا ہے تو میرے چہرے کو دیکھ
میں اس کا آئینہ ہوں وہ مجھ سے جُدا نہیں ہے

میرے قالب کے یمن میں دل اویس قرنی کی طرح ہے
اب تو جان کے مشام سے خدا کی خوشبو مجھ سے سونگھ

اس نے کہا کہ جب میں اپنے جمال سے برقع اُٹھاؤنگا
تو اسوقت شراب کی مستی تجھ سے ظاہر ہوگی یا مجھ سے

میں نے کہا کہ اگر معینؔ کی طرح میں اس شراب کے سو جام پی لوں
تب بھی میں دم سادھے رہونگا اور پہاڑ کی طرح مجھ سے آواز نہیں آئیگی

میں جب تیرے پاس آؤں تو مجھے دور نہ کر کہ تو ہی میرا وسیلہ ہے
میں آئینہ کی طرح ہوں اور تیرا حُسن میری جمیلہ ہے

اسوقت جبکہ میں دوسرے اور یاروں سے قطع تعلق کروں
تو تجھ سے میری قربت بہتر ہے یا قبیلہ سے

تو اس بندے کے کام اپنی تدبیر سے بتا دے یہی بہتر ہے
کہ میرے حیلے سے میری مشکلات کب حل ہو سکتی ہیں

عشق کہاں ہے کہ مجھے حجاب سے نکال لائے
کہ میری یہ عقل پُر فریب میری سدِ راہ بن گئی ہے

جسم کی قید میں رہ کر میری مثال اس خر کی ہے جو کیچڑ میں
پھنسا ہے، جب سے عشق کا براق میرے طویلہ میں باندھا گیا ہے

چناں مرا بخیالت خوش اوفتاده وصال   که حور عین نتواند شدن حلیلهٔ من
بریز روغن عرفاں دریں زجاجهٔ دل   چراغ عشق برافروزد از فتیلهٔ من
معین که دست تهی میرود بدرگه دوست
مگو که هم کرم او شود وسیلهٔ من

دلا بچشم حقیقت جمال دوست ببیں   ز مظهر همه اشیا ظهور اوست ببیں
دلا تو حسن خدا دیدهٔ غلط نکنی   که در جمال خدا جلوه گر همو ست ببیں
مرا ز دیدن ساقی ست مستی ای هشیار   نه مستیم ز شراب خم و سبو ست ببیں
بگوش ظاهر و باطن حدیث عشق شنو   بچشم صورت و معنی جمال دوست ببیں
لب از حدیث فرو بند گوش جاں بکشا   درون پردهٔ دل اینچه گفتگو ست ببیں
اگر تو دعوی عشقش همیکنی شاباش   تو فارغ از طلب و او بجستجو ست ببیں
بمغز جاں معینے نهاں شده است کسے
چنانکه جان من اندر درون پوست ببیں

سوخت از هجر تو جان و جگر سوختگاں   این چه روز است که آمد بسر سوختگاں
سوخت سر تا قدمم جمله دریں دوزخ هجر   به محمد که رساند خبر سوختگاں
دیده خوں ریخت ز سوز دل بجگر آب نماند   آتش افتاد دریں خشک و تر سوختگاں
ایکه هر شب بدلم آتش دیگر زدهٔ   هم بیندیش ز آه سحر سوختگاں
بر جگر داغ نهادی و دگر نیز ریزی   بشکر خنده نمک بر جگر سوختگاں
همدمم نیست بجز ناله و آه سحری   هر که باشد بجگر بیزد تدبیر سوختگاں
آتش عشق معین شعله چناں زد بر دل
که بود دوزخ سوزاں شرر سوختگاں

این درد که من دارم با کس نتواں گفتن   سوز دل عاشق را با خس نتواں گفتن
پیش دل خود گه گه دردی تو همیگفتم   دل نیز رمید از من زیں پس نتواں گفتن

تیرے خیال کے باعث وصال ستقد مستر بخش ہے — کہ حور عین بھی تیری حلیلہ نہیں بن سکتی
دل میں جو کانچ کا ظرف ہے عرفان کا روغن ڈال — کہ عشق کا چراغ میرے فتیلہ سے روشن ہو سکتا ہے

معینؔ خالی ہاتھ درگاہِ دوست سے واپس نہیں ہوگا
مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اس کا کرم میرا وسیلہ بن جائے

اے دل چشمِ حقیقت سے دوست کا جمال دیکھ — تمام اشیا کے مظاہر سے اس کا ظہور ہے دیکھ
اے دل تو نے دوست کا جمال دیکھا ہے تو غلطی نہیں کریگا — کہ جمال الٰہی میں ہی جلوہ گر ہے، غور سے دیکھ
اے ہوشیار مجھے تو ساقی کے دیکھنے ہی سے مستی حاصل ہے — میری یہ مستی، شراب، خُم اور سبو سے نہیں آئی، دیکھ لے
ظاہر و باطن کے کانوں سے داستانِ عشق سنو — اور ظاہر و باطن کی آنکھ سے جمالِ دوست کو دیکھو
گفتگو سے لب بند کر اور جان کے کان کھول لے — سُن کہ پردۂ دل کے اندر یہ کیا گفتگو ہو رہی ہے
شاید تو اس کے عشق کا مدعی ہے، شاباش — اس صورت میں تجھے لازم ہے کہ اس کی طلب اور جستجو سے فارغ

معینؔ کی مغزِ جاں میں کوئی پوشیدہ ہو گیا ہے
اسی طرح جیسے پوست میں میری جان پنہاں ہے

تیرے ہجر میں ہم سوختہ جگروں کی جانیں ہی جل گئیں — ئے یہ کیسا دن ہے جو ہم سوختہ دلوں کے سر پر آیا ہے
اس ہجر کے دوزخ میں سر تا بہ قدم تمام وجود جل گیا — محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم سوختہ دلوں کی کون خبر لیجائے گا
سوزِ محبت کے باعث آنکھوں سے خون ٹپک گیا اور جگر میں — پانی نہیں، عاشقوں کے اس خشک و تر میں آگ لگی ہے
اے محبوب کہ ہر رات تو میرے دل میں نئی آگ لگاتا ہے — تجھے ہم سوختہ دلوں کی آہِ سحر کا تو کچھ خیال ہونا چاہیئے
اے دوست جگر کو داغ دار بنا کر تو چلا گیا — اور لبِ تبسم سے زخموں پر نمک پاشی کر رہا ہے
سوائے نالۂ سحری کے میرا کوئی ہمدم نہیں ہے — ہر شخص دل جلوں کے پہلو سے بچتا اور بھاگتا ہے

اے معینؔ عشق کی آگ نے دل کو اس طرح پھونکا ہے
کہ دوزخ ہم دل جلوں کی آگ کی ایک چنگاری ہوگا

میں جس درد میں گرفتار ہوں کسی سے نہیں کہا جا سکتا — دلِ عاشق کے سوز کو کاوش سے بیان نہیں کر سکتے
کبھی کبھی میں اپنے دل سے تیرے درد کا قصہ کہتا تھا — اب دل نے بھی ساتھ چھوڑ دیا، اب بھی نہیں کہا جا سکتا

هرچند بتن زیں در وا پس ترم از هر کس — چوں پیش تو جا نبازم وا پس نتواں گفتن

بیزار دلم از تن تا صید کنم جاں را — شهباز همایوں را اگر کس نتواں گفتن

بیمار لب لعلت بر بستر خوں خسپد — بالین غریباں را اطلس نتواں گفتن

تقصیر بسے دارم پیشِ تو ولی علیم — در رویم اگر گوئی در پس نتواں گفتن

سرّ غم عشقش را با خلق معین کم گوے
احوال سلاطین را با کس نتواں گفتن

از پسِ پرده جمالی می نماید کیست آں — آنکه یکیک پرده از رخ میکشاید کیست آں

تا یکے چوں احولاں بینی لباس مختلف — آنکه هر دم در لباسی می نماید کیست آں

جام می بر کف نهاده عکس خود دیده دراں — هر زماں در باده مستی میفزاید کیست آں

من یقیں دانم که بیرونست یا از شش جهت — آنکه هر دم از رهِ دیگر در آید کیست آں

در مقابر خانهٔ عشق از متاعی هر دو کون — هر چه دید اندر کفِ دل میربایید کیست آں

گر ندارم هیچ امّا عاشقِ آں دلبرم — گو دهد مر عاشقاں را هر چه باید کیست آں

چوں نگیرد ظلمت غم ساحت دل شام هجر — آں مهی کز برج جاں ناگه بر آید کیست آں

گل به تخت ناز و حشمت خورده گیری میکند — بلبلی کا ینجا زباں در هم نخاید کیست آں

گر بصورت همچو بلبل محو گل گشته معین
آنکه در گلزار معنی می سراید کیست آں

میدمد بوئی ندانم تا کدامیں بوست ایں — بوی عشقت اینکه می آید ز سوے دوست ایں

جاں چو بویش بشنود بر خود بدرد پیرهن — روح پاکست ایں نمیگنجد درون پوست ایں

اینچه نورست اینکه جاں چوں ذرّه سرگرداں دوست — آفتاب ایں نور کی دارد جمال دوست ایں

ایں همان جانست کو را هر طرف میجست دل — کیں زماں لب بر لبم بنهاده و بر روست ایں

بر دلِ عاشق زند هر لحظه عشقش نشتری — زخم آں نشتر مبیں بنگر چه خوش داروست ایں

دل که بر خوان وصال دوست بنشیند کراست — خام سوری دارم اما زاں سگاں کوست ایں

باده هو چوں هیا هو ریخت بر جاں معین — از دلش تا عرش صد جا نعرهٔ یا هوست ایں

اگرچہ جسم میں اس در پر میں ہر ایک سے کمتر ہوں
لیکن تجھ پر چونکہ میں جان نچھاور کرنیوالا ہوں اسلئے کمتر نہیں

میرے دلکو جسم سے نکال تاکہ میں جان کو شکار کروں
کہ جو ہمایوں شہباز ہے اسکو کرگس نہیں کہا جا سکتا

تیرے لب لعلیں کا بیمار خون کے بستر پر سوتا ہے
ہم غریبوں کی بالیں کو اطلس نہیں کہا جا سکتا

میں تیرے سامنے بہت قصوروار ہوں لیکن میرے عیوب
اگر میرے سامنے کہے جائیں تو پھر پیچھے نہیں کہے جا سکتے

اے معینؔ اس کے غم کے راز مخلوق سے بہت کم بیان کر
کہ بادشاہوں کے احوال ہر ایک سے نہیں کہے جا سکتے

بس پردہ ایک جمال نمایاں ہے، وہ کون ہے؟
وہ جو ایک ایک پردہ اپنے رخ سے اٹھاتا ہے کون ہے؟

کب تک بھینگوں کی طرح مختلف لباس میں اس کو
تو دیکھے گا، وہ کہ ہر لباس میں نظر آتا ہے وہ کون ہے؟

جام شراب ہاتھ پر ہے اور اپنا عکس اسمیں دیکھا ہے
ہر لحظہ جو اس شراب کی مستی بڑھا رہا ہے وہ کون ہے؟

میں یقین سے جانتا ہوں کہ وہ شش جہت سے پاک ہے
لیکن وہ جو ہر لحظہ ہر ایک نئی راہ سے آتا ہے وہ کون ہے؟

عشق کے جوئے گھر میں دونوں جہاں کی پونجی
جسکے پاس دیکھی اسکو اچک لیا، وہ اچک لینے والا کون ہے؟

اگرچہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، لیکن میں اس دلبر کا عاشق ہوں
کہ عاشقوں کو جو درکار ہوتا ہے وہ دیتا ہے، وہ دینے والا کون ہے؟

جب شام ہجر میں دل کی دستوں پر غم کا اندھیرا چھا جاتا ہے
تو ایک چاند برج جان سے نکل آتا ہے، وہ کون ہے؟

وہ گل ناز و حشمت کے تخت پر نکتہ چینی کرتا ہے
اور بلبل اس کے جواب میں زبان نہیں کھولتی، وہ گل کون ہے؟

معینؔ اس محبوب میں بلبل کی طرح محو ہے لیکن
وہ جو کہ گلزار معنی میں چھپا تا ہے وہ کون ہے؟

ایک خوشبو چھوٹ رہی ہے، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس کی
خوشبو ہے کیا یہ خوشبو، تیرے ہی عشق کی ہے جو آ رہی ہے

جان اس کی خوشبو سونگھ کر پیراہن چاک کر دیتی ہے
یہ وہ پاک خوشبو ہے جو پوستین میں نہیں سما سکتی

یہ کون سا نور ہے جس کیلئے جان ذرہ کی طرح سرگرداں ہے
آفتاب میں بھی ایسا نور جیسا کہ جمال دوست ہے، نہیں ہے

یہ وہی جان ہے جس کو دل ہر طرف ڈھونڈھتا پھرتا ہے
اب وہ میرے لب پر لب رکھے میرے روبرو ہے

اس کا عشق ہر لحظہ دل عاشق پر نشتر لگا رہا ہے
اس نشتر کا زخم مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو دوا کیا عمدہ ہے

وہ دل کون سا ہے جو وصال دوست کے خوان پر بیٹھا ہے
مجھے بھی خوشی کی امید ہے کہ یہ دل بھی اس گلی کا کتا ہے

یاہو کی شراب نے معینؔ کی جان کو شورش میں مبتلا کر دیا ہے
اب اسکے دل سے عرش تک ہر جگہ یاہو کا نعرہ بلند ہے

تن میانِ خلق و جان نزدِ خداوندِ جهان
تن گرفتار زمین و روح در هفت آسمان

تن نشانهٔ گشته تیرِ حادثات دهر را
روح اندر خلوتِ خاص از دو عالم نشان

گوهری در خانهٔ می بود یک قرنی قرین
باز آن قطره بدریا رفت و شد همرنگ آن

قطرهٔ برداشت ابر قدرت از دریاے جود
باز آن قطره بدریا رفت و شد همرنگ آن

قطره را گر ابر از دریا نبردی در هوا
در شهوار از کجا بودی بگوش مهوشان

گوهری آورد در بازارِ عالم زر فروخت
هم بخود دلال گشت و خود خریدار خود نهان

از پسِ پرده معین بنگر که از سلطانِ غیب
عشق خود با خود همی نازد بنام عاشقان

آتشِ عشقِ تو در جانِ من افتاد کنون
رفت آرام و قرارم همه برباد کنون

آنکه بر هر رگ جان زخم تو خوردم چون چنگ
چه عجب گر کنم از دستِ تو فریاد کنون

گرچه دل در خم چوگان بلا افتاد است
جز تحمل چه توان کرد چو افتاد کنون

شاهِ عشق آمد و شهرِ دلِ من ویران کرد
لیک صد گنج بهر زاویه بنهاد کنون

خلق گویند که این شهر چرا ویران شد
ده که ویران نشد این بلکه شد آباد کنون

تن بستهٔ زندان طبیعت بودم
دستِ غیب آمد و بندم همه بگشاد کنون

ساقیِ بزم خدائی در میخانه کشاد
صد هزاران خم خمخانه بمن داد کنون

تا رخِ ساقی ما پردهٔ عزت برداشت
طور هستی مرا کند ز بنیاد کنون

آنچه باده که از جام صفا خورده معین
آنچنان از طلب خویش نه استاد کنون

من نه آن رندم که از می سرگران خواهم شدن
گر همی لب بر لبم مست آن زمان خواهم شدن

حالیا باری چو نی دم در کشیدم در فراق
چون لبت بوسم من آندم در فغان خواهم شدن

این زمان مستم ز من از غمزهٔ ساقی مپرس
چون شوم هشیار در شرح و بیان خواهم شدن

من همیگفتم چو بینم گویمش احوال خویش
من چه دانستم که آنگه بی‌زبان خواهم شدن

زورقم شد غرق و با بحر آشنائی مشکل است
یارب از گرداب حیرت بر کران خواهم شدن

تن مخلوق میں ہے اور جان خداوندِ جہاں کے حضور میں ہے
جسم گرفتار زمین ہے اور روح ہفت آسمان میں ہے

میرا جسم حادثاتِ دہر کے لئے نشانہ بن گیا ہے
اور روح خلوتِ خاص میں دونوں عالم سے بے نشان ہے

یہ گویا ایک نگینہ تھا جو ایک قرن تک اس میں موجود رہا
پھر وہ نگینہ خاتم سے جدا ہو کر اپنے اصل [illegible] واصل ہو گیا

ابرِ قدرت نے دریائے جود سے ایک قطرہ گرایا
پھر وہ قطرہ دریا میں مل [illegible]

ہوا اگر اس قطرہ کو [illegible] دریا میں [illegible] لیجاتی
تو یہ شہسوار موتی ہو [illegible] کہا ہے

پھر خود ہی اس گوہر کو بازارِ عالم میں لاکر فروخت کر دیا
خود ہی دلال بنکر اسکو بکوا دیا اور خود ہی [illegible]

اے معین پردے کے پیچھے دیکھ کہ سلطانِ غیب
خود اپنی ہی ذات سے عاشقوں کے نام سے عشق کر رہا ہے

عشق کی آگ میری جان میں لگ گئی ہے
جس سے میرا سب صبر و قرار ختم ہو گیا

باوجودیکہ میں چنگ کی طرح ہر رگِ جاں پر تیرا زخم کھاتا
ہوں لیکن اگر میں تیرا ہے [illegible]

اگرچہ میرا دل چوگانِ بلا کے خم میں آ پڑا ہے
لیکن [illegible] صبر کے کیا چارہ [illegible] ہو گیا

شاہِ عشق نے تشریف لاکر میرے شہرِ دل کو ویران کر دیا
لیکن اس ویرانے کے ہر گوشہ میں [illegible]

لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شہر (دل) کیوں ویران ہو گیا
نہیں ایسا نہیں ہے یہ ویران نہیں رہا بلکہ آباد ہو گیا

ایک مدت تک میں زندانِ طبیعت میں بند تھا
ایک غیبی ہاتھ نے مجھے [illegible] آزاد کر دیا

بزمِ الٰہی کے ساقی نے میخانہ کا دروازہ کھولدیا ہے
اور میکدے کے ہزاروں خم مجھے عطا کر دیئے ہیں

جب سے میرے ساقی نے اپنے جمال سے پردہ اٹھایا ہے
اسوقت سے میری ہستی کے طور کو بنیاد سے اکھاڑ دیا ہے

باوجودیکہ معین نے شرابِ جامِ صفا سے پی ہے
پھر بھی وہ خودی کی طلب سے اب تک باز نہ آیا

میں وہ رند نہیں ہوں کہ شراب سے سرگراں ہو جاؤنگا
تو جب اپنے لب میرے لب پر رکھدے گا اسوقت مست ہونگا

اب تونے کی طرح میں نے فراق میں دم سادھ رکھا ہے
جب تیرے لب میں چوسونگا اسوقت میری فغاں بلند ہوگی

میں اسوقت مست ہوں مجھ سے غمزۂ ساقی کے بارے میں نہ پوچھ
جب میں ہوشیار ہونگا اسوقت شرح و بیان کرونگا

میں کہتا تھا کہ جب اسکو دیکھونگا اسوقت اپنا حال کہونگا
مجھے کیا معلوم تھا کہ اسکو دیکھ کر میں گنگ ہو جاؤنگا

میری کشتی ڈوب چکی اب سمندر سے شناسائی مشکل ہے
الٰہی اب کس طرح میں اس گردابِ حیرت سے نکلوں گا

بی نشاں گشتم من اندر جستن آں بے نشاں　　عاقبت در بی نشانی بے نشاں خواہم شدن
گفتمش بہر تو تا کی در جہاں خواہم دوید　　در طلب تا چند نزد این و آں خواہم شدن
گفت زین و آں چہ جوری خود جوی زانکہ من　　در تنت چوں جاں ز پیدای نہاں خواہم شدن
آئنہ ہستی خود را صیقلے میزن کہ من　　گرچہ پنہانم ولے آخر عیاں خواہم شدن
زاہدا از من صلاح و عافیت دیگر مجوی　　زانکہ من در عشق رسوائے جہاں خواہم شدن
گر امید دید نش بنود من از کنج جحیم　　واللہ از ہرگز سوی خلد جناں خواہم شدن
از مضیق کن فکانم کے بود دانی عبور　　آں زماں کاندر فضای لامکاں خواہم شدن
نقد کونینم بکف گر دیست بر دامان جاں　　آستیں افشاں برون زیں خاکداں خواہم شدن
ذرۂ خاکم دلی با مہر دارم دوستی　　پای کوباں تا فراز آسماں خواہم شدن
از نفخت فیہ من روحی دمیدی در معین　　لاجرم چوں روح قدسی جملہ جاں خواہم شدن

رسید یک نظر از شاہ دلنواز بمن　　فتاد سایۂ آں سرو سرفراز بمن
ہمای قدس کہ بودیم سایہ پرور او　　ہزار شکر کہ افگند سایہ باز بمن
دلم چو فاتر از آسیب روزگار شود　　رسد ز فیض تو صد گونہ اہتزاز بمن
مرا کہ پایۂ جاہست فوق نہ طارم　　ز خدمت تو رسیدست اعتزاز بمن
زمین دولت سلطاں عاقبت محمود　　اگر رسد چہ عجب منصب ایاز بمن
چو رو بعالم غیب آورم باستقبال　　عرائس فلک آیند پیش باز بمن
بگو بمیت کہ بوقت ظہور سر وجود　　رموز عشق چہ گفتند اہل راز بمن
کہ تا مقید قید وجوب و امکانی　　نیاز روی تو دارد چنانکہ ناز بمن
چگونہ سود تواں برد ازاں دکاں کہ در و　　قناعت است بمثقال و حرص و آز بمن
نشستہ منتظرم تا کہ پردہ دار جلال　　بدست غیب کشاید در فراز بمن
زدودہ زنگ تن از جان جاں کند جلوہ　　حقیقت تو در آئینۂ مجاز بمن
وفا ز عمر چہ جوییم کہ ہر نفس کہ زدم　　چناں برفت کہ دیگر نگشت باز بمن
بہر دمی قدمے میزنم ولی چکنم　　کہ عمر کوتہ درہ میشود دراز بمن

اس بے نشاں کی تلاش میں بے نشاں ہو چکا ہوں
آخر کار اسی بے نشانی کے طفیل میں بانشاں بنجاؤنگا

میں نے اس دوست سے کہا کہ تیرے لئے کب تک تگ و دو کرونگا
اور کب تک تیری جستجو میں وسائل تلاش کروں گا

اسنے کہا کہ اِدہر اُدہر کیا تلاش کرتا ہے خود اپنے وجود میں دیکھ
کہ میں تیرے جسم میں اس طرح پوشیدہ ہوں جیسے جسم میں جان

اپنے آئینہ ہستی کو جلا دے کہ میں
اگرچہ پوشیدہ ہوں لیکن اس آئینہ میں ظاہر ہو جاؤنگا

اے زاہد اب مجھ سے صلاح اور عافیت میں طلب کر
اس لئے کہ اب میں عشق میں رسوائے جہاں ہو جاؤں گا

اگر اسکے دیدار کی امید نہ ہوتی تو میں اس گنج جہیم سے
نکل کر خدا کی قسم خلد کی طرف کیوں جاتا

اس کن فکاں کے تنگ مکاں سے مجھے کب نکلنا ملے گا
تجھے بتاؤں، اسوقت جبکہ میں فضائے لامکاں میں داخل ہو جاؤنگا

یہ دونوں جہان کی نقدی میرے جان کے دامن پر ایک
مٹھی خاک ہے، میں تو آستیں جھاڑ کر اس جہاں سے اٹھ کھڑا ہونگا

میں اگرچہ ایک ذرۂ خاک ہوں لیکن خورشید سے دوستی کی ہے
میں رقص کرتا ہوا آسمان کی بلندی تک پہنچ جاؤنگا

نفخت فیہ من روحی کہکر معین میں جان ڈالی ہے
بیشک میں روح قدس کی طرح اب سراپا جان بنجاؤنگا

اس شاہ دلنواز کی ایک نظر مجھ پر پڑی ہے
اور میں اس سرو سرفراز کے سایہ میں آگیا ہوں

وہ قدسی ہما جس کے ہم سایہ پرور تھے
خدا کا شکر ہے کہ اس نے پھر اپنا سایہ ہم پر ڈالا ہے

میرا دل جب زمانے کے حوادث سے دوچار ہو گا
تو تیرے فیض سے مجھکو فرحت وشادمانی حاصل ہوگی

یہ کہ میرا مقام تو آسمانوں سے بلند ہے
یہ سب کچھ اعزاز مجھے تیری خدمت سے حاصل ہوا ہے

نیک انجام سلطان کی دولت کی برکت سے
اگر مجھے بھی ایاز کا منصب ملجائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں

جب میں عالم غیب کی طرف متوجہ ہونگا
تو عروس ہائے فلک پھر میرے استقبال کو آئیں گی

میں تجھے بتاؤں کہ رازِ وجود کے ظہور کے وقت
اہلِ راز نے عشق کے کون کون سے رموز مجھ سے بیان کئے ہیں

ایک یہ کہ جب تک تو وجوب امکاں کی قید میں گرفتار ہے
نیاز تجھ سے اس طرح وابستہ رہے گا جیسا کہ تیرے ساتھ ناز وابستہ ہے

ایسی دکان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس میں
مثقال برابر قناعت ہے اور حرص و آز منوں موجود ہیں

میں اس امید میں منتظر بیٹھا ہوں کہ جلال کا پردہ دار
اپنے غیبی ہاتھوں سے میرے بند دروازے کو کھول دے

جان سے تن کی زنگ دور کر دی ہے تا کہ جلوہ نما
ہو سکے تیری حقیقت میرے مجاز کے آئینہ سے

میں عمر سے وفا کیا طلب کروں جبکہ ہر وہ سانس جو میں نے
لی ہے اس طرح گئی کہ پھر لوٹ کر نہ آئی تو عمر کا کیا ذکر

ہر لحظہ میں قدم اٹھاتا ہوں لیکن کیا کروں
کہ عمر کوتاہ ہے اور محبت کا راستہ بہت طویل ہے

متاع جان و جهان می برد لشعشه غم — دگر غنیمت بیاید تبرک و تا زمن
هر آنچه سوخت بساز د چنین شنید ستم — ایا سپهر که می سوزیم بساز بمن
بود که ختم سعادت کند بخود واجب — چنانکه فاتحه در فتح هر نماز بمن
سپهر با تو نسازد معین تو رو بحق آر
مگر کند نظری لطف کارساز بمن

من شراب عشق را پیمانه ام ای عاشقان — آن پری را دیدم و دیوانه ام ای عاشقان
زان فسون کان لب بگوشم خواند در روز ازل — در زبانها تا ابد افسانه ام ای عاشقان
گفتمش بنمای رخ گفتا که دیدار مرا — دیده باید ورنه من پنهان ام ای عاشقان
من چو حسن بنگر اندر چهرهٔ بت دیده ام — بعد ازین سر بر در بتخانه ام ای عاشقان
جذبهٔ نور جمالش میکشد سوی خودم — گوییا او شمع و من پروانه ام ای عاشقان
اندرین کاشانهٔ ویرانه کی منزل کنم — من که با شاه جهان همخانه ام ای عاشقان
با دل اشکسته گفتم تو کجا و او کجا — گفت او گنج ست و من ویرانه ام ای عاشقان
تن چو بحر و دل صدف دلبر چو دُر پنداشتم — نی که او بحر ست و من دردانه ام ای عاشقان
تا تنم دل گشت و دل جان گشت و جان جانانه شد — نی تنم نی دل نه جان جانانه ام ای عاشقان
گر میان ما و ساقی صد هزاران پرده است — میزنند نعرهٔ مستانه ام ای عاشقان
تا معین گشت آشنا با یار خود ایدوستان
من دگر اندر میان بیگانه ام ای عاشقان

تن چو از خاکست او را خاک می باید شدن — جان ز افلاک ست بر افلاک می باید شدن
گر تو خواهی ورنه در آتش بباید سوختن — چون زر مغشوش کو را پاک می باید شدن
در طریق عشق وادیهاست کاندر قطع آن — گاه چون بی همتوان چالاک می باید شدن
ای دل از تیر قضا تا کی توان کردن حذر — همچو صید بسته فتراک می باید شدن
گر عروج جان معینی بایدت بر نه فلک
در رکاب خواجهٔ لولاک می باید شدن

غم کے پانسہ نے جانِ جہاں کی پونجی مجھ سے لے لی ہے اب تو میری ترکِ تاز کے لئے دوسرا غم ہی درکار ہے
میں نے تو یہ سُنا ہے کہ جو جل گیا اس سے موافقت ہو گئی کیا آسمان اسی طرح مجھ کو جلا کر مجھ سے موافقت کرے گا
ممکن ہے کہ واجب اسی طرح خود سعادت کو پایہ تکمیل پر پہنچادے جس طرح ہر نماز میں سورۂ فاتحہ سے مجھے فتح و کشادگی حاصل ہوتی ہے

اے معینؔ آسمان تیرے ساتھ موافق نہیں پس حق کیجانب متوجہ ہو
شاید وہ کارساز لطف کی ایک نظر میرے اوپر مبذول فرمائے

اے عاشقوں! میں شراب عشق کا ایک پیالہ ہوں میں نے جب سے اس پری کو دیکھا ہے میں اسکا دیوانہ ہوں
وہ فسوں جو ان لبوں نے ازل کے دن میرے کان میں پھونکا تھا اسکی بدولت اے عاشقو! میں ابد تک افسانہ بنا رہونگا
میں نے جب اس محبوب سے کہا کہ اپنا دیدار دکھا، تو اسنے کہا کہ میرے دیدار کیلئے آنکھیں درکار ہیں اے عاشقو! میں پنہاں کہاں ہوں
میں نے بُت میں بُت گر کا جمال دیکھا ہے پس اب تو میرا سر اسی بتخانے کے در پر اے عاشقو! رہے گا
اس کے نورِ جمال کی کشش خود مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے گویا وہ شمع ہے اور میں اے عاشقو! ایک پروانہ ہوں
میں اس اجڑے ہوئے کاشانہ میں کس طرح قیام کروں میں کہ دنیا کے بادشاہ کے ساتھ ہم خانہ ہوں اے عاشقو!
میں نے اپنے دل شکستہ سے کہا کہ تو کہاں اور وہ محبوب کہاں؟ دل نے جواب دیا کہ میں ویرانہ ہوں اور وہ خزانہ ہے جو ویرانہ میں ہوتا ہے
جسم بحر کی اور دل صدف کی طرح ہے وہ دلبر موتی کی مثال ہے نہیں بلکہ وہ دوست بحر ہے اور میں اس بحر میں دُرِ دانہ کی طرح ہوں
جب سے جسم دل اور دل جان اور جان جانانہ بنا ہے تب سے اے عاشقو! نہ تن ہے نہ جسم ہے اور نہ وہ محبوب ہے
گرچہ ہمارے اور ساقی کے درمیان ہزاروں پردے ہیں لیکن میرا نعرہ مستانہ اے دوستو! ان پردوں کو چاک کر دیتا ہے

اے دوستو! جب سے معینؔ اس دوست سے آشنا ہوا ہے
اسوقت سے اے عاشقو! میں دوسرے تمام لوگوں سے بیگانہ بن گیا ہوں

یہ جسم جب خاک سے بنا ہے تو اسکو خاک ہی ہو جانا چاہیئے اور جان ایک جوہر علوی ہے اسکو افلاک پر پہنچنا ہی چاہیئے
اگر تو چاہے تو اور بات ہے ورنہ آگ میں جلنا چاہیئے کھوٹے سونے کی طرح اس کو بالکل جلا دینا ہی خوب ہے
عشق کے راستے میں ایسی وادیاں ہیں کہ اسکے طے کرنے کیلئے بڑی مستعدی کی ضرورت ہے کاہلی سے طے نہیں ہو سکتیں
اے دل تیر قضا سے کب تک حذر کرتا رہے گا تجھکو توحید کی طرح شکار بند سے لبستہ رہنا چاہیئے

اے معینؔ اگر ان نو آسمانوں سے بھی بلندی درکار ہے
تو تجھے خواجہ لولاک کی رکاب سے وابستہ رہنا چاہیئے

آب حیوانیست اندر ظلمت هستی تو — ماهی شو خویش را در آب حیوانی فکن
ده چه سوزست اینکه ماهی میطپد از بهر آب — با وجود آنکه دارد در دل دریا شکن
گر چو ماهی بر سر تا به بسوزم جای آنست — زین همه آتش که افتادست اندر جان من
دل مرا در سینه میسوزد همه شب تا بروز — ز آتش هجرانش چون شمعی که سوزد در لگن
لیک چون شمعی که بربالین بیماران بود — نی چو آن شمعی فروزان درمیان انجمن
بلبل جانم که مینالد بدام آب و گل — نوحهٔ غم می سراید بهر مرغان چمن
چون ز باغ وصل آمد سوی زندان فراق — جای آن دارد که نالد از پی حب وطن
بلبلا تا چند می نالی درین مجلس سرای — قوت از بازوی حق جو وین قفس در هم شکن
محنت هجران به یعقوب از زبیراهن رسید — عاقبت هم مژدهٔ وصلش رسید از پیرهن
چون تو مرآت خدائی هر چه هست از خیر و شر — اندرین آئینه می بین و برویش دم مزن

چون دل مسکین معین آئینه تست ای کریم
آئینه خود را صفائی ده ز نور خویشتن

ردیف "و"

ای صدای بلبلان در صحن بستان حمد تو — وی نوای مرغ جان در باغ ایمان حمد تو
تاب خورشید شهود افتاد در قصر وجود — گفت ذرات جهان پیدا و پنهان حمد تو
قرعهٔ قسمت دران روزی که می انداختند — نعمت آمد قسم جسم و قسمت جان حمد تو
مشکل از شکر همین نعمت برون آیم که چون — بر زبان قاصر من گشته آسان حمد تو
گر نبودی حمد معراجی ز قصر قربتت — کی شدی سر دفتر الفاظ قرآن حمد تو
حامدان گر عرش را در مدح فرش ره کنند — زاوج عزت پایه ناید بپایان حمد تو

گنگ شد مسکین معین هم خود ثنای خود مگو
بهتر آن باشد که من گویم بدینسان حمد تو

دل کا چشمہ سار جو بدن کے بڑے پتھروں سے ڈھکا ہوا ہے ۔ اسکے لئے تیشہ اٹھا اور اس بڑے پتھر کو پارہ پارہ کر دے
تیری ہستی کے ظلمات میں آبِ حیواں پوشیدہ ہے ماہی بن کر تو اس آبِ حیوانی میں اپنے آپ کو ڈال دے
ہائے یہ کیسا سوز ہے کہ ماہی پانی کے لئے تڑپ رہی ہے باوجودیکہ دل میں دریا شکن سمندر موجود ہے
اگر میں مچھلی کی طرح توے میں جلوں تو روا ہے اس آگ کی بدولت جو میرے دل میں لگی ہے
میرا دل سینے میں تمام رات دن تک جلتا رہتا ہے اس دوست کے ہجر میں جس طرح شمع لگن میں جلتی ہے
لیکن اس شمع کی طرح جو بیماروں کی بالیں پر ہوتی ہے ق اس شمع کی طرح نہیں جو انجمن میں روشن ہوتی ہے
میرا بلبلِ جاں جو دامِ آب و گل میں پھنسکر فریاد کر رہا ہے وہ دوسرے مرغانِ چمن کے لئے نوحہ غم سُنا رہا ہے
اس کا یہ رونا بے وجہ نہیں کہ باغ وصل سے زندانِ فراق کو بھیجدیا گیا ہے اب وہ وطن کی محبت میں اگر روئے تو کچھ بیجا نہیں
اے بلبل اس مکان کی قید میں کب تک زار زار نالی کرے گا تو اپنی غذا بازوئے حق سے تلاش کر اور اس قفس کو توڑ دے
جدائی کی مصیبت حضرت یعقوب کو پیراہن یوسف ہی سے پہنچی تھی، آخر کار اس پیرہن ہی سے ان کو مژدۂ وصل بھی پہنچا
جب تو خدا کا آئینہ ہے تو پھر جو کچھ بھی خیر و شر ہے اس آئینہ میں دیکھ اور اس کو دیکھ کر دم مت مار

مسکیں معینؔ کا دل اے کریم جبکہ تیرا آئینہ ہے
تو پھر اپنے نور سے اپنے آئینہ کو روشن فرما

ردیف ''و''

بلبلوں کے چمنِ بوستاں میں نغمے ! الٰہی تیرے لئے ہیں اور مرغ جاں کی نوا سنجی باغ ایماں میں صرف تیری حمد ہے
خورشیدِ شہود کی تجلّی قصرِ وجود میں جلوہ فگن ہے دنیا کے ذرّات در پردہ اور بے پردہ تیری ہی حمد بیان کرتے ہیں
مقدر کا قرعہ ازل میں جب ڈالا گیا تو ہر جسم کو نعمتوں سے نصیبہ ملا اور جان کے حصے میں تیری حمد آئی
مشکل ہے کہ میں اس نعمت کے شکر سے عہدہ برآ ہو سکوں کہ میری زبان کوتاہ پر تیری حمد آسان ہو گئی ہے
تیری قربت کے قصر کے لئے حمد زبان کا کام دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کا آغاز تیری حمد ہی سے ہوا ہے
تیری تعریف کرنے والے اگر مدح میں عرش کو فرش راہ بنا دیں تب بھی عزت کی بلندی کے مرتبہ سے تیری حمد اختتام نہ پا سکے

مسکیں معینؔ خاموش ہو گیا، اب بہتر یہی ہے کہ تو خود
اپنی حمد بیان کر، کہ میں اس طرح تیری حمد کب کر سکتا ہوں

من نمیگویم انا الحق یار میگوید بگو   چوں نگویم چوں مرا دلدار میگوید بگو
ہر چہ میگفتی بمن ہر بار میگفتی مگو   من نمیدانم چرا ایں بار میگوید بگو
انچہ نتواں گفتن اندر صومعہ با زاہداں   بی تحاشی بر سر بازار میگوید بگو
سر منصوری نہاں کردن نشاید چوں من است   چوں کنم ہم ریسماں ہم دار میگوید بگو
گفتمش رازیکہ دارم با کہ گویم در جہاں   نیست محرم با در و دیوار میگوید بگو
آتش عشق از درخت جان من بر زد علم   ہر چہ با موسی بگفت آں یار میگوید بگو
گفتمش من چوں نیم در من مدرم میدمے   من نخواہم گفتن ایں اسرار میگوید بگو

ایصبا گر پرسدت کز ما چہ میگوید معین
ایں دوئی را از میاں بردار میگوید بگو

نور تجلی میرسد ای طور دل صد پارہ شو   ایمرغ جاں بشکن قفس زیں خاکداں آوارہ شو
بنہاد استاد ازل بنیاد ایں قصر ترا   بگذر ز نقش آب و گل حیراں آں گل کارہ شو
ایں ہفت کوکب از فلک بر آب و گل باید کے   تو نور جان و دل طلب بالای ہفت استارہ شو
خواہی خمارت کم شود ساقی طلب جام مے   در ہم شکن خم و سبو اندر پی خمارہ شو
در کوی بدنامی مرا پیوند شد با دلبرے   ایں خرقۂ ناموس مے گو صد ہزاراں پارہ شو
گفتی چو بیچارہ شوی انگہ ترا چارہ کنم   واللہ کہ بیچارہ شدم بیچارگاں را چارہ شو

تا چند در مہد زمیں چوں کودکاں باشی معین
برچیں بساط ماوطین وارستہ از گہوارہ شو

آئینۂ وجودم چوں گشت منظر تو   گرچہ بنود قابل شد خوب در خور تو
خورشید بودی و من آئینہ ز آہن   گشتم چو ماہ روشن اندر برابر تو
ہر جا کہ رخ کشودم حسن تو مینمودم   ہر ذرہ از وجودم چوں گشت مظہر تو
گفتم ز خود خبر کن گفتار خود گذر کن   وانگہ بخود نظر کن تا کیست در بر تو

بگذر معین ز کثرت اندر مقام وحدت
آں شاہ تاج عزت بنہاد بر سر تو

میں انا الحق کب کہہ رہا ہوں، وہ دوست کہہ رہا ہے کہ کہہ دو
پھر بتاؤ کہ جب وہ دلدار کہہ رہا ہے تو کس طرح نہ کہوں

وہ جو کچھ مجھ سے جتنی مرتبہ کہتا تاکید ہوتی کہ مت کہنا
اب نہیں معلوم کہ اس بار اس نے کیوں کہا کہ کہہ دو

زاہدوں کے سامنے جو کچھ عبادت گاہ میں نہیں کہہ سکتے
اسی کے بارے میں اس کی تاکید ہے کہ بر سر بازار کہہ دو

مجھ جیسے کی یہ مجال کہاں کہ میں منصور کے راز کو چھپاؤں
میں کیا کروں جبکہ ریسماں اور دار دونوں کہتے ہیں کہہ دو

میں نے اس دوست سے کہا کہ میں یہ راز کس سے کہوں
دنیا میں تو کوئی محرم نہیں، اسنے کہا کہ در و دیوار سے کہو

آتشِ عشق میرے شجرِ جاں پر نمودار ہو گئی ہے
جو کچھ موسیٰ سے طور پر کہا گیا تھا دوست کہتا ہے کہ وہی کہو

میں نے اس دوست سے کہا کہ میں نَے کی طرح ہوں مجھ میں دمبدم
دم کیوں بھر رہا ہے، میں سرا نہیں ہونگا لیکن تقاضہ ہے کہ کہہ

اے صبا اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ معین ہمارے بارے میں کیا کہتا ہے
تو اس دوئی کو درمیان سے اٹھا کر کہنا کہ وہ کہتا ہے کہ راز فاش کر دو

اے دل نورِ تجلی جلوہ ریز ہے اب صد پارہ ہو جا
اے مرغِ جاں اس قفس کو توڑ دے اور اس خاکدان سے نکل جا

استادِ ازل نے تیرے قصرِ وجود کی بنیاد رکھی ہے
اس نقشِ آب و گل کو چھوڑ اور اس نقاش کی ذات پر حیران ہو جا

یہ سات سیارے اس دنیا پر آسمان سے نمایاں ہیں
تو جان و دل کے نور کی طلب کر اور ان سبعہ سیارگان سے بالا ہو جا

اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا خمار کم ہو جائے تو جام مے کے بجائے
ساقی کی طلب کر، خم و سبو توڑ کر اس خمار بخشنے والے کی طلب کر

بدنامی کے کوچے میں میرا ایک دلبر سے پیوند و تعلق ہے
اب اگر میرے ناموس کا خرقہ صد پارہ ہوتا ہے تو ہوا کرے

اس محبوب نے کہا تھا کہ جب تو لاعلاج ہو جائیگا تو میں علاج
ہونگا، خدا کی قسم اب میں لاعلاج ہوں اب تو ہم بیماروں کا چارہ بن

اے معین تو اس زمین کے گہوارہ میں کب تک بچوں کی طرح روئیگا
اس آب و گل کی بساط کو الٹ دے اور اس گہوارہ کو ترک کر دے

میرا آئینہ وجود جب سے تیرا منظر ہو گیا ہے
اگرچہ وہ قابل نہیں تھا لیکن وہ خوب بنکر تیرے قابل بن گیا

تو خورشید تھا اور میں فولاد کا ایک آئینہ
لیکن تیرے مقابل آکر میں ماہ کی طرح روشن ہو گیا

میں جب اپنا رخ دکھاتا تو تیرا حسن ظاہر کرتا
اس لئے کہ میرے وجود کا ہر ذرہ تیرا مظہر بن گیا

میں نے کہا اے دوست اپنی خبر دے، اسنے کہا اپنی ہستی سے گذر جا
پھر اپنی ذات میں نظر کرکے دیکھنا کہ کون تیرے در دل پر موجود ہے

اے معین وحدت کے مقام میں کثرت سے گذر جا
کہ اس بادشاہ نے عزت کا تاج تیرے سر پر رکھا ہے

بیا در بزم اوادنی یکی حرفی ز من بشنو وزان اسرار ما اوحی یکی طرز سخن بشنو
اگر اسرار وحدت راز من باور نمیداری تو گوش هوش خود بگشای و بی کام و زبان بشنو
برافگن نور و ظلمت را ز ره بردار کثرت را پس انگه سر وحدت را تو هم از خویشتن بشنو
نیاز عاشقان و ناز معشوقان چه میپرسی زبان چون سوسن گنگ ست از مرغ چمن بشنو
گهی کز شوق می نالم خبر کی دارم از عالم زهی بر خاک می مالم که ای جان در دتن بشنو
جوابی میرسد هر دم بگوش من ازان عالم که من راز تو بشنیدم تو اکنون راز من بشنو
معینی درکش می باقی بنه لب برلب ساقی
پس انگه درد مشتاقی ازان خوب ختن بشنو

نعلین ز پا بفگن و بر عرش معلا رو آنجای که جا نبود بی جا شود آنجا رو
اے قطرہ تو از بحرے هر چند جدا افتے گر سر بفلک سائے هم جانب دریا رو
مرغ دل هر زاهد تا باغ جنان پرد اے دل تو ازان بگذر بر قبهٔ اعلیٰ رو
مانند جُعَل تا کی بر هر حدثی پرّی چون بال و پری داری بر پر سو بالا رو
اے بے ادب مسکین ز افعال چه میجوئی تعلیم خدا خواهی در مکتب اسما رو
گفتی که برو راز من پنهانست نمی یابم زان راه که میدانی اندر دل شبها رو
چون جانب ما آئی هم راه برت مائیم همراه مجو جز ما چون میروی با ما رو
این قید حدوث از پا بردار معینی یکیک
زان ره که رسید ستی هم در پی خود وا رو

در آئینهٔ جانم بنمود خیال تو بگسیخت دل از عالم از شوق جمال تو
من محنت هجران را امروز خریدارم سرمایه و سود من سودای وصال تو
ایوان مراد ما از عرش فزون باشد زان مور صفت خود را بستیم ببال تو
از خون دل عاشق می نوش بجای مے در مذهب عشق آمد این باده حلال تو
ناقص نشود کامل هرگز بکمال خود بگذر ز کمال خود انیست کمال تو
در صدر وصال آرند عشاق معینی را ره نیست روا باشد در صف نعال تو

اوادنی کی بزم میں آ اور میری ایک بات سُن لے
اور اسکے بعد ما اوحیٰ کے رازدں سے ایک انداز کلام حاصل کر

اگر میری زبان اسرار وحدت پر یقین نہیں آتا
تو پھر خود اپنے گوش ہوش کھول او رہے کام ودہن کے ان کو سُن

جلوہ دنیا کو ترک کر اور کثرت کو راستہ سے اٹھا ڈال
پھر اس وقت وحدت کے راز تو خود اپنی ذات سے سُن لیگا

عاشقوں کے نیاز اور معشوقوں کے ناز کے بارے میں کیا پوچھتا ہے
زبانِ سوسن کی طرح خاموش ہے بس مرغ چمن سے سُن لے

جب میں شوق میں نالے کرتا ہوں تو دنیا کی مجھے خبر نہیں ہوتی
بس میں خاک پر اپنا رخسار ملتا ہوں کہ اے دود درد دل دیکھ

اس عالم محبوبی سے ہر لحظہ مجھے یہ جواب ملتا ہے
کہ میں نے تیرا راز سن لیا اب تو میرا راز سُن

اے معینؔ اس مٹی باقی کو پی لے اور ساقی کے لب پر لب رکھدے
پس اس کے بعد مشتاقی کا درد اس محبوب ختن سے سُن

نعلین (ہستی) پاؤں سے اُتار اور عرشِ معلیٰ پر پہنچ جا
اس مقام پر جہاں مقام نہیں بے مقام ہو کر پہنچ جا

اے قطرے! تیری ہستی بحر سے ہے ہر چند کہ تو اس سے جدا ہے
خواہ تو آسمان ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے تجھے دریا ہی سے ملنا ہے

ہر زاہد کا مرغ دل باغِ جناں تک پرواز کرتا ہے
اے دل تو اس مقام کو چھوڑ کر قبۂ اعلیٰ تک پہنچ جا

تو گندہ کیڑے کی طرح کب تک ہرنایا کی پر پہنچے گا
جب تیرے بال و پر ہیں تو اُڑ کر بلندی پر پہنچ جا

اے بے ادب مسکین اپنے افعال سے کیا چاہتا ہے
اگر خدا کی تعلیم چاہتا ہے تو اسکے اسما کے مکتب میں پہنچ

میں نے جب اس دوست سے کہا کہ میں تجھے دن میں نہیں پاسکا
تو اسنے کہا مجھے راتوں کے دل میں تلاش کر

جب تو میری جانب آئے گا تو میں خود تیری رہبری کرونگا
اپنے ہمراہ سوائے میرے کسی اور کو نہ یا، چلنا ہے تو میرے ساتھ رہ

اے معینؔ اس قید حدُوث کو اپنی ہستی سے یکبارگی اٹھادے
جس راہ سے تو آیا ہے اس راہ پر خود آزادانہ چل کر منزل پر پہنچ

میرے آئینہ جاں میں تیرا خیال نمودار ہے
اور تیرے شوقِ جمال میں دل نے دُنیا سے تعلق توڑ لیا

میں ہجر کی مصیبت کا آج ہی خریدار ہوں
میرے نفع کا سرمایہ تیرے وصال کا سودا ہے

ہماری راہ کا ایوان عرش سے بالاتر ہے
اسی لئے چیونٹی کی طرح ہمنے خود کو تیرے بازوؤں سے وابستہ کر لیا ہے

انگوری شراب کے بجائے عاشق کے دل کا خون شراب بنالو پی
کہ مذہبِ عشق میں تیرے لئے یہ شراب حلال ہے

کامل اپنے کمال میں کبھی ناقص نہیں ہوتا کامل ہی رہتا ہے
تیرا کمال یہ ہے کہ اپنے کمال سے گذر جا تو نقص پیدا نہیں ہوگا

عشاق وصال کے صدر مقام پر معینؔ کو بٹھاتے ہیں
لیکن اے معینؔ تیرے لئے صف نعال ہی میں بیٹھنا روا ہے

از مطلع دل زد علم یک لمعه از رخسار او — شد ذره ذره هستیم در پردهٔ انوار او

با آنکه ذرات تنم هر یک هزاران دیده شد — یک ذره هم دیده نشد از پرتو رخسار او

حسنش چو آید جلوه گر طاقت نیارد چشم سر — از دیدهٔ دل کن نظر تا بنگری دیدار او

عشقش نهال باغ جان میوه وصال جاودان — تو بر نخواهی خورد ازاں هم اوست برخوردار او

بگذر ز کوی آب و گل در رو بقصر جان و دل — با سرِّ خود بین متصل سرّی ز هم از اسرار او

عاشق ز راه معرفت بگذشته از فعل و صفت — دین عاقل غافل صفت سرگشته در آثار او

اظهار حسن دلبری می بین ز هر مه پیکری — پیداست در هر مظهری آں حسن و آں اظهار او

منصور کی بود آنزماں کو را انا الحق بر زباں — زنهار غیر حق مداں دیّار اندر دار او

گویند یار یار شو تا چند باشی یار خود — نی نی که یار خویش شو تا چند باشی یار او

پر شد جهاں یکسر از و شد نیک و بد منظر از و — مومن از و کافر از و در قید نور و نار او

خواهد کند در خود نظر آئینه سازد از بشر — بازش کند زیر و زبر حیرانم اندر کار او

در ظلمت آباد عدم یک شعله ز انوار قدم — در هر دلی کو زد علم از جاں نمود اقرار او

در پردهٔ آتش نگر حسن تو آمد جلوه گر — پیر مغاں کرد آں نظر کس چوں کند انکار او

ترسا سویت بشتافته بوی از چلیپا یافته — زلف تو بر هم تافته آں حلقهٔ زنار او

مسکیں معیّن در یک غزل بنمود اسرار ازل
بشنو کلام لم یزل در کسوتِ گفتار او

هستی طلیعه ایست ز نور وجود او — کونین شبنمی ست ز دریای جود او

در جنب آفتاب کجا ذرّه را بقاست — اندر جوار سایه نماید وجود او

نا ورد چوں صدف گهر وصل و بکف — تا دل نگشت غرقهٔ بحر شهود او

ز آئینهٔ دلست نمود ار حسن دوست — زنگ وجود تست حجاب نمود او

کو شعلهٔ ز عشق که در جاں خود زنم — تا وا رهم ز ظلمت هستی دُود او

عاقل چه پی برد که فنا مایهٔ بقاست — و اندر زیانِ عقل نهاند سود او

از تار عنکبوت چه پروا همای را — دامی ست بهر صید مگس تار و پود او

بینی چو جاں ز قید حوادث بدر پرد — بر ذروهٔ دنیٰ فتدلّیٰ صعود او

ہر سے مطلعِ دل سے اسکے رخسار کی ایک تجلی نمودار ہوئی
اس سے میری ہستی کا ذرہ ذرہ اسکے پردۂ انوار میں آگیا

باوجودیکہ میرے جسم کے ذرّات کا ہر ذرّہ ہزار دیدہ بن گیا
لیکن اسکے پرتو رخسار سے ایک ذرہ بھی ہم دیدہ نہو سکا

جب اس کا حُسن جلوہ گر ہوتا ہے تو یہ آدمی آنکھیں تاب نہیں لاتیں
پس اس کے دیدار کے لئے تو دیدہ دل سے کام لے

اسکا عشق باغِ جان کا نہال ہے اور اس کا میوہ وصال جاوداں ہے
لیکن تو اس کا پھل نہیں کھا سکتا کہ وہی اس پھل سے بہرہ اندوز ہے

اس لب گل کی گلی سے گذر جا اور جان و دل کے محل میں پہنچ جا
اسوقت اسکے اسرار تیرے اسرار کے شریک بن جائیں گے

عاشق تو معرفت کی راہ سے اسکے فعل وصفت سے گذر گیا
اور یہ عاقل غافل ابھی تک اس کے آثار میں سرگشتہ ہے

محبوب کے حُسن کی جلوہ گری ہر مرپیکر میں دیکھو
کہ ہر منظہر میں اس کا حسن اور اس کا ظہور موجود ہے

جب منصور نے انا الحق کہا تو منصور کہنے والا نہیں تھا
کہ اسکی دار کے گرد پھرنے والا سوائے حق کے کوئی اور نہیں ہے

لوگ کہتے ہیں کہ اسکا دوستی بن اپنی صفا کا یار کبتک رہیگا
نہیں نہیں یہ غلط ہے اپنا یار بن، اسکا یار کبتک رہیگا

سارا جہان اس سے پُر ہے اور نیک و بد اس کا منظر ہے
مومن بھی اسی سے ہے اور کافر بھی، تمام نور رونا اسی سے ہے

جب اسنے چاہا کہ وہ اپنا جمال دیکھے تو بشر کو اپنا آئینہ
بنایا، پھر اسی آئینہ کو زیروزبر کردیگا مجھے حیرت ہے

عدم کے ظلمتِ آباد میں اس کے انوارِ قدم کا ایک شعلہ چمکا
اور ہر اس دل نے جس میں جان آئی اس کا اقرار کیا

پردۂ آتش میں شاید تیرا حُسن جلوہ گر ہو جائے
جب پیرِ مغاں نے یہ خیال کیا تو پھر کون تیرا انکار کرسکتا ہے

ترسا بھی تیری جانب رواں و دواں ہے اسکو چلیپا میں تیرا
جلوہ نظر آیا تیری ہی زلف نے اسکی زنار کے حلقہ کو برہم کیا ہے

مسکیں معین نے ایک غزل میں ازلی رازوں کو ظاہر کردیا
تم اس کے لباس گفتار میں کلام لم یزلی کو سُن سکتے ہو

یہ ہستی اس کے نورِ وجود کی ایک کرن ہے
اور دونوں عالم اسکے دریائے جود کا ایک قطرہ ہیں

آفتاب کے سامنے ذرّہ کا وجود کب رہتا ہے
صرف سایہ ہی میں اس کا وجود ظاہر ہوتا ہے

صدف کی طرح اسکے وصل کا گوہر حاصل نہیں ہوسکتا
جب تک کہ دل بحرِ شہود میں غرق نہیں ہوتا

دل کے آئینہ سے حُسنِ دوست نمایاں ہوتا ہے
صرف تیرا رنگ وجود اسکی نمود میں حجاب بنتا ہے

عشق کا شعلہ کہاں ہے کہ میں اپنی جان پھونک ڈالوں
تاکہ میں اسکے دھوئیں سے ظلمتِ ہستی سے نجات پالوں

عاقل کب سمجھ سکتا ہے کہ فنا ہی بقا کا سرمایہ ہے
کہ عقل کے زیاں ہی میں اس کا تمام تر نفع موجود ہے

ہما کو لکڑی کے جالے کی کیا پروا ہو گی
یہ تو صرف مگس کو شکار کرنے کے لئے دام ہے

جب قید حوادث سے جان بچ کر نکل جائیگی
اسوقت دنی فتدلیٰ کے پردوں کی طرف اسکا عروج ہوگا

از روح خاص خویش دمیدی در آدمے — ورنہ کجا ملائکہ کردے سجود او
از کنج عشق بردہ جہاں مایۂ دیں عجب — کاندر دو کون یافت نہ ہیچ از نقود او

باشد جہاں وما نہ غم خویش خور معینؔ
تا چند غم خوریم ز بود و نبود او

ردیف "ہ"

پیش ازاں کاستاد فطرت فرش و ایوان ساختہ — پایۂ قدرت فراز کون وامکاں ساختہ
قالب آدم چو از خواب عدم برداشت سر — خاک پایت طوطیای دیدۂ جاں ساختہ
ہمچو بسم اللہ بر منشور قرانت خدای — تا قیامت ہم عناں مانند عنواں ساختہ
اندراں عنواں دو رحمت کردہ ظاہر اندریں — جسم وجانت رحمتی برانس و برجاں ساختہ
دشمناں از کیں تو برنار حرماں سوختہ — دوستاں از مہر تو با نور ایماں ساختہ
شہسوار دلدل شوقے کہ در میدان چرخ — عشق از بدر و ہلالت گوی و چوگاں ساختہ
خواجۂ عالم تو بودی لاجرم بنّائے صنع — از برایت چتر و طاق و ہفت ایواں ساختہ
درّ وحدت را کہ میجویند در بحر قدم — حق درون حقۂ جسم تو پنہاں ساختہ
از برای ماحضر پیش گدایانت خدای — ہشت جنت با ہزاراں حور و غلماں ساختہ
راہ جنت گرچہ دشوار ست پیش دیگراں — بر طلبگاران ایں امت چہ آساں ساختہ
نار نمرودے برابراہیم گر شد گلستاں — آتش دوزخ بریں امت گلستاں ساختہ
بہر فرزند خلیل ار گوسپند آمد فدا — بہر ایں امت فدا از نوع انساں ساختہ
گوہر وصلش بنقد ہر دو عالم میخرند — لیکن از بہر گدایان تو ارزاں ساختہ
یارسول اللہ بحال عاصیاں کن یک نظر — تا شود زاں یک نظر کار فقیراں ساختہ

رحمۃ للعالمینی بر معینی رحم کن
کز جہالت خویش را محکوم شیطاں ساختہ

اے کوس دولت تو ملک بر فلک زدہ — عشقت علم بسینۂ ہر یک بیک زدہ

انساں میں الٰہی تو نے خاص اپنی رُوح پھونکی تھی — ورنہ فرشتے اس (آدم) کو سجدہ کیوں کرتے
دنیا کو تمام تر سرمایہ گنجِ عشق سے ملا ہے لیکن یہ عجب ہے — کہ دونوں عالم میں اس کی نقدی کا کہیں وجود نہیں ہے

اے معینؔ نہ دنیا ہوگی نہ ہم ہونگے، بس اپنا غم کرو
اس دنیا کے بود و نبود کا کب تک ہم غم کریں

ردیف "ہ"

استادِ ازل نے اس سے قبل کہ فرش و ایوان کو بنایا — اپنی قدرت کا پایہ کون و مکاں سے بلند تر بنایا
قالبِ آدم نے جب خوابِ عدم سے سر اٹھایا — تو اس کی خاکِ پا کو دیدۂ جاں کے لئے سرمہ بنایا
بسم اللہ کی طرح قرآن پر تیرے منشور کو بھی — قیامت تک اللہ تعالیٰ نے ایک ساتھ رکھا ہے
اس فرمان میں دو رحمتوں کا عنوان ظاہر فرمایا — یعنی آپ کے جسم و جانِ مبارک کو انس و جاں کیلئے رحمت بنایا
دشمن آپ کی دشمنی میں محرومی کی آگ میں جلیں گے — اور دوست آپ کی محبت میں نورِ ایماں حاصل کرینگے
آپ دلدلِ شوق کے شہسوار ہیں کہ چرخ کے میدان میں — عشق نے بدر و ہلال کو آپ کی گوئے و چوگاں بنایا ہے
تخلیقِ عالم کی بنیاد اے خواجہ عالم آپ ہی کی ذات تھی — آپ ہی کیلئے یہ چتر و طاق اور ہفت فلک بنائے گئے
وحدت کے اس موتی کو جسے بحرِ قدم میں تلاش کرتے ہیں — اسکو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دُرجِ جسم میں پنہاں رکھا ہے
آپ کے فقیروں کی تواضع کے لئے اللہ تعالیٰ نے — ہشت بہشت اور ہزاروں حور و غلماں رکھے ہیں
اگرچہ جنت کا راستہ دوسروں کے لئے بہت دشوار ہے — لیکن آپکی اس امت پر اسکو کسقدر آسان کر دیا گیا ہے
حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود جس طرح گلستاں بنگئی تھی — اس طرح اس امت پر آتشِ دوزخ گلستاں بنا دی گئی ہے
حضرت اسماعیل کے لئے گوسفند کو فدیہ بنایا گیا — لیکن اس امت کیلئے نوعِ انساں کو ایک دوسرے کا فدیہ بنایا ہے
اس کے وصل کا گوہر دونوں عالم کی نقدی کے عوض خریدتے ہیں — لیکن آپکے در کے بھکاریوں کے لئے اسکو بہت ارزاں کر دیا
یا رسول ہم عاصیوں کے حال پر ایک نظر فرمائے — تاکہ اس ایک نظر سے فقیروں کی بگڑی بن جائے

آپ رحمۃ اللعالمین ہیں معینؔ پر رحم فرمائیے
جس کو جہالت کے باعث شیطان نے اپنا محکوم بنالیا ہے

آپ کی دولت و حشمت کا نقارہ فلک پر بج رہا ہے — اور آپ کے عشق کا عَلم ہر ایک کے سینہ پر نصب ہے

آیینه دار طلعت تو بوده آفتاب — خرگاه زر طناب ازاں بر فلک زده
مه لاف حسن زد بفلک لاجرم شگافت — از پنجهٔ سیاست تو آں فلک زده
از صد سپهر نشد حلِ مشکلات — زاں نسر واقعش بنه نقط بهر شک
دیو یکه کرده خدمت دولت سرای تو — در اوج کبریای تو پر بر ملک زده
دانسته نقدِ بی غش صاحب عیار جلیست — صرّاف عقل نقد تو چوں بر محک زده
در بزم خاص محرم الا الله آمده — چوں تیغِ لا تو بر سرِ هر مشترک زده

در نعت خواجهٔ دو سرا روز و شب معین
کوس محبتش ز سما تا سمک زده

یک قطره بحر قدرتش بر هر دو عالم ریخته — واں قطره صد دریا شده در کام جانم ریخته
نور تجلی زد علم هر صبح از برجِ علم — کوهِ وجودم لاجرم چوں طور از هم ریخته
از جمله ذرّات جهاں نور تجلی بیں عیاں — زیرا که بحر بیکراں در ظرف عالم ریخته
چوں بر زند خورشید سر حقا که نگذارد اثر — موج هوا شب تا سحر هرچند آنکه شبنم ریخته
شه چوں بخورد جام صفا بر خاک ریزد جرعه‌ها — زاں حق شراب عشق را بر خاک آدم ریخته
من عاشق دیوانهٔ در می کشم خمخانهٔ — زاں می که یک پیمانهٔ بر عرش اعظم ریخته
نار محبت از ازل میسوخت تا روز اجل — دل را که عشق لم یزل در بوتهٔ غم ریخته
چشمی که از انوار او می بود برخوردار او — از حسرت دیدار او اشک دمادم ریخته
عشق از درای نه فلک آتش زد اندر یک بیک — وانگه بداغ ما نمک بر جای مرهم ریخته
خود میدمی در دل ازاں میریزد اسرار زباں — چوں خاره که آهنگراں کز ضربت دم ریخته

در تافت خورشید یقیں از مطلع جان معین
والله که فیضی ایں چنیں بر هر دلی کم ریخته

جانی که مذاقش مزهٔ عشق مزیده — از لطف گریزاں شده در قهر خزیده
در قید تعلق نتواں داشت بصد بند — مرغیکه ز دام سر زلفِ تو پریده
سالک که در اول قدم ایں ره نشدش طے — ره رفته بسی لیک بجائے نرسیده

آفتاب بھی چونکہ آپ کے جمال جہاں آرا کا آئینہ دار ہے اسلئے اس نے شعاعوں کا زریں خیمہ آسمان پر لگایا ہے
فلک پر ماہ نے دعویٰ حُسن کیا، اسی وجہ سے فلک نے اپنی سیاست کے پنجے سے اس میں شگاف ڈالدیا
سپہر کے صفحہ پر آپ کی مشکلات کا چونکہ حل نہ ہوسکا اسوجہ سے نسرواقع نے شک کے تین نقطے ظاہر کردئے
وہ فرشتہ جو آپ کے دولت سرا کی خدمت کرتا تھا آپ کی بزرگی کی بلندی پر خدمت کیلئے فلک پر پہنچ گیا
اسوقت معلوم ہوا کہ صاحب عیار کی کھری نقدی کیا ہوتی ہے جب عقل کے صراف نے آپ کی نقدی کو کسوٹی پر کسا
اِلّا اللہ کی بزم خاص کے محرم صرف آپ ہی ہیں کہ آپ نے لاؔ کی تلوار ہر مشترک کے سر پر چلائی ہے

معینؔ روز و شب خواجہ دوسرا کی تعریف میں
آپ کی محبت کا نقارہ سما سے سمک تک بجا رہا ہے

اس نے اپنے بحرِ قدرت کا ایک قطرہ دو عالم کو عطا کیا اور وہ قطرہ ایک دریا بنکر میرے کام جاں میں سما گیا
نورِ تجلی ہر صبح علم کے بُرج سے طلوع ہوکر میرے کوہ وجود کو کوہِ طور کی طرح پارہ پارہ کردیتا ہے
دنیا کے تمام ذرّات سے دیکھو نورِ تجلی نمایاں ہے اس لئے کہ وہ بحرِ بیکراں تمام اطرافِ عالم میں جاری ہے
جب خورشید بلند ہوتا ہے تو پھر کچھ اثر باقی نہیں رہتا موجِ ہوا نے تمام رات صبح تک جسقدر شبنم گرائی تھی
سلطان جب شراب پیتا ہے تو چند گھونٹ بطورِ حق گرا دیتا ہے اسی طرح شرابِ عشق بطورِ حق آدم کی خاک پر گرائی گئی ہے
میں ایسا عاشق دیوانہ ہوں کہ میکدے پی جاتا ہوں اس شراب کے جس کا ایک پیمانہ عرش اعظم کو ملا ہے
روزِ ازل سے روزِ اجل تک آتشِ محبت جلاتی رہیگی اس دل کو جسے عشقِ لم یزل نے بوتۂ غم میں رکھا ہے
وہ آنکھ جو اس کے انوار سے کامیاب و کامراں تھی اس کے دیدار کی حسرت میں پے بہ پے اشک بہا رہی ہے
عشق نے نو آسمانوں کے اُدھر سے یک بیک آگ لگا دی ہے اور پھر مرہم کے بجائے ہمارے داغوں پر نمک چھڑکا ہے
دل کو تو خود پھونک رہا ہے اسلئے اس سے راز ظاہر ہو رہے ہیں جیسے لوہاروں کی بھٹی جو دھونکنی سے دہک جاتی ہے

اے معینؔ میرے مطلع جاں سے یقین کا خورشید طلوع ہوا ہے
خدا کی قسم ایسا فیض بہت ہی کم کسی دل کو نصیب ہوا ہوگا

وہ جان جس نے اس کے عشق کا مزہ چکھ لیا ہے اس نے آرام سے بھاگ کر قہر کو خرید لیا ہے
سینکڑوں بند باندھ کر بھی قید تعلق میں نہیں رکھ سکتے، اس مرغ کو جو تیری زلف کے دام سے اُڑا ہے
وہ سالک جسنے پہلے ہی قدم پر اس راہ کو طے نہیں کیا وہ خواہ کتنی ہی منزل طے کرے لیکن کسی مقام پر نہیں پہنچتا

از گلبن غم خارِ ستم خورد و بنالید — آں دیده که در گلشن جاں روئے تو دیده
جانم چو گل از غنچه بروں آید ازاں باد — کو وقت سحر پرده ز روئے تو کشیده
کو محرم جاں تا ز دل آرم بزبانش — آں نکته که گوشم ز لب عشق شنیده
دریاے کرم موج محبت زده صد بار — درها همه در رشتهٔ جانِ تو کشیده
دانی که به جنت چه بود لولوءِ منثور — آں دانهٔ اشکے که ز چشم تو چکیده

از بزم الست آمده سرمست معینی
زاں جرعه که جانش ز مئ عشق چشیده

ردیف "ی"

اگر بچشم حقیقت وجودِ خود بینی — قیام جملهٔ اشیا ببودِ خود بینی
وجود هیزمیت نار موسوی گردد — اگر بروں کنی از سر تو دود خود بینی
ز قعر لجهٔ توحید دُرّ عشق برآر — که گنج مخفیِ حق را نقود خود بینی
بقصر عشق ترا پایه از سر جهد رست — که تحت هر دو جهاں را فرود خود بینی
تو چوں فرشتهٔ نظر بر جمال دوست گمار — نه چوں لعیں که همیں در سجود خود بینی
ازیں حضیض دنائت چو بگذری شاید — که تا دنیٰ فتدلیٰ صعود خود بینی
بیا ز خانه بروں آ و نور دوست نگر — تو چند شیشهٔ سرخ و کبود خود بینی
اگر ز آئینه زنگ حدوث بزدائی — جمالِ شاهدِ حق در شهود خود بینی
به بند دیده ز اعیاں که تا ز عینِ عیاں — وجود دوست چو جاں و وجود خود بینی
بیا ببزم گدایانِ شه نشاں خودیست — که تا نتیجهٔ احساں وجودِ خود بینی

درآ بمجلس مسکیں معینِ شوریده
که نقل و باده ز گفت و شنود خود بینی

گوهر عشق چو در چشمهٔ تن میطلبی — دل چو دریا کن اگر دُرّ عدن میطلبی
چه روی دشت و بیاباں سوِ آهوی تتار — زلف او بوی اگر مشکِ ختن میطلبی

گلبن غم سے خارِ ستم کھا کر بھی اُف نہیں کرتی
وہ آنکھ جس نے گلشن جاں پر تیرے جمال کا مشاہدہ کیا ہے

میری جان غنچہ سے پھول کی طرح نکل آئی
اُس ہوا سے جس نے صبح دم تجھے بے نقاب کیا

محرم جاں کہاں ہے کہ میں دل سے زبان تک لاؤں
اس نکتہ کو جسے میرے کانوں نے لب عشق سے سنا ہے

دریائے کرم سے سینکڑوں بار محبت کی موجیں اٹھیں
جسقدر موتی نکلے وہ سب کے سب تیرے رشتۂ جاں میں پروئے

تم کو معلوم ہے کہ جنت میں بکھرے ہوئے موتی کون سے ہونگے
اُن آنسوؤں کے ہوں گے جو تیری آنکھ سے ٹپکیں گے

معینؔ بزم الست میں سرمست و بیخود ہو گیا تھا!
اس ایک گھونٹ ہی سے جو اسکی جان نے مئے عشق کا پیا تھا

ردیف "ی"

اگر تو چشمِ حقیقت سے اپنے وجود کو دیکھے
تو تمام اشیا کے وجود کی اصل تیرا ہی وجود نظر آئے گا

تیرا وہ وجود جو خشک لکڑی کی طرح ہی بار برو سوی بنجائے
اگر تو اپنے سر سے خود بینی کے دھوئیں کو نکال دے

تو قید کے بھنور کی گہرائی سے عشق کے موتی نکال لے
تا کہ حق کا مخفی خزانہ تیرا ذاتی خزانہ اور نقدی بنجائے

ایوان عشق میں تیرا مرتبہ تیری کوشش کی بنا پر ہے
ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں جہاں کے تخت تجھے فروتر نظر آئیں

تو فرشتہ کی طرح جمال دوست کا نظارہ کر
شیطان لعین کی طرح نہیں جو خود بینی کے سجدوں میں محو ہے

اگر تو اس ہستی کی پستی سے گذر جائے تو شاید
دنیٰ فتدلیٰ کی منزل تک تجھکو عروج نصیب ہو جائے

ہاں! اس گھر (دُنیا) سے نکل اور جمالِ دوست کو دیکھ
تو کب تک ان سرخ و سبز شیشوں کا مشاہدہ کریگا

اگر تو آئینہ سے حدوث کی زنگ دور کر دے گا
تو شاہد حق کے جمال کا اپنی ذات میں مشاہدہ کر سکے گا

اعیان ثابتہ سے آنکھیں بند نہ کر تا کہ تو اپنی ظاہری آنکھوں سے
دوست کے وجود کو اپنے وجود کی طرح مشاہدہ کر سکے

خودی کے سر نشیں فقیروں کی بزم میں آکر بیٹھ
تا کہ تو اپنے احسان وجود کا نتیجہ خود دیکھ سکے

شوریدہ حال مسکیں معینؔ کی محفل میں آکر بیٹھ
تا کہ گفت و شنود کے نقل دوبارہ تجھے میسّر آئیں

اگر تو گوہرِ عشق، چشمۂ تن میں تلاش کرتا ہے
تو دل کو دریا کی طرح بنالے تب وہ دُرِّ عدن میسّر ہوگا

آہوئے تتاری کیلئے دشت و بیابان میں جانیکی کیا ضرورت ہے
اسکی زُلف کی خوشبو سونگھ اگر تو مشک خُتن چاہتا ہے

باز عشقی تو دریں دام گہ آرام مجوے
سوی او باز پرا رز انکہ وطن میطلبی

نکتۂ جستم ازاں منطق شیریں بسوال
گفت بنگر کہ کلامم بچہ فن میطلبی

من نہ جانم نہ دلم نے بدنم چند مرا
گہ زجاں گاہ زدل گہ زبدن میطلبی

بر سرِ عرش دویدم کہ بگو یار کجاست
گفت با تست شب و روز زمن میطلبی

عاقبت پردہ برافگند کہ ہاں بنشیں آئی
جام می گیر اگر شرم شکن میطلبی

گیر در دار بقا حبل انا الحق در دست
چند در دیر فنا دار و رسن میطلبی

عندلیب چمن عشق شنوائی طائر قدس
گر تماشای گل و صحن چمن میطلبی

خانہ خالی کن از اغیار و بجو یار معین
کیں محالست کہ ضدین معاً میطلبی

چو از جمال نقاب بطون براندازی
دراں ظہور وجود مرا عدم سازی

ز نورِ حسن چو رخسار شمع آرائی
مکن ملامتِ پروانہ را بجاں بازی

نقوش مہر تو از مہر دل نخواہد رفت
اگر در آتش عشقم چو موم بگذاری

چو چنگ میکشم ایں گوشمال زخم فراق
مرادم آنکہ ببزم وصال بنوازی

سیاہ درد و بلا صف کشند از چپ و راست
بقلب ما علم عشق چوں برافرازی

ہمیں دلست کہ آئینہ است در دستش
گہی چو گوئی بہر جانبے کہ می تازی

ولی مظاہر و اعیاں چو رخت بر بستند
تو خواہ آئینہ سازی و خواہ گو بازی

ہر آئینہ کہ تو عکس جمال خود بینی
اگر در آئینۂ دل تجلی اندازی

رموز عشق دلم از تو با تو میگوید
چرا کہ ہمچو نیش ہمدم و ہم آوازی

بغیر رازِ دل خود نمی توانم گفت
تو رازِ من شنوی بہ کہ محرم رازی

معین بیک نظر از خاک برگرفتۂ تست
بداں امید کہ باز از نظر نیندازی

ای کہ اندر عین پیدائی نہانی کیستی
ہر چہ در فہم و گمان آید نہ آنی کیستی

جملۂ اشیا ز حد وصف شد معلوم خلق
ایکہ بیروں از حد وصف بیانی کیستی

تو بازِ عشق ہے اس دام گاہ میں آرام مت طلب کر
اس کی طرف پرواز کر اگر تجھے وطن کی تلاش ہے

اس شیریں کلام محبوب سے سوال کرکے میں نے ایک نکتہ تلاش
کر لیا، اس نے کہا کہ تو میرے کس فن کی دریافت چاہتا ہے

میں نہ جان ہوں نہ دل ہوں اور نہ بدن، کب تک تو
کبھی میری جان کو، کبھی دل کو اور کبھی جسم کو طلب کرتا رہیگا

میں نے عرش پر پہنچکر تلاش کیا کہ وہ دوست کہاں ہے
کہا گیا کہ شب و روز تیرے ہی ساتھ ہے یہاں کہاں تلاش کرتا ہے

آخر کار اس نے پردہ اُٹھا دیا اور کہا کہ اور آگے
اور جام شراب لے اگر تو شرم توڑنا چاہتا ہے

دارِ بقا میں اناالحق کی رسّی کو پکڑ تب بات ہے
اس دیرِ فنا میں دار و رسن کو کب تک طلب کرتا رہیگا

اے طائرِ قدس انجمن شوق کا عندلیب بن جا
اگر تو تماشائے گل اور صحن چمن کے نظارہ کا خواستگار ہے

اے معینؔ، گھر غیر سے خالی کر دو تب دوست کی تلاش کرو
محال ہے کہ تم ایک دوسرے کی ضد ایکساتھ حاصل کرسکو

جب تو اپنے جمال سے باطنی پردوں کو اُتار دے گا
تو اس ظہور میں میرے وجود کو عدم بنادے گا

نورِ حسن سے جب شمع کے رُخسار کو تو نے آراستہ کیا ہے
تو پھر پروانے کو اس کی جانبازی پر ملامت مت کر

تیری محبت کے نقوش دل کی مُہر سے محو نہیں ہو سکتے
خواہ تو مجھے آتشِ عشق میں موم کی طرح پگھلا دے

میں چنگ کی طرح زخمِ فراق کی گوشمالی اُٹھا رہا ہوں
اس سے مراد صرف یہ ہے کہ تو مجھے بزمِ وصال میں سرفراز کرے

درد و بلا کی سپاہ نے چپ و راست سے صف بندی کی ہے
جب سے تو نے میرے دل میں عشق کا عَلم بلند کیا ہے

یہی دل ہے جو آئینہ کی صورت میں تیرے ہاتھ میں ہے
کبھی تو اس گوے بنا کر ہر جانب پھینکتا ہے

جب اشیاے عالم مظاہر و اعیان کی صورت میں ہیں
تو اب خواہ تو دل کو آئینہ بنائے یا گیند بنائے

یقیناً تو اپنے جمال کے عکس کا نظارہ کرے گا
اگر آئینہ دل میں تو اپنی جلوہ فرمائی کرے گا

میرا دل عشق کے راز تیرے لئے تجھ ہی سے کہتا ہے
اس لئے کہ تیرے سوا اس کا کوئی ہمدم و ہم آواز نہیں ہے

میں کسی غیر سے اپنے دل کے راز نہیں کہہ سکتا
تو ہی میرے راز سُن لے کہ تو ہی میرا محرم راز ہے

معینؔ کو ایک ہی نظر میں تو نے خاک سے اٹھایا ہے
اب اس کو امید ہے کہ تو اس کو اپنی نظر سے نہیں گرائے گا

اے وہ کہ عینِ ظہور میں بھی پنہاں ہے تو کون ہے
اور تو وہ نہیں ہے کہ فہم و گمان میں آسکے پھر تو کون ہے

تمام اشیا اپنی حد و صف سے خلق کو معلوم ہو گئیں
اے وہ کہ تو حدِ وصف سے باہر ہے تو کون ہے

ایکه در هر مظهری نوعی ظهوری کرده
در لباس جملهٔ اعیان عیانی کیستی

نی بدن از تو خبردار و نه جان از تو اثر
تو چو جان از بسکه پیدائی نهانی کیستی

ایکه همچون شهد و شیر اندر رگ جانی روان
جانِ شیرین منی با جانِ جانی کیستی

منزلی یَسْمَعُ وَبِیْ یَنْطِقُ بعالم دزدی
ایکه سمع و نطق هر گوش و زبانی کیستی

جمله ذرّات جهان هر یک نشانِ ذات تست
با وجودِ این نشانها بی نشانی کیستی

در فراق آزار ریش دردمندانی اولیک
در وصال آرام جان عاشقانی کیستی

جام ششش روی جهان از عکس رویت روشن است
تو برون از شش سوی کون و مکانی کیستی

من بجست وجوی تو هر دم روم دیوانه وار
وی عجب هر سو روم با من روانی کیستی

با معینی گفت هر سو تا بکی خواهی دوید
هم ز خود جو هر چه خواهی تا بدانی کیستی

تو مظهر لمعات جمال معبودی
ولی دریغ کز آئینه زنگ نزدودی

درخت هستیت از نار عشق پاک بسوز
که تا تمام نسوزی مقید دودی

چو مفردان مجرّد ز بیرها بدر آئی
چو بیوگان چه گرفتار تاری و پودی

زیان و سود چو در دست اختیار تو نیست
زیان تو هم از آن شد که طالب سودی

عدم وجود نگردد که در حقیقت حال
مجاز بر تو نهادند نام موجودی

سحر ببام فلک طبل عشق میکوبند
چه شد که یک سحر آواز طبل نشنودی

در آ بعرصهٔ میدان که در بدایت حال
ز جمله منتهیان گوی عشق بربودی

تو قدر خود به از این دان که بر مواید فضل
همه طفیل تواند و تو ئی که مقصودی

هنوز آدم و عالم بنود نام و نشان
که در سراچهٔ وحدت جلیس حق بودی

ملک بسجدهٔ آدم قیام ننمودی
اگر عیان به ندیدی جمال معبودی

شهید عشق شوا یدل که نزد اهل شهود
یکی ست مرتبهٔ شاهدی و مشهودی

اگر بکوه رسد قطرهٔ رود از جای
زبادهٔ که بما سبے دریغ بیمودی

کدام باده قوی تر از این تواند بود
که حسن خویش بما بی حجاب بیمودی

ز ذرّه ذرّه شنو نعره های منصوری
کنون که از رخِ تابان نقاب بکشودی

اے وہ کہ ہر مظہر میں ایک نئے انداز سے تو جلوہ گر ہے
تو پھر تمام اعیان ثابتہ کے لباس میں اور کوئی جلوہ گر ہے

نہ بدن کو تیری خبر ہے اور نہ جان میں تیرا اثر ہے۔
تو کہ جان کی طرح بالکل ظاہر ہے پھر یہ پوشیدہ کون ہے

اے وہ کہ شہد و شیر کی طرح رگِ جاں میں رواں ہے
اے میری جانِ شیریں تو کس کی جانِ جاں ہے

راز لی یسمع ولی ینطق تمام عالم میں گونج رہا ہے
اے تو کہ ہر سمع و نطق کے لئے گوش و زبان ہے تو کون ہے

تمام ذرّاتِ جہاں میں سے ہر ایک تیری ذات کا نشان تھے
باوجود ان نشانوں کے تو کہ بے نشان ہے کون ہے

تو کہ فراق میں دردمندوں کے زخموں کا آزار ہے لیکن
وصال میں عاشقوں کی جان کا آرام ہے تو کون ہے

دنیا کی طرفیں تیرے عکسِ رخسار سے روشن ہیں
تو کہ اِن چھ طرفوں سے باہر ہے، بتا کہ تو کون ہے

میں تیری جستجو میں ہر لحظہ دیوانوں کی طرح پھر رہا ہوں
اور عجیب بات ہے کہ تو ہر طرف میرے ساتھ رواں ہے تو کون ہے

معین سے اسنے کہا کہ اس طرح ہر طرف کب تک دوڑے گا
خود اپنی ذات ہی میں جو کچھ ڈھونڈھنا ہے ڈھونڈھ تاکہ معلوم ہو تو کیا ہے؟

اے انساں تو جمالِ معبود کا مظہرِ انوار ہے
لیکن افسوس کہ تو نے اپنے آئینہ سے زنگ دور نہیں کیا ہے

اپنی ہستی کے درخت کو نارِ عشق سے بالکل جلادے
کہ جب تک تو اسکو بالکل پھونک نہ ڈالیگا تو مقید ہستی رہیگا

ایک جوہر فرد کی طرح پردے سے باہر نکل آ
بیوہ عورتوں کی طرح دنیا کے تار و پود میں کبتک گرفتار رہیگا

نفع و نقصان جب تیرے اختیار کے ہاتھ میں نہیں
تو پھر یہ گھاٹا اس لئے ہوا کہ تو نفع کی فکر میں لگا رہا

عدم، وجود نہیں ہو سکتا کہ حقیقتِ حال میں
تو معدوم ہے مجازاً تجھکو موجود کہا جاتا ہے

اب تو میدانِ عشق میں نکل آ کہ ابتدائے حال ہی میں
تمام مہارت والوں سے تو عشق میں سبقت لے گیا ہے

صبح کے وقت بام فلک پر طبل عشق بج رہا ہے
لیکن افسوس کہ تو نے ایک صبح بھی اس کو نہیں سُنا

تو اپنی قدر کا اندازہ اس سے لگالے کہ فضل کے خوان تک
سب تیرے طفیلی ہیں، اور مقصود صرف تیری ذات ہے

ابھی آدم و عالم کا نام و نشاں بھی موجود نہیں تھا
کہ اسوقت آپ حارث کی خلوت سرا میں حق کے جلیس تھے

فرشتے حضرت آدم کو سجدہ ہرگز نہ کرتے
اگر وہ انکی ذات میں جمال معبود کو عیاں نہ دیکھ لیتے

اے دلِ شہید عشق بجا کہ اہلِ شہود کی نظر میں
شاہدی و مشہودی کا مرتبہ یکساں ہے (فرق نہیں)

اگر پہاڑ پر ایک قطرہ پڑ جائے تو اپنی جگہ سے ہل جائے
اس شراب کا جو ہم کو بے اندازہ پلائی گئی ہے

اس سے زیادہ قوی شراب اور کون سی ہو سکتی ہے
کہ اے دوست تو نے اسکے باعث اپنا جمال ہمکو بے حجاب دکھایا

ایک ایک ذرّے سے نعرۂ منصوری تو سن سکتا ہے
کہ اب تو نے اپنے رخِ تاباں سے نقاب اٹھا دیا ہے

هلاک من ز تو و اجتناب از تو محال — مریض عشق ندارد امید بهبودی
هزار بار کشیدم هزار بار عزت — تو بار دیگر و بار دگر بیفزودی
ز بار عشق ننالد معین ولی خود گوی
که پشه چند کشد بار پیل محمودی

بخدا غیر خدا در دو جهان نیست کسی — صد دلیلست ولی واقف از آن نیست کسی
نکتهٔ سر محبت چو نهان از من و تست — لاجرم در صدد شرح و بیان نیست کسی
مسند عزت و خلوتگه وحدت خالیست — از ازل تا به ابد در خور آن نیست کسی
لاجرم عاشق و معشوق ز خود ساخت پدید — تا که بر وی بجز از وی نگران نیست کسی
اینهمه زمزمه کز سینهٔ خود میشنوی — تو چه گوئی که درین خانه نهان نیست کسی
زنده دل راچه غم از رفتن جان و ز ازل — زانکه دل زنده باین روح روان نیست کسی
جان عاریتیم گر برود عمر تو باد — ای حیات دل من غیر تو جان نیست کسی
دعوی عشق درین معرکه هرگز نکند — اگر از جان و دل خویش بجان نیست کسی
بار عشق تو معینی بدل و جان بکشد
که هوادار تو تنها بزبان نیست کسی

اگر ز مستی خود چشم دل فراز کنی — نخست دیده بدیدار دوست باز کنی
دمی ز هستی خود بگذری به از صد سال — که روزه روزه بداری و شب نماز کنی
چو سر دوست طمع گر کنی ز خود کوتاه — سزد که پای درین انجمن دراز کنی
بلندیت بتواضع نهاده اند بکبر — تو خویش را نتوانی که سرفراز کنی
ز کعبتین فلک نقد جان نخواهی برد — چو عرض شعبده با چرخ حقه باز کنی
بنازکی بری پی بمنزل مقصود — مگر سلوک رهش از سر نیاز کنی
گرت بناز براند مرو که آخر کار — بصد نیاز بخواند ترا و ناز کنی
ز بندگی بنشینی بتخت سلطانی
اگر تو خدمت محمود چون ایاز کنی

تیرے دردِ محبت نے ہلاک کیا اور تجھ سے گریز ممکن نہیں — اب مریضِ عشق کو صحت کی امید نہیں ہو سکتی
میں تیرے ہزاروں غم ہزار بار اٹھانے کو تیار ہوں — تو اس کو بڑھا اور پھر بڑھا خواہ وہ کتنے ہی ہو جائیں

معینؔ عشق کے بارے نہیں روتا لیکن آپ ہی انصاف کریں
کہ ایک پشہ فعلِ محمودی کا بوجھ کس طرح برداشت کر سکتا ہے

خدا کی قسم خدا کے سوا دونوں جہان میں کوئی نہیں ہے — اور اس پر سینکڑوں دلیلیں ہیں لیکن کوئی واقف نہیں
محبت کے راز کے نکات چونکہ مجھ سے اور تجھ سے پوشیدہ — ہیں، اس لئے اسکی شرح بیان کے درپے کوئی نہیں ہے
وحدت کی خلوت گاہ اور عزت کی مسند خالی ہے — ازل سے ابد تک کوئی دوسرا اس کے لائق نہیں ہے
یقیناً یہ عاشق و معشوق خود اسی کے پیدا کردہ ہیں — تاکہ اسکے جمال کا دیکھنے والا اسکے سوا کوئی دوسرا نہ ہو
یہ زمزمے جو تو اپنے سینے سے سن رہا ہے — اسکے باوجود تو کس طرح کہتا ہے کہ دل میں کوئی نہاں نہیں ہے
روز ازل ہی میں جان جانے کا غم زندہ دل (عاشق) کو — نہیں ہوا، اسلئے کہ اس روح رواں کے ہوتے کوئی زندہ دل نہیں ہے
اس قدر زمزمے جو تو اپنے سینے سے سن رہا ہے — اس پر بھی یہ کہتا ہے کہ اس میں کوئی پوشیدہ نہیں ہے
اس معرکہ (محبت) میں عشق کا دعویٰ کوئی بھی نہ کرتا — اگر جان و دل کے ساتھ جان کی بازی لگانا مقصود نہ ہوتا

معینؔ بجان و دل تیرے غم کا بار اٹھا رہا ہے
کہ صرف زبان سے کوئی تیرا طلب گار نہیں بن سکتا

اگر تو اس مستی سے نکل کر اپنی آنکھوں کو کھولے — تو سب سے پہلے دوست کے دیدار ہی ان آنکھوں کھولتا
اپنی ہستی سے ایک لحظہ کے لئے گذرنا سو سال کی — روزہ داری اور نماز گذاری سے زیادہ بہتر ہے
اگر تو اپنی طمع کے سر دست کو کوتاہ کر دے تب — تجھے یہ زیبا ہے کہ اس انجمن (عشق) میں قدم رکھے
تیری افرازی کا راز تو اضع اور انکساری میں ہے — بغیر اس کے تو اپنے آپ کو سربلند نہیں کر سکتا
آسمان کے پانسہ سے تو اپنی جان سلامت نہیں رکھ سکتا — جب تو اس شعبدہ باز آسمان سے شعبدہ بازی کرے گا
تو ناز و غرور کے ساتھ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا — ہاں اسوقت ممکن ہے جب تو اس راہ کو سرِ نیاز سے طے کرے
اگر وہ تجھے ناز کی بنا پر اپنے حضور سے نکالے — تو مت جا کہ آخر کار تیرے نیاز کی بدولت وہ تجھے بار یاب کریگا

بندگی کے طفیل میں تو تختِ سلطان پر بیٹھ سکتا ہے
بشرطیکہ تو محمود (محبوب) کی خدمت ایاز (غلام) کی طرح کرے

مرا ای ساقی وحدت بدادی جرعهٔ ازاں می
کہ ہردم از ہیا ہویش برآید از دلم ہی ہی

نگوای خم چہ میجوشی چو می دروی تو میریزی
مگو ای نی چہ مینالی چو ہم خود میدمی دردی

چہ بادست ایں نمیدانم کہ جام دل بیکجرعہ
چناں از زنگ صافی شد کہ دیدم

بدیدم دلبری چوں مہ شدم از حسن او والہ
مرا در بر کشید آنگہ کہ از من ... میجہی تا کی

مقاماتی بدیدم من حکایاتی شنیدم من
بحالاتی رسیدم من کہ کس آنجا نبردہ پی

زعقل خود بروں رفتم ببازار جنوں رفتم
بمیخانہ دروں رفتم بدیدم خمہا پر می

رواں یک جرعہ پر کردم بیاد لعل او خوردم
فنا از خویش بستردم بقائی یافتم زاں می

نہ عصیاں ماند و نی طاعت شدم محو اندراں ساعت
چناں گشتم دراں حالت کہ وی من گشت من ہم وی

معینی بس کن ایں دعوی کہ در دیوان آں مولیٰ
ہنوز از دفتر معنی نکردی یک ورق را طی

گہی کہ از رخ تاباں نقاب زلف کشای
زعاشقاں بنگاہی ہزار دل بربای

بیا زبادہ بروں ورنہ جملہ پردہ برافگن
کہ نیست سوختگاں را دگر شکیب جدای

چگونہ صبر تواں کرد در فراق جمالت
کہ ہر زماں بدلم صد ہزار بار درای

بیک حجاب کہ برداشتی دلم بربودی
جہاں نماند و جاں ہم اگر جمال نمای

دلا بمجلس مستان درآ و خاک شو آنجا
کہ جرعۂ بتو ریزند از شراب خدای

چو جرعہ خواری مستان حق نصیب تو آید
زہر حجاب کہ باشد تمام خود بدرای

بہ نیم جرعہ ز دل بر زند ہزار انا الحق
خموش باش معینی نگر بخود تو کجائی

دلا چو محرم آں دلبر یگانہ توئی
قضا چو تیر بلا میزند نشانہ توئی

دگر فروز دکانوں عشق آتش شوق
شرارہ کہ بریزد ازاں زبانہ توئی

تنم چو دائرہ و نقطہ درمیانہ دلم
دلم چو دائرہ و نقطہ درمیانہ توئی

بگفتم از چہ بہانہ تو در حجابی گفت
وجود تست حجاب من و بہانہ توئی

ہمای عشق بدام حدوث کی گنجد
چو مرغ خانگی در قید آب و دانہ توئی

اے ساقیِ وحدت تونے مجھے اس شراب کا گھونٹ پلایا ہے
کہ اسکی ہیبا ہوسے ہر لحظہ میرا دل ہے ہے پکار رہا ہے

جب تو ہی خُم میں شراب ڈال رہا ہے تو خم کو جوش سے منع کر
نے کے نالے ہی تیری ہی وجہ سے ہیں پھر اسکو ملامت کیسی ؟

مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسی شراب ہے کہ دل کا جام ایک جُرعہ سے
زنگ سے اس طرح پاک ہوگیا کہ دوست کی جلوہ گری ہونے لگی

ماہ جیسے ایک محبوب کو میں نے دیکھا اور اسکے حُسن پر فریفتہ ہوگیا
اسنے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا یہ کہکر کہ کبتک تو گریز کرے گا

میں نے بہت سے مقامات دیکھے اور بہت سی حکایات سنیں
اور میں اُن حالات پر پہنچ گیا کہ وہانتک کوئی نہ پہنچ سکا

میں عقل سے بیگانہ ہو کر بازارِ جنوں میں پہنچ گیا
اور میخانے میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ خُم کے خُم شراب سے پُر ہیں

اس کے لبِ لعلیں کی یاد میں ایک ہی گھونٹ سے جان
چھک گئی، میں نے فنا ہو کر اپنی بقا حاصل کرلی

پھر نہ عصیاں رہے نہ طاعت رہی، میں اسکی ذات میں محو ہو کر
ایسا بن گیا کہ وہ میں ہوگیا اور میں وہ بن گیا

اے معینؔ اس دعویٰ کو ختم کر کہ اس مولیٰ کے دیوان میں
ابھی تو میں نے معرفت کا ایک ورق بھی نہیں پڑھا ہے

اے دوست جب تو اپنے رُخِ تاباں سے نقاب اُلٹتا ہے
تو عاشقوں کے ہزاروں دل ایک نگاہ میں چھین لیتا ہے

اے دوست حجاب ختم کر اور تو اپنا نقاب اُلٹ دے
کہ ہم دل سوختہ اب اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتے

تیرے فراقِ جمال میں کس طرح اب صبر کیا جائے
کہ ہر لحظہ میرے دل پر تو ہزاروں بار ڈال رہا ہے

ایک بار ہی بے پردہ ہو کر تو نے میرے دل کو چھین لیا
اگر کہیں تو اپنا جمال دکھائے تو جان و جہان دونوں ختم ہو جائیں

اے دل مستوں کی محفل میں آ اور خاک بن جا
تاکہ تیرے جام میں شرابِ الٰہی کا ایک قطرہ ڈال دیں

جب مستانِ حق کی جُرعہ خواری تیرے حصّہ میں آئے گی
تو اس وقت تیرے تمام حجاب اُٹھ جائیں گے

اے معینؔ نیم جُرعہ پی کر ہزار بار انا الحق پکار اُٹھے
خاموش ہو جاؤ دیکھو تو تم کہاں پہنچ گئے ہو

اے دل جبکہ تو ہی اس محبوب یگانہ کا محرم ہے
اس لئے قضا کا ہر تیر تیرے ہی اوپر آ رہا ہے

اب شوخ کی آگ پھر عشق کی بھٹی کو جلا ڈالے گی
کہ اس سے جو شرارہ نکل رہا ہے اے دوست تو ہی ہے

میرا جسم دائرہ کی طرح ہے اور میرا دل نقطہ کی مانند ہے
اور میرے اس دل میں دائرے اور نقطہ کی طرح تو موجود ہے

میں نے اس دوست سے کہا کہ صبح سے تو پردے میں ہے
اس نے کہا کہ تیرا وجود حجاب ہے اور بہانہ تیری ذات ہے

عشق کا ہما حوادث کے دام میں کب پھنس سکتا ہے
کہ پالتو مرغ کی طرح تو آب و دانہ کی قید میں ہے

چو حلقہ منتظری بر در د نمیدانی	تو حلقۂ زنجیر در کی طرح منتظر ہے اور تجھے نہیں معلوم
کہ طالب خودی در درون خانہ توئی	کہ تو معذور ہی اپنا طالب ہے اور خود ہی تو میرے گھر کے اندر ہے
معین بر آئی بمنبر بگوی نکتۂ عشق	اے معین منبر پر آ اور رموز عشق بیان کر
کہ بلبل چمن عشق در زمانہ توئی	کہ اس زمانہ میں چمن عشق کا بلبل صرف تو ہی ہے

دیوانِ غزلیات حضور غریب نواز قدس سرہ العزیز

تمام شد

کتابیات

(اردو)

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف یا مؤلف
۱	ہشت بہشت ملفوظات خواجگان چشت اہل بہشت (حصہ اوّل و دوم)	ترجمہ بتوسط محمد عبدالاحد مطبع مجتبائی دہلی
۲	مکتوبات خواجہ معین الدین چشتیؒ	ترجمہ سید منظور حسن رضوی
۳	مصباح العاشقین (ترجمہ مفتاح العاشقین)	حضرت شیخ محب اللہ
۴	اسرار الواصلین	احمد اختر شاہ
۵	مسالک السالکین (جلد دوم)	مولوی مرزا محمد عبدالستار بیگ سہسرامی
۶	تذکرۃ الواصلین	خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری بسمل (بدایونی)
۷	تذکرۃ الاولیا (اردو ترجمہ)	حضرت شیخ محمد فریدالدین عطارؒ
۸	نفحات الانس (اردو ترجمہ)	مولٰینا عبدالرحمٰن جامیؒ
۹	لطائف اشرفی حصہ اوّل و دوم (اردو ترجمہ)	حضرت شیخ نظام یمنیؒ
۱۰	سفینۃ الاولیا (اردو ترجمہ)	شہزادہ محمد داراشکوہ
۱۱	واقعات الصالحین	سید زاہد رضوی
۱۲	اخبار الصالحین (حصہ اوّل)	مولوی محمد معشوق حسین خاں بی، اے
۱۳	مناقب الحبیب	خواجہ محمد نجم الدین چشتی نظامیؒ
۱۴	گلدستہ خیر تاریخ خواجۂ اجمیرؒ (احسن السیر)	محمد اکبر جہاں شگفتہ
۱۵	نثارِ خواجہؒ	مولانا معین الدین اجمیری
۱۶	تاریخ مشائخ چشتؒ	پروفیسر خلیق احمد نظامی
۱۷	معین الارواح	محمد خادم حسین زبیری
۱۸	معین العارفین	محمد خادم حسین زبیری

۱۹	ہمارے خواجہؒ	مولانا عبدالباری معنیٰ اجمیری
۲۰	کفرستان ہند کے تین ولیؒ	مولانا شریف احمد مراد
۲۱	محفل خواجہؒ	منشی غلام احمد خاں اجمیری
۲۲	عطائے رسول	قاری سید عبدالرحمٰن عراقی
۲۳	خواجہ معین الدین چشتیؒ	مولانا عبدالحلیم شررؔ
۲۴	معین الہند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
۲۵	سیرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	مولانا محمد داؤد فاروقی نقشبندی
۲۶	تذکرۃ حضرت خواجہ اجمیریؒ	طالب ہاشمی
۲۷	خواجہ غریب نوازؒ	ادارۂ تصنیف وتالیف کتاب منزل لاہور
۲۸	سوانح حیات خواجہ معین الدین چشتیؒ	الحاج محمد اجمل خاں ایم، اے
۲۹	آفتاب ہند خواجہ معین الدین چشتیؒ	مصطفےٰ احسین منظر جلیسری
۳۰	سوانح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	عبدالرحمٰن شوق (امرتسری)
۳۱	مہتاب اجمیر غریب نوازؒ	مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی
۳۲	سوانح عمری حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	سید الیاس رضوی
۳۳	جمال خواجہؒ	محمود علی خاں اکبر آبادی
۳۴	سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ	وحید احمد مسعود
۳۵	سرُّ العارفین	شیخ بہاء الدین محمود ناگوری چشتیؒ
۳۶	بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم، اے
۳۷	مخزالواصلین	غلام احمد شوق
۳۸	غنیۃ الطالبین (اُردو ترجمہ)	امام العارفین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
۳۹	عوارف المعارف (اردو ترجمہ)	شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد السہروردیؒ
۴۰	کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام حضرت محمد بن محمد الغزالی الطوسیؒ
۴۱	احیاء العلوم الدین	
۴۲	منہاج العابدین (ترجمہ سراج السالکین)	" " "
۴۳	المنقذ من الضلال (اردو ترجمہ)	" " "

٤٤	کشف المحجوب (اردو ترجمہ)	حضرت شیخ ابوالحسن علی الہجویری "الموسوم بہ داتا گنج بخش"
٤٥	تفریح الخاطر فی مناقب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (اردو ترجمہ)	شیخ عبدالقادر القادری بن محی الدین الاربلیؒ
٤٦	جواہر العشاق شرح رسالہ غوث الاعظمؒ (اردو ترجمہ)	حضرت خواجہ محمد حسین الحسنی بندہ نوازؒ گیسودراز
٤٧	الصراط السوی (ترجمہ عقائد تورپشتیؒ)	علامہ شہاب الدین تورپشتیؒ
٤٨	فتوحات مکیہ (اردو ترجمہ)	شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی العربیؒ
٤٩	فصوص الحکم (اردو ترجمہ)	〃 〃
٥٠	البرہان المؤید (اردو ترجمہ البنیان المشید)	حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی الحسینیؒ
٥١	مدارج النبوت (اردو ترجمہ)	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
٥٢	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مکمل)	شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ
٥٣	سیرت الرسولؐ (ترجمہ)	محمد حسین ھیکل (ترجمہ)
٥٤	سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم	محمد نور بخش توکلی
٥٥	رحمت اللعلمین (مکمل)	علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
٥٦	محسن اعظم اور محسنین	فقیر سید وحید الدین
٥٧	معراج المعرفت	فقیر محمد روشن علی شاہ قادری چشتی بریلوی
٥٨	سرور عالمؐ (جگت گرو)	مولانا صدیق دیندار چن بسویشور
٥٩	حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	ملا واحدی دہلوی
٦٠	انوار رسولؐ	الحاج، سی، ایم عبدالغفار خاں
٦١	فتوح البلدان (جزو دوم، اردو ترجمہ)	احمد بن یحییٰ بن جابرؒ الشہیر بالبلاذری
٦٢	طبقات کبیر جزو خامس حصہ اول (اردو ترجمہ)	محمد بن سعد کاتب الواقدیؒ
٦٣	تاریخ طبری (اردو ترجمہ)	ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری
٦٤	تاریخ ابن خلقان جلد اول (اردو ترجمہ)	
٦٥	مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ)	علامہ عبدالرحمٰن خلدون المغربیؒ
٦٦	تاریخ ابن خلدون (العرب قبل الاسلام و عہد رسالت)	اردو ترجمہ 〃 〃
٦٧	تاریخ فرشتہ (حصہ اول، دوم، سوم و چہارم - اردو ترجمہ)	محمد قاسم ہندو شاہ استر آبادی
٦٨	تاریخ گجرات	شاہ ابوتراب ولی

٦٩	سرور الصدور	ملفوظات حضرت حمید الدین ناگوریؒ
٧٠	تاریخ اسلام (حصہ اول، دوم، سوم و چہارم)	شاہ معین الدین ندوی
٧١	جامع التواریخ	قاضی فقیر محمد
٧٢	سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	پروفیسر خلیق احمد نظامی
٧٣	عرب و ہند کے تعلقات	مولینا سید سلیمان ندوی
٧٤	تاریخ اقوام عالم	مرتضیٰ احمد خاں
٧٥	تاریخ صحف سماوی	پروفیسر سید نواب علی
٧٦	مسلم ثقافت ہندوستان میں	عبدالمجید سالک
٧٧	تاریخ معصومی (سندھ) اردو ترجمہ	سید محمد معصوم بھکریؒ
٧٨	اسلامی تہذیب کیا ہے	غلام دستگیر رشید ایم، اے
٧٩	عہدِ قدیم (مشرق و مغرب)	سید سراج الاسلام ایم، اے
٨٠	تاریخ ملل قدیمہ (مصنفہ نیو بیس)	مترجمہ سید محمود اعظم فہمی
٨١	سفرنامہ ابن بطوطہ	مترجمہ عطاء الرحمٰن
٨٢	مذاہب عالم	احمد عبداللہ المسدوسی
٨٣	اکمل التواریخ	مولوی محمد یعقوب ضیا القادری بدایونی
٨٤	تاریخ سندھ (حصہ اول)	مولٰنا سید ابوظفر ندوی
٨٥	کتاب الہند (اردو ترجمہ)	ابوریحان البیرونی
٨٦	وادی سندھ کی تہذیب	محمد ادریس صدیقی
٨٧	قسطنطین اعظم (اردو ترجمہ)	جان بی، فرتھ، اسکوائر
٨٨	توزک جہانگیری	بادشاہ نورالدین (سلیم) محمد جہانگیر
٨٩	آب کوثر	ڈاکٹر شیخ محمد اکرم
٩٠	جوئے کوثر	پروفیسر یوسف سلیم چشتی
٩١	اسلامی تصوف اور اقبال	ڈاکٹر ابو سعید نورالدین
٩٢	آئینہ معرفت	سید اعجاز حسین اعجاز ایم، اے
٩٣	دین اور اُس کی حقیقت	محمد عبدالجبار خیری

۹۴	تصوف اور اردو شاعری	پروفیسر سید صفی حیدر دانش بریلوی
۹۵	خواجہ غریب نوازؒ	شبیر حسن چشتی نظامی
۹۶	حدیقۃ الاولیا (اردو ترجمہ)	مولانا غلام سرور
۹۷	انوار خواجہؒ	سید ظفر حسن آزاد
۹۸	اخبار الاخیار (اردو ترجمہ)	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
۹۹	اصح السیر	مولانا عبدالرؤف قادری داناپوریؒ
۱۰۰	مخزن تصوف	مولوی عبدالرحمٰن حیا بدایونی
۱۰۱	سعادت الکونین فی فضائل الحسنینؓ	مترجمہ مولوی محمد رحیم بخش
۱۰۲	سیرت نظامیؒ	مولانا سید یٰسین علی نظامی
۱۰۳	فوائد حضرت بندہ نوازؒ	مرتبہ معشوق حسین خاں سلطانی
۱۰۴	نورٌ علیٰ نور	مرتبہ شارق ایرانی
۱۰۵	مکتوبات (حصہ دوم) (اردو ترجمہ)	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
۱۰۶	عہدۂ تولیت درگاہ غریب نوازؒ	مرزا عبدالقادر بیگ ایم اے ایل ایل بی
۱۰۷	حیات گنج شکرؒ	مرزا محمد اکرم انصاری
۱۰۸	اسلام کی زندہ تحریک چشتیت	عبدالغفور غوری
۱۰۹	نظامی بنسری	حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی
۱۱۰	تفسیر بیان الفرقان (اردو ترجمہ)	علامہ فرید وجدی
۱۱۱	تاریخ القرآن	عبدالصمد صارم الازہری
۱۱۲	انوار اولیا (کامل)	سید رئیس احمد جعفری
۱۱۳	مقدمہ تفسیر القرآن	مرزا حیرت دہلوی
۱۱۴	تذکرۃ الموتیٰ والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۱۱۵	منتخب التواریخ (اردو ترجمہ)	ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی
۱۱۶	راحۃ القلوب	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
۱۱۷	القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (اردو ترجمہ)	حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ
۱۱۸	تحفۃ العاشقین	شاہ عبدالصمد

۱۱۹ اُم الکتاب — مولانا ابوالکلام آزاد

۱۲۰ منصب رسالت — سید ابوالاعلیٰ مودودی

۱۲۱ اسرار تصوف لاہور — ماہنامہ، ماہ فروری ۱۹۲۵ء تا ماہ جنوری ۱۹۲۶ء

۱۲۲ ماہ نو کراچی (سیرت رسولؐ) — ماہ نامہ جولائی و اگست ۱۹۶۳ء

۱۲۳ معین غریب نوازؒ نمبر — ماہ نامہ جنوری ۱۹۵۸ء

۱۲۴ معین — ماہنامہ جنوری ۱۹۵۷ء تا دسمبر ۱۹۵۷ء

۱۲۵ سراجُ الفقرا (رسالہ) — سید امام الدین احمد بن مولانا سید عبداللہ الحسینی القادری

۱۲۶ تاریخ تصوف اسلام — رئیس احمد جعفری

۱۲۷ تصوف اسلام — عبدالماجد

۱۲۸ الکامل فی التاریخ (اردو ترجمہ) — ابن الاثیر

۱۲۹ تاریخ الاُمّت (مکمل) — محمد اسلم جیراجپوری

۱۳۰ انسائیکلوپیڈیا یا تاریخ عالم — ولیم ایل لنگر (ترجمہ و تہذیب غلام رسول مہر)

۱۳۱ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ — ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

فارسی

۱ انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونیؒ) مرتبہ سیدنا حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتیؒ

۲ دلیل العارفین (ملفوظات حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ) مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۳ فوائد السالکین (ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) مرتبہ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر اجودھنیؒ

۴ راحت القلوب (ملفوظات حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر مسعود اجودھنیؒ) مرتبہ حضرت خواجہ محمد نظام الدین بدایونیؒ (محبوب الٰہی)

۵ اسرار الاولیا (ملفوظات حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر مسعود اجودھنیؒ) مرتبہ حضرت خواجہ بدرالدین اسحٰقؒ

۶ فوائد الفواد (ملفوظات حضرت خواجہ محمد نظام الدین بدایونیؒ) مرتبہ میر حسن علا سنجری المعروف حسن دہلویؒ

۷ نفحات الانس — حضرت مولٰنا عبدالرحمٰن جامیؒ

۸ تاریخ فرشتہ (جلد دوم) — محمد قاسم ہندو شاہ استرآبادی

۹ عوارف المعارف — حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد السہروردیؒ

۱۰ تذکرۃ الاولیا — حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ

۱۱ سیر الاولیا — مولانا سید مبارک العلوی الکرمانیؒ (المدعو بامیر خوردؒ)

۱۲	سیر العارفین	درویش حامد بن فضل اللہ جمالی
۱۳	سیر الاقطاب	مولانا الہدیہ بن شیخ عبدالرحیم بن حکیم بینا چشتی العثمانی
۱۴	سفینۃ الاولیاء	شاہزادہ محمد داراشکوہ
۱۵	مونس الارواح	شاہزادی جہاں آراء بیگم بنت شاہجہاں
۱۶	گنج اسرار	خواجہ معین حسن چشتیؒ (غریب نواز)
۱۷	مراۃ الاسرار	حضرت شیخ عبدالرحمن چشتیؒ
۱۸	جواہر فریدی	حضرت مولوی محمد علی اصغر چشتیؒ
۱۹	اخبار الاخیار فی اسرار الابرار	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
۲۰	لطائف الغرائب	حضرت خواجہ بندہ نواز میر سید محمد گیسو درازؒ
۲۱	کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام مقتدائے انام امام محمد الغزالیؒ
۲۲	منہاج العابدین	" " " "
۲۳	بحر الانساب	حضرت سید محمد بن جعفر مکیؒ
۲۴	پنج گنج	حضرت مولانا سید شاہ فاضل بیابانیؒ
۲۵	رسالۂ نور وحدت	حضرت خواجہ عبید اللہ خورد خلف حضرت خواجہ باقی باللہ
۲۶	تحفۂ اثنا عشریہ	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
۲۷	تزک جہانگیری	بادشاہ نورالدین (سلیم) محمد جہانگیر
۲۸	مجمع النفائس	سراج الدین خاں آرزو
۲۹	فیہ ما فیہ	حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ
۳۰	مقالات امام ربانیؒ	محمد حسن مجددیؒ
۳۱	اکبر نامہ جلد دوم	شیخ ابوالفضل مبارکی علامی
۳۲	آئین اکبری	" "
۳۳	سیر المتاخرین	نواب میر غلام حسین خاں
۳۴	معین الاولیا	قاضی سید امام الدین حسن
۳۵	وقائع شاہ معین الدین چشتیؒ	منشی بابو لال
۳۶	چچ نامہ	محمد علی بن حامد بن ابوبکر کوفی

۳۷	نقشِ پارسی براحجارِ ہند	علی اصغر حکمت
۳۸	روضۃ الصفا	محمد ابن خاوند شاہ (میر خواند)
۳۹	منتخب التواریخ	ملاّ عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی
۴۰	سرّ العارفین	حضرت شیخ بہاء الدین محمود ناگوری
۴۱	خزینۃ الاصفیا (جلد اوّل و دوم)	غلام سرور اسدی
۴۲	راحت الصدور	علامہ راوندی
۴۳	گنجینہ سروری	غلام سرور اسدی
۴۴	تاریخ حبیب السیر	غیاث الدین بن ہمام الدین الحسینی المدعو بہ خواند میر
۴۵	مجالس العشاق	ابوالغازی سلطان حسین شاہ ہرات نبیرۂ امیر تیمور گورگاں
۴۶	آتشکدہ (آذر)	حاجی لطف علی بیگ آذر (ایرانی)
۴۷	خزانۂ عامرہ	آزاد بلگرامی
۴۸	شمع انجمن (تذکرہ)	مولوی صدیق علی خاں
۴۹	تذکرۃ الشعراء	دولت شاہ سمرقندی
۵۰	مجمع الفصحا	رضا قلی خاں ہدایت
۵۱	تحفۂ سامی	شاہزادہ سام میرزا ابن شاہ اسماعیل صفوی
۵۲	فتوح السلاطین	عبدالمالک عصامی
۵۳	رشحات	علی بن ملا حسین واعظ کاشفی المشتہر بہ صفی
۵۴	خیر المجالس	حمید قلندر
۵۵	تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین برنی
۵۶	روضۃ الاحباب	امیر عطاء اللہ بن فضل اللہ جمال الحسینی
۵۷	افضل الفوائد	مرتبہ حضرت امیر خسروؒ
۵۸	معارج النبوۃ (کامل) فی مدارجُ الفتوہ	ملاّ معین ہروی (کاشفی)
۶۹	دیوانِ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	نول کشور پریس لکھنؤ
۷۰	فیصلہ وحدت الوجود والشہود	حضرت شاہ ولی اللہؒ

انگریزی

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف یا مؤلف
۱	دی ہولی بائیوگرافی آف حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ	مرزا وحید الدین بیگ
۲	لٹریری ہسٹری آف پرشیا (جلد سوم)	(ڈاکٹر) ایڈورڈ، جی، براؤن
۳	دی ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اِٹس اون ہسٹورینس	سر ایچ، ایم، ایلیٹ
۴	دی پریچنگ آف اسلام	پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ
۵	اجمیر ہسٹاریکل اینڈ ڈسکرپٹیو	ہربلاس سارڈا، بی۔اے، ایف، آر، ایس، ایل
۶	انفلوئنس آف اسلام آن ہندو کلچر	ڈاکٹر تاراچند
۷	ہسٹری آف انڈین فلاسفی	داس گپتا
۸	محمڈن ڈائینسٹیز	اسٹینلے لین پول
۹	اینشینٹ انڈیا اینڈ انڈین سویلائزیشن	پال میسن اورسیل
۱۰	انڈین اسلام (اے ریلیجیس ہسٹری آف اسلام ان انڈیا) ۔	مرے ٹی ٹائی ٹس
۱۱	فتوح الغیب (انگریزی ترجمہ)	غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانی
۱۲	دی اسپرٹ آف اسلام	سید امیر علی
۱۳	رین آف ریلیجین اِن کنٹمپریری فلاسفی	سر رادھا کرشنن
۱۴	دی اسٹوری آف سیویلائزیشن جلد چہارم (دی ایج آف فیتھ)	وِل ڈورنٹ
۱۵	رپورٹ آف درگاہ خواجہ صاحبؒ کمیٹی آف انکوئری	غلام حسین کمیشن آف ۱۹۴۹ء
۱۶	سنالیسس آف دی ججمنٹ آف دی سپریم کورٹ آف انڈیا کیس نمبر ۲۷۷/۱۹۶۱ (درگاہ کمیٹی درسیز سید حسن علی اینڈ ادرس)	مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء
۱۷	گزیٹیر آف اجمیر	مسٹر جے، ڈی لٹوچا

اظہارِ تشکر

لمعاتِ خواجہ غریب نوازؒ قدس سرہ العزیز کی تصنیف و تالیف

[illegible] ہمارا ہاتھ بٹایا اور ہم سے تعاون فرمایا ہم ان کے ممنون ہے

[illegible] الدین صاحب بی اے جبلپوری کا شکریہ ادا کرنا ضروری

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر مخلص گرامی جناب عبدالوحید خانصاحب اجمیری کا شکریہ ادا نہ کیا جائے

کہ لمعاتِ خواجہؒ کی کتابت میں آپ کے تعاون نے ہماری بہت سی دشواریوں کو

دور کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان احباب و مخلصین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔
(آمین)

"مؤلفین"